History of the English People. Vol. IV.

by

J. R. GREEN.

تاریخ اهل انگلستان جلد چہارم

ترجمه

قاضی تلمذ حسین ، ایم ۔ اے ۔

نصابیات سلسلۂ علمیہ جامعہ عثمانیہ

تاریخ اہل انگلستان

جلد چہارم

یعنی

جان رچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ

قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ

جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۳۹ھ — سنہ ۱۳۳۰ف — سنہ ۱۹۲۱ء

مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

باب نہم

		از صفحہ	تا صفحہ
	انقلاب	۱	۳۲۹

باب دہم

	انگلستان جدید	۳۳۰	۶۰۸

انگلستان و انقلاب

{اسناد۔ معاشرتی تغیرات کے لئے پیپس اور ایولن کے تذکرے، ویچرلی اور ایتھرج کے ڈرامے اور لارڈ میکالے کا مضمون "ڈراما نویسان عہد رجعت" دیکھنا چاہیے۔ انگریزی سائنس کی ابتدائی تاریخ کے لئے ہیلم کی "ادبی تاریخ" جلد ۴ (Literary History Vol IV) اور رائل سوسائٹی کی تاریخیں، مرتبہ ٹامسن یا ویڈ اور نیوٹن کی سوانح عمری مصنفہ سر ڈی بروسٹر، دیکھنا چاہیے۔ سر ڈبلیو مولسورتھ نے ہابس کی تصانیف کو ترتیب دیا ہے وہ بھی قابل قدر ہیں}۔

انگلستان جدید

چارلس دوم کے وہائٹ ہال میں داخل ہونے کے وقت سے انگریزی قوم کی طبیعت میں ایک گہرا اور دیرپا تغیر نظر آتا ہے اور اسی وقت سے انگلستان جدید کی ابتدا ہوتی ہے۔ انگلستان کی تاریخ پر اب تک جن امور کا

اثر پڑ رہا تھا وہ سب یک بیک لوگوں کے دلوں سے زائل ہو گئے تھے۔ زمانہ اصلاح، کا سیاسی اثر شاہی جدید کا شاہانہ اثر، ازمنہ وسطیٰ کا جاگیر دارانہ اثر اور اس سے بھی قدیم تر رسم و رواج کا اثر، سب ایک سرے سے بیکار ہو گئے تھے۔ رجعت شاہی کے بعد ہی انگلستان ان عظیم الشان خیالات و عملیات و واقعات کی رو میں آگیا جو برابر وسیع تر و عمیق تر ہوتے جارہے تھے۔ اس زمانے کا انگلستان بالکل موجودہ زمانے کا انگلستان معلوم ہوتا ہے۔ اس کی قوت عمل تمام تر صنعت و حرفت و سائنس کی جانب مصروف ہوگئی تھی، آزادی عامہ اور قانون سے اسے الفت تھی۔ معاشرتی معدلت و مساوات کی جانب اس کے قدم برابر آگے بڑھتے جارہے تھے اور ہر قسم کے مذہبی، علمی، سیاسی رسم و رواج کو وہ خالص تعقل کے معیار پر پرکھنے کی طرف مائل ہوتا جاتا تھا۔ خاص خاص امور کے متعلق اس زمانے کے لوگوں اور رجعت شاہی کے قبل والے لوگوں کے خیالات میں بعد المشرقین نظر آتا ہے۔ موجودہ زمانے کے ایک عالم سیاسیات کے لئے سخت مشکل ہے کہ وہ کسی سیاسی مسئلہ پر لارڈ برلے یا اولیور کرامویل کے ساتھ موافق ہو کر بحث کرسکے۔ سیاسی زندگی اور قومی بہبودی کے خیالات، حکومت کی بنا و اغراض اقتصادی و معاشرتی مسائل کے مباحث میں اسے ایک مبحث بھی ایسا نہ ملے گا جس میں اس کے خیالات ان لوگوں کے خیالات سے متفق ہوسکیں۔

لیکن رجعت شاہی کے بعد کے لوگوں اور اس زمانے کے لوگوں کے خیالات میں کوئی ایسا معتد بہ فرق نہیں پایا جاتا۔ عملی نتایج کے متعلق جو کچھ بھی اختلافات رہے ہوں، مگر اُس زمانے سے لیکر اس وقت تک انگلستان کی سیاسی، معاشرتی، علمی و مذہبی زندگی کی اصل بنا کے متعلق ایک معقول حد تک اتحاد خیال قائم رہا ہے۔ پیلی کو ٹلٹسن کے مطالب کے سمجھنے میں کچھ دقت محسوس نہیں ہوسکتی، نیوٹن اور سر ہمفری ڈیوی کے بیان و مفہوم میں ایسا فرق نہیں ہے کہ ان کا رابطہ دشوار ہو۔ جان لاک اور جیریمی بنتھم اگر حکومت و قانون کے متعلق باہم گفتگو کرتے تو کوئی امر اس کا مانع نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک دوسرے کی بحث کو اچھی طرح نہ سمجھ سکتے۔

پیوریٹینوں کا مطمح نظر

قدیم انگلستان سے جدید انگلستان کا نمودار ہوجانا اس قدر تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ دفعتہً ایک تغیر واقع ہوگیا ہے اور رجعت شاہی کے ظاہری حالات اس خیال کو اور قوی کردیتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ پیوریٹنوں کا نصب العین یہ رہا تھا کہ "خدا کی بادشاہت" کو دنیا میں اس طرح قائم کردیا جائے کہ ہر شخص اسے برای العین دیکھ سکے۔ انھوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے شاہان اسٹوارٹ اور شاہان ٹیوڈر کے طرز عمل کو الٹ دیا تھا۔ ہنری ہشتم کے وقت سے چارلس اول کے وقت تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ کلیسا ہی

کے اخلاقی و مذہبی اثر سے سلطنت کے معاشرتی و سیاسی اغراض حاصل ہوتے ہیں، لیکن "دولت عامہ" کے زمانے میں اس کے برعکس یہ خیال پیدا ہوگیا کہ سلطنت اصل ہے اور اسی کے سیاسی و معاشرتی اثر کے وسیلے سے کلیسا کے اخلاقی و مذہبی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں، پیوریٹینوں کے اصول کے موافق انگریز خدا کے برگزیدہ بندے تھے اور اپنے موقر "عہد و میثاق" کے باعث وہ خدا کی خدمت کے لئے وقف تھے اور بہ حیثیت قوم کے انکا کام یہ تھا کہ وہ خدا کی مرضی کو پورا کریں، اس قسم کے کام کے لئے ضرور تھا کہ اربابِ حکومت اور اہلِ قوم دونوں "خدا پرست" ہوں۔ اس لئے سرکاری ملازمت کے لئے زہد و ورع ایک خاص شرط قرار پایا گیا تھا، سپاہ کی ترتیب جدید نے فوج کو "اولیاء اللہ" سے بھر دیا تھا۔ پارلیمنٹ کا حکم تھا کہ "جبتک دارالعوام کو کسی شخص کے تورع کی طرف سے پوری طرح اطمینان نہو گا، اسے کوئی خدمت نہیں دی جائے گی"، جس عہد و میثاق نے قوم کو خدا کے ساتھ وابستہ کیا تھا، اسی عہد و میثاق نے یہ بھی لازم کر دیا تھا کہ قوم اپنے بنائے ہوئے قانون کی بہ نسبت خدا کے قانون کو زیادہ جوش کے ساتھ عمل میں لائے، کتاب مقدس ہمیشہ دارالعوام کی میز پر رکھی رہتی تھی، قسم کھانا، شراب پینا، زنا کرنا، مذہبی قانون کی طرح ملکی قانون کے رو سے بھی ممنوع قرار پاگیا تھا، زناکاری ایک ایسا جرم تھا کہ اس کے لئے پادری ملزم کو بھی

عدالت شاہی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا جن تصویروں کے نقش و نگار سے نئے اخلاقیات کے خلاف تھے ان سب کو جلانے کا حکم دیدیا گیا اور مجسمات کو تراش خراش کر اخلاق کی حد میں لایا گیا، اس عہد و میثاق نے صرف قوم ہی کو نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد کو ایک ایسے خدا کا پابند بنادیا تھا جسے یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کوئی ایسی توہم پرستی نہونے پائے جس سے اس کے مخصوص حق عبادت میں خلل پڑجائے۔ لوگ کسی ایسے لہو و لعب میں مشغول نہوں جس سے ان کی توجہ کامل اسکی طرف سے ہٹ جائے، پیوریٹنوں کی طبیعت میں محض زہد خشک تھا اور انہوں نے انگلستان کی عام دلچسپیوں میں سے نصف کو توہم پرستی کے نام سے مطعون کردیا تھا، عید میلاد کا منانا، اور مکانوں کا سدابہار درختوں اور بیلوں کے پھول پتوں سے سجانا، دیہات میں ناچ کے ستون کے گرد ناچنا، سب توہم پرستی میں داخل تھا۔ یہانتک کہ سنبوسوں کے کھانے کو پوپ پرستی سمجھا جاتا تھا۔ "خوش طبع انگلستان" کے ہنسی مذاق کھیل تماشوں کا اُس انگلستان میں کوئی ذکر ہی نہیں تھا جسے ایک ایسا اہم کام سپرد کیا گیا ہو۔ بیلوں یا بھالوؤں پر کتوں کا چھوڑنا گھڑدوڑ کرانا، مرغ لڑانا دیہاتوں میں ناچ تماشے کرنا، پہلی مئی کو ستونوں کے گرد ناچنا، سب ایک ہی سی سختی کے ساتھ بند کردیئے گئے تھے۔ پیوریٹنوں اور ڈراما نویسوں میں جو کشمکش مدت سے چلی آرہی تھی اس کا خاتمہ اس پر ہوا

کہ تمام تھیٹر فوراً بند کر دیئے گئے۔

رجعت شاہی کے زمانیکی بازگشت

رجعت شاہی نے جب چارلس کو وہائٹ ہال میں پہنچایا تو اس کے ساتھ ہی آناً فاناً تمام انگلستان کچھ سے کچھ ہوگیا۔ پیورٹینوں کے مہلات و ظلم و تعدی کے ساتھ ان کے تمام خیال ۔ شریف ترین و بہترین خیالات بھی قوم کے گرداب نفرت میں پھنسکر دریا برد ہوگئے۔ چونکہ مذہب کو سیاسی و معاشرتی آزادی کا ذریعہ بنا دیا گیا تھا، اسلئے مذہب بھی اس سیاسی و معاشرتی زوال کے ساتھ زائل ہوگیا۔ اب تورع ، ایک حقارت آمیز لفظ بن گیا۔ لباس، و کلام، عادات و اطوار میں خود داری کو نفرت انگیز پیورٹینی کی علامت سمجھا جانے لگا

۱۶۶۲ ۱۶۶۸

بٹلر نے اپنی کتاب ہوڈیبراس (Hudibars) میں گزشتہ حالات کا خوب ہی مضحکہ اُڑایا ہے، مگر پیورٹینی کی طرف سے عام نفرت اس مزاح سے زیادہ اس کتاب کے مقبولیت کا باعث ہوئی۔ ایک شاہ پرست نے محض مزاحاً پیورٹینوں کے الفاظ اور انہیں کے انداز میں اسقف اعظم شلڈن کے ایوان واقع لیمبتھ میں ایک وعظ کہا اور خود اسقف اعظم نے اسے سُنا۔ ادنی ادنی باتوں پر دو دو آدمیوں کا لڑنا اور بیہودہ بکنا، شرافت کی خاص نشانی سمجھی جاتی تھی اور بڑے بڑے مقدس اہل مذہب ان ایمانداروں، کی حماقتوں سے چشم پوشی کرتے تھے جو سارا سارا دن لڑنے جھگڑنے، جوا کھیلنے، قسم کھانے، شراب پینے، اور عیاشی کرنے میں گزار دیتے اور

رات کے وقت کسی نالی کے کنارے پڑ رہتے تھے۔طرحدار لوگوں کی زندگی بیہزہ سرائی اور نائے و نوش میں گزرتی تھی اس زمانے کے ایک افسانہ مضحک میں درباریوں کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "وہ لباس اچھا پہنتے ہوں، ناچتے خوب ہوں، شمشیر بازی میں مشاق ہوں، عشقیہ خطوط لکھنے کا سلیقہ رکھتے ہوں، ان کی آواز دل لبھانے والی ہو، طبیعت میں عشق ومحبت کا ذوق اور نفاست پسندی موجود ہو مگر ضرورت سے زیادہ راسخ الخیال نہوں"، رجعت شاہی کے بعد کی ہزلیات نے ان اوصاف میں بےشرمی وستم شعاری کو طرہ کردیا کہ اس وقت ان باتوں کا کسی طرح یقین بھی نہیں آتا۔ لارڈ روچسٹر ایک طرحدار شاعر تھا، اس نے اپنی بعض نظموں کے عنوان ایسے قائم کئے ہیں کہ اس زمانے میں کسی کی قلم سے ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے۔ سر چارلس سڈنی ایک شوخ طبع ظریف تھا مگر اس کے الفاظ ایسے گندے ہوتے تھے کہ ایک بار اس نے کاونٹ گارڈن کے دربانوں کو مخاطب کرکے کچھ کہنا چاہا تو ان لوگوں نے کھڑکیوں کے اندر سے اس پر کیچڑ مٹی پھینکی۔ ڈیوک بکنگھم اس زمانے کا ایک عمدہ نمونہ ہے اور اس کی زندگی کا سب سے زیادہ خاص واقعہ یہ ہے کہ وہ لیڈی شروسبری کو بھگا لے گیا، اس کے شوہر سے ڈوِل لڑا اور اسے قتل کرکے اپنی اس حرکت کو درست ثابت کردیا۔ لطف یہ ہے کہ جس وقت بکنگھم لڑ رہا تھا خود لیڈی شروسبری ایک لڑکے کے بھیس میں اس کا

گھوڑا لئے ہوئے کھڑی تھی اور اپنے شوہر کے قتل کو دیکھ رہی تھی۔تھیٹر اگرچہ معائب کا مجموعہ بن گیا تھا مگر حقیقت میں وہ عام خرابیوں کا آئینہ بھی تھا۔ زمانہ رجعت میں افسانہائے مسرت میں ہر شئے میں فرانس کی تقلید کی جاتی تھی مگر فرانس کی شاعری، اس کی لطافت اور اس کی خوش مذاقی کو بالکل چھوڑ دیا گیا تھا، حالانکہ یہی وہ چیزیں تھیں جنہوں نے فرانسیسی افسانوں کے عیبوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اغوا، سازش، ستمگاری، بدگوئی، عیاشی ان سب باتوں کو جان بوجھ کر مکالمات میں ایسے بدنما طریق پر ظاہر کیا جاتا تھا کہ کلام کی لطافت و ظرافت کے باوجود بھی ان سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ ویچرلی اس زمانے کا ایک ہردلعزیز ڈراما نویس اور تھیٹر کے لکھنے والوں میں سب سے زیادہ مغلظ لکھنے والا تھا، اس زمانے کی بد اطواری کا ثبوت اس سے زیادہ نہیں مل سکتا کہ اس کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے والے ایکٹر اور ان کی تعریف کرنے والے تماشائی مہیا ہو سکتے تھے۔ ویچرلی ہی کے سے لوگ تھے جنہیں دیکھکر ملٹن نے اپنی بلند پایہ نظم میں شیطان کے ساتھیوں کا یہ نقشہ کھینچا تھا کہ "اس سے زیادہ بدکار کوئی روح آسمان سے نازل نہیں ہوئی، نہ اس سے زیادہ کسی کو فی نفسہ بدکاری سے محبت تھی"۔ یہ ڈراما نویس خود اپنی ستائش کے طور پر کہتا ہے کہ وہ جو کچھ دنیا میں

دیکھتا ہے صاف اور بے لاگ طور پر اس کا خاکہ کھینچ دیتا ہے۔ ہنگامہ آرائی، تاک جھانک، واکسہال کی عیش پرستی، دربانوں سے جنگ و جدل، دروغ گوئی و بد عہدی، مفسدہ پردازی و بیوقوفی، بیٹیوں کے بیچنے اور شوہروں سے دغا کرنے، ان تمام باتوں کو بہت صاف صاف بیان کیا ہے مگر ویچرلی کی یہ بد زبانی اس زمانے کے اور لوگوں سے بڑھی ہوئی نہیں تھی۔ فسق و فجور کی رغبت، پاکبازی سے نفرت، اور پرہیزگاری و ایمانداری سے بدظن ہونے میں خود بادشاہ اپنی تمام رعایا کا پیشرو بنا ہوا تھا۔

ابتدائی تغیر

اس بازگشت عمل و خیال کی وسعت میں مبالغہ کرنا آسان ہے لیکن جہانتک اس وقت کے حالات سے پتہ چلتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عملاً اس کا زور صرف دارالصدر اور دربار تک محدود تھا۔ عام انگریز صرف اتنی بات سے خوش تھے کہ انہیں پہلی مئی کی خوشیاں منانے اور عید میلاد کے روز سبنوسے کھانے کی اجازت مل گئی تھی۔ رعایا کا بہت بڑا حصہ عقائد و معاشرت میں اب بھی پیوریٹنی طرز پر قائم تھا، البتہ پیوریٹنوں کے اکثر ظاہری طریقوں کو اس نے ترک کردیا تھا۔ خیالات کا تغیر بھی ایسا یکایک نہیں ہوا تھا جیسا بظاہر معلوم ہوتا ہے پیوریٹنوں کی سیاسی قوت اگر برقرار بھی رہتی تو بھی یہ لازمی تھا کہ ان کا معاشرتی اثر بہت جلد زائل ہوجاتا

وہ نوعمر جنہوں نے خانہ جنگی کے زمانے میں پرورش پائی تھی، اس سخت ظلم و ستم سے بالکل نا آشنا تھے جس نے ان سے ایک پشت پہلے کے لوگوں میں یہ جوش و خروش پیدا کردیا تھا۔ان کے گرد و پیش جس قسم کی مذہبی و معاشرتی ابتری پھیلی ہوئی تھی، زمانے میں جس زور و شور کے ساتھ مباحثات و مناظرات کا بے پایاں سلسلہ جاری تھا، اس کا اثر ان پر یہ ہوتا تھا کہ ان میں تشکیک و تذبذب اور آزادانہ تحقیقات کا شوق پیدا ہوجاتا مذہبی جوش نے اگر کلیسائی روایات کے طلسم کو توڑ دیا تھا تو خود اسی کے غلو نے جوش مذہبی کے طلسم کو شکست کردیا تھا اور نئی نسل اس جوش سے متنفر ہوکر سیاسی حکومت اور روحانی عقائد کے متعلق معیار عقل کی طرف متوجہ ہوگئی تھی جو نسبتاً زیادہ پر سکون اور زیادہ محفوظ عن الخطا طریقہ تھا۔ پیورٹینی سرگروہوں تک کے لڑکے پیورٹینی طریق سے کنارہ کش ہورہے تھے؛ خود کراموِل اپنے آخر زمانے میں بہت تلخکامی کے ساتھ یہ محسوس کرتا تھا کہ پیورٹینی کا مقصد باطل ہوگیا ہے؛ وہ دیکھتا تھا کہ دیہات کے شرفا اس پرانے کلیسا کے طرف مائل ہوتے جاتے ہیں جس کی انہوں نے خود کسی وقت میں مخالفت کی تھی۔ پیورٹینی طریق سے ان کے دستکش ہونے کا باعث یہ تھا کہ یہ طریق اپنے ساتھ مطلق العنانی کو لگا لایا تھا، اور

ایک قوی تر وجہ یہ بھی تھی کہ اس طریق سے جس مذہبی
آزادی کا اظہار ہوتا تھا وہ ابھی اس قابل نہیں تھے۔ کرامویل
یہ بھی دیکھتا تھا کہ عام لوگوں میں مقاومت کا مادہ سختی
کے ساتھ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ مادی قوت کے زور سے روحانی
نتائج پیدا کرنے میں ہمیشہ ناکامی ہوتی رہی ہے اور اس
وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ عوام الناس کی لاپروائی و تنفّض کے
باعث پیورٹنیں کو شکست ہوگئی۔ یہ لوگ نہ تو قانون کی
خلاف ورزی کرنے والوں میں تھے نہ جوشیلوں کا ساتھ
دیتے تھے۔ وہ اپنی معاشرت کے قدیم روایتی طریقوں کو
قائم رکھنا چاہتے تھے اور اپنی خوش مذاقی و خوش طبعی
کی وجہ سے پیورٹینی کے طریقہ کی اس رائے سے برگشتہ
تھے کہ انسان کی زندگی کو ایک سانچے میں ڈھال دیا جائے
اور بزور قانون جبراً اسے نافذ کیا جائے۔ خود پیورٹینوں کی
زشتی اعمال نے بھی ان کے مذہبی طریق کو شکست دی۔ تورع
جب ایک نفع بخش شئے بنگئی تو پھر ایک "ولی" اور ایک
ریاکار میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔ جو لوگ درحقیقت سچے پیورٹین
تھے ان سے بھی اس آسودگی کے زمانے میں ایک طرح کی
نخوت، دنیاداری اور خود غرضانہ سختی ظاہر ہونے لگی تھی
جو ان کی دار و گیر کے زمانے میں دلوں کے اندر دبی ہوئی
تھی۔ کرامویل کے آخر زمانے کی تقریروں سے ظاہر ہوتا ہے
کہ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین اس کے قدموں کے

نیچے سے نکلتی چلی جارہی ہے۔ اب وہ یہ خواب نہیں دیکھتا تھا کہ تمام انگلستان پیورٹین ہوگیا ہے اور تمام قوم خدا کی فرمانبردار بن گئی ہے۔ وہ اپنی نوجوانی کے زمانے کے جملوں کو پھر استعمال کرنے لگا تھا کہ "اولیاء اللہ" ایک مخصوص فرقہ، اور عام قوم کا ایک جزو برگزیدہ ہے۔ مگر جو اثرات فی الواقع کرامول کی کوششوں کو بیکار کر رہے تھے اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسے نئے انگلستان کی بنا ڈال رہے تھے جسے وہ مایوسی کے ساتھ دیکھتا تھا، ان موثرات کی قوت کا اندازہ کرنا اس کے لئے مشکل تھا۔ خانہ جنگی کے شروع ہونے کے قبل ہی وسیع المشرب (Latitudinarian) اہل مذہب کا ذہنی تحرا۔ ایک چھوٹا سا گروہ گریٹ ٹیو میں لارڈ فاکلینڈ کے گرد جمع ہوگیا تھا۔ جس سال بادشاہ نے اپنا علم شاہی ناٹنگھم میں بلند کیا ہے اسی سال ہابس نے حکومت کے متعلق اپنی پہلی تصنیف شائع کی تھی آخری شاہ پرست نے جس وقت ہتیار ڈالا ہے اس کے بعد ہی آکسفورڈ میں ولکنز کے گرد وہ چھوٹا گروہ جمع ہورہا تھا جو بعد میں رائل سوسائٹی کے نام سے مشہور ہوا۔ علمی مبصرین کے اسی گروہ میں آنے والی نسلوں کے میلان طبیعت کا راز مخفی تھا، مذہب و سیاسیات کے تکلیف دہ مباحث میں اتنے دنوں تک بیکار پریشان ہونے کے بعد انگلستان اپنے گرد وپیش کی طبعی دنیا، اس کے مظاہر قدرت کے مشاہدے اور ان مظاہر قدرت کے اصول و قانون کی

دریافت کی طرف متوجہ ہو چلا تھا۔ علوم طبعی کے مطالعہ کے متعلق ایک عام جوش پیدا ہوگیا تھا، اور اب مشاہدے، مقابلے اور تجربے کی بنا پر تحقیقات کا جو طریقہ قائم ہوا اس نے قدیم طریقوں کو تقویم پارینہ بنا دیا، مذہب میں، سیاسیات میں فطرت و انسان کے مطالعہ میں غرض ہر شے میں مذہب کے بجائے عقل اور رسم و رواج کے بجائے تحقیقات آئندہ زمانے کا شعار قرار پا گئی۔ قدامت کی بساط دفعتًہ لپیٹ دی گئی اور آخرالامر جدید انگلستان نے فرنسس بیکن کی صلائے عام کو سنا اور اسپر کار بند ہوا۔

انگریزی سائنس کی ابتدا۔ بیکن نے اس قسم کی تحقیقات و مطالعہ کے لئے اس سے بہت قبل لوگوں کو بآواز دہل بلایا تھا، مگر انگلستان میں بیکن اپنے زمانے سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا۔ طبیعیات کا شیوع جس سستی و کمزوری کے ساتھ انگلستان میں ہوا ایسا یورپ کے کسی اور ملک میں نہیں ہوا۔ رجعت شاہی کے قبل انگلستان میں صرف دو تحقیقیں ایسی ہوئی تھیں جن کی کچھ وقعت ہوسکتی تھی: ایک تو الزبتھ کے اختتام عہد کے قریب گلبرٹ کی یہ تحقیق کہ اجسام سماوی میں قوت مقناطیس موجود ہے، دوسرے جیمز کے زمانے میں ہاروے کی یہ تحقیق و تعلیم کہ خون جسم میں دورہ کرتا ہے۔ ان چند روشن ناموں کے سوا براعظم کی علمی تحریک میں انگلستان کا حصہ بہت کم نظر آتا ہے۔ خانہ جنگی نے

اس کی تمام طاقت کو مذہب و سیاسیات کے پھیر میں ڈال دیا تھا لیکن جنگ ابھی اختتام کو نہیں پہنچی تھی کہ لندن میں طلبہ کا ایک چھوٹا سا گروہ جمع ہوگیا جو "طبیعیات وغیرہ خاصکر فلسفہ جدید کا شائق تھا، جو فلورنس کے گلیلیو اور انگلستان کے سر فرینسس بیکن (لارڈ ورولم) کے وقت سے اطالیہ فرانس جرمن اور دوسرے ممالک میں بہت کچھ ترقی کرگیا تھا، اور انگلستان میں بھی اس کی اشاعت ہوچلی تھی" درحقیقت اس زمانے کی جنگ و جدل نے لوگوں کی طبیعتوں کو تحقیقات فطرت کی طرف مائل کردیا تھا۔ رائل سوسائٹی کا پہلا مورخ یعنی اسقف اسپریٹ کہتا ہے کہ "ہر وقت کسی نہ کسی مذہبی مسئلہ میں غرق رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس چیز سے لوگ ظاہرا ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں در پردہ اسی کے ہو رہتے ہیں۔ ملکی معاملات اور وطن کی تباہی پر رات دن سوچتے رہنے سے بے ضرورت رنج و غم طاری ہوجاتا ہے اس حالت میں صرف فطرت ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر غور و فکر کرنے سے لطف حاصل ہوسکتا ہے" اس گروہ میں سب سے پیش پیش ڈاکٹر والس اور ڈاکٹر ولکنز تھے، پیورٹین معائنہ کنندوں نے آکسفورڈ کے دارالعوام کو تھوڑے ہی زمانہ قبل ازسرنو ترتیب دیا تھا، اب ان دونوں شخصوں کے وہاں آجانے سے مذکورۂ بالا چھوٹا سا گروہ دو انجمنوں میں منقسم ہوگیا۔ ان دونوں میں زیادہ نمایاں "آکسفورڈ سوسائٹی" تھی جس کے اجلاس ڈاکٹر ولکنز

کے مکان پر ہوا کرتے تھے جو واڈہم کالج کا وارڈن (صدر) ہوگیا تھا۔ اس انجمن میں مشہور ریاضی داں ڈاکٹر وارڈ اور انگلستان کے سب سے پہلے عالم اقتصادیات سر ولیم پٹی کے نام شامل ہیں۔ والس کہتا ہے کہ "سلطنت و مذہب کے معاملات سے ہمیں کچھ سروکار نہ تھا ہم فلسفیانہ تحقیقات اور اس کے متعلقات پر غور و بحث کرتے تھے۔ ہمارے مباحث میں طبعیات تشریح اجسام مساحت، ہیئت، جہاز رانی، سکونیات، مقناطیسیات کیمیا، علم الحیل اور تجربات فطرت سب داخل تھے۔ یہ علوم اس زمانے میں ہمارے ملک اور دوسرے ممالک میں جس طرح شائع و ذائع تھے ہم ان پر بحث کرتے تھے۔ دوران خون، دودھ کی شریانوں کے حالات، عضلات غددویہ، کوپرنیکس کے مفروضات، ومدارستاروں اور نئے سیاروں کی حقیقت، مشتری کے توابع، زحل کی بیضوی شکل، آفتاب کے دھبے اور اس کا اپنے محور پر گردش کرنا، چاند کا گھٹنا بڑھنا اور اس کی ماہیت، زہرہ و عطارد کی مختلف ہیئتیں، دوربین کی ترقی، اس کے لئے شیشوں کا تیار کرنا، ہوا کا وزن، خلا کا ممکن یا محال ہونا، فطرت کا خلا کو ناپسند کرنا، پارے کو نلیوں میں ڈال کر اس کا تجربہ کرنا، ثقیل اجسام کا نیچے گرنا اور ان کی رفتار کا تناسب باہمی، اور ان کے علاوہ فطرت کے اور بھی تمام مسائل میں سے کوئی مسئلہ ہمارے احاطۂ بحث سے خارج نہیں تھا۔"

ارباب تحقیقات کا دوسرا چھوٹا سا گروہ جو لندن میں رائل سوسائٹی

(انجمن شاہی)

رہ گیا تھا وہ رچرڈ کرامویل کے زمانے کی پریشانیوں میں درہم برہم ہوگیا تھا۔ لیکن رجعت شاہی کے بعد آکسفورڈ کے گروہ کے زیادہ ممتاز ارکان کے لندن واپس آجانے سے وہ پھر بحال ہوگیا؛ سائنس کا شوق یک بیک اس زمانے کی وضع میں داخل ہوگیا؛ چارلس خود بہت اچھا کیمیاداں تھا اور جہاز رانی کے مسائل سے اسے خاص دلچسپی تھی۔ ڈیوک بکنگھم اکثر اپنی شعرخوانی، شراب نوشی اور رباب نوازی کو چھوڑ کر کیمیاوی تجربات کے کمرے میں وقت گزار دیتا تھا؛ ڈرائڈن اور کاولے جیسے شاعر سر رابرٹ مرے اور سر کنیلیم ڈگبی کے سے درباری اس علمی مجلس میں شریک ہوگئے تھے۔ جسے بادشاہ نے اپنی اظہار دلچسپی کے طور پر رائل سوسائٹی (انجمن شاہی) کا نام عطا فرمایا تھا خانہ جنگی کے زمانے کی افواج شاہی کا جلیل القدر سردار شہزادہ ریوپرٹ اپنے بڑھاپے میں تصویر کشی کی علمی تحقیقات میں مشغول رہتا تھا اور شیشے کے چند عجیب و غریب کھلونے جو اسی کے نام سے منسوب ہیں اس کی تحقیقات کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ظریف الطبع اور بےفکر اشخاص اس نئی انجمن کے جلسوں میں بڑی کثرت سے جمع ہوتے تھے؛ لارڈ سامرس سے مدبر اس انجمن کے صدر منتخب ہونے کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس انجمن کے پختہ طور پر قائم ہوجانے سے انگلستان کی علمی تحقیقات کے ایک بہت بڑے دور کی ابتدا کا نشان ملتا ہے

۱۶۶۲

اس کے بعد سے ہر نصف صدی کے بعد یہ صاف نظر آتا

ہے کہ معلومات انسانی کی تحقیقات وسعت میں ایک قدم
آگے بڑھ گیا ہے۔ انگلستان کی پہلی رصدگاہ گرینچ میں قائم
ہوئی اور جدید علم ہیئت کی ابتدا انہیں مشاہدات سے ہوئی
جنہوں نے فلیمسٹیڈ کے نام کو غیر فانی بنادیا ہے۔ اسکے
جانشین ہیلی نے مد و جزر، ومدار ستارے اور اجرام سماوی
کی قوت مقناطیسی کی تحقیقات کا کام انجام دیا۔ ہک نے
خوردبین کو ترقی دی اور خوردبین کے ذریعہ سے جو تحقیقات
ہوتی تھی ان میں ایک نئی قوت پیدا کردی۔ بوائل نے
ہوا پمپ کے ذریعہ سے علم ہوا کو ترقی دی اور تجرباتی
کیمیا کا بانی کہلایا۔ ولکنز نے ایک عالمگیر زبان کی تجویز
مرتب کرکے علم السنہ کی پیشروی کی۔ سڈنہم نے فطرت
و واقعات کے باحتیاط مطالعہ کا ایسا طریقہ نکالا کہ ادویات
کی تمام صورت ہی بدل گئی۔ ولس کی تحقیقات علم الاجسام
نے سب سے پہلے دماغ کی ترکیب پر روشنی ڈالی
وڈوارڈ علم معدنیات کا بانی تھا جان رے پہلا شخص تھا جس نے
ولوبی کی کتاب علم الطیور کو مرتب کرکے اور "مچھلیوں کی
تاریخ" لکھکر سب سے پہلے علم الحیوانات کو علم کے درجے
پر پہنچایا۔ اسی نے سب سے پہلے اپنی کتاب "فہرست دواب"
میں جانوروں کی تقسیم علمی کی کوشش کی، جدید
علم نباتات بھی اسی کی "تاریخ اشجار" اور آکسفورڈ کے ایک
پروفسر رابرٹ مارلین کی تحقیقات سے شروع ہوا۔ گریو

اور ماپیگی نے نباتات کے خواص دریافت کرنے میں خاص شہرت حاصل کی۔ یہ تمام نام اگرچہ بجائے خود بہت موقر ہیں مگر آئزک نیوٹن کی درخشانی کے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ نیوٹن، لنکشایر میں بمقام وولس تھارپ اس یادگار سال کی میلاد مسیح کے روز پیدا ہوا تھا، جس سال خانہ جنگی کا آغاز ہوا ہے۔ رجعت شاہی کے سال میں وہ کیمبرج میں داخل ہوا، جہاں آئزک بیرو کی تعلیم نے اس کی ریاضی کی طبعی ذہانت کو اور تیز کردیا اور ڈیکارٹ کے طریقہ نے علوم کے قدیم طریقہ مطالعہ کی رفعت اس کے دل سے زائل کردی۔ کیمبرج کی تعلیم ختم کرکے وہ عظیم الشان طبعی انکشافات میں مشغول ہوگیا۔ تیئیس برس کی عمر میں اس نے تفرق کا نظریہ قائم کرکے سیاروں کی گردش کے حساب لگانے میں آسانی پیدا کردی۔ منشور مثلثی کے تجربات میں اس نے علم النور کے متعلق دریافتیں کیں اور جب وہ کیمبرج میں ریاضی کا پروفیسر ہوا تو اس کے کچھ حالات اپنے لکچروں میں بیان کئے۔ رائل سوسائٹی کے فیلو (رفیق) مقرر ہونے پر اس نے ان تجربات کو اپنے "نظریہ نور" میں مستقلاً مندرج کیا۔ اس نے قانون تجاذب کی تحقیق ۱۶۶۶ء ہی میں کرلی تھی لیکن قطر زمین کے متعلق جو غلط خیال اس وقت عام طور پر پھیلا ہوا تھا اسکی وجہ سے وہ سولہ برس تک اس کے ظاہر کرنے سے رکا رہا۔ اور انقلاب کے قریب تر زمانے میں اس نے اپنی کتاب

۱۶۴۲

۱۶۶۵

پر نسپیا (Principia) شائع کی جس سے دنیا کو عالم کائنات کے متعلق اس کے نئے نظریئے کا علم ہوا۔

۱۶۸۷

لیٹیچوڈیرین (وسیع المشرب)

مذکورۂ بالا مختصر حد کے اندر اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے کہ زمانہ رجعت میں علمی خیالات میں جیسی حیرت انگیز مستعد کاری کا اظہار ہوا اس کی کیفیت سرسری طور پر بیان کردی جائے۔ لیکن اس مستعد کاری نے لوگوں کی طبیعتوں کو تشکیک و تجربہ کی طرف مائل کردیا، اور اس کا اثر دنیا کے ہر ایک کام پر پڑنے لگا۔ خانہ جنگی کے قریب زمانے میں گریٹ ٹیو میں لارڈ فاکلینڈ کے گرد ذی علم اشخاص کا جو گروہ جمع ہوگیا تھا اس نے دینیات کے متعلق آزاد خیالی سے کام لیکر ایک وسیع المشرب مذہب قائم کردیا جس میں مذہبی خیالات کو عقل و تجربہ سے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ فاکلینڈ کی سیاسی زندگی کے متعلق تاریخ جو کچھ بھی حکم لگائے مگر مذہبی خیالات کی تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس نے جن لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا تھا ان کے غور و فکر سے انگلستان کی دینیات میں ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ ان لوگوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس طرح طبیعی تحقیقات کے معاملہ میں بیکن نے روایات کی سند کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اسی طرح ان لوگوں نے عقائد کے معاملات میں اس سے انکار کردیا اور طبعیات کی طرح دینیات میں بھی صداقت کا معیار

عقل کے غلبہ پر قرار دیا۔ ونڈسر کے کینن (منتظم مقیم) اور لاڈ کے دوست جان ہیلس نے کلیسا، پوپ اور مجالس مذہبی کے متعلق مختصراً یہ کہدیا تھا کہ "ان میں سے کسی کی کوئی سند نہیں ہے" اس نے قبولیت عام کے معیار کو حقارت کے ساتھ مسترد کردیا اور کہا کہ "قبولیت عام صداقت کا ایک ایسا معیار ہے جس سے خود صداقت کو شرم آتی ہے" فی الاصل انسانی استناد کا سب سے عجیب اور سب سے قوی حصہ عاقل ترین اور نیک ترین لوگوں پر مشتمل ہے اور میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے" ولیم چلنگورتھ کی طبیعت میں اگرچہ ہیلس کی سی تیزی نہیں تھی مگر وسیع النظری میں وہ اس سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے اولاً مذہب کیتھولک اختیار کیا اور پھر بہت جلد اس سے کنارہ کش ہوگیا۔ اسے یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ عقیدے کے معاملہ میں اپنی ذاتی رائے کے سوا اور کوئی بنا قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس نے ایک کتاب "پروٹسٹنٹوں کے مذہب" کے نام سے لکھی تھی اور کتاب مقدس کے مقابلے میں کلیسائی روایات اور کلیسا کے اقتدار کو باطل قرار دیا تھا، لیکن خود کتاب مقدس کے متعلق اس کی رائے یہ تھی کہ اس کا وہی مفہوم لینا چاہیے جو ایک عام آدمی سمجھتا ہے۔ جرمی ٹیلر انگلستان کے واعظوں میں سب سے زیادہ نمایاں شخص نظر آتا ہے۔

ہیلس

چلنگورتھ

ٹیلر

چلنگورتھ کی طرح اس نے بھی پُر آشوب زمانے میں بادشاہ کی طرفداری میں مصیبتیں اُٹھائی تھیں اور رجعت شاہی کے بعد اسے ڈاؤن کی اسقفی عطا ہوئی تھی۔ اس نے خود انجیلوں کی سند کو محدود کردیا تھا۔ ٹیلر کے نزدیک کتاب مقدس کی تاویل صرف عقل ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی تھی۔ طبعی مذہب کی سادہ ترین صداقتوں کے سوا" اور کوئی شئے ایسی نہیں ہے جس میں دھوکھا کھاجائے کا احتمال غالب نہو" اناجیل کے الفاظ سے عقائد کے اخذ کرنے میں بہت سی دشواریاں درپیش تھیں۔ انسان کی سمجھ کے ناقص ہی اختلافات کے باعث ہر طرح کی غلطی اور عدم تیقن کا احتمال تھا۔ صداقت کے دریافت کرنے میں طرح طرح کے مشکلات حائل تھے۔ اور صداقت کے قبول کرنے اور اس کا صحیح اندازہ کرنے میں مختلف امور طبیعتوں پر اثر ڈال رہے تھے۔ چلنگورتھ کے سے شخص کو صاف نظر آتا تھا کہ تحکم سے انکار کرنے اور حقیقی صداقت کے دریافت کرنے میں عقل جس طرح مذہب کیتھولک کے معصوم عن الخطا ہونے کے خلاف ہے اسی طرح وہ پروٹسٹنٹ عقائد کے بھی خلاف ہے۔ اس کا قول تھا کہ" اس دعوی تحکم میں پروٹسٹنوں کی اگر کوئی خطا ہے تو وہ دعاوی کی کمی نہیں بلکہ ان کی زیادتی ہے۔ کلیسا کی تمام تفریقوں کی بنا اور ان کے ہمیشہ باقی رہنے کی اصلیت یہ ہے کہ انسان نے اپنی سمجھ کے موافق خدا کے الفاظ

کی تاویل میں کچھ باک نہیں کیا۔ اپنے محدود قوی کو خدا
کے عام الفاظ پر عائد کیا اور اپنے اس مفروض خیال
کو قتل و تعذیب کے خوف سے بجبر لوگوں سے منوانا چاہا
اور اپنے عجب و نخوت سے یہ سمجھ لیا کہ وہ خدائی معاملات
کو خود خدا کے الفاظ سے بہتر طریق پر بیان کرسکتا ہے۔
اور پھر اپنی ان تاویلات کو قابل پرستش قرار دیکر جبراً و قہراً انہیں
لوگوں پر مسلط کرنا چاہا" جرمی ٹیلر نے اپنی "کتاب تفسیر انجیل
کی آزادی" (Liberty of Prophesying) میں رواداری
کی دینیات آزاد خیالوں کی کامیابی اور نیز بلی کی شکست کی ضرورت نہیں وسیع المشربوں کی تائید ایسے قوی دلائل سے کی ہے کہ ان کے موثر ہونیکے لئے
باقی چھوڑی ہے۔ لیکن انڈیپنڈنٹ (آزاد خیالوں) نے جس
آزادی ضمیر کی بنا خدا اور ہر شخص کے روحانی تعلق پر
قائم کی تھی ان وسیع المشربوں نے اس کی بنا استناد کی
کمزوری اور عقل انسانی کے ناقص ہونے پر قرار دی۔
ٹیلر، رومن کیتھولک اور انابیپٹسٹ تک کا جانبدار تھا۔ وہ
صرف ان مذہبوں میں ملکی حکام کی مداخلت کا روادار تھا
جن کے اصول حکومت کے برباد کرنے والے ہوں یا
احیاناً وہ بری طرح زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتے ہوں"
ہیلس علانیہ یہ کہتا تھا کہ اگر کلیسا مجھ سے یہ یقین کرنے کو
کہے کہ جو شخص کلیسا سے اختلاف کرے گا وہ مردود
ہے تو میں کل ہی کلیسا سے الگ ہوجاؤں"۔ چلنگورتھ نے

ان آتش انگیز الفاظ میں دار و گیر کی مذمت کی ہے کہ "انسان کے الفاظ کو خدا کے الفاظ نہ سمجھنے پر لوگوں پر تشدد کرنے، انہیں آگ میں جلانے، ان پر لعنت کرنے انہیں مردود قرار دینے کو ترک کرو۔ عیسائیوں سے صرف حضرت عیسیٰ کے یقین کرنے کو کہو اور ان کے سوا کسی اور کو ان کا مالک و آقا نہ کہلواؤ۔ جن لوگوں کو معصوم ہونے کا کوئی حق نہیں ہے وہ اپنی عصمت کے دعوے کو ترک کر دیں، اور جو لوگ قولاً اس سے تبرا کرتے ہیں عملاً بھی اس سے تبرا کریں۔ پروٹسٹنٹ اگر دوسروں کے عقائد کی وجہ سے ان پر ظلم کریں تو وہ ہرگز قابل درگزر نہیں ہیں۔" یہ وسیع المشرب تعصب کی مذمت کرتے کرتے اس اتحاد عام کا خواب دیکھنے لگے جو مور کی یوٹوپیا شائع ہونے کے وقت سے تمام نیک خیال لوگوں کے دلوں میں ایک ٹیس پیدا کر رہا تھا۔ ہیلس نے کلیسائے انگلستان کے ساتھ اپنی وفاداری کی وجہ یہ قرار دی تھی کہ انگلستان کا کلیسا تمام عالم عیسوی میں سب سے زیادہ وسیع الخیال اور سب سے زیادہ روادار کلیسا ہے۔ چلنگورتھ نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ کیونکر عقلی مذہب کے سادے اعتقاد سے اس اتحاد عام کی بہت سی دقتیں رفع ہو جاتی ہیں۔ مور کی طرح وہ بھی اس امر کا خواہاں تھا کہ "خدا کی عام عبادت کی ترتیب ایسی ہونا چاہیے کہ جتنے لوگ انجیل کا اعتقاد رکھتے اور اس کے موافق

زندگی بسر کرتے ہیں وہ سب بغیر کسی دشواری، ریاکاری یا عند و اعتراض کے اس میں شریک ہوسکیں" چلنگورتھ کی طرح ٹیلر نے بھی اتحاد عام کی امید کا مدار عقائد کی سادگی پر رکھا تھا۔ عیسوی کلیساؤں نے عقائد و استغفار کے جس قدر طریقے معین کئے تھے، چلنگورتھ کی نظر میں سب میں غلطی کا احتمال غالب تھا۔ اس کا قول تھا کہ "اس قسم کے عقائد و اعتراف گناہ کے طریقوں سے بہت نقصان ہوگا۔ درحقیقت افتراق پیدا کرنے والا وہی ہے جو غیر ضروری اور تکلیف دہ قواعد بنائے وہ شخص تفرقہ پرداز ہرگز نہیں ہے جو اپنے ایقان سے مجبور ہوکر ان کے خلاف عمل کرے" اس کا خیال تھا کہ کلیسا کو عام اتحاد عیسوی پر اگر کسی شرط کے عائد کرنے کا حق ہے تو وہ صرف "حواریوں کا عقیدہ" ہے بشرطیکہ اس کے لفظی معنی لئے جائیں۔ رجعت شاہی کے بعد ان وسیع المشربوں کو فوراً ہی سب پر تقدم حاصل ہوگیا۔ وہ اپنے خیالات کے باعث بہت جلد پیورٹین اور پیروان ہائی چرچ دونوں سے الگ نظر آنے لگے۔ عقائد مسلمہ سے ان کی مخالفت، روایات خواہ کتاب مقدس کی ہوں یا کلیسا کی سب کے مقابلہ میں عقل کی ترجیح، فطری اصول پر مذہب کی بنیاد، تصحیح رائے کے بجائے پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی جانب ان کا میلان، اتحاد عام کیلئے رواداری و وسیع المشربی کی تائید، ان تمام امور نے انھیں ممتاز

زمانہ مابعد کے وسیع المشرب

بنا دیا تھا۔ بہمین طبیعت و خوش فہم برنیٹ روشن خیال و پاکباز ٹلٹسن، متین و ذی علم اسقف جلرے چلنگورتھ اور ٹیلر کے جانشین ہوے۔ جس زمانے میں یہ لوگ مذہبی خیال میں یہ تحریک پیدا کررہے تھے، اسی زمانے میں ایک اور شخص جس کی وسعت نظر و حدت ذہن ان لوگوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی سیاسی و معاشرتی امور کی تحقیقات میں اسی قسم کی تحریک پیدا کررہا تھا۔

یہ شخص[۵] بیکن کا نہایت عزیز سکرٹری (کاتب) ٹامس ہابس تھا۔ آبری لکھتا ہے کہ "لارڈ بیکن اسے بہت عزیز رکھتا تھا، اور درختوں کے جن نازک کنج میں بیٹھکر وہ غور و فکر کیا کرتا تھا، اس میں ہابس کی آمد و رفت کو پسند کرتا تھا۔ جب کوئی خیال بیکن کے ذہن میں آتا، وہ اسے فوراً ہابس کو لکھا دیتا۔ لارڈ موصوف کا قول تھا کہ جتنے اشخاص میرے پاس ہیں ہابس سب سے بہتر اس کام کو

ع ۵ ہابس کے خیالات کی نقل بمصداق نقل کفر کفر نباشد ہے خود مصنف نے بھی بعنوان شائستہ اس کی تفریض کردی ہے اور اس کا خلاف مذہب ہونا صریحاً و بداہتہً ظاہر ہے، پس اس کا بیان ایک تذکرہ سے زیادہ نہیں ہے۔ انگلستان پر کسی زمانے میں اس کا اثر ضرور پڑا تھا مگر اب تو وہاں بھی یہ فلسفہ مردود ہوگیا ہے اور ہم مسلمانوں کو تو اس سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے۔ چونکہ اس کے بیانات اس قدر صاف طور پر معتقدات مذہبی کے خلاف ہیں کہ ہر شخص پر خود ظاہر و باہر ہیں اسلئے کسی تفصیلی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔

انجام دیتا ہے۔ اورڈن کی یادداشتوں کو جب میں پڑھتا ہوں
تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اُنھوں نے کیا لکھا ہے کیونکہ وہ خود
سمجھکر نہیں لکھتے" ہابس کی طولانی عمر تاریخ انگلستان کے ایک ۱۵۸۸
یادگار زمانے کو گھیرے ہوے ہے۔ جس سال آرمیڈا ۱۶۷۹
پر فتح حاصل ہوئی ہے اسی سال وہ پیدا ہوا تھا، بانوے برس
کی عمر میں انقلاب سے صرف نو برس پیشتر اس کا
انتقال ہوا۔ اس کی لیاقت بہت جلد ظاہر ہوگئی اور
اوائل عمر ہی میں وہ بیکن کا سکرٹری اور بن جانسن اور
لارڈ ہربرٹ (چربری) کا دوست بن گیا۔ مگر دنیا اسکے
خیالات سے اس وقت تک آگاہ نہیں ہوئی جبتک
کہ وہ خانہ جنگی کے قریب زمانے میں فرانس کو نہ چلا گیا ۱۶۴۲
اور چوّن برس کی عمر میں اپنی کتاب "ڈی کیو ے" شائع
کی۔ شہزادگان انگلستان جب بھاگ کر پیرس میں گئے ہیں
تو وہ ان کے درباریوں میں شامل ہوگیا، اور چارلس دوم
کا معلم ریاضی مقرر ہوگیا۔ چارلس آخر تک صدق دل سے
اس سے محبت کرتا رہا اور ہمیشہ اس کا خیال رکھتا،
مگر کتاب لیوایاتھن کے شائع ہونے کے بعد اس کی
معلمی کی جگہ ضبط ہوگئی اور اسے دربار میں آنے جانے کی ۱۶۵۱
ممانعت کردی گئی۔ چنانچہ وہ پھر انگلستان کو واپس چلا آیا
اور معلوم ہوتا ہے کہ کرامول کی حکومت سے وہ رضامند
تھا۔ رجعت شاہی کے بعد اسے وظیفہ مل گیا لیکن اس کی

دونوں کتابوں کو پارلیمنٹ نے مردود قرار دیدیا اور اسکے مرنے کے قبل ہی "طریق ہابس" کے معنی عام طور پر لامذہبی و بد اخلاقی کے سمجھے جانے لگے۔ایک ایسے مصنف کے خلاف جس نے نجات کے لئے حضرت عیسیٰؑ پر یقین کرنا اور قانون کی اطاعت کرنا یہی دو امور لازمی قرار دیئے تھے اس قسم کا تعصب نہایت ہی حیرت انگیز معلوم ہوتا مگر اس تعصب کی صحیح وجہ یہ تھی کہ ہابس کے فلسفے سے اس وقت کے مذہب اور سیاسی و معاشرتی اخلاق پر بہت برا اثر پڑتا تھا۔انگلستان کے اعلیٰ مصنفین میں ہابس ہی پہلا شخص تھا جس نے علم حکمرانی پر روایات کی بنا پر نہیں بلکہ عقل کی بنا پر بحث کی تھی۔انسانکے معاشرتی ترقی کے موجودہ درجے پر پہنچنے کے قبل کے مفروضہ مدارج پر اس نے جس انداز سے بحث کی تھی وہ مسلمہ عقائد کے سخت خلاف تھے۔اس کے نظرئیے کے موافق سب انسان فطرۃً برابر تھے اور ان کی فطرت یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے لڑتے رہیں۔انسان نے جو معاشرت پیدا کی وہ اس کی کسی فطری خوبی کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئی بلکہ متخاصم قوتوں کے تعطل نے یہ صورت پیدا کردی۔درحقیقت ہابس اس امر سے منکر تھا کہ فطرۃً انسان میں کوئی روحانی حصہ بھی ہے۔اس نے انسان کے ایک ایک رسم و رواج اور خواہشات کا

اس کے سیاسی منصوبے

منطقی تجزیہ کرکے دکھایا تھا اور مقدس سے مقدس رسوم
کی نسبت بھی یہ ثابت کیا تھا کہ وہ عاقلانہ خود غرضی کا
نتیجہ ہیں۔ دوستی محض معاشرۃً ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھانے کا
نام تھا، احسانمندی یا ہمسایوں کی محبت وغیرہ جنہیں فطرت
کا قانون کہاجاتا ہے وہ سب حقیقت میں انسان کے
طبعی جذبات کے خلاف ہیں اور یہ قانونِ فطرت ان کے
روکنے پر قادر نہیں ہیں۔ مذہب خدائی مرضی کو درمیان
میں لاکر بھی انسان کو نجات دلانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔
قدیم دنیا کی مذہبی روایات جس مئی تشکیک کے سامنے
پاش پاش ہوجانے والی تھیں، اس کی مثال ہابس کی
اس تحریر سے بہتر نہیں مل سکتی جہاں اس نے الہام
کے نظریئے پر منطق کی چھری چلائی ہے۔ وہ لکھتا ہے
کہ "یہ کہنا کہ خدا نے خواب میں انسان سے کلام کیا ہے
اس کہنے سے زیادہ نہیں ہے کہ انسان نے خواب دیکھا
کہ خدا نے اس سے کلام کیا ہے۔ یہ کہنا کہ کسی نے
عالمِ رویا میں کچھ دیکھا یا سُنا ہے اس کہنے کے برابر ہے
کہ اس نے غنودگی کے عالم میں ایک خواب دیکھا ہے"
اُس کے خیال میں درحقیقت مذہب کی اصلیت اس سے
زیادہ نہیں تھی کہ "غیر مرئی قوتوں کا ایک خوف پیدا ہوگیا تھا"
اور علوم انسانی کی اور شاخوں کی طرح یہاں بھی افعال
کے بجائے الفاظ سے کام لیا جاتا تھا۔ خود انسان نے

اپنے نفع کے لئے معاشرت کی صورت پیدا کی، اپنے بہت سے فطری حقوق ترک کر دیئے اور صرف ان حقوق کو باقی رکھا جو اس کی حفاظت ذات کے لئے ضروری تھے۔ انسانوں کے باہمی معاہدے نے اولاً وہ عظیم الشان لیوایاتھن پیدا کیا جسے دولت عامہ، یا سلطنت، کہتے ہیں۔ یہ دولت عامہ، یا سلطنت صرف ایک فرضی شخص ہے، جس کا مقصود انسان کی حفاظت و حمایت ہے اگرچہ وہ ازروئے خلقت و طاقت ایک طبعی انسان سے بڑھکر ہے۔" اس قسم کے ابتدائی معاہدے کا افسانہ مدت ہوئی کہ سیاسی خیالات سے خارج ہو چکا ہے مگر جس وقت پہلی مرتبہ اس کا اظہار ہوا ہے اس کے اثر کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ اس نظریئے کے تقریباً عالمگیر طور پر تسلیم کر لئے جانے سے معاشرت کے اس مذہبی و قدیمی اصول کا خاتمہ ہو گیا جس پر اب تک بادشاہوں کے حقوق ربانی کے دعوے کا انحصار تھا اور جس کی رو سے رعایا ان کے اقتدار پر کسی طرح کی جرح و قدح کی مجاز نہیں تھی۔ لیکن ہالبس نے اگر شاہی مطلق العنانی کی قدیم بنا کو مسمار کر دیا تھا تو اس کے ساتھ ہی اس نے ایک نئی و قوی تر بنا قائم کر دی تھی۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ معاشرت کے پیدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ محکوم اپنی حفاظت ذات کے سوا اور جملہ حقوق ایک

معاہدۂ معاشرتی

واحد حکمراں کے ہاتھ میں دیدیں جو ان سب کا قائم مقام ہو
اس قسم کے حکمراں کا خود مختار ہونا لازمی تھا، کیونکہ اس سے
کسی قسم کی شرط کرنے کے معنی یہ تھے کہ انسان خود
اپنے سے شرط کرے۔ حقوق کا یہ انتقال ناقابل فسخ تھا،
اور پشتوں بعد بھی اس کی پابندی ویسی ہی لازمی تھی جیسی
عین انتقال حقوق کے وقت تھی۔ تمام جماعت کے سرتاج ہونیکی
حیثیت سے ہر امر کا فیصلہ کرنا، انصاف و ناانصافی کے
قوانین طے کرنا اور مذہب و توہمات میں فرق قرار دینا
حکمراں کا کام تھا۔ یہ حق اسے خدا کی طرف سے حاصل تھا
اور صرف وہی ایک شخص تھا جسے یہ حق حاصل تھا کیونکہ
رعایا کے ہر فرد کا حق اس میں جذب ہوگیا تھا۔ ہابس
کے خیال میں ظلم و ستم کے روکنے کے لئے آئینی بندشیں
بیکار تھیں۔ اس کی صحیح و بہترین صورت یہ تھی کہ رعایا و
حکمراں دونوں میں تعلیم و روشن خیالی کو یکساں ترقی دیجائے
اور دونوں کی اصلی غایت یہ ہو کہ دولت عامہ کو فائدہ
پہنچے۔ ہابس نے جس وجہ سے زمانہ مابعد کے علم و سیاسیات
پر واقعی اثر ڈالا وہ حکومت کی اس غایت کا اس دلیری
سے بیان کرنا اور حکومت کا معاہدے کی بناپر قائم ہونیکے
اصول کا شائع کرنا تھا۔ رجعت شاہی کے دور میں لاک

جان لاک

سب سے بڑا عالم سیاسیات تھا، اس نے بھی ہابس
ہی کے مانند سیاسی اقتدار کی بنا محکوم کی رضامندی پر

رکھی تھی اور فائدہ مشترک کو حکومت کی نہایت تسلیم کیا تھا لیکن اس زمانے کی طبیعتوں کے عملی میلان نے اس نظریے کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ لاک کا سیاسی فلسفہ درحقیقت اس سے زیادہ نہیں تھا کہ خانہ جنگی کی کشمکش عظیم سے انگریزوں کے بیشتر حصے نے جو نتائج اخذ کئے تھے اس نے انہیں ایک ترتیب خاص کے ساتھ بیان کردیا تھا۔ اس کے نظریے کے مواقف رعایا کو باطناً وہ اقتدار حاصل رہتا ہے جسے اسنے اپنے حکمراں کو تفویض کردیا ہے اور انہیں یہ حق ہوتا ہے کہ اگر یہ اختیار اس مقصد کے خلاف استعمال کیا جائے جس کی ترقی کے لئے معاشرت کی بنا پڑی تھی تو وہ اسے واپس لے سکتے تھے۔ ہابس کے دو خاص مسلمہ مسئلے تھے۔ اولاً یہ کہ جملہ اختیارات کی ابتدا قوم سے ہوتی ہے' دوسرے یہ کہ تمام اختیارات قوم کی بہبود کے لئے کام میں آنا چاہئیں۔ اب لاک نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ رعایا کو مقاومت کا بھی حق حاصل ہے اپنی امانت کے بجا استعمال کے لئے حکمراں اپنی رعایا کے جوابدہ ہیں اور قوم کے نائب ہونے کی حیثیت سے مجالس وضع قوانین کو بادشاہ پر فوقیت حاصل ہے۔ سنہ ۱۶۸۸ کے انقلاب کے بعد اس مہذب اور وسیع صورت میں فلسفہ سیاسی نے عام مقبولیت حاصل کی۔

جزو دوم

رجعت شاہی

۱۶۶۰ - ۱۶۶۷

{اسناد ۔ کلیرنڈن نے اپنی سوانح عمری میں خود اپنی وزارت کی تفصیلی کیفیت لکھ دی ہے۔ اسقف کینیٹ نے ایک یاد داشت (Register) اور برنٹ نے ایک دلچسپ کتاب "اپنے وقت کی تاریخ" (History of my own Times) کے نام سے لکھی ہے۔ یہی چیزیں اس زمانے کے لئے خاص معلومات کا ذریعہ ہیں۔ اس میں جیمز دوم کی خود اپنی لکھی ہوی سوانح عمری کے ان اجزا کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے جنھیں میکفرسن نے اصلی کاغذات' (Original papers) کے ضمن میں محفوظ رکھا ہے۔ لیکن ان کاغذات کی قدر و قیمت مختلف نوعیت کی ہے۔ کلیسا اور منکرین کے تعلقات کتب ذیل میں دیکھنا چاہئیں ۔

(۱) نیل کی تاریخ پیروان طریق پیورٹینی (History of the Puritans)

(۲) کیلمی کی کتاب "خارج شدہ پادریوں کے تذکرے" (History of the rejected Ministers)

(۳) مسٹر ڈکسن کی سوانح عمری ولیم پین (Life of William Penn)

(۴) بیکسٹر کی خود اپنی "سوانح عمری"۔
(۵) بنین کی خود اپنے مصائب کے متعلق مختلف تصانیف۔
پیپس نے اپنی "یادداشتوں" میں اس زمانے کی معاشرت کو بڑی ہی خوبی سے بیان کیا ہے۔ چارلس دوم کے تمام زمانہ حکمرانی کے متعلق ہیلم کی آئینی تاریخ نہایت ہی منصفانہ ذخیرۂ معلومات ہے)

رجعت شاہی

چارلس دوم جس وقت وہائٹ ہال میں داخل ہوا ہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ طویل العہد پارلیمنٹ نے جو کچھ کیا تھا سب بیکار ہوگیا۔ نہ صرف بادشاہت ہی دوبارہ قائم ہوگئی بلکہ سر متھیو ہیل کی کوششوں کے علی الرغم رعایا کی طرف سے اس بادشاہت پر کسی قسم کی تحریری قید یا شرط بھی عاید نہیں کی گئی۔ اگرچہ معنیً یہ سمجھا جاتا تھا کہ چارلس نے خود کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ ابتک دو اہم اثر ایسے تھے جو شاہی کے اختیارات کو محدود کرنے میں کام دے رہے تھے، ایک طریق پیوریٹنی دوسرے آئینی آزادی کی روایات قدیم۔ ان کا یہ حال ہوا کہ اوس طریق سے تو قوم عام طور پر منغض ہو گئی تھی، اور اِس آئین کو خانہ جنگی نے بیقدر بنا دیا تھا۔ تاہم اظہار وفاداری کے اِس تمام شور وشغب کے باوجود "سترہویں صدی کا انقلاب عظیم" برابر ایک رفتار سے آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اعلیٰ اختیارات بتدریج بادشاہ کے ہاتھ سے نکل نکل کر دارالعوام کے ہاتھ میں آرہے تھے اور پارلیمنٹ اس سیاسی مشکل کے حل کرنے کی طرف برابر قدم بڑھاتی جا رہی تھی جس نے اس کی کوششوں کو بیکار بنا رکھا تھا۔

یعنی بغیر اِس کے کہ پارلیمنٹ کو خود انتظامات اپنے ہاتھ میں لینا پڑیں انتظامی امور اس کی رائے کے تابع ہو جائیں۔ رجعتِ شاہی اور انقلاب کی پُرپیچ تاریخ کو حقیقت میں ہم اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اس انتقال اختیار کے مراحل پر غور کے ساتھ نظر جمائے ہوئے اس مقصد کے حصول کے مدارج کو برابر دیکھتے رہیں۔

نئی حکومت کے ابتدائی حالات سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ قوم اگرچہ وفاداری کے جوش سے بھری ہوئی ہے مگر یہ وفاداری شاہ پرستوں کی سی کورانہ وفاداری نہیں ہے۔ اس رجعتِ شاہی کے متعلق سب سے زیادہ اہم کام پرسبٹیرینوں نے انجام دیا تھا۔ اور چونکہ مقامی اختیارات اور عہدے تقریباً کل کے کل اسی فرقے والوں کے ہاتھوں میں تھے۔ اس وجہ سے انہیں اب پوری طاقت حاصل ہو گئی تھی۔ چارلس نے جو پہلی وزارت قائم کی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اس کی کوشش یہ ہے کہ اس با اقتدار فریق اور ان کے قدیم مخالفوں میں ایک طرح کی مصالحت ہو جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وزارت کا سب سے زیادہ با اثر رکن سرا ڈورڈ ہائڈ تھا، جو جلاوطنی کے زمانے میں بادشاہ کا صلاح کار رہا تھا اور اب اسے ارل کلیرنڈن اور لارڈ چانسلر بنا دیا گیا تھا۔ لارڈ ساؤتھیمپٹن شاہی کی حمایت میں برابر مستقل رہا تھا۔ اسے وزیر خزانہ کا عہدہ عطا ہوا، آرمنڈ کو اس کی وفاداری کے صلے میں ڈیوک کا منصب

وزارت

اور لارڈ اسٹوراڈ کا عہدہ دیا گیا۔ لیکن خالص پارلیمنٹی مقاصد کی نمائندگی سے بھی وزارت خالی نہیں تھی۔ منک کو ڈیوک آلبیمارل کا لقب دے کر بہ دستور سپہ سالار اعظم کے عہدے پر قائم رکھا اور بادشاہ کا بھائی جمیز (ڈیوک یارک) اگرچہ بیڑے کا اول امیرالبحر مقرر کیا گیا تھا مگر عملاً بیڑے کا انتظام کرامویل کے ایک پیرو مانٹیگو کے ہاتھ میں رہا جو اب ارل سینڈوچ بنا دیا گیا تھا۔ ایک بڈھا پیوریٹن لارڈ سے دسیل، محافظ مہر شاہی مقرر ہوا۔ اسی فریق کے ایک ممتاز رکن سر ایشلی کوپر نے بادشاہی کے دوبارہ قائم ہونے کے لئے بڑی کوششیں کی تھیں اسے اس خدمت کے صلے میں اولاً پریوی کاؤنسل میں داخل کیا گیا اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد بیرن کا لقب دے کر چانسلر آف دی اکسچکر (وزیر خزانہ) مقرر کر دیا گیا۔ دو وزیران سلطنت میں سے نکلس مستقل شاہ پرست اور موس پکا پریسبٹیرین تھا۔ پریوی کاؤنسل کے تیس ارکان میں سے بارہ ارکان وہ تھے جنھوں نے بادشاہ کے خلاف ہتیار اٹھایا تھا۔

عارضی مجلس ملکی

یہ صاف عیاں تھا کہ اس قسم کی وزارت سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اپنا کام صرف یہ سمجھے گی کہ تمام سابقہ کاموں کو پلٹ دے۔ اس لئے جب مجلس عارضی نے خود کو پارلیمنٹ قرار دیا اور قوم کے لئے جن انتظامات کی ضرورت تھی اس کی کارروائیاں شروع کیں تو حکومت پارلیمنٹ کا ساتھ دینے کے لئے ہر طرح پر آمادہ تھی۔ اس مجلس عارضی کا انتخاب

ان احکام کے ساتھ ہوا تھا کہ شاہی "مفسد" اس میں راے نہ دیسکیں، اس لئے اس کے بیشتر ارکان پرسبٹیرینی خیال کے تھے اور وہ اگرچہ صدق دل سے بادشاہ کے وفادار تھے مگر مطلق العنانی کی مخالفت میں کسی طرح طویل العہد پارلیمنٹ سے کم نہ تھے۔ اس پارلیمنٹ کے ابتدائی زمانے میں ایک رکن نے یہ کہا کہ جو لوگ بادشاہ کے خلاف لڑے ہیں وہ انہیں لوگوں کے برابر مجرم ہیں جنھوں نے اس کا سر کاٹا تھا. تو صدر دارالعوام نے سختی کے ساتھ اسے جھڑک دیا۔ دارالعوام نے پہلی کارروائی یہ کی کہ معافی و درگذر کا ایک قانون پیش کیا تاکہ گذشتہ زمانہ آشوب میں لوگوں سے جو کچھ بھی خطائیں ہوئی تھیں سب فراموش کر دی جائیں۔ اس کارروائی سے فوراً یہ ظاہر ہو گیا کہ پارلیمنٹ کو کس درجہ اعتدال مدنظر ہے کیونکہ شاہ کشوں کے سزا دینے میں شاہ پرستوں کی طرح پرسبٹیرینیوں کے جوش دکھانے کے بھی وجوہ موجود تھے۔ چارلس نے اپنی واپسی کے ابتدائی دنوں میں ایک اعلان شایع کیا تھا جس میں اس نے ضمناً شاہ متوفی کے ان تمام ججوں کے لئے معافی کا وعدہ کر لیا تھا جو ازخود عدالت کے روبرو حاضر ہو جائیں مگر بعد کو اس نے اس امر پر زور دیا کہ جن لوگوں کو وہ اپنے باپ کا قاتل خیال کرتا تھا ان سے انتقام لیا جائے اور دارالامرا نے بھی بہت سرگرمی کے ساتھ بادشاہ کی تائید کی، لیکن دارالعوام کی تعریف کرنا

قانون معافی عامہ

چاہیئے کہ اس نے برابر مطالبہ خونریزی کی مخالفت کی۔ قانون معافی کا جو ابتدائی مسودہ پیش ہوا تھا اس میں موجودالوقت شاہ کشوں میں سے صرف سات شخصوں کو معافی سے محروم رکھا گیا تھا۔ یہ مسودہ تین مہینے تک زیر بحث رہا اور اس اثنا میں شاہ پرستوں کا جوش اس قدر بڑھ گیا کہ آخر میں دارالعوام کو مجبور ہوکر تقریباً تمام شاہ کشوں کو عدالت کے فیصلے پر چھوڑ دینا پڑا۔ تاہم بہت سے لوگوں کی جان اس وسیلے سے بچ گئی کہ جن لوگوں نے اعلان شاہی کے مطابق خود کو حوالہ کر دیا تھا، ان کے قتل کے لئے پارلیمنٹ کی خاص منظوری لینا لازمی تھا۔ بہرحال شاہ متوفی کے ججوں میں سے اٹھائیس شخصوں کو ایک خاص عدالت کے روبرو لایا گیا مگر ان میں سے صرف تیرہ آدمیوں کو قتل کی سزا دی گئی۔ ان تیرہ میں صرف ایک شخص جنرل ہیریسن ہی ایسا تھا جس نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ گزشتہ بیس برس کے واقعات کو اب "آشوب" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس "آشوب" کے بیس اور نمودار اشخاص سلطنت کے عہدوں سے ممنوع الخدمتہ کر دئے گئے۔ قانون معافی کی آخری منظوری کے قبل اس میں ایک ناواجب دفعہ یہ بڑھا دی گئی کہ سرہیری وین اور جنرل لیمبرٹ بھی عام معافی سے خارج ہیں۔ حالانکہ ان دونوں نے بادشاہ کے قتل میں مطلق حصہ نہیں لیا تھا۔ خانہ جنگی کے دوران میں بندوبست ملکی

جو جائدادیں ضبط ہوئیں اور جس طرح وہ دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی تھیں، ان کے مشکلات کے سلجھانے میں اس مجلس عارضی کو بڑی دقتوں کا سامنا ہوا۔ شاہی املاک کے دوبارہ سلطنت کے قبضے میں آجانے کی نسبت کسی قسم کی مخالفت نہیں ہوئی مگر مجلس عارضی کی خواہش یہ تھی کہ جن لوگوں نے کلیسا کی جائدادیں خرید کی ہیں اور جو لوگ طویل العہد پارلیمنٹ اور اس کے بعد کی حکومت کی ضبط کی ہوئی جائدادوں پر قابض ہیں ان کے قبضے بدستور قائم رہیں لیکن اس مقصد کے لئے جو مسودے تیار ہوئے تھے ہائیڈ اپنی تدبیروں سے ان کی پیشی کو ٹالتا رہا اور پارلیمنٹ کی میعاد ختم ہونے کے بعد اساقفہ اور خارج شدہ شاہ پرست بلا شور و شر اپنی اپنی جائداوں پر پھر قابض ہوگئے لیکن شاہ پرست اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ جو لوگ بادشاہ کی حمایت میں مستقل رہ کر جرمانوں اور جبریہ استحصالوں سے بالکل غریب ہوگئے ہیں اور ان میں سے بہتوں نے مجبور ہوکر اپنی جائدادیں بیچ ڈالی تھیں، ان کے نقصانات کی تلافی کی جائے اور ان فروختوں کو منسوخ کردیا جائے۔ پر جوش شاہ پرست یہ کہتے تھے کہ اگر یہ نہوا تو یہ قانون "بادشاہ کے دشمنوں کے لئے معافی اور بادشاہ کے دوستوں کے لئے کس مپرسی کا کام دیگا"۔ لیکن اس معاملہ میں مجلس عارضی نے پوری استقامت سے کام لیا۔

جس قدر جائدادیں فروخت کے ذریعہ سے منتقل ہوئی تھیں ان کی فروخت جائز قرار دی گئی، اور جبر ستانی کے ذریعہ جس قدر نقصانات ہوے تھے ان کا معاوضہ قانوناً مسترد کردیا گیا۔
رعایا کے معاملات کو اس طرح طے کرنے کے بعد مجلس عارضی نے اب قوم و بادشاہ کے تعلقات باہمی کے طے کرنے کی طرف توجہ کی۔ طویل العہد پارلیمنٹ کے آئینی کاموں میں کچھ یوں ہی سی ترمیم کی گئی اور اس کی اہم تجویزوں کو آئندہ حکومت کی بنیاد کے طور پر خاموشی کے ساتھ قبول کرلیا گیا۔ ایک شخص نے بھی اجارے یا عدالت اسٹار چیمبر یا عدالت ہائی کمیشن کے دوبارہ قائم کئے جانے کا مطالبہ نہیں کیا۔ محصول جہاز کے باطل قرار دئے جانے پر کسی نے زبان نہیں کھولی، نہ کسی نے اس بارے میں کچھ کہا کہ بادشاہ کے لئے روپئے کی منظوری دینے کا کامل اختیار صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ البتہ ملیشیا (فوج محافظ ملک) بادشاہ کے اختیار میں دیدی گئی لیکن باقاعدہ فوج منتشر کردی گئی چارلس کو صرف یہ اجازت دی گئی کہ وہ چند دستے بطور اپنی محافظ فوج کے قائم رکھے۔ شاہی آمدنی بارہ لاکھ پاؤنڈ مقرر کی گئی اور یہ رقم بادشاہ کو ما وام الحیات کے لئے عطا کی گئی۔ درحقیقت یہ رقم ایسی تھی کہ جن محصولوں سے اس کی وصول یابی قرار پائی تھی اگر وہ تخمینے سے گھٹتے نہ رہتے اور بادشاہ کے اخراجات حالت امن میں بھی غیر معمولی طور پر بڑھ نہ گئے ہوتے تو یہ رقم

آزادی کے لئے بہت ہی خطرناک ہو جاتی۔ اس رقم کا معاوضہ بھی بہت سخت وصول کیا گیا۔ انگلستان کی اکثر جائدادوں کی طرح بادشاہ کی املاک کی حیثیت بھی فوجی جاگیر کی تھی اور اگرچہ ان میں بہت زیادہ مالی نفع نہیں رہا تھا مگر پھر بھی بالواسطہ ان سے بہت بڑا خطرہ درپیش رہا کرتا تھا۔ صاحب جائداد شخص کے معاشرتی و خانگی امور میں بادشاہ کا سب سے زیادہ ناگوار اثر یہ پڑتا تھا کہ اسے ان کی تولیت و تعین مناکحت کا حق حاصل تھا۔ الیزبیتھ کے عہد میں تولیت کے حق سے یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ کیتھولک نابالغوں کو پروٹسٹنیٹ مذہب کی تعلیم دی جاتی اور جیمز کے عہد میں نابالغوں کی نگرانی دربار کے ندیموں کو سپرد کی جاتی یا کھلے بازار میں سب سے زیادہ قیمت دینے والے کے ہاتھ فروخت کر دی جاتی مگر بادشاہ کے لئے ان حقوق کی اصلی قدر و قیمت یہ تھی کہ وہ اس ذریعہ سے دیہات کے شرفا پر سیاسی دباؤ ڈال سکتا تھا۔ ایک اسکوائر (متوسط الحال زمیندار) کو بالطبع اس بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی جو بہت جلد اس کی لڑکی کا متولی اور اس کی جائداد کا منتظم بن جانے والا تھا۔ پس جن خیالات سے بادشاہ اپنے اس حق کے قائم رکھنے پر مصر تھا انہیں خیالات سے پارلیمنٹ ان حقوق کو برطرف کرنے کے لئے مضطرب تھی۔ بادشاہ کی شدت مخالفت کی وجہ سے جیمز اول کے

وقت میں پارلیمنٹ کی کوشش بیکار گئی مگر اب جنگ کے طوالانی وقفے کے بعد ان حقوق کا اعادہ تقریباً نا ممکن ہو گیا تھا۔ اس لئے مجلس عارضی کے اولین کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے شرفا سے قبضۂ جائداد کے وقت نذرانہ لینے ان کے متولی ہونے، اشیاء کو کم قیمت پر خریدنے اور شفعہ سے فائدہ اٹھانے کے شاہی حقوق کو منسوخ کر دیا اور اس وقت جو زمینیں قومی خدمت کے زیر اثر تھیں انہیں عام زمینداری کی صورت میں بدل دیا۔ چارلس نے ان حقوق کے عوض میں یہ منظور کر لیا کہ اسے ایک لاکھ پاؤنڈ سالانہ ملا کریں۔ ابتداً یہ تجویز تھی کہ جن جائدادوں سے جاگیردارانہ محصول اٹھا دے گئے ہیں انہیں سے یہ رقم وصول کی جائے مگر بعد کو خلاف انصاف تمام اشیا پر اسے عام کر دیا گیا۔

شاہ پرستوں کی پارلیمنٹ

مجلس عارضی اگرچہ سیاسی معاملات کے مناسب طریق پر طے کر دینے میں کامیاب رہی مگر کلیسا کا انتظام کرنے میں اسے ناکامی ہوئی۔ چارلس نے بریڈا سے جو اعلان شایع کیا تھا اس میں وعدہ کیا تھا کہ وہ آزادی ضمیر کا احترام کریگا اور اس مقصد کے تحفظ کے لئے پارلیمنٹ جو قوانین بنائے گی انہیں منظور کریگا۔ مجلس عارضی میں پربسٹیرینوں کا پورا غلبہ تھا مگر انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ خالص پربسٹیرینی طریقے کا جاری رہنا غیر ممکن ہے۔ اسکاٹلینڈ کے ایک صاحب نظر مبصر شارپ نے لندن سے لکھا تھا کہ "عام قوم

مسئلہ کلیسا

اسقفیت اور کتاب عبادت کے لئے بیچین ہو رہی ہے" تاہم مجلس عارضی ابھی تک اس توقع میں تھی کہ اسقفی حکومت کا کوئی ایسا مہذب طریقہ نکل آئے جس سے پیوریٹن فریق کا گروہ کثیر بدستور کلیسا کے اندر شامل رہ سکے - موجودہ پادریوں کا ایک بڑا گروہ انڈپنڈنٹ (آزاد خیال) تھا اور حکومت اساقفہ سے کسی قسم کی مصالحت و معاملت کو وہ ناممکن سمجھتا تھا - لیکن بیشتر حصہ معتدل خیال پرسبٹیرینوں کا تھا جو" حالات کے اور بدتر ہو جانے کے خوف سے" اس امر پر آمادہ تھے کہ اسقف اعظم اَشر کی تجویز کے موافق کلیسائی حکومت کو تسلیم کریں اور کتاب ادعیہ کو بعض ترمیمات اور" توہمانہ رسوم" کے حذف و اسقاط کے بعد قبول کر لیں - اشر کی تجویز یہ تھی کہ اسقف اپنے اپنے حلقے میں عام پادریوں کی مجلس کے صرف صدر ہوا کریں - بادشاہ نے بھی اولاً اس قسم کی مصالحت باہمی کو پسند کیا - اور دونوں فریق کی کانفرنس میں ایک شاہی اعلان اس تجویز کی پسندیدگی کے متعلق پڑھا گیا اور اس میں انڈپنڈنٹ (آزاد خیال) فریق کی ایک درخواست آزادی مذہبی کے متعلق بھی پیش ہوی - بادشاہ نے یہ تجویز کی کہ اس درخواست کے موافق نہ صرف انڈپنڈنٹ (آزاد خیالوں) بلکہ تمام عیسائیوں کو آزادی مذہبی عطا کی جائے - لیکن کیتھولک کے ساتھ رواداری برتنے میں حامیان اساقفہ اور پیوریٹن دونوں یکساں طور پر خلاف تھے اور جب سرمتھو ہیل نے اعلان شاہی کو قانون بنا دینے کے لئے

مسودہ پیش کیا تو دارالعوام نے اسے مسترد کر دیا۔ ایک جدید کانفرنس کا وعدہ کیا گیا، مگر پارلیمنٹ کی طرف سے کسی کارروائی کے نہ ہونے سے حکومت اساقفہ کے طرفدار فریق نے اپنے قانونی حقوق سے بیباکانہ فائدہ اٹھانا شروع کردیا۔ خارج شدہ پادریوں میں جو لوگ ابتک زندہ تھے وہ پھر اپنے اپنے حلقوں میں متعین ہوگئے، اساقفہ اپنی اپنی جگھوں پر واپس آگئے اور مجلس عارضی کے برطرف کردئے جانے سے کلیسا میں مصالحت باہمی کی آخری امید منقطع ہوگئی۔ درحقیقت اس مجلس عارضی کے زمانے ہی میں وفاداری کی لہر بہت زور کے ساتھ بلند ہو رہی تھی اور خود مجلس عارضی کے حکم سے یہ نہایت ہی شرمناک زیادتی عمل میں آچکی تھی کہ کرامویل، براڈشا، اور آئرٹن کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر ٹائیبرن میں سولیوں پر اٹکا دیا گیا اور پم و بلیک کی لاشوں کو خانقاہ وسٹ منسٹر سے نکال کر کلیسائے سینٹ مارگیرٹ کے صحن میں دفن کیا گیا۔ اب نئی پارلیمنٹ کے انتخاب کے وقت کلیسا و بادشاہ کی طرفداری میں ایسے جوش و خروش کا اظہار ہوا کہ اعتدال و مصالحت کی تمام امیدیں ہوا ہوگئیں۔ "مفسدہ پردازی" اب جرم نہیں رہی تھی، اور منتظمان کلیسا، دیہات کے شرفا، کاشتکار، تمام کیتھولک اور جملہ وہ اشخاص جنھیں رائے دینے سے محروم کر دیا گیا تھا، ازسرنو رائے دینے کے لئے دوڑ پڑے۔ شاہ پرستوں کی اس

مجلس عارضی کی برطرفی ۱۶۶۰ء

۱۶۶۱ء کے پارلیمنٹ

پارلیمنٹ میں پرسبٹیرینوں کی تعداد صرف پچاس رہ گئی۔نئے دارالعوام میں زیادہ تر ایسے نوجوان شامل تھے، جن کے ذہن میں بچپن کی یادگار کے طور پر شاہان اسٹوآرٹ کے مظالم کا ایک دھندلا سا خیال باقی تھا، مگر دولت عامہ کے مظالم ان کی آنکھوں کے سامنے تازہ تھے۔ان کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ گزشتہ زمانے کے پیوریٹنی کاموں سے دیوانہ وار مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ایک ذی ہوش مبصّر راجر پیپس ان لوگوں کی نسبت لکھتا ہے کہ "میں نے اپنی زندگی میں ان لوگوں سے زیادہ بدکار اور قسم کھانے والے آدمی نہیں دیکھے" درحقیقت پارلیمنٹ نے اول اول جس جوش کا اظہار کیا وہ خود چارلس اور اس کے وزرا کے جوش سے بھی آگے بڑھ گیا۔اس پارلیمنٹ نے اگرچہ مجلس عارضی کے دوسرے کاموں کو منظور کر لیا مگر قانون معافی، کو اس نے بڑی مشکلوں سے منظور کیا۔دارالعوام نے وین پر مقدمہ چلانے کے لئے زور دیا۔ وین قانوناً بھی محفوظ تھا اور بادشاہ نے مجلس عارضی سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اگر اس پر غدّاری کا جرم ثابت بھی ہو جائے گا تب بھی وہ اس کے قتل کی اجازت نہ دیگا۔لیکن اب اس پر ایک ایسے بادشاہ کے خلاف غداری کا جرم عاید کیا گیا "جسے غداروں اور باغیوں نے اس کے شاہی اختیارات سے محروم کر دیا تھا"۔اس نے اپنی بریت میں نہایت پرجوش کوشش کی اور یہی امر اس کے قتل کے لئے

ایک عذر ہو گیا۔ چارلس نے اپنے عادتی سکون اور معمولی اطمینان کے ساتھ لکھا تھا کہ "اگر اس شخص کو باطمینان دفع کیا جاسکتا ہے تو اس کا زندہ رکھنا نہایت خطرناک ہے۔ لیکن نئے ارکان وفاداری میں جس قدر بڑھے ہوئے تھے اس سے زیادہ وہ کلیسا کے طرفدار تھے۔ مشترک مصائب نے متوسط طبقے کے لوگوں اور حکومت اساقفہ کے حامی پادریوں کو متحد کر دیا تھا اور اصلاح کے بعد سے یہ پہلا موقع تھا کہ انگلستان کے متوسط الحال شرفا صرف بادشاہی کے لئے نہیں بلکہ کلیسا و بادشاہ دونوں کے لئے گرمجوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اجلاس کے شروع ہوتے ہی دارالعوام نے یہ حکم دیا کہ ہر رکن عشاء ربانی میں شرکت کرے اور معاہدہ لیگ اور "عہد و میثاق" کو سرکاری جلاد وسٹ منسٹر ہال میں جلا دے۔ دارالامرا سے اساقفہ کے خارج کئے جانے کا قانون منسوخ کر دیا گیا۔ حامیان اساقفہ اور پربٹیرینوں کے خلاف سیوائے میں جو مجلس شوریٰ جمع ہوی تھی وہ غصے کے ساتھ درہم و برہم ہو گئی اور کتاب ادعیہ میں جو چند ترمیمیں کی گئیں وہ اس نظر سے نہیں تھیں کہ پیوریٹن اس سے مطمئن ہوں بلکہ ان کی غرض یہ تھی کہ وہ اور زیادہ متنفر ہو جائیں۔

کلیرنڈن باایں ہمہ نئی پارلیمنٹ ہمہ تن خیال انتقام ہی میں غرق نہیں ہو گئی تھی بلکہ وہ یہ چاہتی تھی کہ خانہ جنگی کے باعث

نظام سلطنت میں جو سخت اختلال واقع ہو گیا ہے اسے رفع کیا جائے۔ان آئین پسندوں میں سب سے زیادہ سرگرم شخص ہائیڈ تھا' ۱۶۴۲ء میں وہ فاکلینڈ کا شریک کار تھا اور اب ارل کلیرنڈن کے خطاب اور لارڈ چانسلر کے عہدے پر ممتاز اور حامیان شاہی کا سرگروہ تھا۔اس کی رائے یہ تھی کہ پارلیمنٹ اور کلیسائے انگلستان کے نظام حکومت کے اجزائے لازمی ہیں؛ انہیں کے توسط سے شاہی اختیارات نافذ ہونا چاہئیں۔اسی کی رہنمائی سے پارلیمنٹ اس جانب متوجہ ہوئی کہ کلیسا و سلطنت دونوں میں اتحاد عمل کے اصول کو اس کے حسب منشا پختہ کر دے۔اس کارروائی میں خاص دقّت پرسبٹیرینوں کی طرف سے پیش آرہی تھی قصبات کے اراکین کا انتخاب عملاً قصبات کی بلدی مجلسوں کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا اور ان مجلسوں میں پرسبٹیرینوں کو پورا غلبہ حاصل تھا' اس لئے کوشش یہ کی گئی کہ مجالس بلدی کے قانون کو سخت کر کے ان لوگوں کو ان مجلسوں کے عہدوں سے خارج کر دیا جائے۔پس قانوناً یہ لازم کیا گیا کہ بلدی عہدوں پر فائز ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انگلستان کے کلیسا کے موافق عبادت عامہ و عشائے ربانی کے دستور کو قبول کیا جائے' معاہدہ لیگ اور "عہد و میثاق" کے ترک کا اقرار کیا جائے اور یہ اعلان کیا جائے کہ کیسا ہی عذر قوی کیوں نہ ہو مگر بادشاہ کے خلاف ہتیار اٹھانا ناجائز ہے' قانون اتحاد عبادت کو از سر نو جاری کر کے پیورٹینوں پر

قانون بلدی

قانون اتحاد عبادت

اس سے بھی سخت تر ضرب لگائی گئی - نہ صرف یہ کہ تمام عبادت میں صرف کتاب ادعیہ ہی کا استعمال کیا جانا لازمی قرار دیا گیا بلکہ کلیسا کے تمام پادریوں سے یہ خواہش کی گئی کہ جو کچھ اس کتاب میں مندرج ہے ان سب کو صاف الفاظ میں قبول کرکے ان سے اتفاق کریں۔ اصلاح کے بعد اب پہلی مرتبہ یہ ہوا تھا کہ جن احکام کی منظوری اساقفہ نے نہ دی ہو وہ قانوناً ناجائز ہیں۔مجالس بلدی سے جو اقرار لیا جاتا تھا' پادریوں سے بھی اسی کا مطالبہ کیا گیا اور مزید براں انہیں یہ بھی وعدہ کرنا پڑتا تھا کہ وہ کلیسا یا سلطنت میں کسی قسم کے تغیر کے خواہاں نہونگے۔ ایشلے نے دارالامرا میں بڑی سختی سے اس قانون کی مخالفت کی۔امرا نے اس امر پر زور دیا کہ خارج شدہ پادریوں کے وظیفے مقرر کر دئے جائیں اور مدرسوں کے معلم اس قسم کے اقرار سے مستثنیٰ کئے جائیں۔خود کلیرنڈن نے یہ خیال کرکے کہ بادشاہ زبان دے چکا ہے بہت چاہا کہ چند ایسی دفعات بڑھا دی جائیں جن سے بادشاہ کو یہ اختیار حاصل ہو جائے کہ وہ جسے چاہے ان قیود سے مستثنیٰ کر دے لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا' مصالحت کی ہر تجویز کو دارالعوام نے مسترد کر دیا اور آخرالامر چارلس نے بھی اپنی طرف سے منظوری دے دی مگر اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی لکھدیا کہ وہ اپنے شاہی اقتدار سے کام لے کر اس قانون کے نفاذ کو معلق کر دیگا۔

عہد نامہ بارتھولومیو ۱۶۶۲

لیکن یہ پارلیمنٹ جو انگریزی کلیسائے منتظمہ کی حامی تھی اس

قانون کے عمل میں لانے کا عزم مصمم کئے ہوئے تھی۔اس نے اس قانون کی دفعات سے اتفاق کرنے کے لئے عید سنٹ بارتھولومیو کو آخری دن مقرر کر دیا تھا اور اس روز عدم اتفاق کے جرم میں تقریباً دو ہزار رکٹر (منتظم مقیم) اور وکار (شدہاق) اپنی اپنی جگہ سے ہٹا دئے گئے۔یہ تعداد انگلستان کے تمام پادریوں کی تعداد کے پانچویں حصے کے برابر تھی۔کلیسا کی مذہبی حالت میں ایسا عام تغیر کبھی اس سے پہلے واقع نہیں ہوا تھا اور "اصلاح" کے تغیرات میں خود پادریوں کا تغیر بہت کم ہوا تھا۔ ایلزبتھ کے عہد میں ہائی کمیشن کی سختیاں بھی اس سے آگے نہیں بڑھیں کہ سو دو سو پادری خارج کر دئے گئے۔ لاڈ نے پیورٹینوں کے ہٹانے میں بہت زور دکھایا مگر قانون کی بندشوں اور پادریوں میں عام طور پر طریق پیوریٹنی کی ترقی کے باعث وہ بھی اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔البتہ خانہ جنگی سے بہت بڑا تغیر پیدا ہو گیا تھا مگر یہ تغیر بھی آہستہ آہستہ ہوا تھا اور بظاہر یہ تغیر زیادہ تر سیاسی و اخلاقی وجوہ سے ہوا تھا؛ اس میں مذہب کو زیادہ دخل نہیں تھا۔دیہات کے جو پادری خارج کئے گئے وہ "مفسدہ پردازی" سستی، بدکاری اور وعظ گوئی کی ناقابلیت کے باعث اپنے عہدے کے؛ سزا قرار پاکر خارج کئے گئے تھے۔ لیکن عید بارتھولومیو کے روز جو تغیر ہوا وہ خالص مذہبی تغیر تھا اور یہ تغیر دفعتہً ایسے وسیع پیمانہ پر ہوا کہ کہیں اس کی کوئی نظیر نہیں

ملتی ۔ جس قدر رکٹر (منتظم مقیم) اور وکار (شدباق) خارج کئے گئے وہ اپنے زمرے میں بہت ہی ذی علم و نہایت ہی مستعد کار تھے ۔ ملک کے تمام بڑے بڑے وظائف و اوقاف انہیں کے ہاتھوں میں تھے ۔ لنڈن کے پادری اپنی عام شہرت و رفعت میں انگلستان کے تمام پادریوں سے فائق تھے اور یہ خارج شدہ پادری ان لنڈن کے پادریوں میں بھی خصوصیت سے ممتاز تھے، جرمی ٹیلر کے سوا انگلستان کا کوئی واعظ ہو کا مد مقابل نہیں تھا ۔ مناظرے اور قوت عمل میں کوئی پادری بیکسٹر کے رتبے کو نہیں پہنچتا تھا اور پادریوں کی تمام مجموعی تعداد کا پانچواں حصہ انہیں افراد کے ساتھ تھا ۔ انہیں کے جوش و محنت کا نتیجہ تھا کہ تمام ملک میں پرہیزگاری و مذہب کا ایسا اثر ظاہر ہو رہا تھا کہ کبھی اس سے قبل یہ حالت دیکھنے میں نہیں آئی تھی ۔ ان لوگوں کے اخراج سے جس قدر ان کا ذاتی نقصان ہوا اس سے زیادہ خود کلیسا کو نقصان پہنچا، اس اخراج کے معنی یہ تھے کہ اصلاح کے زمانے سے جس فرقے نے کلیسائے انگلستان میں سب سے زیادہ آمادگی کے ساتھ کام کیا تھا اور عوام پر سب سے زیادہ اثر ڈالا تھا، اسے یک قلم کلیسا سے خارج کر دیا جائے اور الیزبیتھ کے وقت سے انگلستان کے طریق عبادت اور براعظم کے اصلاح شدہ طریقوں میں زیادہ قریبی تعلقات پیدا کرنے اور خود انگلستان کے اندر طریق عبادت کو عام رعایا کے مذہبی

اخراج کے مذہبی نتائج

احساس سے زیادہ ہمنوا بنانے کی جو کوششیں ہو رہی تھیں وہ سب بند ہو جائیں۔ اسی زمانے سے انگلستان کا کلیسا تمام عالم کے کلیساؤں سے بالکل علیحدہ و منفرد ہو گیا ہے "اصلاح" نے اسے ان کلیساؤں سے جو اب تک پوپ کی پیروی پر قائم تھے، اس طرح جدا کر دیا تھا کہ ان سے ملنے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اب قانون اتحاد مذہب نے استقفی طریقوں کے سوا اور تمام طریقوں کو خارج کر کے پروٹسٹنٹ کلیساؤں کی عام جماعت سے بھی اسے علیحدہ کر دیا اور اس علیحدگی میں لوتھر کے پیرو یا اصلاح شدہ کلیسا میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اس طرح کلیسائے انگلستان ایک طرف تو بیرونی دنیا کے نشاط افزا تعلقات سے منقطع ہو گیا، دوسری طرف خود اندرونی طور پر بالکل سست، افسردہ و پژمردہ ہو کر رہ گیا۔ پیوریٹین پادریوں کے اخراج کے ساتھ ہی ہر قسم کے تغیرات، اصلاح کی تمام کوششیں، قومی نشو و نما کی تمام تحریکیں دفعتہً رک گئیں۔ اس وقت سے لے کر اس وقت تک اس استقفی کلیسا کے طریق حکومت و عبادت میں کسی قسم کی ایسی تبدیلی نہیں ہوی ہے جس سے اس کے پیروؤں کی مختلف النوع مذہبی ضروریات پوری ہوتی ہوں۔ مغربی ممالک عیسوی میں یہی ایک کلیسا ہے جس میں دو سو برس کے اندر ایک دعا یا ایک حمد کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے، لیکن عید سنٹ بارتھولومیو کے واقعات کے نتیجے اگر کلیسائے انگلستان کی مذہبی نشو و نما کے لئے

مضر ثابت ہوے تو مذہبی آزادی کے حق میں نہایت ہی کارآمد ثابت ہوے۔ رجعت شاہی کے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ مذہبی آزادی کا دوبارہ خاتمہ ہوگیا ہے۔ ابتک صرف انڈپنڈنٹ (آزاد خیال) اور کوئیکر کے چند مبغوض فرقے اس حق کے دعویدار تھے کہ ہر شخص اپنے ایمان کے موافق جس طرح چاہے خدا کی عبادت کرے ورنہ پیوریٹن فریق کا بیشتر حصہ پرسبٹیرینوں کے اس خیال میں اپنے مخالفین کا ہمرائے تھا کہ عقائد نہیں تو عبادت میں ضرور ہی تمام ملک کو ایک طریق پر چلنا چاہئے۔ اگر یہ دونوں فریق کلیسا کے معاملہ میں متحد ہو جاتے تو ان کا مقابلہ تقریباً ناممکن ہو جاتا لیکن خوش قسمتی سے سینٹ بارتھولومیو کے اخراج عظیم نے پرسبٹیرینوں کو اس کلیسا سے نکال دیا جس پر وہ اس قدر فریفتہ ہو رہے تھے۔ اور انہیں مجبور کیا کہ ان فرقوں سے عام اتحاد کریں جن سے نفرت کرنے میں وہ کسی طرح اساقفہ سے کم نہ تھے۔ اس مشترک مصیبت نے ان تمام لوگوں کو جو عام عبادت سے اتفاق نہیں کرتے تھے بہت جلد ایک کر دیا۔ ان نئی جماعتوں کی تعداد، ان کی دولت، اور ان کی سیاسی اہمیت کے باعث ان کی داروگیر مشکل تھی اور کلیسا کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اپنے دائرہ اثر سے خارج منحرفوں کی ایک مرتب و منتظم جماعت سے اسے سابقہ پڑا۔ اس وسیع جماعت کو پامال کر دینا ناممکن تھا اور اسی عجز کی وجہ سے مدبرانِ انگلستان نے بدرجۂ

اس اخراج کے سیاسی نتائج

مجبوری قانون رواداری کے رو سے پہلی مرتبہ آزادی عبادت کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا۔ اس جماعت کی روز افزوں ترقی نے کلیسا کو قریب قریب اس کے تمام مخصوص حقوق و امتیازات سے محروم کر دیا ہے اور اب اندیشہ یہ ہو چلا ہے کہ سلطنت سے اس کا جو کچھ سرکاری تعلق باقی رہ گیا ہے وہ بھی منقطع نہ ہو جائے، لیکن ان بعید نتائج سے ہمیں ابھی بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ قانون اتحاد عبادت اور پیوریٹن پادریوں کے اخراج کے باعث انگلستان کی مذہبی و سیاسی تاریخ میں ایک نیا عنصر پیش پیش نظر آنے لگا، یعنی کلیسا سے منحرف اور عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والی جماعتوں کا اثر محسوس ہونے لگا۔ یک بیک شدت کے ساتھ دارو گیر کے جاری ہو جانے سے پیوریٹنوں کی ناامیدی غضب آمیز مایوسی سے بدل گئی۔ بہتوں نے ہالینڈ چلے جانے کا ارادہ کیا اور اکثروں نے نیو انگلینڈ اور امریکہ کی آبادیوں کی طرف بھاگ نکلنے کی صلاح ٹھہرائی۔ ادھر چارلس کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ پروٹسٹنٹوں کی ان دونوں مقتدر جماعتوں کے مناقشہ باہمی سے فائدہ اٹھا کر کیتھولکوں کے لئے رواداری حاصل کر لے اور اس کے ساتھ ہی اپنے اس حق شاہی کو دوبارہ قائم کر دے کہ اسے قوانین کے نفاذ کو معلق کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔ ایک شاہی اعلان سے

دارو گیر

اعلان رعایت سنہ ۱۶۷۲ء

تحفظ کی نئی امیدیں پیدا کر دیں۔ بادشاہ نے اس اعلان میں اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ " اس قانون کے تاوان و جرمانے سے ان تمام لوگوں کو معاف کر دیگا جو امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں مگر اپنی طبیعت و احساس کی غلطی کی وجہ سے اس قانون سے اتفاق نہیں کرتے اور بلا شور و شر خاموشی کے ساتھ اپنے طریقے پر عبادت کرتے ہیں"۔ ۱۶۶۳ء میں ایک مسودہ قانون اس غرض سے پیش ہوا کہ پہلے اعلان شاہی میں جس رعایت کا وعدہ کیا گیا تھا اسے پورا کیا جائے۔ اس مسودے میں چارلس کو صرف اسی قدر اختیار دینا تجویز نہیں ہوا تھا کہ وہ قانون اتحاد عبادت کے دفعات کو معلق کر دے بلکہ مذہبی اتحاد اور مذہبی اختبار کے لئے تاوان و جرمانہ عاید کرنے کے جس قدر قوانین ابتک نافذ ہوئے ہیں وہ ان سب کو بے اثر کر سکتا ہے۔ شاہی مجلس شوریٰ کے پرسبٹیرین سرگروہ اس اعلان سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ ہو گئے مگر منحرفوں' کا گروہ کثیر اس کا روادار نہیں تھا کہ ان کے شکایات سے فائدہ اٹھا کر رومن کیتھولکوں کے ساتھ رعایت برتی جائے یا قانون کے معطل کر دینے کے جس اختیار کو خانہ جنگی نے زایل کر دیا تھا اسے پھر بحال کر دیا جائے۔ اہل کلیسا بھی اس رواداری کے سخت مخالف تھے' منحرفوں سے تو انہیں پہلے ہی سے نفرت تھی اب اس شبہہ نے ان کی نفرت کو اور قوی کر دیا کہ

کیتھولکوں اور منحرفوں میں کوئی خفیہ معاہدہ ہوگیا ہے اور خود بادشاہ بھی اس میں شریک ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے ایک ہی وار میں اپنے دونوں مخالفونکا کام تمام کر دیا۔ انہوں نے اول ایک محضر کے ذریعہ سے چارلس کو مجبور کیا کہ وہ اپنی رواداری کے وعدے کو واپس لیلے اور پھر بزور اس سے ایک اعلان یہ شایع کرایا کہ تمام کیتھولک قسیس جلاوطن کر دئے جائیں۔ اس کے بعد "قانون مجلس منحرفین" کے نام سے ایک قانون یہ بنایا کہ "عبادت عامہ" کے سوا اور کسی قسم کی مذہبی عبادت کے لئے اگر پانچ سے زاید آدمی جمع ہوں گے تو تیسری مرتبہ اس جرم کے سرزد ہونے پر انہیں جرمانہ' یا قید یا جلاوطنی کی سزا دی جائیگی۔ اور جلاوطنی سے واپس آجانے یا بھاگ جانے پر موت کی سزا ہوگی۔ ایک سال بعد ایک قانون "پانچ میل کے قانون" کے نام سے بنایا جس نے اس تشدد کو انتہا کو پہنچا دیا۔ اس قانون کے بموجب ہر ایک پادری کو جسے قانون اتحاد عبادت کی رو سے خارج کیا گیا تھا طلب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس امر کا حلف اٹھائے کہ کیسا ہی عذر کیوں نہ ہو بادشاہ کے خلاف ہتھیار اٹھانا خلاف قانون ہے اور وہ کسی وقت بھی "کلیسا یا سلطنت کے طریق حکمرانی میں کسی تغیر کی کوشش نہیں کریگا"۔ اگر وہ اس سے انکار کرتا تو اسے یہ حکم دیا جاتا کہ وہ کسی قصبے یا کسی ایسی جگہ کے پانچ میل کے اندر

قانون مجلس منحرفین ۱۶۶۴

۱۶۶۵

نہ جائے جہاں اس نے بہ حیثیت پادری کے کام کیا ہو۔ چونکہ عبادت عامہ سے اتفاق نہ کرنے والوں کا بیشتر حصہ شہر کا رہنے والا تھا اور تجارتی طبقات سے تعلقات رکھتا تھا اس لئے اس کارروائی کا اثر یہ ہوا کہ وہ ہر قسم کی مذہبی تعلیم سے محروم ہو گئے۔ پارلیمنٹ کی اسی نشست میں ایک تجویز یہ بھی بیش ہوی کہ پانچ میل کے قانون کا حلف قوم کے ہر شخص سے لیا جاے اور صرف چھ رایوں کی کثرت سے یہ تجویز نامنظور ہوئی۔ ان حالات میں مشکل تھا کہ عام قوم کو ان عبادت عامہ سے اتفاق نہ کرنے والوں کی مصیبتوں میں ان کے ساتھ ہمدردی نہ ہو جاتی پرسبٹرینوں نے اپنی کامیابی کے زمانے میں جو زیادتیاں کی تھیں اس کی وجہ سے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی مگر شکست کے بعد ان کی جیسی تذلیل ہوئی اس سے یہ انتقام کے شعلے فرو ہو گئے۔ پرہیزگار وذی علم پادریوں کا اپنے گھروں اور اپنے معتقدوں سے الگ کیا جانا‘ برق اندازوں کا مذہبی مجلسوں کو درہم و برہم کرنا‘ عدالت کے کٹھرے میں چوروں اور قزاقوں کے دوش بدوش واعظوں کا کھڑا ہونا‘ قید خانوں کا ان پر جوش ایمانداروں سے بھر جانا جن کا جرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ پرہیزگار تھے‘ یہ ایسے مناظر تھے کہ دنیا کی تمام قوت استدلال بھی رواداری کی حمایت اس سے زیادہ فصاحت

کے ساتھ نہیں کرسکتی تھی۔ اس تشدد کا صرف ایک فرقے پہ جو اثر
پڑا اسی سے ہمیں یہ پتہ چل سکتا ہے کہ اس کا اثر کس قدر
وسیع تھا۔کوئیکروں نے اپنے طور و طریق کی پابندی کے
باعث ہتیار اٹھانے اور قسم کھانے سے انکار کرنے میں ایسا
مبالغہ کیا تھا کہ ان کی طرف سے ایک اندیشہ پیدا ہوگیا تھا
اور خاص ان کے دبانے کے لئے ایک قانون منظور ہوا۔
عبادت مشترک سے اتفاق نہ کرنے والی جماعتوں میں یہ سب
سے چھوٹی جماعت تھی مگر تہوڑی ہی مدت کے اندر ان میں
سے چار ہزار سے زاید آدمی قید خانے میں ڈال دئے گئے
جن میں سے پانچ سو صرف لندن میں قید تھے۔بارہ برس بعد
بادشاہ کے اعلان رعایت نے بارہ سو کوئیکروں کو قید خانوں
سے آزاد کیا۔خارج شدہ پادریوں کے مصائب کی داستان
انہیں میں سے ایک شخص رچرڈ بیکسٹر نے بیان کی ہے وہ
لکھتا ہے کہ" ان میں سے سیکڑوں اپنی بیوی بچوں کے
ساتھ اس حالت میں مبتلا تھے کہ نہ ان کے پاس گھر تھا
نہ کھانے کا سامان تھا۔ان کی جماعتیں اپنے قیدیوں کی
مدد کرنے اور ان کی خوراک بہم پہنچانے میں اس درجہ
مصروف تھیں کہ ان لوگوں کے لئے سدرمق کے مہیا
کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ لوگ حتی الامکان
کفایت سے کام لیتے تھے مگر پھر بھی ان کے لئے زندگی
بسر کرنا دشوار تھا۔بعض صرف موٹی روٹی اور پانی پر بسر

کرتے تھے۔ بعضوں کی آمدنی آٹھ یا دس پاؤنڈ سالانہ تھی
اور اسی میں انہیں ایک خاندان کا خرچ چلانا تھا۔ چنانچہ چھ
چھ ہفتے گزر جاتے تھے کہ ان کے دسترخوان پر گوشت نہوتا
تھا۔ انہیں جو امداد ملتی تھی اس سے وہ بہ مشکل روٹی و پنیر
پر گزر کر سکتے تھے۔ ان میں ایک شخص چھ روز ہل چلاتا تھا
اور اتوار کے روز وعظ کہتا تھا۔ دوسرا اوقات بسر کرنے
لئے تنباکو کترتا تھا" لیکن ان کی مصیبتوں میں افلاس سب سے
ادنیٰ مصیبت تھی۔ تماشا کرنے والے ان کا مضحکہ کرتے
تھے، بازاری لوگ ان پر آوازے کستے تھے۔ بیکسٹر ہی
لکھتا ہے کہ "پادریوں میں بہت سے ایسے تھے جو حکم
ملنے کے بعد بھی اپنی خدمت کے ترک کر دینے سے ڈرتے
تھے اور جو لوگ ان کا وعظ سننا چاہتے تھے ان کے
سامنے وہ کھیتوں میں اور ذاتی مکانوں میں وعظ کہتے رہتے
تھے تا آنکہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے قید خانوں میں
ڈال دیا گیا جہاں ان میں سے بہت سے مر گئے" اساقفہ
کی عدالتوں میں وہ ملت سے خارج قرار دئے جاتے اور
گرجا میں نہ حاضر ہونے کی علت میں ان پر جرمانے ہوتے
تھے۔ یہ لوگ آدھی رات گئے پر اپنے جلسے کیا کرتے
تھے اور اسی سے سراغ رسانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا
جن کا ذریعہ معاش یہی تھا کہ ان لوگوں کے جلسوں کا
پتہ لگائیں۔ ایلین جس کی کتاب "تبدیل مذہب نکرنے والوں

کو انتباہ" بہت مشہور کتاب ہے، وہ چھتیس برس کی عمر میں ٹانٹن کے قید خانے میں مصیبتیں اٹھا کر مرگیا۔ ویلز کا مبشر ویویسور پاول رجعت شاہی کے گیارہ برس بعد تک شروسبری، ساوتھ سی، اور کارڈف کے قیدخانوں میں مصیبتیں جھیلتا رہا یہاں تک کہ آخر میں فلیٹ کے قیدخانے میں مرگیا، جان بنین بارہ برس تک بڈفرڈ میں قید رہا۔

پلگرمز پروگریس (سفرِ زائر)

بنین نے اپنی نوعمری کا زمانہ جن شورانگیز حالتوں میں بسر کیا تھا، ان کا ذکر پہلے ہی ہو چکا ہے۔ بچپن سے اس کے ذہن میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ وہ آسمان کی آوازیں سنتا اور بہشت کے خواب دیکھتا ہے۔ بچپن ہی سے وہ اس خیال میں بھی غرق تھا کہ گناہ اسے مغلوب کئے لیتے ہیں جن سے بچنے کے لئے وہ ہر طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اس کی علالت اور بار بار موت کے پنجے سے بچ جانے سے جوانی میں یہ خیال اور گہرا ہوگیا تھا؛ وہ اگرچہ خود کو نہایت قابل ملامت سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ بالکل مذہبی زندگی بسر کرنے والا شخص تھا، اور سترہ برس کی عمر میں "عساکر جدیدہ" میں اس کے داخل ہو جانے ہی سے اس کی نوجوانی کی پاکبازی و تورع کا ثبوت ملتا ہے۔ دو برس بعد جب جنگ ختم ہوگئی اس وقت بنین کی عمر ابھی پوری بیس برس کی بھی نہیں ہوی تھی مگر اسی زمانے میں اس نے ایک پرہیزگار عورت سے شادی کرلی یہ عورت بھی اسی کے

مانند نو عمر و مفلس تھی۔ یہ دونوں میاں بیوی اس قدر غریب تھے کہ دونوں کے درمیان ایک رکابی اور ایک چمچہ بھی مشکل سے مہیا ہو سکا تھا۔ غالباً گھر کی اسی غربت سے اُس نو عمر قلعی گر کی طبیعت کی بیچینی اور اس کے مذہبی تفکرات کی غمناکی اور بڑھ گئی تھی۔ اس کی بیوی سے جہاں تک ہو سکتا تھا وہ اسے تسلی و تشفی دیتی رہتی تھی۔ بنین نے مدرسہ میں جو کچھ پڑھا تھا اسے وہ بھول گیا تھا، بیوی نے اسے پھر سے پڑھنا اور لکھنا سکھایا۔ ان کا کل کتبخانہ دو مذہبی کتابوں پر مشتمل تھا، انہیں کتابوں کو وہ بنین کو پڑھایا کرتی تھی۔ لیکن اپنے خیال میں وہ یہی سمجھتا رہا کہ اس کی روح کے گرد تاریکی کی گھٹا گہری ہوتی جاتی ہے۔ اس زمانے کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ "میں چلتے چلتے ایک قریب کے قصبے میں پہنچا اور سڑک کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھ کر اس فکر میں مستغرق ہو گیا کہ میرے گناہوں نے مجھے کیسی سخت خطرناک حالت میں پہنچا دیا ہے۔ بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد میں نے اپنا سر اٹھایا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب عالمتاب کو ناگوار ہے کہ میں اس کی روشنی سے متمتع ہوں بلکہ سڑک کے پتھر اور مکانوں کے کھپرے تک مجھے اپنے خلاف معلوم ہونے لگے اور سب متفق ہو کر مجھے دنیا سے خارج کر دینا چاہتے ہیں۔ چونکہ میں نے خداوند نجات دہندہ کا گناہ کیا تھا

اس وجہ سے سب مجھ سے متنفر تھے، اور میں اس خیال سے
رونے لگا کہ کیوں میں ان کے درمیان میں ہوں۔ ہر مخلوق
مجھ سے بہت زیادہ خوش و خرم تھی کیونکہ وہ اپنی اپنی جگہ
پر مضبوطی سے قائم تھی لیکن میں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔" ۱۶۵۳ء
آخر دو برس کی کشمکش کے بعد تاریکی کا پردہ شق ہوا۔ بنین
کو یہ محسوس ہونے لگا کہ اس کی حالت بدل گئی ہے اور
وہ گناہ کے بوجھ سے ہلکا ہو گیا ہے وہ بڈفرڈ میں فرقہ
اصطباغی کے ایک گرجا میں شامل ہو گیا اور چند برس کے
اندر اندر ایک مشہور واعظ بن گیا۔ چونکہ اس جماعت میں اسے
پادری کا باضابطہ عہدہ حاصل نہیں تھا اس لئے بہ قول خود
کرامویل کے دور میں بھی اس کے وعظ خلاف قانون سمجھے
جاتے تھے اور اس صوبے کے عالموں اور پادریوں کو اس
سے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ تاہم رجعت شاہی کے زمانے تک
وہ اپنا کام کئے گیا اور اسے زیادہ پریشانی نہیں اٹھانا پڑی۔ لیکن
بادشاہ کے واپس آنے کے چھ مہینے بعد غیر اجازت یافتہ مجامع
میں وعظ کہنے کے جرم میں وہ بڈفرڈ کے قید خانے میں بنین کا قید ہونا
قید کر دیا گیا اور چونکہ وہ وعظ گوئی کے ترک کرنے کا وعدہ
کرنے سے انکار کرتا رہا اس لئے وہ بارہ برس تک قید خانے
میں پڑا رہا۔ قید خانہ اسی کے ہمخیال قیدیوں سے بھرا ہوا تھا اور
وہ انہیں میں اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ تاگے کے فیتے بنا کر
بسر کرتا اور تسکین خاطر کے لئے کتاب مقدس اور "کتاب شہدا"

پڑھا کرتا تھا اور چونکہ اسے قید خانے میں لکھنے کا سامان رکھنے کی اجازت تھی، اس وجہ سے کچھ لکھتا بھی رہتا تھا۔ لیکن ابھی اس کے شباب کا زمانہ تھا، قید کے وقت اس کی عمر بتیس برس کی تھی اور اس لئے بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی علیحدگی اور پھر بیکاری اس پر نہایت شاق تھی۔ وہ اپنے سادے و پردرد الفاظ میں لکھتا ہے کہ "اپنی بیوی اور غریب بچوں سے جدا ہونے کی تکلیف مجھے اکثر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا میری ہڈیوں سے گوشت جدا کیا جاتا ہو، اس کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ مجھے ان قابل رحم بچوں سے بے انتہا محبت ہے بلکہ اکثر میرے دل میں یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ ایک میرے نہ ہونے سے میرے اس غریب خاندان پر کیسی کچھ سختی، مصیبت اور تنگدستی گزرتی ہوگی۔ خاص کر مجھے اپنے اندھے بچے کا بہت خیال آتا ہے جو سب میں زیادہ مجھے عزیز ہے۔ اس غریب اندھے بچے کی مصیبتوں کا جب میں خیال کرتا ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اے میرے غریب بچے دنیا کی کون سی مصیبت ہے جو تجھے برداشت نہ کرنا پڑے گی۔ تو مار کھائیگا تجھے بھیک مانگنا پڑے گی، بھوکھ، سردی، برہنگی اور ہزاروں مصیبتیں تجھے برداشت کرنا پڑیں گی؛ حالانکہ اس وقت مجھ سے اتنا بھی نہیں دیکھا جاتا کہ تجھے تیز ہوا لگ جائے" لیکن یہ تکلیفیں اس کے عزم کے توڑنے پر قادر نہیں تھیں اور

بنین کی قلم کی روانی نے اس کے قید خانے کی بندش کا معاوضہ کر دیا اس نے رسالے' مناظرات' نظم' اور تخیلات کے علاوہ "گریس اباؤنڈنگ" (وسعت رحمت) اور "ہولی سٹی" (شہر مقدس) دو کتابیں بھی شایع کیں۔قید خانے ہی میں اس نے اپنی کتاب "پلگرمس پروگرس" (سفر زائر) کا پہلا اور سب سے بڑا حصہ تیار کر لیا تھا۔اعلان رعایت کے بموجب رہا ہونے کا اولین نتیجہ یہ ہوا کہ بنین نے یہ کتاب شایع کی۔ یہ کتاب ابتدا ہی سے جیسی مقبول ہوئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک اہل انگلستان زیادہ تر پیوریٹین ہی خیال کے تھے۔۱۶۸۸ء میں بنین کا انتقال ہوا اور اس سے قبل ہی "سفر زائر" کے دس اڈیشن فروخت ہو چکے تھے۔ اور اگرچہ اس سے ایک صدی بعد بھی کاؤپر کو اس خیال سے کہ مہذب طبقہ اس پر ہنسے گا یہ جرأت نہ ہوئی کہ "سفر زائر" کے اقتباسات اپنے کلام میں داخل کر سکے مگر غریب و متوسط طبقوں میں اس کتاب کی وقعت اس کے مصنف کے وقت سے اس وقت تک برابر بڑھتی ہی رہی ہے۔ اس وقت انگریزی زبان کی کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ عام پسند اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔کتاب مقدس کے مطالعہ سے انگریزوں کی عام زندگی پر جو اثر پڑا تھا اور خیالات میں جو ندرت و جدت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس کتاب سے بہتر کہیں اور نہیں ہو سکتا۔انگلستان کے بڑے بڑے لکھنے والوں

میں کسی نے بھی اس سے زیادہ سلیس روان انگریزی کا نمونہ پیش نہیں کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا طرز بیان کتاب مقدس کے طرز بیان سے مشابہ ہے "سفر زائر" میں لوگوں کی جو تصویریں کھینچی گئی ہیں وہ سب نبیوں اور بزرگوں کے خاکے ہیں۔ جہاں اس میں لطیف خیالات کا اظہار ہوا ہے وہاں مزامیر کے فقرے کے فقرے بجنسہ لے لئے ہیں اور "آسمانی شہر" کا نقشہ بالکل "الہامات سنٹ جان" کے الفاظ میں دکھایا گیا ہے۔ لیکن کتاب مقدس کو بنین نے اس طرح سے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا کہ اس کتاب کے فقرے بالکل بنین کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ کتاب مقدس کے مطالعہ میں اس طرح فنا ہوگیا تھا کہ اس کتاب کے الفاظ خود اسی کے الفاظ ہوگئے تھے۔ کتاب مقدس کے مناظر اور اس کی آسمانی آوازوں میں وہ اس درجہ محو ہوگیا تھا کہ ان کے عدم حقیقت کا امکان تک اس کے دل سے بتمامہ زائل ہوگیا تھا۔ وہ اپنے قصے کو ایسے کامل فطری انداز سے بیان کرتا ہے کہ تمام تشبیہات بالکل زندہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا "دلدل ناامیدی" و "قصر شبہات" بالکل ایسے ہی مقامات معلوم ہوتے ہیں گویا ہم ان کو روزمرہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کے "مسٹر لیگیلٹی" (بندۂ قانون) اور "مسٹر ورڈلی وائز مین" (چالاک دنیادار) سے ہم اسی طرح واقف ہیں گویا ہم ان سے

سڑک پر ملے تھے بنین کی ندرت خیال کی خاص خوبی یہی ہے کہ اس نے جس وصف کو مجسم کر کے دکھایا ہے اسے بالکل ہی اصلیت کا جامہ پہنا دیا ہے۔ مگر اس کا کمال صرف یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا۔ انگریزی کی اعلی درجہ کی نظموں میں جس وجہ سے سفر زائر کا شمار ہوتا ہے اس کے اور بھی بے شمار وجوہ ہیں۔ اس کتاب کی وسعت نظر، اس کی قطعیت، اس کی سادگی بیان، اس کا خوش اسلوبی سے ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف منعطف ہو جانا۔ دلچسپ مکالمات کو چھوڑ کر حیرت افزا کاموں کی جانب متوجہ ہو جانا، سادگی سے درد دل کا بیان کرتے کرتے پرجوش عزم و استقلال کی طرف مائل ہو جانا، بچوں کے سے الفاظ میں دقیق و نازک خیالات کا داخل کر دینا، مذاق کو دلچسپ بنا دینا، جس کیفیت کو دکھانا اسے ہو بہو عیاں کر دینا "سایہ موت کی وادی" سے نکل کر بلا تصنع یکساں روانی کے ساتھ اس زمین پر پہنچ جانا "جہاں بہشت کے قرب میں اجرام درخشندہ حرکت کرتے تھے" اور تمام کتاب کو اس لطف آمیز شان سے لکھنا کہ ایک بھی ناگوار لفظ نہ آنے پائے، یہ وہ خصوصیات ہیں جنھوں نے "سفر زائر" کو آسمان کمال کا آفتاب بنا دیا ہے۔ مذہب پیوریٹنی نے اگرچہ سب سے پہلے اس امر کو ظاہر کیا تھا کہ شاعری کے وسیلے سے ادنی ترین روح میں عالم بالا کا اثر حلول کر جاتا ہے تو بنین پیوریٹنوں میں پہلا شخص تھا

جس نے اس قسم کی شاعری کو قوت سے فعل میں لاکر دکھا دیا "کرسچن" کا "سٹی آف ڈسٹرکشن" (شہر تباہی) سے نکل کر ہیونلی سٹی (آسمانی شہر) کے طرف جانا خود بنین کے سے پیوریٹنوں کی زندگی کا احوال ہے، اور چونکہ اس پر مذہبی خیال آرائی کا رنگ چڑھا دیا گیا ہے اس لئے اس کے معمولی واقعات بھی بہت ہی بلند و درخشاں نظر آتے ہیں۔ بنین خود ہی وہ زائر ہے جو "سٹی آف ڈسٹرکشن" سے بھاگتا، ڈفکلٹی ("مشکلات") کی پہاڑی پر چڑھتا، اپولیون ("فرشتہ موت") کا مقابلہ کرتا اور دیکھتا ہے کہ اس کے احباب عزیز ڈیتھ ("موت") کے دریا سے گزر کر ہونلی سٹی ("آسمانی شہر") کو جا رہے ہیں اور چونکہ "یہ شہر جس پہاڑ پر واقع تھا وہ پہاڑ بادلوں سے بلند تھا اس لئے یہ لوگ ہنسی خوشی باتیں کرتے ہوے عالم ہوا میں نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں"

ہالینڈ سے جنگ

بہرنوع مذکورۂ بالا مذہبی تشدد کی کامیابی کا انحصار زیادہ تر اس امر پر تھا کہ ملک میں امن قائم رہے۔ لیکن جس زمانے میں کہ بنین بڈفرڈ کے قید خانے میں پڑا ہوا تھا، اور کلیسا عبادت مشترکہ سے اتفاق نہ کرنے والوں کے خلاف سخت داروگیر کے لئے شور مچا رہا تھا، اسی زمانے میں بیرون ملک میں انگلستان متواتر، ذلت و نقصان اٹھا رہا تھا۔ اہل ہالینڈ اور اہل انگلستان کی قدیم تجارتی رقابت سنہ ۱۶۶۲ کے باضابطہ معاہدے سے فرو ہوگئی تھی مگر سمندر پر چھوٹے چھوٹے فسادات

اب بھی ہوتے رہتے تھے۔اب بمبئی کے انگریزوں کے ہاتھ میں آجانے اور افریقہ کے گولڈکوسٹ (ساحل زرین) سے تجارت کرنے کے لئے لندن میں وسٹ انڈین کپنی کے قائم ہو جانے سے اس رقابت میں زیادہ ناگواری پیدا ہوگئی۔بمبئی کے بندرگاہ نے انگریزوں کے لئے ہندوستان میں بڑی ہی نفع بخش تجارت کا راستہ کھول دیا تھا۔پس اب اس مناقشے کو بڑھاکر جنگ کی حد تک پہنچا دیا گیا۔پارلیمنٹ نے بالاتفاق ایک بہت بڑی رقم کی منظوری عطا کی اور بادشاہ کو یہ امید دلاکر ہموار کر لیا گیا کہ اس جنگ سے ہالینڈ کے پرسبٹرین اور اس کی جمہوریہ تباہ ہو جائیگی اور جلا وطنی کے زمانے میں اسے ہالینڈ میں جن زیادتیوں سے سابقہ پڑا تھا ان کا بھی عوض ہو جائے گا۔ اس کے بعد سمندر میں جو جنگ ہوئی وہ گویا دیوزادوں کی جنگ تھی۔لوئسٹاف کے قرب میں ایک سخت مقابلہ پیش آیا۔ اور آخر اس میں انگریزی بیڑے کو فتح حاصل ہوئی مگر دوسرے برس نارتھ فورلینڈ کے نواح میں ڈی روئیٹر سے جو مقابلہ ہوا اس میں دو روز تک لڑائی جاری رہنے کے بعد منک اور اس کا بیڑا صرف شہزادہ ریوپرٹ کے آجانے سے تباہ ہوتے ہوتے بچ گیا۔اس مستقل مزاج امیرالبحر نے دوبارہ جنگ شروع کردی مگر اب کے بھی جنگ کا خاتمہ ڈی روئیٹر ہی کے حق میں ہوا اور انگریزوں کو بھاگ کر ٹیمز میں پناہ لینا پڑی۔درحقیقت انگریزی بیڑہ بالکل تباہ ہوگیا تھا مگر دشمن کا نقصان بھی کچھ کم نہیں ہوا تھا

۱۶۶۵

۱۶۶۶

ڈی وِٹ کا قول تھا کہ "انگریز ملاحوں کا ہلاک کر دینا ممکن ہے مگر ان کا مغلوب کر لینا ممکن نہیں"۔ یہ قول جس طرح ایک جانب کے لئے صحیح تھا اسی طرح دوسری جانب کے لئے بھی صحیح تھا۔ تیسری جنگ بھی انہیں سابقہ جنگوں کے مانند نہایت سخت ہوی اور اس کا انجام انگریزوں کی فتح پر ہوا، اور ان کے بیڑے نے ہالینڈ کے جہازوں اور شہر کو جلاتے ہوے ہالینڈ کے ساحل کے گرد چکر لگایا مگر جس طرح انگلستان کا مغلوب ہونا ممکن نہ تھا اسی طرح ہالینڈ کا مغلوب ہونا بھی ممکن نہیں تھا اور ہالنڈ والوں کا بیڑہ بہت جلد پھر درست کر دیا گیا اور رود بار انگلستان میں فرانسیسی بیڑہ بھی آکر اس سے مل گیا اس اثنا میں جنگ کے مصائب کے ساتھ اندرون ملک کی پریشانی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ سال گزشتہ لندن کی گنجان آبادی میں طاعون پھیل گیا تھا اور چھ ماہ کے اندر دو لاکھ اہل لندن ہلاک ہو گئے تھے ۔ اب طاعون کے بعد شہر میں آگ لگ گئی۔

لندن کی آتشزدگی

یہ آگ وسط شہر سے شروع ہوی اور ٹاور سے لے کر ٹمپل تک تمام شہر کو جلا کر راکھ کر دیا۔ تیرہ ہزار مکان اور نوے گرجے خاک سیاہ ہو گئے ۔ مال تجارت اور جائدادوں کے نقصان کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ خزانہ خالی تھا اور جس وقت ہالینڈی بیڑہ نور میں آیا ہے اس وقت نہ جہازوں کا انتظام درست تھا اور نہ قلعوں کی حفاظت کا سامان تھا۔ یہ بیڑہ بلا مخالفت ٹیمز میں بڑھتا ہوا گریوسینڈ تک آگیا میڈوے کے لٹھوں کے پل کو توڑ دیا، اور دریا میں جو تین جنگی جہاز لنگر انداز تھے ان میں آگ لگا کر طمطراق کرتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا اور تمام رود بار کا مالک بن گیا۔

جزو سوم

چارلس دوم

۱۶۸۳—۱۶۶۷

[اسناد۔ جن اسناد کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اُن میں ہم سر ولیم ٹمپل کے "تذکرے"، اور خود اس مدبر کے متعلق لارڈ میکالے کے مشہور مضمون، اور بریڈسبی کے "تذکرے"، اور اینڈریو مارویل کی تصانیف کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ اینٹونی ہملٹن نے کاؤنٹ دی گراموں کا جو تذکرہ لکھا ہے اس میں درباری زندگی کی بہت ہی پرمذاق اور دلچسپ تصویر کھینچی ہے، لنگرڈ نے چونکہ اصلی ماخذوں سے کام لیا ہے اور کیتھولکوں کے متعلق بے لوث و بے غرضانہ بحث کی ہے، اسوجہ سے اس کی تصنیف کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ رانکے کی سترھویں صدی کی تاریخ" (History of the XVII Century) سے زمانہ مابعد کے شاہان اسٹوارٹ کے معاملات خارجہ کی تاریخ پر بہت روشنی پڑتی ہے ڈالیرمپل پہلا شخص ہے جس نے اپنے "تذکرہ برطانیہ عظمی و آئرلینڈ" میں فرانس کے ساتھ مراسلات کے اصلی راز کا انکشاف کیا ہے۔ لیکن موسیو مینی اے کی تحقیقات کے سامنے تمام سابقہ تحقیقاتیں ہیچ ہو گئیں۔ اُس کی کتاب "مراسلات جانشینی اسپین" (Mignet's Négociations relatives a la Suesessions d' Espagne) اس زمانے

کے حالات سے واقفیت پیدا کرانے کے لئے لازی ولابدی ہے۔}

چارلس دوم

آبنائے میڈوے اور دریائے ٹیمز میں ہالینڈی توپوں کی گرج سے تمام انگلستان میں اپنے ملک کی ذلت کا ایک تلخ و ناگوار احساس پیدا ہوگیا اور لوگوں نے اب وفاداری کا خواب دیکھنا چھوڑدیا پیپس لکھتا ہے کہ "آج کل ہر شخص اولیور کو یاد کرتا اور اُس کی تعریف کرتا ہے کہ اُس نے کیسے کیسے دلیرانہ کام انجام دئے اور کس طرح تمام قرب وجوار کے حکمرانوں پر اپنا سکہ جمادیا" لیکن اولیور کا جانشین رعایا کی اس ندامت وبددلی کو بہت اطمینان سے دیکھ رہا تھا، اور صرف اسی میں فکر تھا کہ اس سے اپنا کام نکالے۔ انگلستان کی اس ذلت کو چارلس دوم محض اپنی بساط تدبیر کی ایک چال سمجھتا تھا۔ اُس نے ایسی پختہ رازداری و ہوشیاری کے ساتھ اس کام کو انجام دیا کہ نہ صرف اس زمانے کے غائر نظر مبصر دہوکھا کھا گئے بلکہ اس وقت تک مورخین مغالطے میں پڑے ہوئے ہیں رعایا صرف یہ دیکھتی تھی کہ اسکا بادشاہ ایک خوش مزاج گندمی رنگ کا جنٹلمین ہے جو کبھی کتوں کے ساتھ کھیلا کرتا ہے، کبھی اپنے وزیروں کی مضحکہ خیز تصورین بناتا رہتا ہے، کبھی باغ میں تالاب کی چڑیوں کو کیک کھلاتا ہے۔ بظاہر حالات یہ معلوم ہوتا تھا کہ چارلس ایک اول درجہ کا کاہل ہے، اس کے درباریوں میں سے ایک شخص لکھتا ہے کہ "بیکار اِدھر اُدھر پھرنے

سے اسے عجیب و غریب مسرت ہوتی ہے"۔ پیپس ایک کارشناس شخص تھا مگر وہ بھی اُس کے سوا کچھ اور رائے نہ قائم کرسکا کہ " بادشاہ عیش و آرام کے سوا اور کسی امر کو پسند نہیں کرتا، کام کے دیکھنے بلکہ اُس کا خیال تک کرنے سے اُسے نفرت ہے"۔ ٹام کلکریو نے جب پیپس سے صاف الفاظ میں یہ کہا کہ "اگرچہ تمام کام ابتر ہوئے جارہے ہیں مگر ایک شخص ہے جو ان تمام کاموں کو اپنی محنت و توجہ سے بہت جلد درست کرسکتا ہے۔ اور وہ شخص چارلس اسٹوارٹ ہے جو اس وقت صرف دربار میں باتیں کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتا"، تو پیپس اس تقریر کو سنکر ہنسنے لگا۔ اس میں مطلق شک نہیں کہ چارلس میں بہت اعلی قابلتیں موجود تھیں۔ اپنی اوائل عمر کی شکستہ حالی و مصیبت کے وقت اُس نے جس پر سکون ہمت اور ضبط و استقلال کا ثبوت دیا تھا ان میں حکمرانی کی نازک وقتوں میں بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا، وہ بالطبع خوش مزاج اور ملنسار واقع ہوا تھا، اس کے عادات و اطوار نہایت شائستہ تھے اور گفتگو کرنے میں وہ ایسی بے پروایانہ آزادی اور اخلاق سے کام لیتا تھا کہ جو شخص بھی اس سے ملتا تھا وہ اُس کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔ البتہ اُس کی تعلیم اس درجہ ناقص تھی کہ اُس کے لئے لاطینی کی آسان کتاب پڑھنا بھی دشوار تھا۔ علم کیمیا اور علم تشریح الابدان کے

مطالعہ اور رائل سوسائٹی کی علمی تحقیقات میں اپنی دلچسپی سے اُس نے اپنی فطری طباعی و ذہانت کا ثبوت دیدیا تھا۔ پیٹر اعظم کی طرح اسے بھی بحری تعمیرات کے متعلق غور و فکر کرنے کا بالطبع شوق تھا، اور اگر کوئی اسے ایک ہوشیار جہاز ساز نہ سمجھتا تو اُسے رنج ہوتا تھا، فنون لطیفہ اور مشاعرے سے بھی اسے کسی قدر رغبت تھی اور موسیقی سے بھی ذوق رکھتا تھا۔ مگر اُس کی جودت و طبّاعی کا اظہار سب سے زیادہ اس کی مسلسل گفتگو میں ہوتا تھا۔ اسے قصے کہنے کا شوق تھا اور ایک حدتک وہ اُن قصوں کو خوش بیانی و دلاویزی کے ساتھ بیان کرتا تھا۔ ظرافت سے وہ کبھی باز نہیں آتا تھا۔ مرتے وقت تک ظرافت کو اُس نے نہیں چھوڑا۔ اُس نے اپنے روتے ہوئے درباریوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "اگر مرتے دم تھوڑی دیر کے لئے اس سے آداب مجلس ترک ہوجائیں تو اسے معاف رکھیں"۔ دربار کے مسخروں میں وہ سب پر غالب رہا کرتا تھا اور سیڈلے و بکنگھم کو برابر کا جواب دیتا تھا۔ روچیسٹر تک نے اپنے بیدردانہ قطعہ میں مجبور ہوکر یہ اعتراف کیا ہے کہ "چارلس نے کبھی کوئی احمقانہ بات نہیں کہی"، درحقیقت پرزور فقرے کہنے کی یہ مہارت اسے اپنے دادا سے ورثے میں ملی تھی اور وہ اپنی طبعی طنز آمیزی سے انہیں اور دلچسپ بنادیتا تھا۔ اُس کا بھائی انگلستان میں

سب سے زیادہ قابل نفرت شخص تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے سنجیدگی کے ساتھ چارلس کو متنبہ کیا کہ اُس کی جان کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، چارلس نے ہنسکر کہا کہ "کچھ خوف نکرو لوگ ہرگز یہ نہ کریں گے کہ مجھے قتل کر کے تمھیں بادشاہ بنادیں" لیکن معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام ہمت و ذہانت و قابلیت اُسے بیکار عطا کی گئی تھی۔ سرسری نظر سے دیکھنے والوں کو اس میں اولوالعزمی و حوصلہ مندی کے آثار بالکل نظر نہیں آتے تھے۔ جس ایک امر پر وہ مستقل معلوم ہوتا تھا وہ صرف لذاتِ شہوانی سے حظ حاصل کرنا تھا، اور اس میں وہ ایسی کھلی کھلی بے شرمی سے کام لیتا تھا کہ اس کے بیحیا درباری تک شرمندہ ہو جاتے تھے۔ ایک عورت کے بعد دوسری عورت اُس کی منظورِ نظر بنتی رہتی تھی اور وہ آوارہ عورتوں کے اس غول کو خطابات اور جاگیریں دیدیکر انھیں دنیا میں نمودار کیا کرتا تھا۔ بادشاہ کے ناجائز بچے انگلستان کے امیر بنائے جاتے تھے۔ گرافٹن کے ڈیوکوں کا خاندان باربراپامر کے ساتھ بادشاہ کے تعلق ناجائز کا نتیجہ ہے جسے اُس نے ڈچز کلیولینڈ بنا دیا تھا۔ سنٹ البنز کے ڈیوکوں کی ابتدا نیل گوئن کے تعلق ناجائز سے ہوئی جو تھیٹر میں تماشہ کرنے والی بازاری عورت تھی۔ فرانس نے ایک عورت لوئیزڈی کیروئیل کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ چارلس کو فرانس کیطرف مائل کرے، اسے ڈچز پورٹسمتھ بنا دیا گیا اور خاندان رچمنڈ

کی مورثہ اول وہی ہے۔ سابق کی ایک آشنا لوسی والٹرز سے ایک لڑکا ہوا تھا جسے چارلس نے ڈیوک مانتھ بنادیا اور بکلیو کے ڈیوک اپنا سلسلہ نسب اسی سے ملاتے ہیں مگر بادشاہ کے صلب سے اس کا ہونا بوجوہ مشکوک ہے۔ چارلس کی عیش پرستی صرف اسی ایک نوعیت یا انہیں مشہور عورتوں تک محدود نہیں تھی، جو وقت ان حسینوں میں بسر ہونے یا نیو مارکٹ میں مچھلی کا شکار کھیلنے سے بچتا تھا وہ قمار بازی و شرابخواری میں صرف ہوتا تھا۔ اور تاسف یا ندامت کا خیال کبھی اُس کے دلمیں نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے یہ کہا کہ " میری عقل میں نہیں آتا کہ اگر کوئی شخص ذرا سا بیراہ ہوکر کچھ مسرت حاصل کرلیگا تو خدا اُسے مصیبتوں کا آماجگاہ بنادے گا "۔ شرم و ندامت کو اُس نے اسطرح بالائے طاق رکھدیا تھا کہ انسان کی نکوکرداری پر اُسے مطلق یقین نہیں رہا تھا۔ اسکی رائے یہ تھی کہ نکوکرداری ایک طرح کی عیاری ہے جس سے ہوشیار مکار، بیوقوفوں سے اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ عورتوں میں عفت اور مردوں میں عزت کا دعوی محض ظاہر داری ہے، احسان و امتنان کو وہ کوئی چیز نہیں سمجھتا تھا کیونکہ وہ انسان کے تمام افعال کا محرک صرف خود غرضی کو قرار دیتا تھا۔ اور اگرچہ اُس کے لئے سپاہیوں نے سرفروشیاں کیں اور عورتوں نے اپنی

جانوں تک کو خطرے میں ڈالا مگر وہ یہی کہتا رہا کہ "لوگ مجھ سے جیسی کم محبت کرتے تھے میں بھی اُن سے ویسی ہی محبت کرتا ہوں" لیکن یہ ضرور تھا کہ اگر وہ نفع رسانی کا شکر گزار نہیں ہوتا تھا تو نقصان رسانی کی شکایت بھی نہیں کرتا تھا۔ اسے نہ کسی سے محبت تھی نہ نفرت، بنی نوع انسان کے متعلق اُس کی طبیعت کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اُن کی توہین سے خوش ہوتا تھا۔

بادشاہ کی حکمت عملی

انگریزوں کے لئے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ چارلس کے سے کاہل اور شہوت پرست شخص سے آزادی کو کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے، لیکن اس یقین کی دشواری ہی میں بادشاہ کی نصف قوت مخفی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اسے سابق شاہان اسٹوارٹ کی سی مطلق العنانی کا بالکل خیال نہیں تھا۔ وہ اپنی ذہانت طبعی کی وجہ سے اپنے دادا کے "نظریہ حقوق ربانی" کا تمسخر کیا کرتا تھا اور اپنی کاہلی کیوجہ سے اپنے باپ کے سے شخصی انتظام کو وبال جان سمجھتا تھا؛ اور اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوش طبعی کیوجہ سے اسے اپنے اقتدار کو شان و شوکت سے ظاہر کرنے کی پروا نہیں تھی۔ معہذا وہ اپنی نیک مزاجی کیوجہ سے ایک ظالم بادشاہ بننا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر تاج کے قدیمی اختیارات پر اسے ویسا ہی راسخ یقین تھا جیسے اُس کے باپ یا دادا کو تھا اور انھیں کے مانند وہ بھی

پارلیمنٹ کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا بقول برنیٹ اس نے لارڈ ایسکس سے کہا تھا کہ "اسے یہ شوق نہیں ہے کہ وہ سلطان روم بنکر بیٹھے اور لوگ زبانیں بند کئے ہوئے اس کے گرد کھڑے رہیں اور آدمیوں کا گلا گھونٹنے کے لئے پھندوں کا ایک تھیلا اس کے پاس رکھا ہو، مگر اس کے ساتھ ہی وہ اسوقت تک اپنے کو بادشاہ بھی نہیں سمجھتا جبتک عام آدمیوں کا ایک گروہ اس کے کاموں کو غور سے دیکھتا رہے اور اس کے وزیروں کے کاموں اور اس کے حسابات کی جانچ پڑتال کرتا رہے"۔ اس کا خیال یہ تھا کہ "جس بادشاہ کے کاموں میں روک ٹوک ہوتی ہو اور جس کے وزرا سے جواب طلب کیا جاتا ہو وہ محض نام کا بادشاہ ہے" بالفاظ دیگر مطلق العنانی کی کوئی معین و مشخص تجویز اسکے ذہن میں نہیں تھی وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ جہاں تک ہوسکے خود مختارانہ حکومت کرے اور اپنی ابتداء حکومت سے آخر وقت تک وہ اپنی اسی تجویز کے پورا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہا۔ لیکن اس کام کو وہ بہت پہلو بچاکر رفتہ رفتہ کرکے انجام دیتا تھا اور اسوجہ سے اس کا پتہ چلانا اور اس کا توڑ کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ جب مخالفت سخت ہوتی وہ فوراً دب جاتا، اگر عام رائے وزرا کی برطرفی کی خواہاں ہوتی تو وہ انہیں برطرف

کر دیتا، اس کے اعلان رعایت پر اعتراض کیا جاتا تو وہ اس اعلان کو واپس لے لیتا۔ "پیروان پوپ کی سازش" سے مضطرب ہوکر عام رائے اگر کچھ لوگوں کو شکار بنانا چاہتی تو وہ اس میں بھی مانع نہیں ہوتا، یہانتک کہ بے چینی رفع ہو جاتی، وقت پر دب جانا اور موقع کے انتظار میں رہنا اسے خوب آتا تھا اور یہ بھی اُس کے لئے آسان تھا کہ جب دباؤ اوٹھ جائے تو پھر اپنی کارروائی کو اسی جگہ سے شروع کر دے جہاں سے اسے چھوڑا تھا۔ بادشاہ کے دل میں جو عزم تمام خیالات پر غالب تھا، وہ یہ تھا کہ "اب دوبارہ سفر کی زحمت نہ اٹھائے"۔ ایوانہاے پارلیمنٹ سے لڑکر اُس کے باپ نے اپنے کو تباہ کیا اور اب چارلس نے یہ پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ ان ایوانوں سے اسوقت تک مصالحت قائم رکھے گا جبتک کہ اسے اتنی قوت نہ حاصل ہو جائے کہ ان سے لڑکر وہ غالب ہوسکے۔ وہ امراے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ کرتا تھا کہ ان لوگوں کو سختی کے ساتھ اس سے مخالفت کرنے کی جرات ہی نہیں ہوتی تھی۔ اُس نے ایک مرتبہ بے پروائی سے کہا تھا کہ "ان لوگوں کے مباحثے میں مجھے بہت لطف آتا ہے"، جس وقت امرا یکے بعد دیگرے اُس کے وزیروں پر لعن طعن کرتے ہوتے وہ آتشدان کے پاس کھڑا ہوا خوش گپی کرتا تھا۔ شافٹسبری نے جب ملکہ کے عقیم ہونے کے متعلق نہایت نالائم الفاظ

میں طنز کیا تو ہنسنے والوں میں چارلس کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔درباریوں کو دارالعوام کا خفیہ انتظام تفویض ہوتا تھا۔ دیہات کے مستقل العزم شرفا کو بادشاہ کے کمرے میں بلایا جاتا اور وہاں وہ بادشاہ کا ہاتھ چومتے اور جنگ وورسٹر کے بعد اُس کے بھاگنے کا دلچسپ قصہ اسکی زبان سے سنتے ۔ جو لوگ اس پر بھی رام نہ ہوتے انہیں رشوتیں دیکر ہموار کرلیتا۔جب رشوت ، خوشامد ، انتظام دارالعوام کسی سے کام نہ چلتا اُس وقت چارلس دب جانے کو غنیمت سمجھتا اور موقع کے انتظار میں رہتا۔اس اثنا میں وہ استقلال کے ساتھ شاہی اختیارات کے ان قدیم اجزا کو فراہم کرنے میں لگا رہتا تھا جو ابتک باقی رہ گئے تھے اور نئے ذرائع کے پیش آنے پر اُن سے بھی فائدہ اٹھاتا تھا۔ مذہب پیوریٹنی نے انگلستان میں جو کچھ کیا تھا اگر اسے وہ باطل نہیں کرسکتا تھا تو کم از کم اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ میں اس کے کاموں کو الٹ سکتا تھا۔خانہ جنگی کے قبل انگلستان کی آزادی کے روکنے میں ان سلطنتوں سے بہت مفید مطلب کام نکلا تھا اور طویل العہد پارلیمنٹ اور کرامول نے جو اتحاد قائم کیا تھا اگر وہ از روئے قانون نادرست قرار پاجاتا تو پھر ان سلطنتوں سے کسی قسم کی روک کا کام لیا جانا ممکن تھا۔اتحاد کو تسلیم کرنے سے انکار کرنے کے معاملہ میں انگلستان کی رعایا کی عام رائے بھی چارلس

اتحاد کی موقوفی ۱۶۶۰

کی تائید میں تھی۔ جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ "زمانہ آشوب" میں جسقدر تغیرات عمل میں آئے سب سے ایک سرے سے نفرت ہوگئی تھی اور کچھ یہ خوف بھی طاری تھا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کے ارکان متفق ہوکر بادشاہ کی مرضی پر چلنے کے لئے ایک فریق بنجائینگے۔ لیکن اس کارروائی کے نتائج نے بجائے خود بہت جلد وسعت پیدا کرلی۔ اسکاٹلینڈ میں "عہد و میثاق" فوراً ہی منسوخ کردیا گیا اور نئی پارلیمنٹ نے جسے "مخمور پارلیمنٹ" کہتے تھے اظہار وفاداری میں انگلستان کے شاہ پرستوں کو بھی مات کردیا۔ اس پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعہ سے سابق پارلیمنٹوں کی گزشتہ اٹھائیس برس کی تمام کارروائیوں کو کالعدم قرار دیدیا۔ جس سے اسکاٹلینڈ کے کلیسا کا تمام موجودالوقت انتظام قانونی حد سے ساقط ہوگیا۔ مذہب کی مجلس عامہ کے اجتماع کو کرامویل پہلے ہی ممنوع قرار دیچکا تھا۔ اب کلیساؤں کے اجلاس اور پادریوں کی مجلسیں بھی معطل کردی گئیں اساقفہ پھر اپنے مذہبی منصبوں پر فائز ہوگئے اور پارلیمنٹ میں انکی جگہیں انہیں ملگئیں۔ صرف مارکویس آگائل ایک ایسا امیر تھا جو شاہی مرضی کی مخالفت کرنے کی قوت رکھتا تھا۔ اس شخص کو ایک نہایت خلاف انصاف مقدمے میں ملزم ٹھہراکر قتل کردیا گیا، اور حکومت کا کام چند عیش پرست مدبروں کو سپرد

ہوا، یہانتک کہ لاڈرڈیل جو بادشاہ کے وزرا میں سب سے
زیادہ قابل اور سب سے زیادہ بیباک شخص تھا، حکومت پر
قابض ہوگیا۔ان مدبروں کی قوت عمل ہمیشہ انہیں دو مقصدوں
کے حاصل کرنے کی طرف مائل رہی، ایک یہ کہ مذہب
پربسیٹرین کو ذلیل کیا جائے، دوسرے یہ کہ ایک شاہی فوج
تیار کیجائے جو ضرورت کے وقت بادشاہ کی مدد کے لئے
سرحد کے پار جاسکے۔طریق پربسٹیرین کو ذلیل کرنے کا باعث
یہ تھا کہ یہی ایک قوت تھی جس سے دوبارہ اسکاٹلینڈ کو
آزادی حاصل ہوسکتی تھی اور بادشاہ سے کشمکش پیش آجانے
کی صورت میں مثل سابق انگلستان کی آزادی میں بھی مدد
دیسکتی تھی۔اتحاد کے ختم ہو جانے سے آئرلینڈ میں اساقفہ
پھر اپنی جگہوں پر واپس آگئے لیکن کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں
میں توازن سابق قائم کرکے اُس سے تاج کو قوت دینے
کا جوکام چارلس نے لینا چاہا وہ پورا نہ ہوسکا کیونکہ کرامویل
کی ضبط کردہ جائدادوں کو واپس دینے کی ہر ایک تجویز پر
پروٹسٹنٹ نوآبادیوں نے بڑی ہی سخت مخالفت کی؛ خارج شدہ
وفاداروں اور نئے قابضوں کے درمیان پانچ برس تک ناگوار
کشمکش جاری رہی مگر انجام کار میں پروٹسٹنٹ کے غلبہ پر کوئی
اثر نہ پڑا اور اگرچہ ضبط شدہ جائدادوں کا ایک تہائی حصہ برائے
نام اُن کے سابق مالکوں کو واپس دیدیا گیا مگر پھر بھی تمام
جزیرے میں کام کے لائق زمین کا چھٹا حصہ بھی کیتھولکوں

کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔ ڈیوک آرمنڈ کے حقوق خدمت کی وجہ سے یہ ضروری تھا کہ حکومت کا کام اُس کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے مگر آرمنڈ اپنی وفاداری میں اسدرجہ معتدل اور آئین کا ایسا پابند تھا کہ وہ اس قسم کی کسی تجویز سے موافقت نہیں کرتا تھا جیسی آئندہ دور حکومت میں ٹرکونیل کے ہاتھوں شد و مد سے عمل میں آئی۔ با ایں ہمہ ان دونوں سلطنتوں کا انگلستان سے جدا ہو جانا ہی بجائے خود شاہی طاقت کے اضافہ کا باعث تھا اور چارلس اب خاموشی کے ساتھ انگلستان میں ایک شاہی فوج کے تیار کرنے میں مشغول ہوگیا۔ مستقل فوج سے تمام قوم اور خاصکر شاہ پرستوں کو (جنھیں عساکر جدیدہ نے پامال کردیا تھا) اس درجہ نفرت ہوگئی تھی کہ اس کے قیام کی تجویز تک کا پیش کرنا ممکن نہ تھا لیکن چارلس اور اس کے بھائی جیمز دونوں کے دلمیں یہ خیال جما ہوا تھا کہ ان کے باپ کا زوال اسی وجہ سے ہوا کہ کوئی باقاعدہ فوج موجود نہ تھی جو قومی مقاومت کی کوشش کو شروع ہی سے فرو کردیتی۔ اسی اثنا میں لندن میں کچھ لوگوں نے جو حضرت عیسیٰ کے جلد تر نازل ہونے کے معتقد اور ہر قسم کی حکومت کے منکر تھے، ایک بڈھے سپاہی وینر نامی کے تحت میں مجنونانہ شورش برپا کردی۔ چارلس نے اس سے یہ فائدہ اٹھایا کہ عساکر جدیدہ، کے منتشر کرتے وقت پانچ ہزار سوار و

شاہی فوج

پیدل کو اپنی فوج محافظ کے نام سے روک لیا۔ اسطرح
پانچ ہزار "ذی عزت وکار آزمودہ سپاہیوں کی ایک جماعت
جو ہر طرح ساز و سامان سے درست و منظم حالت میں تھی"
ہمہ وقت بادشاہ کے حضور میں حاضر رہنے لگی۔ اور اگرچہ
یہ فوج بڑی بدنامیوں کا موجب ہوئی مگر بادشاہ موقع
پاکر برابر یہی کوشش کرتا رہا کہ اُس کی تعداد کچھ بڑہاتا
جائے۔ بیس برس بعد انگلستان میں اُس کی تعداد سات
ہزار پیدل اور سات سو سواروں تک پہنچگئی اور اُس کے
علاوہ چھ عمدہ رجمنٹیں بطور فوج محافظ کے صوبجات متحدہ
(ہالینڈ) کی خدمت میں تھیں۔

چارلس اور فرانس

لیکن چارلس اس درجہ ذہین و طبّاع تھا کہ وہ اپنے
بھائی جیمز کیطرح سے یہ اعتقاد نہیں رکھتا تھا کہ شاہی
اقتدار یا چند ہزار مسلح سپاہیوں سے انگلستان کی آزادی
کو سلب کرلینا ممکن ہے۔ پس اس قسم کے ذرائع سے
انگلستان کے اندر مذہب پروٹسٹنٹ کو مٹا دینا، اور بھی
ناممکن تھا۔ یہ قصہ صحیح ہویا غلط کہ چارلس نے اپنی جلاوطنی
کے زمانہ میں مذہب پروٹسٹنٹ کو ترک کردیا تھا مگر اُس میں
شک نہیں کہ وہ ایک مدت سے دل میں پروٹسٹنٹ نہیں
رہا تھا۔ مذہب کا جو کچھ بھی تھوڑا بہت احساس اُس میں
باقی تھا اُس کا میلان مذہب کیتھولک کی طرف تھا۔ مذہب
کیتھولک کے اختیار کرنے میں وہ اپنے درباریوں کی

ہمت افزائی کرتا تھا اور اپنی زندگی میں اُس نے آخری کام یہ کیا کہ خود باضابطہ طور پر اس طریق میں داخل ہونے کی خواہش کی۔ لیکن اس معاملہ میں مذہب سے زیادہ معاملات سیاسی کا خیال اسے مرکوز خاطر تھا۔ اس وقت کی بہ نسبت اُس زمانہ میں رومن کیتھولک آبادی انگلستان میں بہت زیادہ تھی۔ اس زمانے میں انھیں اپنی دولت اور اپنے مقامی اثر کے باعث ایک ایسی سیاسی اہمیت حاصل تھی جو اب مدت سے زائل ہوچکی ہے، اس لئے اظہار احسانمندی کے طور پر اور اپنے ذاتی مفاد کے خیال سے چارلس ہر طرح پر یہ کوشش کرتا تھا کہ اُن کے لئے بجا آوری عبادت کی رواداری کا جو وعدہ اُس نے کیا ہے اُسے پورا کرے۔ لیکن وہ رواداری کے علاوہ کچھ اور بھی توقع رکھتا تھا اگرچہ یہ توقع ابھی موہوم سی تھی۔ اُس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر عقیدے کے معاملے میں آزادانہ تحقیقات اور آزادانہ عمل کی اجازت ہوگی تو پھر سلطنت میں مطلق العنانی کا نباہنا مشکل ہوجائے گا۔ اس کا قول تھا کہ ”حکمرانی اس وقت زیادہ محفوظ و آسان ہوجاتی ہے جبکہ اقتدار شاہی کو ناقابل خطا سمجھا جاتا ہے اور رعایا کا عقیدہ اور اُس کی اطاعت خود ساختہ اصول پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ اطاعت پذیری کی بنا پر قائم ہوتی ہے“ چونکہ وہ مدتوں رومن کیتھولک ممالک میں رہا تھا اور مذہب کے متعلق تشکیک۔

چارلس اور مذہب کیتھولک

کی حالت میں پڑا ہوا تھا اس لئے گمان غالب یہ ہے
کہ اس قسم کے مذہبی تغیر کے مشکلات اسے کم نظر آتے
تھے۔ درحقیقت اپنی تخت نشینی کے دو ہی برس بعد اس نے
اپنا ایک وکیل روما کو اس غرض سے بھیجدیا تھا کہ کلیسائے
انگلستان اور پیروانِ پوپ کے درمیان مصالحت کے شرائط کا
انتظام کرے۔ وہ اپنی اس رواداری کی کامیابی کا بڑا انحصار
اس پر سمجھتا تھا کہ پروٹسٹنٹ اہل کلیسائے انگلستان اور پروٹسٹنٹ
"منحرفوں" کے درمیان جو اختلافات ہیں ان سے فائدہ
اٹھایا جائے مگر اس پر بہت جلد منکشف ہوگیا کہ اپنے
سیاسی و مذہبی مقصد میں حقیقی کامیابی حاصل کرنے کے لئے
اسے انگلستان سے باہر کوئی ذریعہ تلاش کرنا چاہئے۔
اس زمانے میں یورپ میں فرانس کی قوت سب میں بڑھی
ہوئی تھی اور فرانس کا نوجوان بادشاہ لیوئس چہاردہم ملکی
و مذہبی آزادی کے خلاف تمام دنیا کے لئے مذہب کیتھولک
اور مطلق العنانی کا پشت و پناہ بنا ہوا تھا۔ یورپ کی طاقتوں
میں فرانس سب سے زیادہ دولتمند تھا اور اس کی امداد
سے چارلس پارلیمنٹ کی دست نگری سے آزاد ہوسکتا
تھا۔ اس کی فوج تمام دنیا میں بہترین فوج تھی اور خیال
یہ تھا کہ انگلستان کے محبان وطن کی طرف سے اگر کسی
قسم کی مقاومت پیش آئے گی تو فرانس کے سپاہی اسے
فرو کردینگے۔ پس لیوئس کی امداد سے چارلس کا اپنے مقاصد

میں کامیاب ہو جانا ممکن تھا اور لیوئس اس امداد کا جو بدلہ چاہتا تھا چارلس اُس کے لئے آمادہ تھا۔ لیوئس یہ چاہتا تھا کہ چارلس اسپین کے خلاف فرانس سے متحد ہو جائے۔ اسپین کی حالت یہ تھی کہ اس سے یورپ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا بلکہ وہ خود فرانس کی دہمکیوں سے خوفزدہ ہو رہا تھا، مگر لیوئس کی تمنا یہ تھی کہ اسپین کی تباہی کو انتہا کو پہنچا دے، اس کے ندرلینڈز کے صوبوں پر قبضہ کرلے اور آخرالامر خود تخت اسپین پر کسی فرانسیسی شہزادے کو متمکن کردے۔ لیکن فلینڈرز میں فرانسیسوں کی موجودگی انگلستان و ہالینڈ دونوں کو ناپسند تھی اور اسپین کی یہ توقع بیجا نہ تھی کہ اس مقابلے میں یہ دونوں سلطنتیں اور شہنشاہ سب مل کر، اُس کی مدد کریں گے۔ لیوئس چند برس تک اس پر قانع رہا کہ اپنی فوج کو آراستہ کرلے اور باتدبیر نامہ و پیام سے اپنے خلاف سلطنت ہائے عظام کے اس اتحاد کو ناممکن کردے۔ انگلستان میں لیوئس کی

چارلس کا عقد

پہلی کامیابی بادشاہ کا عقد تھا۔ پرتگال نے حال میں اسپین کی حکومت سے آزادی حاصل کی تھی اور اس کا بھروسہ تمامتر فرانس کی پشت پناہی پر تھا۔ اس حالت میں اسپین کے اعتراضات کے باوجود چارلس کا کیتھرین (براگینزا) کو اپنی زوجیت میں قبول کرلینا گویا اس امر کا اعلان کرنا تھا کہ وہ لیوئس سے متفق ہوگیا ہے۔ انگلستان کی

رائے عامہ نے اسیوقت اس خطرے کو محسوس کرلیا اور اُس کا میلان اسپین کی طرف ہوگیا۔ چنانچہ ۱۶۶۱ء میں یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ سڑک پر جاتے ہوئے اسپین اور فرانس کے سفیروں میں آگے بڑھنے کے لئے کچھ مناقشہ ہوگیا تو لندن کے عوام نے اسپین ہی کے سفیروں کا ساتھ دیا۔ پیپس لکھتا ہے کہ " ہم سب بالطبع اسپینیوں سے الفت اور فرانسیسیوں سے نفرت رکھتے ہیں " کیتھرین سے عقد کرلینے اور کرامویل کی آخری یادگار فتح یعنی ڈنکرک کو فرانس کے ہاتھ فروخت کردینے سے قوم میں فرانسیسی اثر کے متعلق رقابت وشک کا خیال پیدا ہوگیا تھا اور ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہالینڈ کے ساتھ جنگ کا انجام یہ ہوگا کہ لیوئس سے جنگ ہو پڑے گی۔ ہالینڈ کی جنگ بجائے خود ہی فرانسیسی تجاویز کے لئے سنگ راہ تھی۔ کسی ایک جانب کو مدد دینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دوسرے جانب کو خاندانِ آسٹریا کی مدد حاصل ہو جاتی اور یہ اتحاد فرانس کے حصول مقاصد میں حائل ہو جاتا۔ صرف امن ہی کی حالت میں یورپ کی سلطنتیں ایک دوسرے سے غیر متفق رہ سکتی تھیں اور اسی عدم اتفاق سے لیوئس کو یہ موقع ملسکتا تھا کہ فلینڈرز پر قابض ہو جائے۔ اس نے درمیان میں پڑ کر امن قائم رکھنے کی کوشش کی مگر یہ کوشش بیکار ہوگئی۔ آخر

۱۶۶۵ لوسٹافٹ کی شکست نے اسے مجبور کردیا کہ وہ ہالینڈ کی مدد کرے اور اُس کے اس ارادے کی خبر سے معاً انگلستان میں جنگ کی امیدیں لہرانے لگیں۔ چارلس نے جب ایوان ہائے پارلیمنٹ میں اس خبر کا اعلان کیا ہے تو بقول لوڈا پارلیمنٹ میں شور مچ گیا اور دونوں ایوان ہائے پارلیمنٹ اس خیال سے بہت ہی خوش تھے کہ اب فرانس سے بھی جنگ ہو جائے گی " لیکن لیوئس نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اپنی کوششوں کو صرف سمندر کی جدوجہد تک محدود رکھا اور چونکہ انگلستان اندرونی و بیرونی تباہیوں سے اسقدر پریشان ہوگیا تھا کہ جنگ کا جاری رکھنا اُس کے لئے بہت دشوار تھا اسلئے ہالینڈ کے بیڑے کے ٹیمز میں نمودار ہونے کے بعد یکایک صلح ہوگئی اور لیوئس کی سیاسی ریشہ دوانیوں کے لئے پھر میدان صاف ہوگیا۔

صلح بریڈا ۱۶۶۷

کلیرنڈن کا زوال

اس صلح سے انگلستان میں بہت ہی سخت بیچینی عام ہوگئی مگر عوام کا یہ رنج و غصہ صرف کلیرنڈن تک محدود رہا ۱۶۶۳ء میں کلیرنڈن نے ایک مسودہ قانون اس غرض سے پیش کیا تھا کہ بادشاہ کو، قوانین سے مستثنی کرنیکا اختیار دیدیا جائے اس مسودے کے پیش ہونے پر خود کلیرنڈن سے علانیہ مخالفت کی گئی اور چارلس اسیوقت سے نہایت برہم تھا۔ پرسبٹیرین فریق بہ سرکردگی ایشلے اور فریق کیتھولک بہ سرکردگی

ارل برسٹل دونوں یکساں طور پر اُس کے زوال کے خواہاں تھے۔ دربار میں بادشاہ کا ایک دست پرور بینٹ (جو اس عہد میں ارل آرلنگٹن ہوگیا تھا) اُس کا مخالف تھا۔ لیکن کلیرنڈن اب بھی بہت قوی تھا، بادشاہ کے معاملات سے اُس کا رازدارانہ تعلق تھا، اُس کی بیٹی این ہائڈ ڈیوک یارک کے عقد میں تھی۔ کام کی قابلیت اس میں بہت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ سب سے بڑھکر یہ کہ کلیسا اُس کا موید تھا اور شاہ پرست و قدامت پرست دارالعوام کو اس پر اعتماد تھا پس اُس کے رقیبوں کو اس طرح جب اسے خارج کرنے میں کامیابی نہیں ہوی تو انہوں نے طبقہ تجار کی رقابت سے فائدہ اٹھاکر اُس کی رائے کے خلاف اُسے ہالینڈ سے جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ اور اگرچہ چانسلر "پانچ میل والے قانون" کو دونوں ایوانوں سے منظور کرانے میں کامیاب ہوگیا مگر اُس کے دشمنوں نے اس کی نسبت جو قیاسات قائم کر رکھے تھے وہ بہت جلد صحیح ثابت ہوے۔ جنگ کی وجہ سے کلیرنڈن اور پارلیمنٹ کا اتفاق باہمی ٹوٹ گیا۔ اُس نے پارلیمنٹ کی برطرفی کی صلاح دی، اور یہ تجویز کی۔ کہ پارلیمنٹ روپئے کی منظوری نہ دے جب بھی فوج رکھی جائے، اور اُس کے ساتھ اُس نے حسابات کے معائنہ کی بھی مخالفت کی جس سے پارلیمنٹ نے یہ سمجھا کہ وہ اس کوشش میں ہے کہ سب سے زیادہ ناگوار شے (یعنی مستقل فوج) کو ازسرنو قائم کردے۔ لامحالہ پارلیمنٹ

اس سے برہم ہوگئی اور چارلس کو موقع ملگیا کہ جس وزیر نے اسے اتنے دنوں تک دبا رکھا تھا اُس کے دباؤ سے آزادی حاصل کرلے، چانسلر اپنے عہدے سے معزول کردیا گیا اور اسے پناہ لینے کے لئے فرانس کو بھاگنا پڑا۔ کلیرنڈن کی جلاوطنی، اور ساؤتھمپٹن کے انتقال اور آرمنڈ و نکولس کے ترک ملازمت سے آئین پسند وفاداروں کا فریق بالکل معدوم ہوگیا اور جس فریق نے اولاً پریسبیٹرین کی نمائندگی کی تھی اور جو ایشلے کی رہبری میں حصول رواداری کے لئے اس حدتک سرگرم تھا کہ اس مقصد کے لئے تاج کے حقوق خاص تک کو بڑھا دینے پر آمادہ تھا، اس فریق کو اب معاملات سلطنت میں سب پر تقدم حاصل ہوگیا۔ چارلس کی مذہبی حکمت عملی میں ابتک اس وجہ سے ناکامی ہوتی رہی تھی کہ پارلیمنٹ شدت کے ساتھ کلیسا کی مویّد تھی۔ کلیرنڈن کا اثر غالب تھا، اور پریسبیٹرین بہ حیثیت مجموعی اس امر پر رضامند نہ تھے کہ کیتھولکوں کے ساتھ رواداری جائز رکھکر اور بادشاہ کے اس اختیار کو تسلیم کرکے کہ وہ پارلیمنٹ کے قوانین سے مستثنے کرسکتا ہے "رعایت" حاصل کریں۔ اب نئی

کابال[a]

[a] ۱۶۷۱ء میں وزارت میں پانچ ارکان تھے، جنکے نام کلیفرڈ، آرلنگٹن، بکنگھم، ایشلے، لاڈرڈیل تھے اور انہی ناموں کے ابتدائی حرفوں سے انگریزی میں لفظ Cabal بنتا ہے، جیسے اردو میں "کابال" کہنے سے وہی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

وزارت نے پہلا کام یہ کیا کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کو قید سے رہا کردیا، قانون اتحاد عبادت کے نافذ ہونے کو معطل کردیا، منحرفوں کے جلسوں کے منعقد ہونے اور انکی عبادت گاہوں کے دوبارہ جاری ہونے کی اجازت دیدی یہ تمام باتیں علانیہ طور پر ایوان ہائے پارلیمنٹ کے منشا کے خلاف تھیں۔ مگر جب چارلس نے اپنے مشیروں کے سامنے عام رواداری کی تجویز پھر پیش کی تو اسے معاً معلوم ہوگیا کہ اسوقت بھی اس کی تائید ۱۶۶۲ء سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ ایشلے کا انداز بدل گیا۔ رواداری کے بجائے ان مشیروں نے اس امر پر زور دیا کہ تمام پروٹسٹنٹوں میں اتحاد قائم ہو جائے جس سے بادشاہ کے منصوبے کے بالکل غارت ہو جانے کا یقین تھا۔ چنانچہ پروٹسٹنٹ کی "مفاہمت عامہ" کی ایک تجویز دارالعوام کے سامنے پیش کی گئی۔ جسے دونوں جانب کے اعتدال پسند علمائے مذہب نے قبول کرلیا۔ کلیسا کی جانب سے ٹلٹسن اور اسٹلنگفلیٹ نے اور عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی جانب سے مینٹن اور بیکسٹر نے اسے منظور کیا، یہ تجویز اگرچہ نامنظور ہوگئی مگر ایشلے اور اس کے فریق نے اپنی قدیم روش کی طرف عود نہیں کیا۔ وہ اب بھی رواداری کے موید تھے مگر وہ صرف ایسی رواداری چاہتے تھے جس میں کیتھولک داخل نہ ہوں کیونکہ "قانون نے یہ طے

۱۶۶۸

کردیا تھا کہ رومن کیتھولک کے اصول اعلیحضرت کی ذات
اور سلطنت کی حفاظت کے منافی ہیں" اصل یہ ہے کہ
مجلس شاہی نے اپنا طرز عمل باہر کے معاملات کو دیکھکر
قائم کیا تھا۔ انگلستان و اہل ہالینڈ کے درمیان لیوئس نے
جس سرگرمی سے صلح کے لئے زور دیا تھا اُس کی اصلی
وجہ اُس نے بہت جلد ظاہر کردی۔ اس نے ایک خفیہ
معاہدہ کے ذریعے سے شہنشاہ سے یہ طے کرلیا تھا کہ
شاہ اسپین اگر بغیر وارث کے انتقال کرجائے تو اس کے
ممالک کو وہ دونوں آپس میں تقسیم کرینگے اور اس طرح
اُس نے شہنشاہ کی غیر جانبداری کا اطمینان کرلیا تھا۔ انگلستان
کی نسبت اسے یہ یقین تھا کہ اولاً تو چارلس اس کے
روکنے پر قادر ہے، دوسرے ہالینڈ کی طرح وہ بھی سابق
جنگ سے اسقدر خستہ ہو گیا ہے کہ اب کسی نئی جنگ کو
نہیں چھیڑ سکتا۔ پس جس روز معاہدے پر دستخط ہوئے
ہیں اسی روز اس نے ندرلینڈز کے متعلق اپنے باضابطہ
دعاوی پیش کئے اور اس کی فوجین فوراً میدان کو روانہ
ہوگئیں۔ فلینڈرز کے بہت بڑے حصے پر اس کا قبضہ ہوگیا
اور دو مہینے کے اندر اندر چھ قلعے اُس کے ہاتھ میں
آگئے۔ فرانش کاکومٹے سترہ روز کے اندر تہ و بالا ہوگیا۔
ہالینڈ نے اعتراضات کئے اور انگلستان سے مدد کی درخواست
کی لیکن اُس کی درخواستوں کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

فرانس کا طرز عمل

انگلستان نے درحقیقت خفیہ طور پر ہالینڈ، اسپین اور فرانس سے باری باری شرائط اتحاد طے کرنے کی کوشش کی، فرانس سے اس نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر وہ ہالینڈ اور غالباً اسپین کے خلاف بھی اس کی مدد کرے تو اسپینی ممالک کی آخری تقسیم میں اسے بھی حصہ دیا جائے اور اس صورت میں نئی دنیا میں اسپین کے وسیع ممالک اسے دیدئے جائیں۔ مگر ان تمام شرائط سے یکقلم انکار کردیا گیا۔ عملی کارروائی کی ضرورت انگلستان کے وزرا پر لمحہ بہ لمحہ عیان ہوتی جاتی تھی اور وسیع النظری نے محض قومی مفاد کے خیال کو آہستہ آہستہ برطرف کردیا تھا۔ لیوئس کے فتوحات اور فرانس کی قوت کے یکبیک ظاہر ہونے سے نہایت روادار طبقوں پر بھی مذہب کیتھولک کا خوف چھا گیا۔ لوگ بالطبع یہ محسوس کرنے لگے کہ خود مذہب پروٹسٹنٹ اور اس کے ساتھ ہی ملکی آزادی کا وجود معرض خطر میں آیا چاہتا ہے۔ آرلنگٹن کی بیوی ہالینڈ کی رہنے والی تھی وہ خود اسپین میں رہ چکا تھا، اور دل سے کیتھولک تھا اس نے بھی مذہب کیتھولک کے مقاصد کے بجائے انگلستان کے سیاسی اغراض کو مقدم رکھا اور مدبران انگلستان کے اس ناقابل ترمیم عزم کو پسند کیا جو الیزبیتھ کے وقت سے چلا آرہا تھا کہ فرانس کو فلینڈرز کے اندر نہ آنے دینا چاہئے۔ لیوئس کو اس خطرے نے متنبہ کردیا اور اس نے اسپین کے سامنے شرائط

محالفہ ثلثہ ۱۶۶۸

صلح پیش کر کے عام اضطراب کو فرد کرنا چاہا مگر اس کے ساتھ ہی ٹیورین کو یہ لکھتا رہا کہ "میں نے اپنے ذہن میں ایسی تجویزیں سوچ لی ہیں جنکا عمل میں آنا ناممکن نہ ہو، اور ہر حال میں ان کے عمل میں لانے کی تدبیر کر رہا ہوں" درحقیقت اسپین، جرمنی اور فلینڈرز پر حملہ کرنے کے لئے تین فوجیں تیار تھیں کہ عین اسیوقت آرلنگٹن نے سر ولیم ٹمپل کو ہیگ روانہ کیا اور انگلستان، ہالینڈ اور سویڈن کے درمیان محالفۂ ثلثہ پر دستخط ہو گئے۔ اور لیوئس نے فریب دینے کے لئے جو شرائط پیش کئے تھے اب مجبور ہوکر اسے ان شرائط کو قبول اور صلح ایکسلاشاپیل پر دستخط کرنا پڑے۔

معاہدۂ ڈوور

چند ہی کام ایسے ہوئے ہونگے جنہیں اس اتحاد ثلثہ سے زیادہ ہر دلعزیزی حاصل ہوی ہو، پیپس لکھتا ہے کہ "بادشاہ جب سے انگلستان میں آیا ہے اس وقت سے مفاد عامہ کا یہی پہلا کام ہوا ہے" ڈرائڈن نے بہ حیثیت ایک ٹوری کے شافٹسبری کے بدترین جرائم میں اس امر کو شمار کیا ہے کہ "اس نے اس اتحاد ثلثہ کو توڑ دیا۔" ظاہرا یہ اتحاد ثلثہ اتنا ہی تھا کہ لیوئس نے خود ہی جو شرائط صلح تجویز کئے تھے وہ ان کا پابند بنا دیا گیا اور یہ شرائط مفید تھے مگر باطناً اس نے لیوئس کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا، ماسوا اس کے اس سے یورپ کی طاقتوں کا وہ اتحاد قائم ہوا، جس سے لیوئس نے سمجھ لیا کہ وہ اُس کے خلاف

سر ٹکرا کر رہجائے گا مگر اُس کی تمنائیں پوری نہ ہوں گی۔ آرلنگٹن کی کوشش یہ تھی کہ اس اتحاد کو ایک وسیع تر اتفاق باہمی کی بنیاد قرار دے اور اُس نے نہ صرف اسے مستقل کرنے کی کوشش کی بلکہ شہنشاہی، خاندان آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے صوبوں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہا۔اس کوشش میں اسے کامیابی نہیں ہوئی مگر اس "اتحاد ثلثہ" نے اس "اتحاد اعظم" کی بنیاد کا کام دیا جس نے بالآخر یورپ کو بچالیا۔کرامویل کے انتقال کے بعد انگلستان کی شہرت میں جو کمی واقع ہوگئی تھی وہ اس سے فوراً ہی رفع ہوگئی۔ گویا انگلستان دوبارہ یورپ کی عام سیاسیات میں داخل ہوگیا، اور اس توازن کو اُس نے باضابطہ تسلیم کرلیا جو عام یورپ کی بہبود کے لئے شرط لازمی تھی۔لیکن لیوئس کے غرور کو جس شے سے اس درجہ صدمہ پہنچا وہ درحقیقت انگلستان کی کارروائی نہیں بلکہ زیادہ تر ہالینڈ کی کارروائی تھی۔وہ یہ کہا کرتا تھا کہ اسے سخت اذیت ہوتی ہے کہ دوکانداروں کی ایک قوم نے "اس کے منصوبوں کو عین کامیابی کے وقت اس طرح برباد کردیا (نپولین نے انگلستان پر "دوکانداروں کی قوم" کا آوازہ کسا تھا مگر لیوئس اس سے بہت قبل ہالینڈ کے لئے یہی الفاظ کہہ چکا تھا) لیوئس اگر فوری حملہ کردینے سے باز رہا تو اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ زیادہ تیقن کے ساتھ انتقام لینے کی فکر میں تھا۔صلح ایکسلاشاپل کے

بعد چار برس تک وہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ صوبہ جات متحدہ کو سب سے الگ کردے۔ اس پر حملے کی حالت میں شہنشاہی کو غیر جانبدار بنادئے۔ سویڈن کو الگ کرکے اور چارلس کو اپنے قابو میں لاکر اتحاد ثلثہ کو بیکار کردے، اور سوائے برینڈنبرگ اور اسپین کی بیکار ہوا خواہی کے اور کہیں سے اہل ہالینڈ کو مدد کی امید باقی نہ رہے!

اس کی تدابیر سیاسی کو اگرچہ کامیابی حاصل ہوی مگر جیسی کامیابی انگلستان میں حاصل ہوئی ویسی کسی اور جگہ نہیں ہوی۔ اتحاد ثلثہ کی کامیابی سے چارلس ذرا غرور میں آگیا تھا مگر اُسنے اپنی حکمت عملی کو کسی وقت بھی ترک نہیں کیا تھا اور آخر اس حکمت عملی کو اُس نے مستعدی سے عمل میں لانے کا عزم کرلیا۔ اس پر یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ اس کے نئے وزرا سے یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کیتھولکوں کے لئے رواداری کو جائز رکھینگے بلکہ وہ درپردہ اس امر پر تلے ہوئے تھے کہ پروٹسٹنٹوں میں ایک ایسا اتحاد پیدا کردیں جس سے ان کے ارادے بالکل باطل ہو جائیں۔ پس اتحاد ثلثہ کے طے ہونے کے بعد ہی اس نے لیوئس پر اپنا یہ عندیہ ظاہر کردیا کہ وہ اس سے جارحانہ و مدافعانہ اتحاد کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ تسلیم کرتا تھا کہ سلطنت میں وہی ایک شخص ہے جو اس قسم کے اتحاد کا خواہان ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی خواہش کے عمل میں لانے پر بھی تلا ہوا تھا۔ اُس کے وزرا

چارلس کا فرانس کیطرف متوجہ ہونا

کے خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں، اُس نے یہ ٹھان لی تھی کہ یا تو وہ اپنے وزرا کو اس تجویز سے متفق کریگا یا نہیں مغالطہ میں رکھیگا۔ ان وزرا میں سے دو شخص یعنی آرلنگٹن اور سر ٹامس کلیفرڈ بھی بادشاہ کی طرح سے درپردہ رومن کیتھولک تھے، ڈیوک یارک بھی خفیہ طور پر یہ مذہب قبول کرچکا تھا۔ پس چارلس نے ڈیوک یارک، ان دونوں وزیروں اور دو اور کیتھولک امیروں کو مشورے کے لئے طلب کیا، اور اُن سے راز داری کا اقرار لیکر یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی کیتھولک ہے، اور اپنی سلطنت میں اس مذہب کے جاری کرنے کے لئے اُن کی رائے و صلاح دریافت کرنا چاہتا ہے؛ طے یہ ہوا کہ اس معاملے میں لیوئس سے مدد کی درخواست کرنا چاہئے، اور بقول سفیر فرانس چارلس نے بادشاہِ (لیوئس) سے "صیانت" کی درخواست کی "جس سے اسے اُمید تھی کہ انگلستان کی موجودہ مذہبی حالت کو بہتر بنانے میں اور اپنے اقتدار کو اس طرح قائم کرنے میں کہ رعایا خاطر خواہ اُس کی مطیع رہے ہمیشہ اچھا اثر پڑیگا" اس صورت میں ہالینڈ کا زوال چارلس کی کامیابی کے لئے اسیقدر ضروری تھا جس قدر خود لیوئس کی کامیابی کے لئے، اور اتحاد ثلثہ کی تحریر کی روشنائی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ چارلس نے ہالینڈ کی تباہی اور فلینڈرز کے الحاق کی تجویزوں میں لیوئس

۱۶۶۹

کی مدد کا وعدہ کرلیا اُس نے صرف یہ شرط پیش کی کہ لیوئس اگر اسے دس لاکھ سالانہ کی امداد دینا منظور کرے تو وہ اپنا مذہب آشکارا کردیگا اور ہالینڈ پر حملہ کرنے میں فرانس کا ساتھ دیگا۔شاہ اسپین کے اگر کوئی لڑکا نہوا اور اسکا انتقال ہوگیا تو اس حالت میں چارلس فلینڈرز کے متعلق فرانس کے دعاوی کی تائید کرے گا۔اُس کے عوض میں لیوئس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اسپین کے مقبوضات امریکہ کے متعلق انگلستان کی خواہشوں کو قبول کرلے گا۔ایک برس کی خط وکتابت کے بعد انہیں بنیادوں پر چارلس اور اُس کی بہن ہنریٹا (ڈچز آرلینز) کی ملاقات کے موقع پر ڈوور میں ایک خفیہ معاہدہ ہوگیا۔اس معاہدے میں یہ قرار پایا کہ چارلس اپنے تبدیل مذہب کا اعلان کردے اور اگر اس سے کسی قسم کا ہنگامہ برپا ہو تو فرانس کی فوج اور فرانس کے روپئے سے اس کی مدد کیجائے۔ہالینڈ کے خلاف دونوں سلطنتیں اعلان جنگ کردیں، انگلستان ایک مختصر سی برّی فوج مہیا کرے گر سمندر کی جنگ کا بار زیادہ تر اسی پر ہو بشرطیکہ فرانس تین لاکھ پاؤنڈ سالانہ اسے ادا کرتا رہے۔

مئی ۱۶۷۰ء

اعلانِ رعایت

اس زمانے کی سیاسی لغویت کی کوئی مثال اس سے بہتر نہیں ملسکتی کہ اتحادِ ثلثہ کا بانی آرلنگٹن، چارلس کے معاہدۂ ڈوور کا رازدار قرار پائے۔لیکن بادشاہ کے تبدیل مذہب اور اُس کے سیاسی مقاصد کی آرلنگٹن اور کلیفرڈ کے علاوہ

کسی اور کو مطلق خبر نہیں تھی۔ یہ غیر ممکن تھا کہ معاہدہ ڈوور کے متعلق ایشلے، لارڈرڈل، ڈیوک بکنگھم یا اس فریق کی جو مجلس شاہی میں قدیم پرسبیٹرینوں کا قائمقام تھا منظوری حاصل ہوسکے مگر یہ ممکن تھا کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کے متعلق اُن کی خواہش کے پورا کرنے کی توقع دلاکر ان سے بلطائف الحیل ہالینڈ کی جنگ کی منظوری حاصل کرلیجائے۔ اس لئے بادشاہ کے مذہب کیتھولک قبول کرنے کے اعلان کو ملتوی رکھا گیا اور بکنگھم کے توسط سے محض کابال اور جنگ فرضی مراسلات کا ایک سلسلہ فرانس کے ساتھ جاری رہا جسکا انجام اس پر ہوا کہ فرانس کے ساتھ ایک مصنوعی معاہدہ ہوگیا جس کی اطلاع لارڈرڈیل اور ایشلے کو بھی دی گئی اس معاہدے میں مذہبی تغیرات یا فرانس کی مدد سے ان کے پورا کرنے کے متعلق کوئی ذکر نہیں تھا، صرف یہ شرط تھی کہ انگلستان و فرانس ملکر اہل ہالینڈ کے خلاف جنگ کریں۔ اس جنگ سے ظاہرا "اتحاد ثلثہ" کی شکست بھی لازم نہیں آتی تھی کیونکہ "اتحاد ثلثہ" میں صرف ممالک اسپین کے خلاف حملوں کی محافظت کی گئی تھی۔ پس ۱۶۷۰ء میں ایشلے اور اس کے رفقا کو یہ طمع دلاکر کہ رواداری مذہبی کا اجرا اُن کی مرضی کے موافق ہوجائے گا، انہیں اس معاہدے سے متفق کرلیا۔ درحقیقت چارلس اب تک جس امر پر مصر تھا وہ اس سے باز آگیا تھا اور ایشلے کے مطالبے پر اُس نے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اس رعایت مذہبی

سے کیتھولک کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا ئینگے۔اس معاملے کے طے ہوجانے اور اپنے وزیروں کو مغالطہ دیدینے کے بعد چارلس کے لئے اب صرف یہ کام باقی رہ گیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ کو بھی مغالطہ دیدے۔ سنہ ۱۶۷۰ء میں اتحاد ثلثہ کو تقویت دینے کے حیلے سے بیڑے کے لئے بہت بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا تھا، اور رقم منظور بھی ہوگئی۔ پس موسم بہار میں دونوں ایوانوں کے اجلاس ملتوی کردئے گئے مگر چارلس کی تجاویز کے متعلق قومی مخالفت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ چارلس مجبور ہوگیا کہ جسقدر جلد ہوسکے جنگی کارروائی شروع کردے۔ہالینڈ کے ایک تجارتی بیڑے پر حملہ کرنے کے بعد فوراً ہی جنگ کا اعلان کردیا گیا اور خزانے کو بند کرکے آنیوالی جنگ کے لئے مزید رقوم مہیا کرلی گئیں۔ایشلے کی رائے کے موافق خزانہ سے سلطنت کے قرضوں کی ادائی میں اصل و سود دونوں کا دینا بند کردیا گیا۔اس التوا سے لندن کے نصف زرگر۔ دیوالئے ہوگئے۔لیکن جنگ کے شروع ہوتے ہی ایشلے اور اس کے رفقا کو وہ رواداری حاصل ہوگئی جس کے لئے انہوں نے اسقدر گراں قیمت ادا کی تھی۔

۱۶۷۱

بادشاہ نے اپنے کلیسائی اختیارات کی روسے یہ حکم دیدیا کہ ۱۵ اس تاریخ سے مذہبی معاملات کے متعلق تمام تعزیری قوانین جنکا تعلق عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں یا اور کسی قسم کے اختلاف رکھنے والوں سے ہو سب ملتوی کردئے

۱۶۷۲

جائیں" کیتھولکوں کے سوا اور تمام مختلف العقاید فرقوں کو علانیہ عبادت کرنے کی آزادی دیدی گئی، مگر کیتھولکوں کو صرف اُن کے گھروں کے اندر عبادت کی اجازت دی گئی۔ ایشلے اور اس کے رفیقوں کے کام کی تائید اگر ممکن ہو تو یہ کہنا بجا ہے کہ انہوں نے یہ رواداری جس قیمت پر مول لی تھی وہ آخر میں بہت نفع بخش ثابت ہوئی۔ برسوں کی جلاوطنی کے بعد پادری اپنے گھروں اور اپنے لوگوں میں واپس آ گئے۔ معابد پھر کھل گئے۔ قید خانے خالی ہو گئے۔ بنین بدفرڈ کے قید خانے سے رہا ہوا، اور سیکڑوں کوئکر جو خصوصیت سے نشانۂ ستم بنے ہوئے تھے، اپنے طور پر خدا کی پرستش کرنے کے لئے آزاد کر دئے گئے۔

جنگ ہالینڈ

لیکن عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کے انبوہ کثیر نے اس اعلان رعایت کو نظر استحسان سے نہیں دیکھا۔ وہ اگرچہ رواداری کے شیدا تھے مگر مذہب کے عام مفاد کو اس رواداری سے زیادہ گرانقدر سمجھتے تھے اور اب صرف مذہبی مفاد ہی نہیں بلکہ قومی آزادی بھی معرض خطر میں تھی۔ حلیفوں کی کامیابی اول اول بالکل مکمل معلوم ہوتی تھی۔ فرانس کی فوج رائن سے گزر کر بلا مخالفت تین سلطنتوں کو پامال کرتی ہوئی ایمسٹرڈم کے قریب پہنچ گئی اور اس کا طلایہ عین شہر ایمسٹرڈم کے سامنے خیمہ زن ہو گیا۔ صرف ڈی وٹیٹ کی کار دانی اور اس کی جانبازانہ ہمت تھی کہ ہالینڈ کے

جہازوں نے ڈیوک یارک کے انگریزی بیڑے کو ساحل سفک کے قریب ایک سخت جنگ کرکے روکے رکھا۔انگلستان کی مجلس وزرا کی ظفرمندیوں کا اظہار اس طرح ہوا کہ دونوں فریق کے سرگروہوں کو اعزاز و منصب عطا کئے گئے، ایشلے چانسلر اور ارل شافٹسبری بنا دیا گیا اور کلیفرڈ وزیر خزانہ مقرر ہوا۔لیکن فاتح کے متکبرانہ مطالبات نے اہل ہالینڈ میں مردانہ ہمت پیدا کردی اور ان کی پامردی ہی نے انہیں بچا لیا۔دونوں درباروں کی سازش کی کامیابی کا انحصار اس امر پر تھا کہ اچانک کامیابی کے مواقع ہاتھ آجائیں۔موسم سرما کے آجانے سے فوجی کارروائیاں ملتوی کرنا پڑیں اور اچانک حملے کا موقع جاتا رہا۔تاجروں کے طبقہ عظیم کے سرگروہ ڈی وٹ کے انتقال کے باعث شہزادہ آرینج (یعنی ولیم) ہالینڈ کی جمہوریہ کا صدر ہوگیا۔وہ ایک نوجوان شخص تھا مگر اپنے اہل ملک کی طرح اس نے بھی معاً اپنی پرسکون ہمت و استقلال کا ثبوت دیدیا۔ڈیوک بکنگھم جو اس سے گفتگو کرنے کے لئے ہیگ بھیجا گیا تھا جب اُس نے یہ کہا کہ "آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کا ملک تباہی کے قریب پہنچ گیا ہے" تو ولیم نے جواب دیا کہ "اس کی تباہی کے نہ دیکھنے کا ایک قطعی ذریعہ میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ میں میدانِ جنگ کی آخری خندق میں جان دیدوں"۔موسم بہار کے ساتھ ہی معاملات کا رنگ بدلنا شروع ہوا۔ہالینڈ تباہی سے بچ گیا اور ولیم

نے دلیرانہ ہمت کے ساتھ یکے بعد دیگرے اپنے تمام صوبے ۱۶۷۳
فرانس کے قبضے سے نکال لئے۔ موسم سرما کی اس تعویق سے
انگلستان کی وہ رقمیں ختم ہوگئیں جو اسقدر بے اصول طریقے پر
مہیا کی گئی تھیں۔ خزانے کے بند کردینے کے باعث ساکھ
بھی خراب ہوگئی تھی اور نئے قرض کا ملنا ناممکن تھا۔ پس
۱۶۷۳ء میں دارالعوام سے روپئے کے لئے درخواست کرنے
کی ضرورت پیش آئی مگر ارکانِ دارالعوام غصے اور بدگمانی کے
ساتھ جمع ہوئے۔ جنگ اگرچہ عام طور پر ناپسند کی جاتی تھی
مگر اس سے کچھ بحث نہیں کی گئی۔ جس خیال نے تمام دوسرے دیہاتی فریق
خیالات کو مغلوب کردیا تھا وہ ایک موہوم سا گمان تھا کہ کی ابتدا
آزادی و مذہب کی بری طرح تباہی ہورہی ہے اور بعد کو
واقعات نے اس گمان کو صحیح ثابت کردکھایا تھا۔ ایک بدگمانی
یہ تھی کہ قوم کی تمام مسلح قوت کیتھولکوں کے ہاتھ میں دیدی
گئی تھی۔ ڈیوک یارک کے نسبت یہ شک تھا کہ وہ دل میں
پوپ کا معتقد ہے اور بیڑے کی کمان اسی کے ہاتھ میں
تھی۔ جنگ ہالینڈ کے لئے جو فوجیں بھرتی ہورہی تھیں انکی
افسری پر کیتھولک ہی مامور کئے جارہے تھے۔ بادشاہ کی
منظورِ نظر لیڈی کیسلمین اپنے تبدیل مذہب کو علانیہ ظاہر
کرتی پھرتی تھی اور خود بادشاہ کے طریق پروٹسٹنٹ پر قائم
رکھنے کے متعلق بھی شک و شبہہ کے وجوہ بڑھتے جاتے تھے۔
ایک عام بدگمانی یہ پھیلی ہوی تھی کہ مذہب کیتھولک اور مطلق العنان

حکومت کے قائم کرنے کیلئے سازش ہورہی ہے اور جنگ و "اعلان رعایت" اسی سازش کے اجزا ہیں۔ دارالعوام کے اندر کا فرق اس سے محسوس ہونے لگا کہ ایک "دیہاتی فریق" پیدا ہوگیا، جسکے سرگروہ لارڈرسل، لارڈکیونڈش اور سرولیم کونیٹری تھے۔ یہ فریق عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی مذہبی رواداری کی خواہش سے ہمدری رکھتا تھا مگر اپنا پہلا فرض یہ سمجھتا تھا کہ دربار کی سازشوں سے ملک کو محفوظ رکھے۔ لیکن "اعلان مراعات" کے متعلق دارالعوام کے تمام فریق متفق تھے دارالعوام نے یہ تجویز کی کہ "مذہبی معاملات کے متعلق تعزیری قوانین بغیر مرضی پارلیمنٹ کے ملتوی نہیں ہوسکتے" اور رقوم کی منظوری سے اسوقت تک کیلئے انکار کردیا جبتک کہ یہ اعلان واپس نہ لے لیا جائے۔

قانون اختیار بادشاہ اس موقع پر دب گیا اور "اعلان مراعات" کے واپس ہوتے ہی دونوں ایوان پارلیمنٹ میں بلا اختلاف ایک قانون اختیار منظور ہوگیا، جسکے بموجب سلطنت کے ہرایک ملکی و فوجی ملازم کیلئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ بادشاہ کی وفاداری اور تفوق مذہبی کا حلف اٹھائے۔ انقلاب دم ولحم کے عقیدے سے انکار کرے اور کلیسائے انگلستان کے رسوم کے موافق عبادت کو اور عشائے ربانی کے رسوم کو قبول کرے۔ یہ معلوم تھا کہ پروٹسٹنٹوں میں جو لوگ کلیسا سے منحرف ہیں وہ حلف اٹھانے اور رسوم عبادت کے متعلق اپنے اعتراضات کے ترک کردینے پر آمادہ ہیں مگر اس قانون کیوجہ سے کیتھولک، حکومت میں حصہ لینے سے کلیتہً محروم ہو جائینگے۔ کلیفرڈ نے فوراً ہی اس قانون کی مخالفت کرنیکی صلاح دی اور بکنگھم پردے پردے میں یہ کہنے لگا کہ فوج لندن میں طلب کرلیجائیگی۔ لیکن اس پر بھی روپئے کی منظوری معلق رہی، اور آرلنگٹن نے جب یہ دیکھا کہ اسکی "اہم تجویز" کے پورا کرنیکی تمام امیدوں کا خاتمہ ہوا

جاتا ہے تو اس نے چارلس پر دباؤ ڈالکر اسے منظور کرا دیا۔بادشاہ کے ہاتھ میں صرف یہی چارہ کار تھا کہ وہ پارلیمنٹ کو برطرف کردے مگر قوم کے تیور صاف یہ کہ رہے تھے کہ نئی پارلیمنٹ اس موجودہ پارلیمنٹ سے بھی زیادہ سخت گیر ثابت ہوگی۔ آخر چارلس نے رنج وغصّہ کے ساتھ اس تجویز کو مان لیا۔ اس قانون سے جیسے حیرت انگیز نتیجے پیدا ہوئے بہت کم کارروائیاں ایسی ہوی ہونگی۔ ڈیوک یارک نے اپنے کیتھولک ہونیکا اقرار یا اور بیڑے کی امیرالبحری سے الگ ہوگیا۔ جب یہ خبر شایع ہوی کہ کلیفرڈ بھی کیتھولک ہونیکا اقرار کرکے عہدہ وزارت سے ہٹ گیا تو لوگوں گے تحیر کی یہ کیفیت ہوی کہ لوگ غول کے غول وزیر خزانہ کے مکان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان دونوں کے مستعفی ہونے کے بعد ہی بادشاہ کے سیکڑوں ملکی و فوجی عہدہ داروں نے استعفادے دیا۔ ایولن کہتا ہے کہ" شہر میں جس قسم کی عجیب و غریب گفتگوئیں ہورہی ہیں میں ان سب کے لکھنے کی جرات نہیں کرسکتا" لوگوں کے مستعفی ہونے سے یہ ثابت ہوگیا کہ قانون اختبار جس مظنون خطرے کو روکنے کے لئے بنایا گیا تھا وہ خطرہ صحیح نکلا۔ اُسوقت سے چارلس پر کسی قسم کا اعتماد باقی نہیں رہا۔ شافٹسبری تلخی کے ساتھ لکھتا ہے کہ" بادشاہ اگر خوش قسمتی سے کسی معمولی شریف گھرانے میں پیدا ہوا ہوتا تو یقیناً وہ بڑی قابلیت، تہذیب اور اخلاق کا شخص ہوتا مگر بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونیکا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اُسکے معاملات اس حد کو پہنچ گئے ہیں کہ دنیا میں ایک متنفّس بھی اُس کے فعل اور اس کی راستی پر اعتماد کرنے کی جرات نہیں کرسکتا"۔

ڈینبی

۱۶۷۳ — ۱۶۷۸

[اسناد ۔ مثل سابق ۔ مسٹر کرسٹی نے " شافٹسبری کی جو سوانح عمری" لکھی ہے، اس میں اس مدبّر کے کاموں کی خوب ہی حمایت کی ہے! اس کتاب سے اس زمانے کے وِہگ فریق کے طرز عمل پر مزید روشنی پڑتی ہے۔]

شافٹسبری

بادشاہ کی فریب کاری کے ظاہر ہوجانے سے انگلستان بھر میں سب سے زیادہ جس شخص کو صدمہ پہنچا وہ لارڈ شافٹسبری تھا، ایشلے کوپر کو اس امر پر ناز تھا کہ وہ اپنے گردوپیش کے لوگوں کی اصلی طبیعت کے معلوم کرلینے میں طاق ہے اور سیاسیات میں اس کی نظر اس قدر دور رس ہے کہ اسے ہر ایک پیش آنیوالے تغیر کا پتہ چل جاتا ہے۔ درحقیقت اس کی خود اعتمادی کے حیرت انگیز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جب وہ بالکل لڑکا تھا اس زمانے میں اس نے اپنی جائداد کو

اپنے متولیوں کی حرص وطمع سے اس طرح بچایا کہ خود بذات خاص اٹارنی جنرل (وکیل سرکار) نائب کے روبرو حاضر ہوکر متولیوں کے خلاف درخواست پیش کی۔ آکسفورڈ میں یہ دستور چلا آتا تھا کہ اوپر کی جماعت کے طلبہ نیچے کی جماعت والوں سے کام لیتے اور انہیں بہت پریشان کرتے تھے، کوپر جب آکسفورڈ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے کالج کے نئے داخل ہونے والے طلبہ کو جمع کر کے ایک باقاعدہ شورش برپا کردی اور آخر اس دستور کو منسوخ کرا کے رہا۔ خانہ جنگی کے شروع ہونے پر اس نے اولاً بادشاہ کا ساتھ دیا مگر بادشاہ کی کامیابیوں ہی کے زمانے میں اسے یہ معلوم ہوگیا کہ انجام کار میں بادشاہ کا کام تباہ ہوجائے گا۔ اس لئے وہ بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر پارلیمنٹ کی جانب ہوگیا اور کرامویل کے نیک وبد میں اس کا رفیق اور اس کی "مجلس سلطنت" کا رکن بنگیا۔ لیکن چونکہ وہ پارلیمنٹ کے اقتدار کو ہر شئے پر مقدم رکھتا تھا اس وجہ سے جب کرامویل نے بغیر پارلیمنٹ کے خود مختارانہ حکومت شروع کردی تو وہ کرامویل سے بھی الگ ہوگیا۔ کرامویل کے دور حکومت میں اسے کچھ دنوں ذلت اٹھانا پڑی جس سے وہ اس حکومت کے خلاف اور بھی سرگرم ہوگیا اور منجملہ دیگر امور کے اسکی یہ مخالفت بھی اس حکومت کے زوال کا ایک بڑا سبب بن گئی۔ اس نے متوفی پروٹکٹر (محافظ سلطنت) کے خلاف

جیسے سخت الفاظ استعمال کئے، منک سے جس قسم کی سازشیں کیں اور بحیثیت رکن "مجلس سلطنت" بادشاہ کے واپس بلانے میں جس قدر مستعدی دکھائی اس کا انعام یہ ملا کہ رجعت شاہی کے بعد اسے طبقہ امرا میں داخل کرلیا گیا اور شاہی مجلسوں میں اسے بہت بلند جگہ دی گئی۔ اس وقت ایشلے کی عمر چالیس برس کی تھی، اور وڑائیڈن نے بحیثیت ایک ٹوری کے حقارۃً اس کے متعلق لکھا تھا کہ دولت عامہ کے زمانے کے "تمام چہکنے والوں میں وہ سب سے زیادہ بلند آہنگ تھا"۔ مگر چارلس کے وزرا میں داخل ہوتے ہی وہ دربار کی عیش پرستیوں میں ایسا منہمک ہوگیا کہ اپنے آقا کو بھی شرما دیا۔ ایک مرتبہ چارلس نے اپنے اس مشیر کے ایک بے ہنگام مزاح پر ہنسکر کہا کہ "تمام انگلستان میں تم سب سے زیادہ شریر گنے ہو"۔ ایشلے نے بے تکان جواب دیا کہ "بیشک مگر صرف طبقہ رعایا میں"۔ لیکن درحقیقت اس کی یہ عیش پرستی محض ایک دھوکے کی ٹٹی تھی وہ طبعاً وعادتاً اعتدال پسند تھا اور اپنی خرابی صحت کی وجہ سے وہ حد سے زیادہ بڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ لوگوں کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ جو درباری لیڈی کیسٹلمین کے کمرے میں پڑا رہتا اور سڈلی اور بکنگھم کے ساتھ مے نوشی وبذلہ سنجی میں مشغول رہا کرتا ہے وہ ایک نہایت ہی ہوشمند وقابل کارکن ہے۔ رجعت شاہی کے تین ہی برس بعد پیپس اس کی نسبت حیرت سے لکھتا ہے

کہ "وہ بڑا ہی کار گزار، اور اس کے ساتھ ہی اول درجہ کا عیش پرست
و اوباش شخص ہے"۔ وہ جس آسانی و قدرت کے ساتھ مالی
معاملات کو طے کرتا اور اپنی پُر مذاق باتوں سے جسطرح
بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرلیتا تھا، اس پر اس کے رقیبوں
کو بھی رشک تھا؛ اس کے آخری زمانے میں دشمنوں تک کو
بادل ناخواستہ اس کی محنت وجفاکشی کی داد دینا پڑی۔ ڈرائیڈن
بھی اسے تسلیم کرتا تھا کہ چانسلر کی حیثیت سے وہ نہایت عجلت
وآسانی کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیتا تھا اور اسے حیرت
تھی کہ "جس عمر میں آدمی کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے اس
عمر میں اس سے یہ مستعدی وہمہ گیری کیونکر ظاہر ہوتی ہے۔
زیادہ حیرت اس وجہ سے تھی کہ اس کی صحت بالکل خراب
ہوچکی تھی۔ اوائل عمر کے ایک حادثے سے اسے دائمی کمزوری
لاحق ہوگئی تھی۔ اس کے زرد چہرے پر جھرّیاں پڑی ہوئی
تھیں، اس کی صحت خراب ہوچکی تھی، جسم میں رعشہ پیدا ہوگیا
تھا۔ اس کا "چھوٹا سا قد" اس کی شعلہ زن طبیعت سے
جلا جارہا تھا۔ مگر اس تمام تکلیف وکمزوری پر بھی اس کی
ہمت میں مطلق تزلزل نہیں آیا تھا۔ والپول کے سوا اور
کوئی مدبر ایسا نہیں گزرا ہے جس پر اشیلے سے زیادہ بے باکانہ
اعتراضات ہوئے ہوں مگر برنیٹ تک کو (جسے اشیلے سے
کوئی خصوصیت نہیں تھی)، یہ اعتراف ہے کہ وہ اپنے
معترضین کے متعلق کبھی رنج وغصہ کے الفاظ استعمال نہیں

کرتا تھا۔ البتہ اپنی ظرافت سے انہیں بھی نیچا دکھاتا تھا مگر اسمیں
بھی خوش مزاجی کو ہاتھ سے نہیں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ
دارالامرا میں تقریر کررہا تھا تو ایک اسقف نے مزاحاً دبی زبان
سے کہا کہ "آپ اس وعظ کو کب ختم کریں گے" ایشلے نے
ہنسکر جواب دیا کہ حضرت جب میں اسقف ہوجاؤں گا"

شافٹسبری کی حکمت عملی

بحیثیت مدبر کے ایشلے کو اپنے ہمعصروں پر یہ بھی فوقیت
نہیں حاصل تھی کہ اس کی حیرت انگیز مستعدی وجفاکشی سب
سے بڑھی ہوئی تھی بلکہ اس امر میں بھی وہ سب پر فائق تھا
کہ وہ ذاتی نفع کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، ڈرائیڈن نے
اس کے اخلاق کی ایک ایک خرابی کو گنایا ہے مگر اسے بھی
یہ ماننا پڑا ہے کہ وہ ایک بے غل وغش آدمی تھا۔ بحیثیت ایک
سیاسی سرگروہ کے اس زمانے کے لوگوں کو اس کی حالت اعجوبہ
معلوم ہوتی ہے۔ مذہب میں وہ زیادہ سے زیادہ موحد تھا یعنی
خدا کو مانتا تھا، الہام کا قائل نہیں تھا اور ایک دھندلا سا خیال
اس کے ذہن میں یہ تھا کہ "مرنے کے بعد روحیں ستاروں
میں رہتی ہیں" لیکن باوجود موحد ہونے کے وہ شاہی مجلس میں
پرسبٹیرین اور عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی قائمقامی
کرتا رہا۔ وہ رواداری کا مستقل وپرزور حامی تھا مگر اس حمایت
کی بنا خالصتہً سیاسی وجوہ پر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اہل انحراف
تشدد وسختی کے خوف سے کلیسا میں واپس نہ آئیں گے اور
ان کو واپس لانے کی کوشش کا نتیجہ صرف یہ ہونا ہے کہ

ملک میں نااتفاقی قائم رہے، انگلستان کی آزادی کو بادشاہ اپنا تختہ مشق بنائے رہے، اور یورپ میں انگلستان کا اثر بالکل زائل ہوجائے۔ اہل کلیسا اور منحرفین کو متحد کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا یعنے رواداری لیکن رجعتِ شاہی کے بعد انگلستان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ اینگلیکن کو بادشاہ کے سوا اور کسی سے رواداری کے حاصل کرنے کی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ پس یہ تمام ظرافت وبذلہ سنجی وعیش وطرب، کاموں کی عاجلانہ تعمیل اسی ضرورت سے تھی کہ بادشاہ پر اثر پیدا ہوجائے اور کلیرنڈن کی عدم رواداری کے خلاف اس کی جد وجہد میں بادشاہ اس کا حامی ہوجائے مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے چارلس خود اپنی تدبیر میں لگا ہوا تھا اور اسی وجہ سے وہ قانون اختیار، قانون اتحاد عبادت اور منحرفین کی دارو گیر کے متعلق اینگلیکن کی پُر زور مگر بے نتیجہ کوششوں میں اس کا شریک ہوگیا۔ آخر قسمت نے بھی اس بے باکانہ جرأت میں اینگلیکن کا ساتھ دیا۔ اور اس نے بڑی خوبی سے کلیرنڈن کو ۱۶۶۴ء کی جنگ ہالینڈ میں پھنسا دیا اور پارلیمنٹ کی روگردانی سے فائدہ اُٹھاکر اس کے زوال پر مہر لگادی۔ اسے یقین تھا کہ ایک ایسا ہی بے باکانہ معاملہ اس نے اور کیا ہے جس کا معاوضہ یہ تھا کہ اعلان رعایت شائع کیا گیا، عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے قید سے رہا ہوگئے، تمام منحرفوں کو عبادت کی آزادی مل گئی اور اس کی قیمت اسے صرف یہ دینا پڑی کہ وہ ہالینڈ پر ایک دوسرے حملے

کے لئے رضامند ہوگیا۔ مگر جن معاملات کی اس نے صلاح دی تھی اور جن معاملات سے اسے سروکار نہیں تھا۔ قوم میں دونوں کا ذمہ دار عام طور پر وہی سمجھا جانے لگا۔ اس سے اس کے خلاف عام نفرت کا ایک طوفان امنڈنے لگا مگر عین اس وقت جب کہ وہ اپنی خود اعتمادی میں سرمست اور اس طوفان عام کے مقابلے میں سرگرم تھا۔ اس پر بادشاہ کے مذہب کا حال منکشف ہوا اور اس نے اپنے ایک دوست سے یہ اعتراف کیا کہ "انگلستان پر جو ابر سیاہ جمع ہورہا ہے اس سے وہ پریشان ہوگیا ہے" مگر اس پر بھی اسے یہ یقین تھا کہ اسے اتنی قوت حاصل ہے کہ وہ چارلس سے جو کام چاہے گا لے لیگا۔ چانسلری کے عہدے اور ارل شافٹسبری کے منصب کے قبول کرنے اور پارلیمنٹ کے کھلنے پر جنگ کی پُرزور حمایت کرنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ بادشاہ کے طرز عمل سے متحد ہوگیا ہے۔ اگر ہم فرانسیسی سفیر کے بیان کا یقین کریں تو یہ ماننا پڑے گا کہ اسے معاہدہ ڈوور کا راز پارلیمنٹ کے کھلنے کے بعد آرلنگٹن سے معلوم ہوا تھا۔ بہر حال یہ بیان صحیح ہو یا یہ وجہ ہو کہ عام طور پر جو شک وشبہہ پیدا ہورہا تھا اس نے شافٹسبری کے دل میں تیقن کی صورت اختیار کرلی تھی، مگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ اسے بیوقوف بنالیا ہے۔ اس انکشاف کی ناگواری کو اس خیال نے اور تکلیف دہ بنادیا کہ اسے جن تجویزوں سے نفرت تھی ان کے پورا کرنے میں اس نے مدد کیوں دی۔ اس نے فوراً اپنا طرز عمل بالکل بدلدیا

شافٹسبری کے طرز عمل میں تبدیلی

اور مجلس شاہی میں اس امر پر زور دیا کہ اعلان رعایت، واپس لے لیا جائے۔ پارلیمنٹ میں اس نے غیر معمولی جوش کے ساتھ قانون اختبار کی تائید کی اور اس قانون کی وجہ سے جیمز اور کلیفرڈ کے علیحدہ ہوجانے سے اسے یہ توقع ہوگئی کہ اب مجلس شاہی پر وہ ہر طرح سے حاوی ہوجائے گا اور اس کے ساتھ جو دغا کی گئی ہے اس کا عوض یوں لیگا کہ بادشاہ کو اپنی حکمت عملی پر مجبور کروے گا۔ وہ جنگ کے ختم کرنے کا تہیہ کرچکا تھا۔ وہ یہ بھی خواب دیکھ رہا تھا کہ بادشاہ کے عقد کو باطل قرار دیکر اور کسی پروٹسٹنٹ شہزادی سے اس کا نیا عقد کرکے کیتھولک جانشین کے خطرے کو بھی مٹادے گا۔ درحقیقت چارلس بالکل بے یار و مددگار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مدتوں پہلے لیولس سے جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوا کہ وہ اپنی مملکت میں بالکل تنہا رہ گیا۔ قانون اختبار کو دونوں ایوانہاے پارلیمنٹ نے بالاتفاق منظور کیا تھا۔ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے بھی اس سے الگ ہوگئے اور اس کی تجویزوں میں مدد دینے کے بجائے وہ تشدد کو پسند کرتے تھے، فوج سے کام لینے کا اگر اسے خیال رہا ہو تو اب کیتھولک افسروں کے برطرف ہوجانے سے یہ بھی ناممکن ہوگیا۔ اسکے ساتھ ہی جنگ ہالینڈ کی ناmساعدت سے فرانس کی امداد کی امید بھی نقش برآب ہوگئی۔ شہزادہ آرینج کی مستقل مزاجی نے اس کے ہم وطنوں میں مردانہ ہمت پیدا کردی تھی۔ فرانس کے بری مفتوحات ایک ایک کرکے واپس لے لئے گئے اور

دی روئیٹر کی مہارت دکاردانی نے حلیفوں کے بیڑے کو برابر سمندر ہی میں روکے رکھا، تدابیر سیاسی میں بھی ولیم کی کامیابی اسکی جنگ کی کامیابی سے کم نہ تھی۔ یورپ کو جس خطرے کا اندلیشہ تھا، آخر خاندان آسٹریا کو اس کا احساس پیدا ہوگیا اور صوبجات متحدہ کے ساتھ اس کے متفق ہوجانے سے "مخالفۂ اعظم" کی بنیاد قائم ہوگئی۔اگر ایک طرف چارلس جنگ کے جاری رکھنے پر اڑا ہوا تھا تو دوسری طرف پارلیمنٹ اور اس کے ساتھ شافٹسبری صلح پر آمادہ تھے۔ اور شافٹسبری اس مقصد کے حصول کے لئے دارالعوام کے "دیہاتی فریق" کے ساتھ بدل وجان متفق ہوگیا تھا، اور ڈیوک آرمنڈ اور شہزادہ ریوپرٹ کی مجلس شاہی میں واپس آنے کو مغتنم سمجھتا تھا، کیونکہ یہ دونوں شخص بہت بڑے حامی پارلیمنٹ سمجھے جاتے تھے۔جنگ سے پارلیمنٹ کے اس اظہار نفرت اور مزید مذہبی اطمینان کے نہ ہونے تک رقوم کی منظوری سے انکار کرنے کو چارلس نے شافٹسبری کے اثر کی طرف محمول کیا۔ اسی کے اشارے سے ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ نے ایک محضر اس مضمون کا پیش کیا کہ جیمز کا عقد میری شہزادی ماڈنیا سے نہ کیا جائے جو مذہباً کیتھولک تھی مگر بادشاہ کی ایک غیر معمولی جرائت سے شافٹسبری کی تمام تجویزیں یکایک خاک میں مل گئیں۔ نومبر میں ایوانہائے پارلیمنٹ کے ملتوی ہوتے ہی چانسلر کے پاس یہ حکم پہنچا کہ وہ اپنی سرکاری مہر حوالہ کردے۔

شافٹسبری کی برطرفی ۱۶۷۳

چارلس اور شافٹسبری

اس حکم کے ملنے پر شافٹسبری نے یہ کہا کہ " میرے لئے

اس حکم کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ میں اپنی قبا اُتار کر رکھدوں اور تلوار حمائل کروں" یہ الفاظ بالکل بے شر تھے کیونکہ تلوار ہر ایک شریف آدمی کی معمولی پوشاک کا لازمہ تھی اور شافٹسبری کا مطلب یہی تھا کہ وہ چانسلری کی قبا اُتارکر ایک جنٹلمین (شریف آدمی) کا لباس اختیار کرلے گا مگر ان الفاظ کے معنی یہ لئے گئے کہ اس نے درپردہ بادشاہ کو دھمکی دی ہے۔ وہ اپنی اس رائے پر اب بھی مستقل تھا کہ بادشاہ کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ ہالینڈ سے صلح کرلے لیکن اب موجودہ خطرات سے زیادہ اسے آئندہ کے خطرات کی فکر پیدا ہوگئی۔ ڈیوک یارک ولیعہد وقت تھا اس نے اپنے کیتھولک ہونے کا اقرار کرلیا تھا اس لئے تقریباً ہر شخص اس خیال پر متفق تھا کہ اگر وہ تخت نشیں ہو تو قومی مذہب کیلئے کافی اطمینان حاصل کرلینا چاہیئے لیکن شافٹسبری یہ سمجھتا تھا کہ جیمز کے سے بادشاہ سے جسے اپنے ربّانی حقوق کا یقین ہو، اور جس کا مذہبی جوش، غلو کی حد تک پہنچا ہوا ہو، کیسی ہی ضمانت کیوں نہ لی جائے سب بیکار ہے، اور اس کی تعریف کرنا چاہیئے کہ اس نے پہلے ہی سے اس امر کو سمجھ لیا۔ وہ ابتدا سے اس تجویز پر مصر تھا کہ چارلس کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے بھائی کو حق جانشینی سے محروم کردے اور آخر "انقلاب" نے اسکی اصابت رائے کو صحیح کر دکھایا۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ وہ چارلس کے مقابلے میں اسی قسم کے متبذل ذرائع اختیار کرنا چاہتا تھا، جیسے چارلس نے خود اختیار کر رکھے تھے۔ کلیفرڈ کے استعفے اور جیمز کے

تبدیل مذہب کے اقرار نے کارکنان سلطنت کی صداقت کا اعتماد بالکل زائل کر دیا تھا، بدگمانی نے ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ لوگ دبی زبان سے یہ سرگوشیاں کر رہے تھے کہ چارلس خود بھی کیتھولک ہے اور یہ گمان خطرناک طور پر صحیح ثابت ہوا۔ قانون اعتبار کے باوجود یہ بدگمانی پھیلی ہوئی تھی کہ اب بھی سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر بہت سے ایسے اشخاص فائز ہیں جو دل میں کیتھولک ہیں اور آرلنگٹن کے باب میں یہ گمان بالکل صحیح تھا۔ شافٹسبری نے اسی اضطراب عام کو اپنی تجویزوں کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا اور اس کی اس حرکت کی وجہ سب سے بڑھ کر یہ تھی کہ وہ ان پوشیدہ خطرات سے جو روز روز ظاہر ہوتے رہتے تھے کسی اور طرح سے مقابلہ کرنے سے عاجز تھا۔ پس اس نے ان قصوں سے اس اضطراب کو اور بھڑکایا کہ لنڈن میں پیرواں پوپ شورش کرنا چاہتے ہیں اور آئرلینڈ میں فرانسیسی فوج کی مدد سے بہت جلد بغاوت ہونے والی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کا گلا کاٹنے کی سازش کی گئی تھی اور اسی کا پتہ چل گیا اور اسی لئے وہ اپنے شہر (لنڈن) کے مکان میں آگیا ہے۔ اس اثنا میں وہ بہت سرعت کے ساتھ دیہاتی فریق کو ایک منتظم حالت میں لے آیا اور خود علانیہ اس کا سرگروہ بن گیا۔ ایوانہائے "پارلیمنٹ" کے جمع ہونے پر ایک محضر یہ پیش ہوا کہ "جن وزرا کی نسبت کیتھولک عقائد میں ملوث ہونے کا گمان ہے یا اور طرح پر وہ تکلیف دہ وخطرناک معلوم ہوتے ہیں" وہ علیحدہ کردئے جائیں۔ دارالعوام نے بادشاہ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ لارڈ (ڈیبی)، بکنگھم

ہیجان عام

اور آرلنگٹن کو برطرف کردے اور ۱۶۶۴ء کے بعد سے جس قدر فوج
بڑھائی گئی ہے اسے منتشر کردے، ایک مسودہ قانون یہ بھی پیش
ہوا کہ کوئی کیتھولک دربار میں نہ جانے پاوے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ جیمز
بادشاہ کے مشوروں میں نہ شریک ہوسکے۔ ایک اس سے بھی زیادہ
اہم مسودہ قانون "مذہب پروٹسٹنٹ کے تحفظ وضمانت" کے نام سے
پیش ہوا، اور دارالامرا کے نئے فریق مخالف کے سرگروہ، ہیلی فیکس،
شافٹسبری، اور کارلائل نے اس کی منظوری پر زور دیا، اس قانون
کا منشا یہ تھا کہ اگر شاہی خاندان کا کوئی شہزادہ کسی کیتھولک عورت
سے عقد کرے گا تو تخت وتاج کے حق سے محروم ہوجائے گا۔ یہ
مسودہ جو بعد کے قانون حجب کا پہلا خاکہ تھا اگرچہ منظور نہ
ہوسکا مگر اس کی منظوری سے دونوں ایوانوں میں
ایک طرح کا جوش واندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔ شافٹسبری بڑی مستعدی
سے شہر کے اندر سازش میں مشغول ہوگیا، وہ شہزادہ آرینج سے
مراسلت کررہا تھا اور فرانس کے ساتھ جنگ کرنے پر زور دیرہا تھا۔
چارلس نے اس جنگ کو صرف اس طرح پر ٹالا کہ اس نے لیوئس
سے امداد کی درخواست کی اور پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا۔ لیکن چارلس
نے دیکھ لیا کہ اب دب جانے کا وقت آگیا ہے۔ اس نے
بہت رنج کے ساتھ ٹمپل سے کہا کہ "معاملات خراب ہوگئے اگر
میرے کارگزار اچھے ہوتے تو میں اس سے بڑا کام نکال لیتا۔ لیکن
اس کی مراعات حسب معمول بالکل مکمل تھی، اس نے بکنگھم
وآرلنگٹن کو برطرف کردیا" اور اہل ہالینڈ سے صلح کرلی۔ مگر شکست

ہالینڈ سے صلح ۱۶۷۴

کے وقت چارلس تمام وقتوں سے زیادہ ہیتناک بن جاتا تھا۔شافٹسبری کے منصوبوں کو زک دینے کے لئے وہ پہلے ہی ایک نئی تجویز قائم کرچکا تھا۔اپنے ابتدائے عہد سے وہ توازن قوت کے اصول پر جما ہوا تھا کبھی وہ اہل کلیسا کو عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کے مقابلے میں ابھارتا اور کبھی کلیرنڈن کے خلاف ایشلے کی پشت گری کرتا تھا۔اس توازن قوت سے اس کی غرض کچھ تو یہ تھی کہ وہ اپنی خود مختاری کو قائم رکھے اور کچھ یہ کہ اس سیاسی جد وجہد سے کیتھولکوں کو قدرے نفع پہنچا دے۔ دارالعوام کے مخالفانہ انداز کے باعث کلیرنڈن نے بادشاہ کی کوششوں کو بیکار کردیا تھا اور اس کے زوال کے بعد چارلس نے یہ خیال قائم کرلیا تھا کہ اب اسے اتنی قوت حاصل ہوگئی ہے کہ وہ صرف عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی مدد سے اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کی کوشش کرے مگر پرانی حکمت عملی کی طرح یہ نئی حکمت عملی بھی بیکار ثابت ہوئی۔ان لوگوں نے مذہب پروٹسٹنٹ کے ساتھ دغا بازی کرنے سے انکار کردیا اور ان کے سرگروہ شافٹسبری نے ایسی کارروائیوں کے لئے زور دیا جن سے کیتھولکوں کی وہ تمام امیدیں خاک میں ملجائیں جو جیمز کی تبدیل مذہب کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھیں۔ان دشواریوں میں پھنسکر چارلس نے یہ ارادہ کیا کہ دارالعوام جس رائے پر مصر ہے اسے دلیرانہ طور پر قبول کرکے دارالعوام کو پھر اپنا جانبدار بنالے۔دارالعوام کے ارکان کا زیادہ حصہ شاہ پرست اہل کلیسا پر مشتمل تھا اور یہ لوگ سرٹامس آسبرن

کو شاہی مجلسوں میں اپنا قائم مقام سمجھتے تھے۔ آسبرن درحقیقت آرلنگٹن کا آوردہ تھا اور بادشاہ اسے پہلے ہی ارل ڈینبی بنا چکا تھا۔ اب کلیفرڈ کی جگہ اسے وزیر خزانہ مقرر کردیا اور ۱۶۷۴ء میں ڈینبی اور اس کے پارلیمنٹی فریق کی روش کو علانیہ اختیار کرلیا۔

ڈینبی

ڈینبی کی حکمت عملی فی الاصل وہی تھی جو کلیرنڈن کی حکمت عملی تھی، کلیرنڈن ہی کے مانند اسے کلیسا سے الفت اور پوپ پرستی و انحراف سے نفرت تھی۔ شاہی اقتدار کی نسبت بھی اسکے خیالات ویسے ہی بڑھے ہوئے تھے، صرف پارلیمنٹ وقانون کے اعتماد نے اس خیال میں اعتدال پیدا کردیا تھا۔ اس کی پہلی کارروائیاں اس طرف مائل تھیں کہ عام اضطراب فرو ہوجائے اور جیمز کی حیثیت مستحکم ہو جائے۔ میری ڈیوک یارک کی سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اور بہ ظاہر حالات ڈیوک کے بعد وہی تاج کی وارث بھی تھی۔ بادشاہ کے حکم سے اس کے پروٹسٹنٹ ہونے کی تصدیق شائع کردی گئی اور ولیم (آرینج) سے اس کے عقد کے متعلق خفیہ مراسلت شروع ہوگئی۔ ولیم بادشاہ کی بہن میری کا بیٹا تھا اور اگر جیمز اور اس کی اولاد جانشینی سے خارج کردی جاتی تو ولیم ہی تاج وتخت کا وارث ہوتا۔ اس عقد کا فائدہ یہ تھا کہ جیمز کو اپنے ایک پرخطر رقیب کی طرف سے اطمینان ہوجاتا اور خود ولیم کے لئے بھی اپنے خسر کے انتقال کے بعد تخت نشیں ہونے کا راستہ صاف ہوجاتا۔ ڈینبی اور اساقفہ کے مشورہ سے کلیسا، اور بادشاہ کے مابین اتحاد پختہ کردیا گیا، اور اس کا پہلا نتیجہ یہ نکلا

کہ منحرفوں کے جلسوں اور دربار سے کیتھولکوں کے خارج کرنے کے متعلق قانون پر سختی کے ساتھ عمل ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ۱۶۷۵ء کی پارلیمنٹ کو یہ یقین دلایا گیا کہ قانون اختبار کا نفاذ سخت کردیا جائے گا۔ بادشاہ کے طرز عمل کا یہ تغیر ایک لمحہ بھی قبل از وقت نہیں ہوا تھا۔ بایں ہمہ ڈینبی کا جمع کردہ شاہی فریق بہ مشکل بادشاہ کو اس ذلت سے بچا سکا کہ اس نے جو فوج فرانس کی ملازمت میں دے رکھی تھی اس کی واپسی پر وہ مجبور کیا جائے۔ اس معاملے میں کثرت رائے حاصل کرنے کے لئے ڈینبی کو بدرجہ مجبوری ایک ایسا ذریعہ اختیار کرنا پڑا جو اس کے بعد سے تقریباً سو برس تک انگلستان کی سیاسیات کا ایک اہم جزو بنا رہا، یعنے اس نے اس کام کے لئے بیدریغ رشوتیں دیں لیکن دارالعوام کے حصہ کثیر کو دیہاتی فریق سے الگ کرنے میں اسے رشوت سے زیادہ کامیابی، مذہبی داروگیر کے قدیم جوش کے تازہ کرنے سے حاصل ہوئی۔ اس نے یہ تجویز کی کہ "کلیرنڈن نے بلدی عہدہ داروں کے لئے جو مذہبی جانچ مقرر کی ہے اسے سلطنت کے تمام عمال پر وسعت دیدی جائے۔ اور ایوانہائے پارلیمنٹ کا ہر ایک رکن، ہر عامل اور ہر ایک سرکاری عہدہ دار یہ حلف اوٹھائے کہ نہ وہ کبھی بادشاہ کے خلاف ہتیار اُٹھائے گا اور نہ یہ کوشش کرے گا کہ کلیسائے انگلستان میں جس طرح وہ اسوقت حسب قانون قائم ہے کوئی تبدیلی کی جائے یا کلیسا و سلطنت کی قائم شدہ حکومت میں کسی قسم کا تغیر عمل میں آئے" اساقفہ

ڈینبی اور دارالعوام

اور شاہ پرست فریق نے اپنی کوششوں سے اس مسودہ کو دارالامرا
میں منظور کرالیا اور دارالعوام میں وہ صرف اس وجہ سے منظور ہوتے
ہوتے رہ گیا کہ دونوں ایوانوں میں اپنے حقوق امتیازی کے متعلق
بحث پیش آگئی اور شافٹسبری نے بڑی تدبیروں سے اس شعلے کو
اور اچھی طرح بھڑکا دیا؛ اس کے ساتھ ہی دیہاتی فریق کو اتنی قوت
حاصل تھی کہ وہ رقوم امداد کی منظوری میں حرج ڈال سکے، اور اسکے
لئے ایسے شرایط پیش کرے جو بادشاہ کے لئے ناقابل قبول ہوں:
دارالعوام اگرچہ ڈینبی کے حسب وعدہ فرانس سے جنگ شروع
کرنے کے لئے بیچین تھا مگر وہ بادشاہ پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا۔ اور
ڈینبی کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ ان کی یہ بے اعتمادی کس قدر صحیح
تھی کیونکہ دارالعوام کے ملتوی ہوتے ہی چارلس نے ڈینبی کو وہ
مراسلات دکھائے جو اس تمام اثنا میں اس کے اور لیوئس کے
درمیان ہورہے تھے اور ڈینبی سے یہ خواہش کی کہ وہ ایک ایسے
معاہدے پر دستخط کردے جس کی شرط یہ تھی کہ فرانس اگر ایک سالانہ
وظیفہ کی ذمہ داری کرلے تو دونوں بادشاہ اس امر کے پابند ہوجائیں ۱۶۷۵
کہ وہ کسی اور طاقت سے کوئی معاہدہ نہ کریں اور اپنے ملک کے
اندر بغاوت کی صورت میں ایک دوسرے کو مدد دیں۔ اس قسم
کے معاہدے سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ انگلستان فرانس کا دست نگر
ہن جاتا بلکہ بادشاہ پارلیمنٹ کی نگرانی سے آزاد ہو جاتا۔ وزیر نے
اس معاملے میں تاخیر کرنے اور مجلس شاہی سے مشورہ لینے پر زور
دیا مگر اس کا کچھ حاصل نہ ہوا چارلس نے اس کے التجا کرنے پر

خود معاہدے پر دستخط کردئے۔ شافٹسبری کی طرح اب ڈینبی کو بھی معلوم ہوگیا کہ بادشاہ نے اسے بیوقوف بنا رکھا تھا لیکن اس کی باہمت طبیعت نے اسے اس امر پر آمادہ کردیا کہ وہ چارلس کو لیوئس کے پنجے سے نکالنے کے لئے نئی تدبیریں پیدا کرے۔ اس کے لئے پہلی شرط یہ تھی کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان جو پندرہ مہینے کی التوا کے بعد جمع ہوئی تھی مصالحت ہوجائے۔ دیہاتی فریق اس قسم کی مصالحت میں حائل تھا مگر ڈینبی نے یہ عزم کرلیا تھا کہ نہایت پر زور کارروائیوں سے اس فریق کی قوت کو توڑ دے اور شافٹسبری کی ایک غلطی نے اس کے لئے یہ موقع بہم پہنچا دیا۔ دارالعوام پندرہ برس قبل مذہبی وسیاسی خیالات کی بازگشت کے زمانے میں منتخب ہوا تھا اور شافٹسبری اس امر سے مایوس ہوگیا تھا کہ وہ اس طرح کے دارالعوام کو بالاستقلال بادشاہ کی مخالفت پر قائم رکھ سکے گا۔ اس لئے وہ پہلے ہی پارلیمنٹ کی برطرفی کے لئے محضر پیش کرنے کی تحریک کرچکا تھا۔ اب اسنے یہ حجت نکالی کہ اڈورڈ سوم کا ایک قانون ہے کہ پارلیمنٹ "سال میں ایک مرتبہ یا جتنے مرتبہ ضرورت ہو" جمع ہوا کریگی اور چونکہ گزشتہ التوا کا زمانہ ڈیڑھ برس کا تھا اسلئے پارلیمنٹ کا وجود قانوناً باطل ہوگیا "سہ سالہ قانون" کے بموجب یہ دلیل بیکار تھی مگر ڈینبی نے اسے اس رنگ میں رنگا کہ یہ دارالعوام کی ہتک ہے اور دارالامرا نے اس کے اشارے سے اس تجویز کے مویدین، شافٹسبری بکنگھم، سالسبری اور وہارٹن

ڈینبی کی کارروائیاں فروری ۱۶۷۷ء

کوٹا ور میں بھیجدیا اس ضرب سے فریق مخالف پر خوف طاری ہوگیا ادہر ڈینبی نے عجلت کے ساتھ ایک ایسی کارروائی کی جس سے یہ یقین تھا کہ اہل کلیسا ڈرکر پھر بادشاہ پر اعتماد کرنے لگیں گے۔ چنانچہ حفاظت کلیسا کے قانون میں ایک دفعہ یہ رکھی گئی کہ اگر کوئی ایسا بادشاہ تخت سلطنت پر متمکن ہو جو مسلمہ کلیسا کا رکن نہ ہو تو اساقفہ کا تقرر موجودالوقت مقتدایان دین کے ہاتھ میں آجائے گا اور بادشاہ کے لڑکے اسقف اعظم کینٹربری کی تولیت میں رہیں گے۔

معاہدہ نیمے گوئیں

لیکن یہ مسودہ قانون دارالعوام میں منظور نہ ہوسکا، اور رقوم کی منظوری صرف اس طرح ہوئی کہ ڈینبی نے ارکان کو بے تکان رشوتیں دیں۔درحقیقت بیرون ملک کی رفتار جنگ سے اس درجہ پریشانی پیدا ہوتی جاتی تھی کہ ڈینبی اس کے فرو کرنے سے قاصر تھا۔فلینڈرز میں فرانسیسی فوج کی نئی کامیابی اور کاشل میں شہزادہ آرینج کی شکست سے تمام ملک میں جنگ کے لئے شور مچ گیا،ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ نے بھی بادشاہ کے حضور میں ایک محضر پیش کرکے اس عام شور کی تائید کی لیکن چارلس نے اسکا ترکی بترکی جواب یہ دیا کہ اعلان جنگ کے قبل روپئے کی منظوری ملنا چاہئے اور جب دارالعوام نے ازراہ تنگ اس سے انکار کردیا تو اس نے پارلیمنٹ ہی کو ملتوی کردیا۔فرانس کی نئی امداد کی کثیر رقم نے سات ماہ تک اسے پارلیمنٹ کے ملتوی رکھنے کے قابل بنادیا لیکن پارلیمنٹ کے خاموش کردینے سے ملک کے خاموش کرنے کا کام نہ نکل سکا، اور جنگ کے لئے عام جوش وخروش سے فائدہ اٹھاکر ڈینبی نے پوری کوشش کے ساتھ

کارروائی کرنے کے لئے بادشاہ پر زور ڈالا۔ فرانسیسیوں کی دست درازی کے روکنے کیلئے شاہ پرست فریق کا جوش کسی طرح پیوریٹنوں سے کم نہ تھا، اور ڈینبی نے یہ کوشش کی کہ اندرون ملک میں اسے جو ناکامی ہوئی ہے اس کی تلافی اس طرح کرے کہ بیرون ملک کے معاملات میں پارلیمنٹ کو متحد کرلے۔ حسب عادت یہ معلوم ہوتا تھا کہ چارلس رضامند ہوجائے گا مگر اصل یہ ہے کہ فرانسیسیوں کے ساحل فلینڈرز پر آجانے سے وہ خود بیچین تھا اور اس نے یہ اعتراف کیا کہ اگر اس وقت فلینڈرز کا ساتھ چھوڑ دیا گیا تو "وہ ہرگز اپنی رعایا کے درمیان آسائش سے بسر نہ کرسکے گا"۔ اس لئے اس نے ڈینبی کو یہ اجازت دیدی کہ وہ دونوں فریقوں پر یہ زور ڈالے کہ باہمی مراعات کا وقت آگیا ہے اور انگلستان کی نئی روش ایسی ہونا چاہئے جس سے اہم نتائج کی توقع کی جاسکے۔ شہزادہ آرنج کو انگلستان میں بلایا گیا اور آئندہ کی مظنون وارثہ تاج وتخت میری کے ساتھ اسکا عقد کردیا گیا۔ اس عقد سے یہ توقع پیدا ہوگئی کہ آئندہ ہالینڈ سے بہت گہرا سیاسی اتحاد رہے گا اور اسی حد تک فرانس کی حرص وطمع سے مخالفت پیدا ہوجائے گی۔ ملک میں یہ عقد اس وجہ سے عام [illegible] پسند کیا جاتا تھا کہ یہ عقد ایک پروٹسٹنٹ شہزادے کے ساتھ ہوا تھا اور اس سے یہ یقین ہوگیا تھا کہ جیمز کا جانشین [پروٹ]سٹنٹ ہوگا لیکن لیوئس اس سے سخت برہم ہوگیا۔ اس نے [ا]نگلستان کی تجویز صلح کو نامنظور کردیا۔ اور پھر اپنی فوجوں کو آگے بڑھایا ڈینبی اس صلائے جنگ کے قبول کرنے کیلئے تیار تھا

ولیم و میری کا عقد ۱۶۷۸

اس نے پیرس سے انگریزی سفیر کو واپس بلالیا اور پھر فوراً ہی پارلیمنٹ کو جمع کیا۔ افتتاح پارلیمنٹ کے وقت بادشاہ نے جوش جنگ سے بھری ہوئی تقریر کی اور دارالعوام نے اسی انداز میں اس کا جواب دیا۔ اخراجات منظور ہوگئے اور فوج تیار کی گئی لیکن عملاً اعلان جنگ اب بھی نہیں ہوا۔ ایک طرف ڈینبی فرانس کو دھمکاتا رہا دوسری طرف چارلس اس تہدید سے خود اپنا نفع حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہا، اور تعویق عمل سے وہ نہایت ذلیل کارروائیوں سے فائدہ اُٹھاتا رہا۔ ایک موقع پر اس نے لیوئس سے یہ مطالبہ کیا کہ حلیفوں کے ساتھ اس کے مفید مطلب کارروائی کرنے کے عوض میں وہ (لیوئس) آئندہ تین برس تک اسے زائد وظیفہ دے۔ ڈینبی کو اس مطالبہ کے لکھنے میں تامل ہوا، اس پر چارلس نے اس خط میں یہ اضافہ کردیا کہ" یہ خط شاہی حکم سے لکھا گیا ہے" اور اس پر اپنے دستخط ثبت کردئے۔ تین ہزار انگریزی سپاہ آسٹینڈ میں بھیجی گئی مگر حلیفوں کو بادشاہ کی اصلی حکمت عملی کے متعلق شک وشبہہ پیدا ہوگیا تھا اور اس وجہ سے ان میں آپس ہی میں پھوٹ پڑگئی اور چارلس بہت جلد اس امر پر آمادہ ہوگیا کہ مزید وظیفہ حاصل کرکے اس فوج کو واپس بلالے اس معاملت کے طے ہوتے ہی لیوئس نے صلح کی ان شرائط کو جو اس نے خود ہی پیش کی تھیں واپس لے لیا حالانکہ بہ ظاہر اسی اعتماد پر انگلستان میدان جنگ سے ہٹا تھا۔ ڈینبی نے دوبارہ حلیفوں کو امداد دینا چاہی مگر انگلستان کی طرف سے اعتماد بالکل زائل ہوچکا تھا۔ تمام سلطنتوں نے یکے بعد دیگر

فرانس کے نئے مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اگرچہ ہالینڈ (جو جنگ کا اصلی باعث تھا) بچ گیا مگر صلح نیمے گوئیں نے لیوئس کو یورپ کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔

جولائی ۱۶۷۸ء

حامیان پوپ کی سازش

یہ صلح اگرچہ انگلستان کی ذلت کا باعث ہوئی، مگر چارلس بے جنگ کئے بیس ہزار فوج کا مالک ہوگیا اور فرانس نے کم و بیش دس لاکھ پونڈ اس کی جیب میں ڈال دئے۔ اس کارروائی سے اس کی فریب کاری کے متعلق قدیم شکوک میں نئی جان پڑگئی اور اس شبہ کو تقویت حاصل ہوگئی کہ وہ لیوئس سے سازش کرکے انگلستان کی آزادی اور انگلستان کے مذہب کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یہ محض شبہ ہی نہیں تھا بلکہ حقیقتاً ایسی سازش موجود تھی اور معاہدہ ڈوور کے وقت سے پروٹسٹینوں میں جس قدر اضطراب پیدا ہوگیا تھا اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ کیتھولک فریق کی امیدیں ترقی کرگئی تھیں لیکن جب چار برس کی بے نتیجہ کوشش کے بعد بادشاہ نے اپنی تجاویز واپس لے لیں اور بہ ظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ وہ کلیرنڈن کی حکمت عملی کو دوبارہ اختیار کیا چاہتا ہے تو کیتھولکوں پر سخت مایوسی چھاگئی۔ ان کے غم و یاس کی کیفیت انگلستان کے فرقہ جزوٹ کے خطوط اور کولمین کے مراسلات سے واضح ہوتی ہے، کولمین، ڈچس یارک کا سکرٹری (معتمد) اور ایک بہت سرگرم سازشی تھا۔ اسے بادشاہ اور اس کے بھائی کے اصلی منصوبوں کا حال اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا، اور اسی وثوق

پر اس نے لیوئس سے یہ التجا کی تھی کہ وہ روپے سے مدد کرے تاکہ پارلیمنٹ میں ساز باز کرکے کیتھولکوں کے مقاصد کو ڈینبی کے عناد سے محفوظ رکھا جائے۔ اس زمانے کے زیادہ پر جوش کیتھولک جس قسم کے خواب دیکھ رہے تھے، اس کا کچھ اندازہ کولمین کے ایک خط کے بعض فقرات سے ہوسکتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "انہیں تین سلطنتوں کی تبدیل مذہب کا ایک عظیم الشان کام انجام دینا ہے اور شاید اس سلسلہ میں ارتداد کی وہ وبا بھی فنا ہوجائے جس نے مدت سے شمالی دنیا کے بڑے حصہ پر اپنا تسلط کر رکھا ہے۔ اگر اس مقصد میں کامیابی ہوگئی تو مذہب پروٹسٹنٹ کو ایسا صدمہ پہنچے گا کہ ابتدائے شیوع سے اسوقت تک اسے ایسا صدمہ نہ پہنچا ہوگا" نیمے گوئین کی صلح نے جب یکایک چارلس کو ہر طرح پر حاوی وغالب بنادیا تو عوام کے دلوں میں جو شبہات پیدا ہورہے تھے وہ خطرے کی حد کو پہنچ گئے۔ عوام میں جس وقت کوئی سخت ہیجان پیدا ہوجاتا ہے تو اکثر ذلیل ودغا پیشہ اشخاص منظر عام پر نمایاں ہوجاتے ہیں، چنانچہ اس عام اضطراب میں بھی ایسا ہی ہواکہ ایک اسی قسم کے شخص نے اس سے فائدہ اٹھاکر ایک فتنہ کھڑا کردیا، جو "حامیان پوپ کی سازش" کے نام سے مشہور ہے؛ اس شخص کا نام ٹائٹس اوٹس تھا۔ رجعت شاہی کے قبل وہ فرقہ اصطباغی کا ایک پادری تھا، اور اس کے بعد ایک گرجا میں منتظم اور پھر ایک جہاز میں پیش نماز ہوگیا تھا، لیکن اس کی بداطواریوں

ٹائٹس اوٹس

نے اسے مفلس کردیا تھا اور اوقات بسر کرنے کے خیال سے اس نے مذہب کیتھولک اختیار کرلیا تھا۔ وہ والاڈولڈ اور سنٹ اومر کی جزوئٹ خانقاہوں میں داخل کرلیا گیا تھا۔وہ خانقاہ ہی میں تھا کہ اسے یہ معلوم ہوا کہ لندن میں جزوئٹوں کا ایک خفیہ جلسہ ہوا تھا۔ غالباً یہ جلسہ اسی قسم کا تھا جیسا بالعموم اس فرقہ کی عبادت کے لئے ہوا کرتا تھا۔جب وہ اپنی بداطواری کی وجہ سے خانقاہ سے نکال دیا گیا تو اس واقعے نے اس کے دماغ میں یہ پروبال پیدا کئے کہ یہ جلسہ مذہب پروٹسٹنٹ کے فنا کرنے اور بادشاہ کے قتل کرنے کے لئے ایک سازش کے طور پر ہوا تھا۔یہ قصہ چارلس کے سامنے پیش کیا گیا مگر اس نے اسے بالکل ناقابل اعتبار سمجھا لیکن اوٹس نے لندن کے ایک حاکم سر اڈمنڈ زبری گاڈفری کے روبرو اپنے بیان کے صحیح ہونے کی حلفیہ شہادت دی اور کسی نہ کسی طرح سے مجلس شاہی تک پہنچنے کا انتظام کرلیا۔اس نے یہ بیان کیا کہ اسے کچھ خطوط تفویض ہوئے تھے جن سے فرقہ جزوئٹ کے یہ حالات اسے معلوم ہوئے کہ وہ آئرلینڈ میں بغاوت کی کوشش کررہے ہیں، اسکاٹلینڈ میں پیروان کیمرن کے بھیس میں کام کررہے ہیں اور خود انگلستان میں ان کی کوشش یہ تھی کہ بادشاہ کو قتل کرکے کیتھولک ڈیوک یارک کو تخت نشین بنادیں۔لیکن اس نے خطوط کے جو اقتباسات پیش کئے ان سے اگرچہ فرقہ جزوئٹ کے لوگوں کی مایوسی وغصہ کا اظہار ہوتا تھا۔ مگر سازش قتل کے سے مہیب الزام کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا درحقیقت اگر کولمئین کے مراسلات نہ گرفتار ہوجاتے تو اوٹس ذلیل

اگست ۱۶۷۸ء

کرکے نکال دیا جاتا۔ لیکن کولمین کے خطوط نے اس سازش پر ایک نیا رنگ چڑھا دیا۔ ڈینبی کا یہ خیال تھا کہ اور بعض تجویزیں ایسی ہیں کہ چارلس ان کے ظاہر کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور اس وجہ سے ان ظاہر شدہ حالات کے رد کرنے میں متردد تھا بلکہ وہ اور زیادہ اس جانب مائل ہوگیا کہ اس سے بادشاہ کی کیتھولک طرز عمل کے روکنے کا کام لے۔ لیکن ڈینبی سے بھی زیادہ عیار و شاطر موجود تھے اور وہ پہلے ہی سے اس بڑھتے ہوئے اضطراب سے کام لینے کا ارادہ کرچکے تھے۔ شافٹسبری مدت کے بعد قید سے چھوٹا تھا اور چونکہ وہ کسی اور طرح پر بادشاہ کی حکمت عملی کو زک دینے سے مایوس ہوگیا تھا اس لئے وہ ہمہ تن اس سازش میں شریک ہوگیا۔ اس نے ہنسکر کہا کہ "وزیر خزانہ مذہب کیتھولک کے خلاف جس قدر بلند آواز سے چاہے چلائے میں اس سے بھی زیادہ زور کے ساتھ شور مچاؤں گا" لیکن جب سر اڈمنڈ بری گاڈفری جس کے روبرو اوٹس نے اظہار دیا تھا لندن کے قریب ایک کھیت میں اس طرح مرا ہوا پایا گیا کہ اسکی تلوار اس کے دل میں گھبی ہوئی تھی تو پھر عام اضطراب کے بھڑکانے کے لئے کسی شور و شغب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کی موت، قتل قرار دی گئی اور قتل کی نسبت یہ قرار دیا گیا کہ جزوئٹوں نے "اس سازش کو دبا دینے کے لئے" اسے مار ڈالا ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین خاص اعزاز کے ساتھ ہونے سے عام اضطراب میں اور اضافہ ہوگیا اور ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ نے اس غرض سے کمیٹیاں مقرر کیں کہ اوٹس کے بیان کردہ الزامات کی تحقیقات کریں۔

ڈینبی کا زوال

اس تحقیقات میں شافٹسبری سب سے پیش پیش رہا۔ اس کے ذاتی مقاصد جو کچھ بھی ہوں مگر اغراض عام کے متعلق اس نے جو کچھ بھی کیا ان کے عاقلانہ ودانشمندانہ ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے یہ کوشش کی کہ چارلس کو مجبور کیا جائے کہ وہ موجودہ پارلیمنٹ کو برطرف کرکے نئی پارلیمنٹ طلب کرے۔ اس نے یہ بھی کوشش کی کہ ڈینبی کو اس کے عہدے سے ہٹادیا جائے اور چارلس ایک ایسی وزارت قائم کرے جو اس کی فرانس کی دست نگری کو مٹادے اور اس کے طرز عمل کو آئینی طرز پر لے آدے۔ اس نے صاف یہ سمجھ لیا تھا کہ کیتھولک بادشاہ سے جس قسم کے خطرات کا اندیشہ تھا اس کا اطمینان کسی قسم کی ضمانت سے بھی کما ینبغی نہیں ہوسکتا تھا اور اسلئے وہ چاہتا تھا کہ جیمز کو جانشینی کے حق سے بالکل محروم کردیا جائے۔ لیکن ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنا سارا دارومدار اسی سازش پر رکھا تھا۔ چند اور بیانوں کو بلا چوں وچرا قبول کر کے اس نے عام اضطراب کو اچھی طرح بھڑکادیا۔ اوٹس نے اپنے اس نئے بیان میں پانچ کیتھولک امیروں کو جزوئٹ کی سازش میں ملوث بتایا تھا، یہ امرا ٹاور میں بھیجدئے گئے اور دو ہزار مشتبہ اشخاص قیدخانوں میں ڈال دئے گئے۔ ایک حکم یہ شایع ہوا کہ ہر ایک کیتھولک لندن سے چلا جائے؛ نو آموز سپاہیوں کو مسلح ہوجانے کا حکم دیا گیا اور سڑکوں پر پہرے مقرر ہوگئے تاکہ حسب بیان اوٹس کیتھولکوں کی جو شورش عنقریب ہونے والی تھی اسے روکیں۔ اس درمیان میں شافٹسبری نے اس اضطراب عام سے یہ سیاسی کام لیا کہ پارلیمنٹ

میں ایک قانون یہ منظور کرادیا کہ کوئی کیتھولک پارلیمنٹ کے کسی ایوان میں شریک نہ ہوسکے۔ اسس قانون پر ڈیڑھ سو برس تک عمل ہوتا رہا لیکن اس ۱۶۷۸ سے اصلی مقصد ڈیوک یارک کا خارج کرنا تھا اور اسمیں شافٹسبری کو ناکامی ہوئی کیونکہ جیمز اس قانون کے اثر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ چار مہینے تک جس سازش کا وجود صرف اوٹس کے بیان پر تسلیم کیا جارہا تھا اب اس کا اثر سست پڑتا جاتا تھا، لیکن انعامات کے دعوے پر اب ایک اور بدمعاش بیڈلو نامی ۱۶۷۹ آگے بڑھایا گیا اور اس نے ایسی داستانیں بیان کیں کہ اوٹس کے قصے بھی اس کے آگے ہیچ تھے۔ ان دونوں مخبروں میں ایک لغو رقابت پیدا ہوگئی اور انمیں سے ہر ایک یہ کوشش کرنے لگا کہ اس کے بیانات زیادہ حیرت انگیز ہوں۔ بیڈلو نے حلفاً یہ بیان کیا کہ ایک سازش یہ ہوئی ہے کہ کیتھولک فوج ملک میں لائی جائے اور پروٹسٹنٹوں کا قتل عام کردیا جائے۔ اوٹس نے بڈلو پر سبقت لیجانے کیلئے دارالامرا کے روبرو ملکہ پر یہ الزام لگایا کہ بادشاہ کے قتل کی سازش سے وہ بھی واقف تھی۔ ان الزامات کی لغویت اگرچہ بالکل عیاں تھی مگر قوم وپارلیمنٹ کے زوال پذیر اضطراب کو انہوں نے پھر بھڑکا دیا۔ ایک اعلان یہ شایع ہوا کہ ملک کے اندر جس قدر کیتھولک ہیں سب گرفتار کرلئے جائیں۔ اس کے بعد عدالتی کارروائی کے ذریعہ سے قتل کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے کولمین پر مقدمہ قائم کیا گیا اور وہ قتل ہوا، جسکی یاد اب تک دل کو ہلادیتی ہے۔ لیکن اگر اس خوف واضطراب کا مدار صرف مکروفریب ہی پر ہوتا تو بہت جلد اسکا خاتمہ ہوجاتا، مگر اس جھوٹی سازش کو جس چیز نے قوی کردیا تھا وہ ایک سچّی سازش تھی۔ کولمین کے خطوط نے اوٹس کی فریب کاریوں کو تقویت دیدی تھی۔ اب ایک نئے انکشاف سے

لیوس اور سازش

بڈلو کی فریب کاریوں کو بھی قوت حاصل ہوگئی ۔ جسوقت سے دارالعوام اور ڈینبی کے دباؤ سے چارلس نے فرانس سے ظاہری مخالفت اختیار کی تھی اسیوقت سے لیوئس اس فکر میں لگا ہوا تھا کہ پارلیمنٹ کو برطرف اور وزیر کو معزول اور اس فوج کو منتشر کرادے، جس سے ڈینبی کو یہ توقع تھی کہ وہ اس سے لیوئس کے خلاف کام لے سکتا ہے ۔ پس اس مقصد کے حصول کیلئے فرانیسی سفیر نے ملکی فریق کے سرگروہوں سے مراسلت شروع کردی تھی ۔ پیرس کے انگریزی سفیر رالف مانٹیگو اور ڈینبی میں مخالفت ہوگئی تھی اور اسوجہ سے وہ انگلستان کو واپس آگیا تھا۔ اسے دارالعوام میں جگہ مل گئی اور باوجودیکہ اس کے کاغذات ضبط ہوگئے تھے اس نے دارالعوام کے سامنے لیوئس کے نام کا ایک خط پیش کیا جسمیں یہ مطالبہ تھا کہ سابق نامہ وپیام کے دوران میں بادشاہ نے فرانس کی جو خدمت انجام دی ہے اسکا معاوضہ دیا جائے ۔ دارالعوام پر حیرت کا عالم طاری ہوگیا، کیونکہ عام شک وشبہہ اگرچہ بہت بڑھا ہوا تھا مگر اس سے قبل یہ نہیں ثابت ہوا تھا کہ انگلستان ایک غیر طاقت کا دست نگر ہے ۔ مراسلے پر ڈینبی کے دستخط موجود تھے پس اسپر فوراً ہی غداری کا الزام قائم کردیا گیا، لیکن شافٹسبری اپنے رقیب کے سزا دلانے سے زیادہ اس امر کا خواہاں تھا کہ نئی پارلیمنٹ منتخب ہوجائے ۔ ادھر چارلس بھی یہ ارادہ کرچکا تھا کہ کچھ بھی ہو مگر اس مقدمے کو روکنا چاہئے کیونکہ مقدمے کی صورت میں اسکی غیر ملکی حکمت عملی کے ذلیل راز افشا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ درحقیقت چارلس بالکل شافٹسبری کے بس میں آگیا ۔ شافٹسبری جس تدبیر میں لگا ہوا تھا وہ پوری ہوگئی ۔ اور آخر سنہ ۱۶۶۱ کی پارلیمنٹ جنوری سنہ ۱۶۷۹ میں برطرف کردیگئی ۔ انگلستان کی تاریخ پارلیمنٹ میں کوئی پارلیمنٹ مسلسل اتنے زمانے تک قائم نہیں رہی ہے،

۱۶۷۹ــ۱۶۸۲

{اسناد۔ حسب سابق۔ ارل رسل نے اپنے بزرگ لارڈ ولیم رسل کی جو سوانح عمری لکھی ہے، اس عہد کے کتب اسناد میں اس کا بھی اضافہ کرسکتے ہیں}

سر ولیم ٹمپل

نئی پارلیمنٹ کا انتخاب اضطراب قومی کے ہیجان میں ہوا تھا۔ اس پارلیمنٹ کے ارکان اگرچہ زیادہ تر اہل کلیسا اور دیہات کے شرفا تھے مگر ملک میں جو خوف پھیلا ہوا تھا اس کا اثر اُن پر بھی غالب تھا اُن کا باضابطہ اجتماع تو مارچ میں ہوا مگر اس اجتماع کے قبل ہی اُن کے انداز کا اثر بادشاہ کی طرز عمل پر پڑچکا تھا۔ جیمز، برسلز کو بھیجدیا گیا۔ چارلس نے فوج کو منتشر کرنا شروع کردیا اور یہ وعدہ کیا کہ ڈینبی بہت جلد اپنے عہدے سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ افتتاح پارلیمنٹ کے وقت اس نے جو تقریر کی اس میں یہ ظاہر کیا کہ غیر ممالک میں اپنی حکومت پروٹسٹنٹ کی روش کے قائم رکھنے کے لئے اسے روپیہ کی ضرورت ہے، لیکن ڈینبی کے

عزل کا روکنا اس کے لئے غیر ممکن تھا۔ دارالعوام نے اس امر پر زور دیا کہ وہ دارالامرا کے روبرو ڈینبی سے مواخذہ کرینگے۔ اس لئے اب سوا اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اسے وزارت خزانہ سے معزول کرکے ایک نئی وزارت قائم کیجائے۔

وزارت جدید

شافٹسبری مجلس شاہی کا صدر مقرر ہوا اور دیہاتی فریق کے سرگروہ لارڈ رسل اور لارڈ کیونڈش نے بھی لارڈ ہالس اور لارڈ ہربرٹ کے پہلو بہ پہلو اس مجلس میں نشست کی۔ یہ دونوں لارڈ فرقہ پرسبیٹرین کے قائم مقام تھے جو اب عام فریق مخالف کے اندر جذب ہوگیا تھا۔ سیول اور لارڈ ہیلیفیکس بھی شافٹسبری کے ساتھ ساتھ وزارت میں داخل ہوگئے۔ لارڈ ہیلیفیکس، شافٹسبری کے ساتھیوں میں تھا اور اس وقت تک اس کی شہرت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ وہ ایک ذہین اور تیز طبیعت مقرر ہے۔ لارڈ سنڈرلینڈ کو بھی مجلس شاہی میں جگہ دی گئی اور فریق دیہاتی کے دو نہایت ہی ہردلعزیز سرگروہ لارڈ اسکس اور لارڈ کیمبل خزانہ کے عہدہ داروں میں داخل کئے گئے۔ سر ولیم ٹمپل جس نے "محالفہ ثلثہ" کے معاملات طے کئے تھے، اسے ہیگ سے بلاکر وزیر خارجہ مقرر کیا گیا اور اس سے یہ توقع پیدا ہوگئی کہ یورپ کی سلطنتوں میں انگلستان پھر اپنا بلند مرتبہ حاصل کرلیگا۔ ٹمپل نے واپس آکر نظم و نسق ملک کا جو طریقہ قرار دیا وہ اگرچہ اسوقت بارآور نہ ہوا مگر نظام حکومت میں خاموشی کے ساتھ جو تغیر ہو رہا تھا اس کے لئے وہ نہایت اہم و مفید ثابت ہوا اسپنے

وقت کے اور بہت سے لوگوں کی طرح وہ بادشاہ اور پارلیمنٹ
دونوں کے غیر معمولی اقتدار و اختیار سے یکسان طور پر خائف تھا۔
قومی اضطراب کے موقعوں پر ایوان ہائے پارلیمنٹ کی قوت کی
کوئی حد نہیں رہتی تھی۔ پارلیمنٹ نے کلیرنڈن کا تختہ الٹ دیا تھا۔
کلیفرڈ اور کیبل کو زیر و زبر کردیا اور حال ہی میں ڈینبی کو
خارج کرادیا تھا۔ پس پارلیمنٹ میں یہ قوت ضرور تھی کہ وہ انجام
کار میں حکومت کے خراب کرنیوالوں کو اُن کے کیفر کردار تک
پہنچادے، مگر اس سے ایسی کسی طاقت کا اظہار نہیں ہوا تھا
جس سے عمدہ حکومت قائم ہو سکے اور بادشاہ کی طرز عمل پر
اس کا مستقل اثر پڑے۔ باوجودیکہ پارلیمنٹ کی نشست برابر ہوتی
رہی مگر غیر ملکی معاملات کا جہانتک تعلق تھا انیس برس تک
چارلس اپنی ہی سی کرتا رہا۔ اس نے قوم کی مرضی کے خلاف جنگ
جاری کردی اور جب خود قوم نے جنگ کا مطالبہ کیا تو جنگ
کرنے سے انکار کردیا۔ جس حالت میں ایک ایک انگریز فرانس
سے متنفر تھا، اس نے انگلستان کو شاہ فرانس کا ایک ماتحت
ملک بنا دیا تھا، بعد کو ثابت ہوا کہ اس صورت معاملات کا
تدارک نہایت آسان تھا۔ اس کی تفصیلی بحث تو بعد کو ہوگی
مگر یہاں مختصراً یہ کہنا مناسب ہے کہ وزارت اب عہدہ داران
سلطنت کی ایک مجلس بنگئی، اور یہ عہدہ دار دونوں ایوان ہائے
پارلیمنٹ کے اس گروہ سے نامزد کئے جانے لگے جسے پارلیمنٹ
میں سب سے زیادہ کثرت حاصل ہوتی تھی۔ ان عہدون کے

قبول کرنے سے ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ وہ فریق غالب کی مرضی کی تعمیل کریں۔ جب تک دارالعوام کی یہ جماعت غالب، رائے عامہ کے زیادہ قوی حصے کی قائمقام رہتی ہے اسوقت تک اس انتظام سے یہ اطمینان رہتا ہے کہ قومی مرضی کا صحیح اثر حکومت پر پڑ رہا ہے۔ ہم لوگوں کو یہ ترکیب بہت صاف و آسان معلوم ہوتی ہے مگر اس وقت تک انگریزوں میں کسی مدبر کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا۔ ٹمپل تک کو اس مرض کا علاج یہی معلوم ہوتا تھا کہ شاہی مجلس کے اختیارات کو بحال کردیا جائے۔ اس مجلس میں دربار کے اعلی عہدہ دار شاہی خزانچی، معتمدین، اور چند امرا (جنھیں بادشاہ خاص اس مقصد سے طلب کرے) شامل ہوتے تھے۔ الیزبتھ کے آخر عہد تک یہ مجلس ایک طرح کی مجلس مشورت تھی اور عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ نظم و نسق ملک کے متعلق زیادہ اہم معاملات غور و بحث کے لئے بادشا کیطرف سے اس مجلس میں بھیجے جایا کرتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ ہمیشہ جاری رہا ہے کہ ان معاملات کو اس مجلس میں پیش کرنے کے قبل زیادہ ذی اثر مشیروں کی ایک مختصر جماعت ان پر غور کرلیا کرتی تھی اور جیمز کے عہد میں اس خفیہ مجلس نے (جو اس زمانے میں کابال کہلاتی تھی) مجلس شاہی کو بالکل بے اثر کرنا شروع کردیا تھا۔ "رجعت شاہی" کے بعد اس مجلس میں زیادہ وسعت و توازن پیدا کیا گیا تھا، مگر اصلی اختیار کلیرنڈن،

ٹمپل اور اسکی مجلس شاہی

ساؤتھمپٹن، آرمنڈ، منک اور دونوں معتمدین کے کابال کے اندر محدود تھا۔ کلیرنڈن کے زوال کے بعد کلیفرڈ، آرلنگٹن، بکنگھم، ایشلی، اور لارڈ ڈیل اُن کے جانشین ہوئے اور یہ محض اتفاق ہے کہ ان پانچون کے نام کے پہلے حرف سے لفظ "کابال" بنجاتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی طرف سے عام نفرت پھیلی ہوی تھی اس وجہ سے خود لفظ کے معنی بھی مذموم ہوگئے۔ ان مختصر مجلسوں کا قطعی نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ کے راستے میں وہ رکاوٹین نہ رہیں جو شاہی مجلس کی وسعت اور اس میں رعایا کے ہمخیال اشخاص کی مشمولیت سے لاحق ہوا کرتی ہیں۔ جن ناپسندیدہ تجویزوں کے اختیار کرنے کی وجہ سے کلیفرڈ اور اس کے رفقا کی "کابال" کا نام انگریزون کی زبان پر چڑھ گیا تھا ان تجاویز کا امرائے عظام اور سلطنت کے موروثی عہدہ دارون کے سامنے پیش کرنا کسی طور سے ممکن نہ تھا۔ اس لئے ٹمپل نے یہ سونچا کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ سے جس شخصی مطلق العنانی کی روک نہیں ہوتی، اُسکی روک تھام کے لئے مجلس شاہی کی ترتیب درست کرنا چاہیئے۔ پس اس ضرورت سے مجلس شاہی کی اس رازدارانہ مجلس کو جسے اب کابال کے بجائے "کیبنٹ" کہنے لگے تھے، برطرف کر دیا گیا۔ ارکان مجلس کی تعداد تیس تک محدود کردی گئی اور یہ قرار دیا گیا کہ اُن کی مجموعی آمدنی تین لاکھ پاؤنڈ سے کم نہ ہو۔ یہ رقم دارالعوام کے تمام ارکان کی مجموعی آمدنی سے کچھ ہی کم تھی۔ یہ تعداد خفیہ مباحث کے لئے زاید از ضرورت نہیں تھی اور ٹمپل

کو اس مجلس کے ارکان کی دولت و ثروت سے یہ امید تھی
کہ وہ ایک طرف دارالعوام کو زیادتی اور مداخلت بیجا سے روک
سکینگے اور دوسری طرف خود بادشاہ کی مطلق العنانی کے سدّراہ
ہوں گے۔

قانون حجب

نئی پارلیمنٹ اور نئی وزارت کے متعلق عاقلانہ و ہمدردانہ
حکومت کی امیدیں پیدا ہوگئی تھیں۔لیکن مشکلات اب بھی بیحد
تھے۔شک و اضطراب کی وجہ سے قوم میں ایک ہیجانِ عام پیدا
ہوگیا تھا۔پارلیمنٹ کے انتخابات ایسی ہماہمی میں ہوے تھے
کہ دربار کے امیدواروں کو ایک جگہ بھی نہیں ملی۔البتہ نئی وزارت
کے تقرر کا خیر مقدم عام جوش مسرت کے ساتھ کیا گیا۔لیکن
مسئلہ جانشینی نے تمام معاملات کو پس پشت ڈال دیا۔اس قومی
اضطراب کی تہ میں یہ خوف پوشیدہ تھا کہ کوئی کیتھولک بادشاہ نہ ہو
جائے اور جیمز کے حالات مابعد نے اس خوف کو بجا ثابت کردکھایا۔
شافٹسبری دل سے چاہتا تھا کہ جیمز کو جانشینی سے خارج کردے
مگر مجلس کے زیادہ ارکان میں ابھی تک یہ ہمت نہیں پیدا ہوی
تھی۔انہوں نے چارلس کی اس تجویز کی تائید کی کہ ڈیوک یارک
کے حقوق برقرار رہیں مگر اس کے شاہی اختیارات محدود کردئے
جائیں۔اس تجویز کے مطابق اس کے بادشاہ ہو جانے کے بعد
کلیسا کے تقررات کا اختیار اس کے ہاتھ سے نکال لیا جاتا،
عہد سابق کی آخری پارلیمنٹ بدستور نشست کرتی رہتی اور جبتک
کہ بادشاہ کیتھولک رہتا، مشیران سلطنت، جج، صوبہ دار اور

بیڑے کے تمام عہدہ دار سب کا تقرر ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ کے اختیار میں رہتا۔ ان شرائط کی وسعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ چارلس نے عام دباؤ کو کس حد تک محسوس کیا تھا لیکن شافٹسبری نے اس تجویز کو ناکافی و ناقابل عمل قرار دیکر ترک کردیا اور اس کی رائے بالکل بجا ثابت ہوی وہ مجلس شاہی میں جیمز کے محجوب کردئے جانے پر زور دیتا رہا اور اسکے رفقانے جیمز کو بادشاہت سے محروم کرنے اور سلسلہ وراثت میں سب سے قریب تر پروٹسٹنٹ کو وارث بنانے کیلئے دارالعوام میں ایک قانون پیش کردیا اور وہ بہت بڑی کثرت رائے سے منظور ہوگیا۔ یہ معلوم تھا کہ دارالامرا میں اس کی نامنظوری کے لئے چارلس اپنے اثر سے کام لے گا، اور اسلئے ارل شافٹسبری نے یم کی چال اختیار کی۔ دارالعوام میں ایک نہایت زوردار معارضہ تیار کیا گیا، شہر لندن اس قانون کی طرفداری میں ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ میں ایک عرضداشت پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا، چارلس صرف یہ کرسکا کہ اس نے اولاً پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا اور آخر مئی میں اسے برطرف کردیا۔ اس طرح اسے کچھ وقت ملگیا۔

منتھ لیکن اگر ملکی فریق متحد رہتا تو یہ تعویق کچھ کام نہ دیتی۔ ڈیوک کے محروم کئے جانے کے نسبت قوم اور دارالعوام کا خیال اس زور کے ساتھ ظاہر ہوچکا تھا کہ اگر وزرا متفق رہتے تو یہ مقصد حاصل ہوجاتا اور انگلستان ۱۶۸۸ء کے انقلاب سے بچ جاتا۔ درحقیقت ملکی فریق کے دانشمند اصحاب کا

میلان اسی جانب تھا جس کا ظہور ۱۶۸۸ء کے انقلاب میں ہوا
اگر جیمز کو محروم کردیا جاتا تو سلسلہ وراثت میں دوسرا درجہ
اس کی بیٹی میری کا تھا۔میری شہزادہ آرنج کی ملکہ تھی اور
ٹمپل، اسکس اور ہیلیفیکس کو جب اپنے "قانون طمانیت وضمانت"
میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے یہ تجویز سوچی کہ التوائے پارلیمنٹ
کے دوران میں شہزادے کو انگلستان بلائیں اور اسے مجلس شاہی
کے روبرو پیش کریں تاکہ وہ آئندہ تخت تک پہنچنے کے لئے
اپنا راستہ صاف کرے۔سوءِ اتفاق سے شافٹسبری ایک دوسری
ہی فکر میں پڑگیا۔چونکہ شہزادے کا تعلق خود شاہی خاندان سے
تھا اس لئے شافٹسبری کو اس پر اطمینان نہیں تھا اور اس کا
خیال یہ تھا کہ شہزادہ شاہی قوت کے کمزور کرنے اور شاہی
اختیارات کو ترک کرنے کی مخالفت کرے گا۔ اس لئے وہ
ولیم کو بھی علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔اس کے اس فعل کی وجہ یہ
معلوم ہوتی تھی کہ شاید وہ اس مقولہ پر کاربند تھا کہ
"استحقاق کی کمزوری بادشاہ کو نیک اور کارآمد بنا دیتی ہے"
بہرحال وجہ کچھ بھی ہو اس نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ جیمز اور
اس کی اولاد کے ساتھ ہی ولیم کے حقوق کو بھی ساقط
کرکے ڈیوک منمتھ کو تخت انگلستان پر متمکن کردے۔عام طور پر
یہ مشہور تھا کہ بادشاہ کی ناجائز اولاد میں منمتھ سب سے
بڑا لڑکا ہے۔وہ ایک کمزور طبیعت و آوارہ مزاج شخص تھا
مگر اپنے حسن و جمال اور اپنی دلیری کی وجہ سے وہ عام

طور پر ہردلعزیز تھا۔ایک قصہ یہ گھڑا گیا کہ بادشاہ نے اس کی ماں سے خفیہ عقد کرلیا تھا۔شافٹسبری نے چارلس کو اس امر پر آمادہ کیا کہ مغربی اسکاٹلینڈ میں کوینیٹرؤں (اصحاب عہد و میثاق) کی بغاوت فرو کرنے کے لئے منمتھ کو سپاہ کا افسر مقرر کرکے بھیجدیا جائے۔اس کے وہاں سے واپس آنے کے بعد شافٹبری نے بادشاہ پر زور دیا کہ منمتھ کو گارڈ (فوج محافظ) کا افسر مقرر کردے۔چونکہ بادشاہ کے پاس صرف یہی ایک فوجی قوت تھی، اس لئے اس کارروائی کے معنی یہ تھے کہ کل فوجی قوت منمتھ کے ہاتھ میں آجائے۔

لیکن سنڈرلینڈ، ہیلیفیکس اور اسکس نہ صرف شافٹبری کی شافٹسبری کی اس تجویز کے سختی کے ساتھ مخالف تھے بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دوبارہ معزولی شافٹسبری کی کامیابی کی صورت میں ان پر تباہی آجائیگی۔ انہیں لوگوں نے آخری پارلیمنٹ کے برطرف کئے جانے کی صلاح دی تھی اور ارل نے غصّے میں آکر یہ دھمکی دی تھی کہ اس صلاح کے عوض ان لوگوں کو اپنا سر دینا پڑے گا۔بادشاہ کے یکبیک بیمار پڑجانے اور جیمز کے موجود نہ ہونے کے باعث منمتھ کی جانشینی اور اس کے متعاقب خطرے کا یقین قوی ہوگیا۔ان تینوں وزرا نے فوراً ہی چارلس کو اس امر پر آمادہ کیا کہ ڈیوک یارک کو واپس بلالے۔بادشاہ کے صحتیاب ہو جانے پر ڈیوک اسکاٹلینڈ کو چلاگیا مگر اس کے ساتھ ہی چارلس نے منمتھ کو بھی فوج کی افسری سے معزول کرکے یہ حکم دیدیا کہ وہ بھی

ملک سے باہر نکل جائے۔اس معاملہ میں اپنے رفقا کی مخالفت
کی وجہ سے شافٹسبری جب بالکل اکیلا رہ گیا تو وہ یوماً فیوماً
"سازش" کی تائید کی طرف زیادہ مائل ہوگیا۔جو لوگ اس سازش
کے شکار ہوے ان کے ساتھ نہایت بیرحمانہ برتاؤ کیا گیا۔تین
کیتھولکوں کو لندن میں پھانسی دیدی گئی۔بیرونجات میں آٹھ
پادریوں کو موت کی سزا ہوی۔مخبروں اور جاسوسوں کی وجہ سے
ہر ایک کیتھولک پر خوف طاری ہو گیا تھا۔شیفٹسبری کو یقین تھا
کہ پارلیمنٹ کے جمع ہونے کے بعد وہ بادشاہ پر اس تخویف
کا دباؤ ڈالیگا مگر چارلس نے پہلے ہی معلوم کرلیا تھا کہ ارل
کی طرز عمل سے ملکی فریق میں ناچاقی پیدا ہوگئی ہے اور وزرا
میں رسل کے سوا کوئی شافٹسبری کا حامی نہیں ہے۔ٹمپل، اسکس
ہیلیفیکس یہ سمجھتے تھے کہ بغیر کسی سخت انقلاب کے میری کو
جانشین بنا دینا ممکن ہے مگر جیمز کے حقوق کے ساتھ ہی اسکی
پروٹسٹنٹ اولاد اور نیز شہزادہ آرنج کے حقوق کو بھی معطل کردینے
سے یقیناً خانہ جنگی برپا ہو جائے گی۔پس ان لوگوں کی پوری
تائید کے بھروسے پر چارلس نے شافٹسبری کو مجلس کی صدارت سے
معزول کردیا۔اس معزولی سے جس کشمکش کے پیدا ہونیکا اندیشہ
تھا، چارلس اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔اس وقت تک
چارلس جس وجہ سے بچا ہوا تھا وہ اس کی پر استقلال جرأت تھی۔ اکتوبر ۱۶۷۹ء
رنگین بیان ریرزبی نے لکھا ہے کہ جسوقت سازش کا خوف و شافٹسبری کی
اضطراب پھیلا ہوا تھا" لوگ تعجب سے دیکھتے تھے کہ ان تمام پیچیدگیوں جدوجہد

کے باوجود وہ خوش و خرم و شادان و فرحان ہے، کسی امر کے متعلق زیادہ سوچنا اور فکر کرنا اس کی طبیعت کے منافی تھا" شافٹسبری کی معزولی کے بعد ایک کھلبلی مچ گئی مگر چارلس اسوقت بھی حسب عادت ونڈسر کے باغ میں مچھلی کا شکار کھیلتا پھرتا تھا۔ لیکن ریزبی سے زیادہ غائر نظر سے دیکھنے والے جانتے تھے کہ اس بے پروائی و بیفکری کی تہ میں نئے خطرات کا احساس موجود ہے۔ برنیٹ کہتا ہے کہ "اس وقت سے بیّن طور پر اُسکے مزاج میں فورا ذرا تغیر محسوس ہونے لگا تھا"۔ درحقیقت وہ پژمردہ اور متفکر معلوم ہوتا تھا؛ اسے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ "اسے سابقہ ایک عجیب قوم سے پڑا ہے جسے نہ وہ قابو میں لاسکتا ہے اور نہ ان پر اپنا رعب بٹھا سکتا ہے" لیکن اس نے اس خطر یکا مقابلہ اپنے قدیمی بے پروایانہ سکوت کے ساتھ کیا؛ اس نے پھر فرانس سے خفیہ گفت و شنود جاری کردی؛ چارلس کیطرح لیوئس بھی قوم کے جنگجویانہ انداز سے ڈرا ہوا تھا اور اجتماع پارلیمنٹ کے روکنے کے لئے وہ بھی نہایت بیچین تھا لیکن جن شرائط پر اس نے مدد دینا چاہی وہ اسقدر ذلت آمیز تھے کہ چارلس تک نے ان کا قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ اس ناکامی نے چارلس کو مجبور کیا کہ وہ ایک نئی پارلیمنٹ طلب کرے؛ ادھر شافٹسبری بہت زور کے ساتھ قتل عام کی تجویز اور حملے کی نئی داستانیں لوگوں میں شایع کررہا تھا؛ اس اضطراب کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی پارلیمنٹ کے ارکان سابقہ پارلیمنٹ کے ارکان سے زیادہ سخت گیر

و پرجوش ثابت ہوئے۔ بادشاہ کے پاس عرضداشتوں کا ایک انبار جمع ہوگیا کہ شروع ۱۶۸۰ء میں پارلیمنٹ کے اجتماع کی اجازت دیجائے۔ مجلس شاہی تک کو بادشاہ کی اس رائے کے قبول کرنے میں تردد تھا کہ پارلیمنٹ کا اجتماع نومبر ۱۶۸۰ء تک ملتوی رکھا جائے مگر چارلس اپنی رائے پر قائم رہا۔ وہ اگرچہ اکیلا تھا مگر وہ اپنے خیال پر جما رہا کہ کسی نہ کسی طرح مہلت حاصل کرنا چاہئے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وقت کا گزرتا جانا اس کے حق میں مفید ہے۔ عوام کی روش بدلنا شروع ہوگئی تھی۔ جیوری، ناکافی شہادتوں کو قبول کرلیا کرتی تھی مگر اوٹس کی فریب کاری ایسی تھی کہ جیوری بھی اسے قبول نہ کرسکی اور جن چار شخصوں کو اس نے پھنسایا تھا ان کے رہا ہو جانے سے یہ معلوم ہونے لگا کہ اب اضطراب فرد ہوتا جاتا ہے۔ اس کا زیادہ قوی ثبوت یہ تھا کہ اس اضطراب کے قائم رکھنے کے لئے شافٹسبری کو بیحد کوشش کرنا پڑی۔ نئے مخبر پیدا کئے گئے جنھوں نے حلفیہ بیان کیا کہ خود ارل کے قتل کی سازش کی گئی تھی اور اپنے ہم مذہبوں کی اس سازش میں خود ڈیوک بھی شریک تھا۔ کھانے کی ایک لگن میں ایک کاغذ ملا وہ اس نئے خطرے کی شہادت کے ثبوت میں پیش کیا گیا۔ مشعلوں کے بڑے بڑے جلوس لندن کی سڑکوں پر گشت کرنے لگے اور پوپ کا مجسمہ عام شور و شغب کے ساتھ جلایا گیا۔

عرضی دہندگان و متنفرین

اس سے بھی زیادہ دلیرانہ کارروائیوں کے عمل میں آنے

سے یہ واضح ہوگیا کہ شافٹسبری کس حد تک بڑھنے کے لئے آمادہ ہے۔خانہ جنگی کے پرآشوب زمانے میں اس نے نشوو نما پائی تھی اور اب اگرچہ اس کے بال سفید ہوگئے تھے لیکن جب اس نے بے باکانہ طور پر قوم کو مسلح مخالفت کے لئے آمادہ کیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جوانی کا جوش و خروش اس میں پھر عود کرآیا ہے۔ اوائل ۱۶۸۰ئہ میں اس نے ایک کمیٹی اس غرض سے مرتب کی کہ تمام ملک میں اضطراب پیدا کیا جائے۔اس کمیٹی نے اجتماع پارلیمنٹ کے لئے جو درخواست تیار کی تھی وہ ہرایک قصبے اور ہرایک بڑی جوری کے پاس بھیجی گئی اور ہر درخواست ہزار ہا دستخطوں کے ساتھ واپس آئی۔منمتھ باوجود بادشاہ کی مخالفت کے شافٹسبری کے بلانے پر لنڈن چلا آیا۔ایک نہایت بے باکانہ رسالہ شایع کیا گیا جس میں منمتھ کو "پوپ وظلم" کے خلاف آئندہ کی جدوجہد میں قوم کا رہبر بتایا تھا۔مجلس شاہی پر خوف اسدرجہ طاری ہوگیا تھا کہ ہرایک قلعے کی فوج فوری جنگ کے لئے تیار کردی گئی تھی،لیکن درحقیقت خطرہ اسقدر وسیع نہیں تھا جسقدر ظاہر میں معلوم ہوتا تھا۔خیالات کی رو بہت کافی طور پر بدل چکی تھی۔ ملزمین یکے بعد دیگرے رہا کئے جارہے تھے اور شافٹسبری نے جس بیرحمانہ اضطراب کے شعلے بلند کئے تھے وہ فرد ہوتے جاتے تھے اور جن مظلوموں کو اس اضطراب میں پھانسیاں دی گئی تھیں ان کی نسبت تاسف و ہمدردی کا احساس پیدا ہوتا جاتا تھا۔قوم اگرچہ پروٹسٹنٹ بادشاہ کے لئے

بازگشت

مضطر تھی مگر جیمز کی پروٹسٹنٹ اولاد کے خلاف جس زیادتی کا
اندیشہ ظاہر کیا جاتا تھا، اسے قوم کی عادلانہ طبیعت قبول نہیں
کرتی تھی اور ملک کا ہر شریف شخص اسے باعثِ توہین سمجھتا
تھا کہ میری کو الگ کر کے انگلستان کا تاج ایک ولدالزنا کے سر پر
رکھدیا جائے۔ خانہ جنگی کی یاد بھی، ابھی دلوں میں تازہ تھی اور
بغاوت ہو جانے کی افواہ سے لوگ یوماً فیوماً بادشاہ کے گرد
زیادہ جمع ہوتے جاتے تھے۔ شافٹسبری نے درخواستوں کا جو
انبار مہیا کیا تھا اس کے جواب میں محضروں کا ایک انبار
جمع ہوگیا جس میں ہزارہا شخصوں نے بادشاہ کے مخالف
تجاویز کی نسبت اظہار "تنفر" کیا تھا۔ ملک دو بڑے فریقوں
میں تقسیم ہوگیا۔ ایک فریق "عرضی دہندگان" کا تھا اور دوسرا
"متنفروں" کا۔ ٹیہیں سے ان دو عظیم الشان فریقوں (یعنی "وہگ"
اور "ٹوری") کی بنیاد پڑی جنہوں نے "قانون حجب" کے
وقت سے انگلستان کی سیاسیات میں نہایت نمایاں حصّہ لیا ہے۔
صورتِ معاملات کے اس تغیر سے چارلس نے فوراً فائدہ اٹھایا۔
اس نے ڈیوک یارک کو دربار میں واپس بلالیا، رسل، کیونڈش،
نیز ارل اسکس سے استعفا لے لیا کیونکہ ارل بھی اب ہیلی فیکس و جان
شافٹسبری کی تجاویز کا مویّد ہوگیا تھا۔ شافٹسبری نے بھی اس
خودکامی کا جواب تمرد سے دیا۔ وہ اپنے پیرووں کا ایک غول
لیکر مڈل سکس کی بڑی جوری کے روبرو گیا اور ڈیوک یارک
پر یہ الزام لگایا کہ وہ کیتھولک اور کلیسائے انگلستان سے

منحرف ہے۔ اور بادشاہ کی داشتہ ڈچز پورٹسمتھ کو قوم کے لئے
باعث ننگ و تکلیف بتایا۔ دوسری طرف منمتھ ملک میں گشت
کرنے کے لئے روانہ ہوگیا اور اپنی خوش مزاجی کے
باعث ہر جگہ لوگوں کو اپنا ہمخیال بناتا گیا مگر شافٹبری کو سب سے
زیادہ اعتماد دارالعوام پر تھا کیونکہ اس کا انتخاب اس وقت ہوا
تھا جب نہایت شدت کے ساتھ اضطراب پھیلا ہوا تھا اور اجتماع
پارلیمنٹ کی تاخیر کیوجہ سے ارکان دارالعوام برافروختہ ہورہے
تھے۔ پارلیمنٹ جب اکتوبر میں جمع ہوی تو اس نے سب سے
پہلا کام یہ کیا کہ " پوپ کے اثر کو دبانے اور ایک پیرو پوپ کی
جانشینی کے روکنے کی نسبت اپنا خیال ظاہر کردیا۔ اسی اثنا میں
آئرلینڈ سے ایک کیتھولک سازش کی خبر موصول ہوی مگر دارالعوام
میں قانون حجب کے منظور ہونے کے لئے اس کی مطلق
ضرورت نہیں تھی۔ دارالعوام اپنے خیال پر اسقدر پختگی سے جما
ہوا تھا کہ ٹمپل اور اسکس بضرورت اس کے ساتھ ہوگئے اور
سنڈرلینڈ تذبذب میں پڑگیا۔ ہیلیفیکس اپنی قابلیت اور فصیح البیانی
کے باعث صف اول میں آچکا تھا۔ اس نے نہایت سختی اور
کامیابی کے ساتھ دارالامرا میں اس قانون کی مخالفت کی۔ مگر
ہیلیفیکس درحقیقت یہ سب کچھ ولیم کی زبان سے کہہ رہا تھا۔
فرانس کے سفیر باریلوں نے اپنے بادشاہ کو لکھا تھا کہ ولیم اور بجویت
" لارڈ ہیلیفیکس جہ تن شہزادہ آرینج کا جانب دار ہے اور ڈیوک یارک
کے لئے جو کچھ وہ کررہا ہے اس کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ

مصالحت باہمی کے لئے ایک راستہ نکل آئے اور اس طرح شہزادہ ولیم کو فائدہ پہنچے "۔ جب یہ "قانون حجب" نامنظور ہوگیا تو ہیلیفیکس نے فوراً ہی پروٹسٹنٹ کی حفاظت کی تجاویز پیش کردیں جنکا منشا یہ تھا کہ تخت نشینی کے بعد جیمز کو یہ اختیار نہوگا کہ جس قانون کو ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ منظور کرلیں وہ اسے نامنظور کردے۔ نہ اسے غیر ملکی سلطنتوں سے گفتگو کرنے کا حق ہوگا اور نہ وہ پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر ملکی و فوجی عہدہ داروں کا تقرر کریگا۔ اس تجویز کا باعث بھی شہزادۂ آرینج ہی تھا اور ممالک ہالینڈ نے اس کی تائیدیوں کی کہ چارلس پر زور دیا کہ وہ اپنی رعایا سے معاملات کو یکسو کرے تاکہ ان ممالک کو فرانس کی اُن دائمی مداخلتوں کو روکنے کا موقع ملے جو اس نے ہر طرف اپنے ہمسایوں کے ملکوں میں جاری کر رکھی ہے۔

آکسفورڈ کی پارلیمنٹ

لیکن اگر دارالامرا قانون حجب کو نہیں منظور کرتا تھا تو دارالعوام کے پاس بھی اس امر کے کافی وجوہ تھے کہ وہ "قانونِ حفاظت" کو نہ منظور کریں۔ ان کے خیال کو لندن کے ایک رکن پارلیمنٹ نے صاف طور پر بیان کر دیا تھا کہ یہ ذرائع حفاظت عین اسی وقت شکست ہو جائینگے جب ان کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر کوئی کیتھولک بادشاہ کسی وقت تخت نشین ہوگیا تو اسے اپنی پشت پناہی کے لئے انگلستان کے باہر بہت سی قوتیں ملجائیں گی۔ "ڈیوک، اسکاٹلینڈ پر حکمراں ہے، آئرلینڈ اور انگلستان کے پیروانِ پوپ اس کے مطیع فرمان

ہوں گے، جتنے اعلیٰ و ادنیٰ عہدہ داروں کو بادشاہ مقرر کرتا ہے وہ سب اس کے فرمان پذیر ہو جائینگے، پس وہ جس قسم کا بادشاہ بننا چاہے گا ویسا ہی بن جائے گا۔" مگر شافٹسبری صرف اسی پر قناعت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ قانون نامنظور ہو جائے بلکہ اس نے جان توڑکر یہ کوشش بھی کی کہ مقصدِ مجب کو "قانون طلاق" کے ذریعہ سے حاصل کرے جس کا منشا یہ تھا کہ چارلس اپنی موجودہ ملکہ کو عقیم ہونے کی بنا پر علٰحدہ کر کے نئی شادی کرے تاکہ کوئی پروٹسٹنٹ وارثِ تاج و تخت پیدا ہو جائے۔ غالباً ارل نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ عوام کا خیال بدلتا جارہا ہے، اس لئے اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ کسی بہت بڑے شخص پر مقدمہ چلاکر اس تلوّن خیال کو روک دے اور سازش کا عام یقین پھر تازہ کردے۔ لارڈ اسٹیفرڈ اپنی عمر اور اپنے رتبے کے لحاظ سے تمام کیتھولک فریق کا سرگروہ سمجھا جاتا تھا اور پہلے مرتبہ اضطراب عام کے وقت سے وہ ٹاور میں ایک قیدی کی حیثیت سے پڑا ہوا تھا لارڈ اسٹیفرڈ کا مقدمہ۔ اس پر اب باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ کے باعث دسمبر ۱۶۸۰ء میں مجرون کا ایک گروہ یہ ثابت کرنے کے لئے جمع کیا گیا کہ کیتھولکوں نے بادشاہ اور ملک کے خلاف سازش کی ہے۔ یہ شہادتیں بیکار ثابت ہوئیں مگر شافٹسبری کی توقع پوری ہوگئی اور اس مقدمہ سے قدیم ہیجان پھر پیدا ہوگیا۔ امرا کی کثرت رائے نے اسٹیفرڈ کو مجرم قرار دیا اور اسے پھانسی دیدی گئی۔ اس ضرب کا اثر سب پر پڑا مگر نہ پڑا تو چارلس پر، سنڈرلینڈ نے پھر بادشاہ

پر زور دیا کہ اسے دب جانا چاہئے لیکن اگرچہ اس کے وزرا بلکہ اس کی محبوبہ ڈچز پورٹسمتھ تک نے (جو شافٹبری کی دہمکیوں سے ڈرکر قانون حجب کے موافق ہوگئی تھی) اسکا ساتھ چھوڑ دیا تھا پھر بھی وہ مخالفت پر قائم رہا۔ پارلیمنٹ نے عطائے رقوم کے لئے یہ مطالبہ بھی پیش کردیا تھا کہ قلعوں کے عہدہ داروں کے تقرر میں پارلیمنٹ کی رائے کو بھی دخل دیا جائے۔ اس پر چارلس نے پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا۔ درحقیقت وہ پھر فرانس سے اتحاد پیدا کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ مگر اپنی فطری عیاری کے باعث اس نے موجودہ پارلیمنٹ کو برطرف کرکے مارچ میں ایک نئی پارلیمنٹ کے اجتماع کا حکم دیدیا تھا۔ یہ کارروائی محض دہوکھا دینے کے لئے کی گئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ خانہ جنگی کا خوف دلاکر ملک کے خیال ۱۶۸۱ میں انقلاب پیدا کردیا جائے اور پارلیمنٹ کے آکسفورڈ میں طلب کرنے سے یہی ظاہر کرنا منظور تھا کہ بادشاہ دارالسلطنت کی بیوفائی کے خلاف ملک کو توجہ دلانا چاہتا ہے۔ نیز اس کارروائی سے یہ بھی توقع تھی کہ گزشتہ خانہ جنگی کی یاد بہت زور کے ساتھ دلوں میں تازہ ہو جائے گی۔ اور اسی خیال سے بدامنی کی پیشبندی کا عذر کرکے اس نے اپنی فوج محافظ کو بھی اپنے ہمراہ رکاب چلنے کا حکم دیدیا۔ ادہر شافٹبری نے بھی دربار کے تجاویز سے خوفزدہ ہوکر حفاظت خود اختیاری کے بہانہ سے اپنے پیرووں سے مسلح ہوکر آنے کے لئے کہا، مگر اس سے بادشاہ کی تجویز میں، اور تقویت پیدا ہوگئی۔ منتخبہ نے پھر ملک

میں دورہ کرنا شروع کردیا۔ لندن میں بلوے ہونے لگے۔ انقلاب کا ہو جانا بہت قریب الوقوع معلوم ہوتا تھا۔پس چارلس نے فرانس سے اپنے خفیہ معاملات کے طے کرنے میں عجلت سے کام لیا۔اس نے زبانی یہ وعدہ کیا کہ وہ صلح کی روش پر قائم رہے گا۔یعنی ولیم نے جو اتحاد عظیم قائم کردیا تھا اس میں شریک نہ ہوگا۔اس کے عوض میں لیوس نے ایک حقیر رقم سے اس کی اعانت کی۔چونکہ بادشاہ کے مداخل میں ازخود زیادتی ہوتی جاتی تھی اس لئے اگر وہ صلح کی روش پر قائم رہتا تو اس رقم کے اضافے سے وہ پارلیمنٹ کی امداد سے بالکل مستغنی ہوجاتا۔اس نئی پارلیمنٹ نے بادشاہ کے ہاتھ میں پڑکر سابق پارلیمنٹ سے بھی زیادہ بے اعتدالیاں کیں۔دارالعوام کے ارکان وہی تھے جو سابقہ پارلیمنٹوں میں رہچکے تھے۔جنھیں چارلس نے برطرف کردیا تھا۔اور دو مرتبہ پارلیمنٹ کے بند کئے جانے سے ان کے دلوں میں خواہ مخواہ غصہ بھرا ہوا تھا۔ہیلیفیکس نے ایک نیا مسودۂ قانون "تحدید اختیار" کے نام سے پیش کیا جسکا منشا یہ تھا کہ جیمز کو بادشاہ کا لقب حاصل رہے مگر حکومت کے فرائض کو شہزادہ آرینج اور اس کی بیگم انجام دے۔اس مسودہ کے نامنظور ہوجانے سے ملکی فریق کے اعتدال پسند اور فہمیدہ افراد اس فریق سے علیحدہ ہوگئے۔دارالعوام نے نظام سلطنت کے خلاف ایک مخبر فٹزہیرس نامی پر عام عدالت کے بجائے دارالامرا میں اس خیال سے مقدمہ چلایا کہ اس سے پھر ہیجان پیدا ہو جائیگا

چارلس کا فرانس کی طرف رجوع ہونا

گر خلاف توقع اس کا اثر یہ ہوا کہ عوام کی رائے بادشاہ کیطرف زیادہ مائل ہوگئی۔ اصل یہ ہے کہ شافٹسبری نے اپنی کارروائی کا سارا انحصار اس پر رکھا تھا کہ خزانہ کے خالی ہو جانے سے چارلس اس کے قابو میں آجائے گا اور روپئے کی منظوری سے انکار کرکے وہ بادشاہ کو قانون حجب پر رضامند کرلے گا۔ مگر فرانس کی رقم نے بادشاہ کو اُس کی غلامی سے آزاد کردیا تھا۔ اسے پارلیمنٹ سے صرف یہ کام لینا تھا کہ وہ یہ ظاہر کردے کہ اس نے بہ حیثیت بادشاہ کے کسقدر ضبط و تحمل سے کام لیا ہے اور اسکا صلہ اسے یہ ملا کہ اُس کی ذلت و توہین کی گئی۔ اسکا یہ مقصد حاصل ہوگیا تھا اور قانون حجب کے دوبارہ پیش ہوتے ہی اس نے ایک ہی مہینے کی نشست کے بعد پارلیمنٹ کو برطرف کردیا اور ایک شاہی اعلان کے ذریعہ سے تمام ملک سے انصاف کا خواہاں ہوا۔

شافٹسبری کا انتقال اس اعلان کے جواب میں، وفاداری کا ایک عام جوش موجزن ہوگیا، کلیسا بادشاہ کا جانب دار بن گیا۔ ہر ایک منبر پر یہ اعلان کیا گیا اور دارالعلوموں نے وثوق کے ساتھ یہ فیصلہ کردیا کہ "کوئی مذہب، کوئی قانون، کوئی غلطی، کوئی ضبطی ایسی نہیں ہے جس سے جانشینی کا مقدس حق موروثی زائل ہوجائے" شافٹسبری اس الزام پر گرفتار کرلیا گیا کہ اس نے سازش کے ثابت کرنے کے لئے جھوٹی گواہیاں بنائی ہیں۔ اس سے بادشاہ کی نئی قوت عیاں ہوگئی مگر لندن بدستور اُس کی رفاقت پر ثابت قدم رہا۔

مڈل سکس کی بڑی جیوری نے اس کے الزام کے مسودہ قانون کو نظر انداز کردیا اور جب وہ ٹاور سے نکالا گیا تو تمام سڑکوں پر آگ روشن کیگئی اور ہر طرف گھنٹے بجنے لگے۔ گر ایک تجویز کی اشاعت سے جس کے نسبت کہا جاتا تھا کہ شافٹسبری کے کاغذات میں دستیاب ہوی تھی، عام ملک کی وفاداری میں ایک تازہ جوش پیدا ہوگیا تھا۔ یہ تجویز ایک خفیہ انجمن کے قیام کی تھی جسکا مقصد "حجب" کی کارروائی کو آگے بڑہانا تھا اور جس کے ارکان نے اس امر کا عہد کیا تھا کہ بادشاہ اگر پارلیمنٹ کو ملتوی یا برطرف کردیگا تب بھی وہ اس کے احکام پر کار بند رہیں گے۔ اس تغیر خیال کا اثر اسقدر وسیع تھا کہ ہیلیفیکس نے ایک جدید پارلیمنٹ کے طلب کئے جانیکی رائے دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ پارلیمنٹ ضرور وفادار ثابت ہوگی۔ صورت معاملات کے اسی تغیر سے فائدہ اٹھانے کے خیال سے ولیم (آرینج) بھی انگلستان میں آیا تاکہ چارلس کو "مخالفہ" کے موافق بنائے گر بادشاہ ان دونوں مشوروں سے پہلو بچالے گیا۔ وہ اپنی نئی روش پر نہایت دلیری کے ساتھ چلتا رہا۔ اس نے کلیسا کی وفاداری کا یہ صلہ دیا کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں پر پھر داروگیر جاری کردی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پین، انگلستان سے فرار ہوگیا اور اپنے ہم طریق کوئیکروں کے لئے پنسلوینیا کی جائے پناہ قائم کی بادشاہ کو بہت جلد اتنی قوت حاصل ہوگئی کہ اس نے جیمز کو دربار میں واپس بلالیا۔ منتھ جس نے اس تغیر خیال کے روکنے کے لئے ملک میں گشت کرنا شروع کردیا تھا، گرفتار کرلیا گیا۔ ایک ٹوری میر (صدر بلدہ) کی

دوستی کے باعث لندن کے تمام شیرف (ناظم) ٹوری مقرر ہوگئے اور انہون نے ایسے جیوری جمع کرلئے جنکی وجہ سے "جب" کے ہرایک حامی کی زیست و موت بادشاہ کی مرضی کے تابع ہوگئی۔شافٹسبری اس نئے خطرے کو اچھی طرح سمجھتا تھا، وہ اپنے ہی سے ایک مٹھی بھر سرفروشوں کے ساتھ دیوانہ وار سازشوں میں لگ گیا، وہ شہر میں چھپ رہا اور فخریہ یہ کہتا تھا کہ دس ہزار نوجوان اس کے اشارے پر تیار کھڑے ہیں۔اُس نے اپنے دوستوں پر ہتیار اٹھانے کے لئے زور دیا، مگر جب انہوں نے اس کام میں تاخیر کی تو اسے مجبوراً راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ہالینڈ پہنچکر دو مہینے بعد یہ عالی مرتبہ سردار قوم راہی ملک عدم ہوگیا۔اس کی وسیع قوت عمل اور اس کی تعجب انگیز ذہانت، اس کے علوے مرتبیت کی شاہد ہیں۔لیکن اس کی ذہانت اور اس کی قوت عمل نے کچھ دنوں کے لئے انگلستان کی آزادی کو برباد کردیا اور ایک شریف ترین کام کو بدترین جرائم کے ساتھ ملا دیا۔

۱۶۸۲ — ۱۶۸۸

{ **اسناد** :- اجزائے سابقہ میں جن کتابوں کا ذکر ہوچکا ہے ان میں ڈیوڈ کے تذکرے، اور لٹرل کے روز نامچے کا اضافہ کرلینا چاہئے مگر لارڈ میکالے کی تاریخ انگلستان (History of England) سب سے مقدم ہے }

شافٹسبری کا فرار بادشاہ کی ظفر مندی کا اعلان تھا۔ شافٹسبری نے بادشاہ اپنی حیرت انگیز دور بینی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب جد وجہد کا خاتمہ ہے کی کامیابی اور مزید مقاومت بے کار ہے مگر ملک کے جن سرگروہوں نے ارل کی طلب پر لبیک کہنے میں تاخیر کی تھی، ان کو یقین یہ تھا کہ اب بھی مخالفت ممکن ہے۔ چنانچہ منمتھ، اور اس کے ساتھ لارڈ اسکس، لارڈ ہاورڈ دائرک، لارڈ رسل، ہیمپڈن اور الگرنن سڈنی اس غرض سے جا بجا جلسے منعقد کررہے تھے کہ ایک انجمن قائم کریں جس کے شور وغل سے بادشاہ کو مجبور ہوکر پارلیمنٹ طلب کرنا پڑے۔ شافٹسبری جب شہر میں روپوش تھا اس وقت جو زیادہ پُر جوش لوگ اس کے پاس

جمع ہوگئے تھے ان کے نزدیک چارۂ کار یہ تھا کہ قتل کی سازشیں کریں۔ چنانچہ انہوں نے یہ تجویز سوچی تھی کہ لندن سے نیومارکٹ کو جاتے ہوے چارلس اور اس کے بھائی دونوں کو بہ مقام رائی ہاوس قتل کردیں لیکن یہ دونوں تجویزیں کھُل گئیں اور اگرچہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ تھیں مگر بادشاہ کے مشیران قانونی نے یہ ستم کیا کہ اپنی طباعی سے دونوں کو ایک کردیا۔ لارڈ اسکس نے ٹاور میں خودکشی کرلی اور غدار قرار پاکر قتل کئے جانے سے بچ گیا۔ لارڈ رسل پر رائی ہاوس کی سازش میں شریک ہونے کا الزام لگایا گیا اور لنکنز اِن کے میدان میں اسے قتل کردیا گیا۔ یہی معاملہ الگرنن سڈنی کے ساتھ بھی پیش آیا۔ متمتھ خوف کی وجہ سے سمندر پار بھاگ گیا مگر اس کے چلے جانے کے بعد اس کے پیرودں پر برابر بغاوت کے مقدمات قائم ہوتے رہے۔ ۱۶۸۳ء میں وہ آئینی مخالفت بالکل پامال ہوگئی جسنے اب تک چارلس کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر رکھی تھی۔ اس کی اس کامیابی سے ہر طرف وفاداری کا جوش اُبل پڑا۔ ایسے موقع پر اگر کوئی زیادہ کمزور طبیعت کا شخص ہوتا تو ضرور ظالمانہ کارروائیوں کی طرف مائل ہوجاتا۔ جس روز رسل قتل ہوا ہے اور لوگ اسے شہید سمجھکر اس کے خون سے اپنے رومال رنگین کررہے تھے، اسی روز دارالعلوم آکسفورڈ نے یہ اعلان کیا کہ بدترین حکمراں کے لئے بھی بے چون وچرا اطاعت داخلِ مذہب ہے۔ لیکن چارلس سمجھتا تھا کہ اگر وہ محض ظلم کی طرف جھک جائے گا تو اب بھی اس کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہوجائیں گی، وہ ذی اثر ٹوری

رائی ہاوس کی سازش

فریق جو قانون تجسّب کے حامیوں کے خلاف اس کا طرفدار ہوگیا تھا
وہ اب تک پارلیمنٹی اور قانونی حکومت کے قیام پر استقلال کے ساتھ
جما ہوا ہے۔کلیسا کی قوت بدستورِ سابق بحال ہے اور اساقفہ کی مخالفت
کی وجہ سے عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی رعایت اسے پھر ترک کرنا
پڑی تھی۔اس لئے اس نے یہ احتیاط کی کہ اپنی چند سال کے بقیہ
زمانۂ حکمرانی میں کسی طرح پر قانون عامہ کی کھُلی مخالفت نہیں کی۔اسنے
کسی قانون کو معلق نہیں کیا۔ شاہی اختیار سے کوئی محصُول نہیں
لگایا۔ طویل العہد پارلیمنٹ کے عظیم الشان کارناموں کے معلوم
کرنے کا کوئی طریقہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ چارلس ثانی کے
عہد حکومت کا جائزہ لے لیا جائے۔ ہیلم کا یہ کہنا بالکل صحیح
ہے کہ ”واپسی کے بعد بادشاہ کو صرف اسی قدر اختیار باقی رہا
جس قدر ازروئے قانون اس کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا“ سنہ ۱۶۴۱ء
کے محبّانِ وطن نے جن خرابیوں کو دور کردیا تھا ان کے دوبارہ جاری
کرنے کے لئے کسی قسم کی کوشش نہیں کی گئی، پارلیمنٹ برابر طلب
ہوتی رہی اور باوجودیکہ پارلیمنٹ نے بارہا روپیہ کی منظوری دینے
سے انکار کیا مگر روپیہ وصول کرنے کے لئے کسی قسم کا غیر آئینی طریقہ
اختیار نہیں کیا گیا۔کلیرنڈن کے زمانے میں جو چند خلافِ قانون
اعلان شائع کئے گئے تھے وہ اس کے زوال کے بعد منسوخ کردئے
گئے۔اسٹار چیمبر اور عدالتِ ہائی کمیشن کے دوبارہ قائم کئے جانے
کی کوشش نہیں کی گئی ۔ اور اگرچہ جج بادشاہ کے مطیع فرمان
ہوتے تھے اور جوری بھی اکثر پہلے سے جانچ کر مقرر کی جاتی تھی

مگر عدالتی کارروائی میں کسی قسم کی کُھلی مداخلت نہیں ہوتی تھی۔ دو نمایاں کام ایسے ہوئے کہ آزادی کا قدم ۱۶۴۱ء سے بھی آگے بڑھ گیا۔ جس وقت سے طباعت کا اثر رائے عامہ پر پڑنے لگا تھا اسیوقت سے اجازت نامے کے دستور نے مطابع کا منہ بند کردیا تھا ہنری ہشتم کے قواعد کے بموجب مطابع پر اسٹار چیمبر کی نگرانی قائم کردی گئی تھی اور مارٹن مارپریلیٹ کے ہتک آمیز رسالوں کی وجہ سے الیزبتھ کے عہد میں اور بھی زیادہ سختی ہوگئی تھی۔ طویل العہد پارلیمنٹ تک نے اس معاملے میں سخت گیری سے کام لیا تھا اور اریوپاجٹیکا میں ملٹن کے اس قدر سخت تعرضات پر بھی اس کے رفقا نے مطلق اعتنا نہ کی، لیکن رجعتِ شاہی کے بعد طباعت کے متعلق جو قانون نافذ ہوا تھا اس کی میعاد ۱۶۹۵ء میں ختم ہوگئی اور پارلیمنٹ کے انداز سے یہ واضح ہوگیا کہ اب احتساب کے دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کا خاتمہ ہے۔ مطابع کی اس نئی آزادی کے ساتھ ہی

مطابع کی آزادی

ہیبیس کارپس (احضار ملزم) کے قانون سے نئی قوت آگئی کیونکہ اس سے ہر انگریز کو اپنی شخصی آزادی کا اطمینان ہوگیا تھا۔ بغیر قانونی چارہ جوئی کے کسی کو قید کرنے کے خلاف منشور اعظم میں، نہایت ہی ابتدائی زمانے میں ایک مشہور دفعہ قائم ہوچکی تھی۔ کوئی آزاد شخص کسی جرم کے الزام یا سزا یا قرضے کے سوا اور کسی وجہ سے قید خانے میں نہیں رکھا جاسکتا تھا اور ہر شخص کو یہ اختیار تھا کہ وہ "احضار ملزم" کے قانون کے موافق عدالتِ شاہی سے اپنے لئے یہ درخواست کرے کہ مجھکو عدالت کے روبرو

قانون احضار ملزم

حاضر کردیں۔ اس حکم کے بہ موجب داروغۂ قید خانہ پر لازم تھا کہ وہ ملزم کو مع حکم نامہ قید کے عدالت کے روبرو پیش کرے تاکہ عدالت اس امر کا فیصلہ کرسکے کہ اس کا قید خانے میں رکھنا قانون کے موافق ہے یا نہیں۔ لیکن جو قید مجلس شاہی کے حکم سے ہوتی تھی اس کی نسبت اکثر اوقات ججوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ملزم کی حاضری عدالت کا حکم نہیں دیا جاسکتا اور کلیرنڈن کے زمانے میں اس قسم کی قید کی مثالیں موجود ہیں جس میں کوئی قانونی چارہ جوئی کارگر نہیں ہوسکی۔ لیکن اس کے زوال کے بعد ہی رعایا کے اس حق کے محفوظ کرنے کو مسودۂ قانون پیش کیا گیا اور ایک طولانی جد وجہد کے بعد بالآخر ۱۶۷۹ء میں "احضار ملزم" کا قانون منظور ہوگیا۔ اس جلیل القدر قانون کے موافق قدیم دستور کی تمام مشکلات و مستثنیات رفع ہوگئیں۔ سوا ان لوگوں کے جن پر غداری یا بغاوت کا الزام ہوتا تھا اور تمام قیدیوں کو اس قانون سے فائدہ اُٹھانے کا حق تھا یہاں تک کہ جس زمانے میں عدالتوں میں تعطیل ہوتی تھی، اس زمانے میں بھی یہ حکم نافذ کیا جاسکتا تھا اور اگر کوئی جج یا داروغۂ قید خانہ، ملزم کے اس حق سے انکار کرتا تو سخت پاداش بھگتتا۔ جس شخص پر بغاوت وغداری کا الزام ہوتا تھا وہ ضمانت پر رہا ہوسکتا تھا بشرطیکہ قید خانے کے معائنے کے وقت اس پر جرم ثابت نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر دوسرے معائنے کے موقع تک اس کی سزا کا حکم نہ ہوجائے تو وہ رہا کردیا جاتا تھا۔ اس امر کی نہایت سخت ممانعت تھی کہ کسی قیدی کو سمندر پار

کسی مقام یا قلعے میں بھیجا جائے اور اس کی خلاف ورزی کے لئے نہایت ہی سخت سزا مقرر تھی۔

چارلس کا انتقال

اگرچہ بہت جلد یہ محسوس ہونے لگا کہ مطبع کی آزادی اور قانون احضار ملزم بادشاہ کی پریشانی کا سبب ہوگئے ہیں پھر بھی چارلس نے نہ تو مطبع کی آزادی کو روکا نہ اس قانون میں کچھ مداخلت کی۔لیکن اگر وہ ایک طرف عام مقاومت کے برانگیختہ کرنے سے بچتا رہتا تھا تو دوسری طرف خاموشی واستقلال کے ساتھ مطلق العنانی کی جانب بڑہتا جاتا تھا۔ہیلیفیکس نے اس امر پر زور دیا کہ فرانس کی مداخلت بیجا کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، منمتھ کو واپس بلا لیا جائے اور نئی پارلیمنٹ طلب کی جائے مگر اس کی کچھ شنوائی نہ ہوی۔ دوسرے انگریز مدبّروں کے مانند اسے بھی معلوم ہوگیا کہ اسے بیوقوف بنایا گیا ہے اور اب کہ اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔اس کا عہدے پر برقرار رہنا محض برائے نام تھا ورنہ حکومت پر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا۔ہائیڈ جسے اب ارل روچیسٹر بنا دیا تھا بدستور خزانے کا صدر تھا لیکن چارلس کا اعتماد چالاک وپرفن سنڈرلینڈ کی طرف بڑہتا جاتا تھا۔پارلیمنٹ کے ہر تیسرے برس جمع ہونے کے لئے قانون موجود تھا اور ایک مرتبہ منسوخ ہونے کے بعد دوبارہ منظور ہوچکا تھا (گو اس دوسری منظوری میں سابق کی احتیاط باقی نہیں رہی تھی)، پھر بھی بادشاہ کے بقیہ عہدِ حکومت میں پارلیمنٹ کا اجلاس نہیں ہوا۔چونکہ فرانس سے اس نے خفیہ اتحاد کررکھا تھا اس وجہ سے جس قدر رقم کی اسے ضرورت پڑتی تھی وہ فوراً

مہیا ہو جاتی تھی۔ اودھر انگریزی تجارت کی ترقی کے باعث محصول میز بحری میں روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا تھا اور امن کی صورت میں چارلس کو دارالعوام سے کسی مزید رقم کے لئے درخواست کرنے کی حاجت نہیں تھی۔ ہر قسم کی مخالفتوں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ دیہاتی فریق کی قوت کچھ تو قانون حجب کی بابت خود آپس کے اختلافات سے، اور کچھ اس فریق کے زیادہ ذی اثر سرگروہوں کے فرار وقتل کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی۔ اس کی جو کچھ طاقت رہ گئی تھی وہ قصبات کے اندر محدود تھی، اب اس پر بھی حملہ کیا گیا اور قصبات کے نام یہ حکم جاری کیا گیا کہ وہ اس امر کی وجہ ظاہر کریں کہ اپنے حقوق کے ناجائز استعمال کی وجہ سے ان کے فرامین شاہی کیوں نہ ضبط کرلئے جائیں۔ جب چند فیصلے بادشاہ کے موافق ہو گئے تو عام طور پر قصبات اپنی بلدی آزادی سے دست بردار ہو گئے اور جدید فرامین میں یہ احتیاط رکھی گئی کہ مجالس بلدی کی ترتیب ایسی ہو کہ پکے وفاداروں کے علاوہ اور لوگوں کو ان میں دخل نہ ملے اور اس طرح قصبات کے تمام نمایندے بادشاہ کے اثر میں آگئے۔

قصبوں کے نئے منشور

علی مخالفت کے مقابلے کے لئے چارلس مدت سے اپنی فوج محافظ میں خاموشی کے ساتھ اضافہ کررہا تھا۔ اس نے طنجہ سے اپنی فوج واپس بلالی اور اس طرح نو ہزار سپاہی پورے ساز و سامان سے درست اس کے پاس موجود ہو گئے تھے۔ اسی فوج سے زمانۂ موجودہ کی مستقل فوج کی بنیاد پڑی۔ اس فوج کی تقویت کے لئے اس نے چھ رجمنٹیں صوبہ جات متحدہ (ندرلینڈز) کے

کام میں لگا رکھی تھیں تاکہ جب ضرورت ہو انہیں وطن میں .... بلالے۔ یہ حالت اگرچہ فی الحقیقت نہایت خطرناک تھی مگر چارلس کے متفرق ظالمانہ افعال سے اتنا اندیشہ نہیں تھا جتنا خود اس کی طبیعت اور اسکے اغراض سے اندیشہ تھا۔ لیکن عین کامیابی کے وقت اس کے انتقال نے انگلستان کی آزادی کو بچالیا۔ اس نے اپنی سابق ہر دلعزیزی پھر حاصل کرلی تھی اور اس کی علالت کی خبر سُن کر لوگ جوق درجوق گرجوں میں جمع ہوکر دعائیں کرنے لگے تھے کہ خدا اسے صحت دے کہ وہ اپنی قوم کا مربّی و سرپرست بنا رہے۔ لیکن بادشاہ صرف اس فکر میں تھا کہ مرتے وقت وہ مذہب کیتھولک سے آشتی کرے۔ اس کا کمرہ خالی کردیا گیا اور ہڈلسٹن نامی ایک پادری (جس نے جنگ ورسٹر میں اس کی جان بچائی تھی) حاضر ہوا۔ اس کے سامنے بادشاہ نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اسی نے آخری رسوم ادا کئے۔ جب امرا و اساقفہ پھر بلائے گئے تو اس کارروائی کے متعلق ایک لفظ بھی کسی نے نہیں سنا منتھ کے سوا اس کی آشناؤں کے تمام بچے اس کے بستر کے گرد جمع تھے۔ اس نے اپنے بچوں کو ایک ایک کرکے اپنے بستر کے قریب بلایا اور انہیں برکت کی دعا دی۔ اس کے بعد اساقفہ نے اس سے یہ درخواست کی کہ چونکہ وہ خدا کا نائب اور اپنے ملک کا باپ ہے، اسلئے وہ اساقفہ اور ان کے توسط سے اپنی تمام رعایا کے لئے بھی برکت کی دعا کرے۔ کمرہ بھرا ہوا تھا۔ سب لوگ گھٹنوں کے بل جُھک گئے اور چارلس نے اپنے بستر پر بیٹھکر بہت متانت کے

۱۶۸۵

ساتھ سب کو برکت دی۔ یہ عجیب وغریب منظر آخر ختم ہوگیا اور چارلس نے جس طرح زندگی بسر کی تھی اسی طرح اس کا خاتمہ بھی ہوا۔ موت کے وقت بھی اس میں دلیری، ظرافت، استقلال موجود تھا۔ اگرچہ وہ کرب واذیت سے بیچین ہو رہا تھا مگر اس نے اپنے گرد کے لوگوں سے کہا کہ مرتے وقت اس ذرا دیر کی غفلت کے لئے وہ اسے معاف رکھیں۔ اس کی ایک محبوبہ ڈچیز پورٹسمتھ اس کے بستر کے قریب رو رہی تھی مگر اس کا آخری خیال اپنی دوسری محبوبہ نیل گوئن کی طرف مائل تھا اور نزع کی غفلت طاری ہونے کے قبل اس نے اپنے جانشین کے کان میں یہ کہا کہ "غریب نیلی کی ضروریات کو پورا کرتے رہنا"۔

{جیمز ثانی} اپنی تخت نشینی کے بعد جیمز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ "کلیسا وسلطنت کی حکومت کو جس طرح وہ قانوناً قائم ہوچکی تھی" برقرار رکھنے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ کے اس وعدے کا تمام ملک نے نہایت جوش کیساتھ خیر مقدم کیا اس کے کیتھولک ہونے کی وجہ سے جو شکوک پیدا ہوگئے تھے بہ ظاہر وہ سب رفع ہوگئے۔ ہر شخص یہ کہتا تھا کہ "بادشاہ نے زبان دی ہے اور اس نے کبھی اپنی بات کے خلاف نہیں کیا ہے"۔ اپنے بھائی کی بے اعتمادی سے جیمز نے اچھا سبق حاصل کیا تھا۔ لوگ اسے تنگ خیال، جلد باز، ضدی مطلق العنانی کا خواہاں سمجھتے تھے مگر اس کے بدترین دشمنوں نے بھی اس پر کبھی دروغ گوئی کا الزام نہیں لگایا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کو یہ یقین تھا کہ اسے اپنے ملک کی عزت کا بہت ہی خیال ہے اور وہ اسے غیر ملکی اطاعت سے

آزاد کرانا چاہتا ہے۔ قصبات کے اپنے سابقہ منشوروں کے حقوق سے دست بردار ہو جانے کے باعث ان کے انتخابات تمام تر بادشاہ کے چشم ابرو کے اشارے پر منحصر تھے اور اس کے ساتھ ہی وفاداری کا جوش بھی بڑھا ہوا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ نئے انتخابات میں شاید ہی چند ارکان ایسے رہے ہوں جو بادشاہ کے ہوا خواہ نہ ہوں۔ بادشاہ کی ناخوشی کے احتمال سے مذہبی حفاظت کا مسئلہ بالکل ترک کر دیا گیا۔ بیس لاکھ کی آمدنی تمام عمر کے لئے بادشاہ کے واسطے منظور کی گئی۔ ملک کے جوشِ وفاداری کو جنون کی حد تک پہنچا دینے میں جو کسر رہ گئی تھی وہ بھی شمال میں آرگائل اور مغرب میں منمتھ کی بغاوتوں سے پوری ہو گئی۔ رجعتِ شاہی کے وقت سے اہل اسکاٹلینڈ کو یہ اُمید تھی کہ وہ خاندانِ آرگائل کے سردار کو اپنا بادشاہ بنا کر آزاد ہو جائیں گے لیکن بادشاہ کی واپسی پر اس خاندان کے معمر مارکوئس کو قتل کر دیا گیا اور اس کا بیٹا ارل آرگائل بھی باوجود غیر معمولی احتیاط واظہار اطاعت کے اسکاٹلینڈ کے بدسرشت حکمرانوں کی زد سے بچ نہ سکا۔ ۱۶۸۲ء میں اسے ایسے امور کی بابت بغاوت کا مجرم قرار دیا گیا کہ انگلستان کے مدبر اسے سن کر ششدر ہو گئے۔ ہیلیفیکس نے اعتراضاً یہ کہا کہ "جس بنا پر لارڈ آرگائل کو موت کی سزا کا حکم دیا گیا ہے ہم اس الزام پر ایک کتے کو بھی پھانسی نہ دیں گے"۔ لیکن ارل کسی نہ کسی طرح بچ کر ہالینڈ کو بھاگ گیا اور چارلس کی حکومت کے آخری زمانے میں اطمینان کے ساتھ وہیں رہا۔ منمتھ کو بھی ہیگ میں اسی قسم

آرگائل کی شورش

کا اطمینان حاصل ہوگیا تھا۔ وہاں لوگوں کو یہ یقین تھا کہ بادشاہ اسے واپس بلالینا چاہتا ہے۔ اس لئے ولیم (آرینج) اس کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتا تھا۔ لیکن جیمز کے تخت نشین ہوجانے سے ڈیوک کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور آرگائل کے دماغ میں بھی یہ جنون پیدا ہوگیا کہ وہ اسکاٹلینڈ کو ایک کیتھولک بادشاہ کے پنجے سے نکال لیگا۔ ان دونوں سرداروں نے یہ عزم کرلیا کہ وہ بزور شمشیر انگلستان اور اسکاٹلینڈ میں داخل ہوں، اور دونوں مہمیں چند دنوں کے آگے پیچھے روانہ ہوگئیں۔ آرگائل کی کوشش کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا۔ اس کے کنٹائر میں اُترنے کے ساتھ ہی اس کے قبیلۂ کیمبل کے لوگ بغاوت پر اُٹھ کھڑے ہوے مگر بادشاہ کے عمّال نے ملک پر پہلے ہی قبضہ کرلیا تھا اور جو فراری آرگائل کے ساتھ آئے تھے ان میں آپس ہی میں مناقشات پیدا ہوگئے، اسلئے اس کی کوشش میں کامیابی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ اس کی فوجیں بغیر جنگ کے منتشر ہوگئیں اور خود آرگائل بھاگتا ہوا گرفتار ہوگیا اور اسے باغی قرار دیکر فوراً قتل کرڈالا۔ منمتھ کا ستارہ کچھ دنوں عروج پر رہا۔ مغرب میں وہ بہت ہی ہر دلعزیز تھا اور جب وہ لائم میں اترا تو اگرچہ متوسط حال اشخاص کا طبقہ اس سے کنارہ کش رہا اور اسنے ایک با اثر پارلیمنٹی حکومت اور عبادت عام سے اتفاق نہ کرنیوالے پروٹسٹنٹوں کے لئے آزادی عبادت کا مطالبہ کیا لیکن ڈیونشائر اور ڈارسٹ کے کسان وتجّار اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ سمرسٹ کے کپڑے کی تجارت کرنے والے قصبے فرقۂ وہگ کی طرفداری میں،

منمتھ کی شورش

ثابت قدم تھے اور ڈیوک جب ٹانٹن میں داخل ہوا تو عوام کے جوش کی یہ کیفیت ہوئی کہ ہر دروازہ پھولوں سے سجا ہوا تھا اور شہر کی نوعمر لڑکیوں کے ایک گروہ نے ایک جلد کتابِ مقدس کی اور ایک علم اس کے روبرو پیش کیا۔ اس کی فوج کی تعداد اب چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی لیکن بادشاہ کے لقب اختیار کرلے نے سے اسکی کامیابی کی جو کچھ اُمید تھی سب باطل ہوگئی ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ نے جیمز کی تائید کی اور ڈیوک کی خلاف ایک مخصوص قانون تعزیری منظور ہوگیا۔ طبقۂ متوسط میری اور ولیم کی جانبداری پر بدستور قائم تھا اس لئے وہ سختی کے ساتھ ڈیوک سے الگ رہا۔ فوج مستقل بعجلت تمام بغاوت کے مرکزوں کو روانہ ہوگئی اور ملک کی فوج محافظ بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی۔ برسٹل اور باتھ پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ناکام رہکر منمتھ، برج واٹر کی طرف پلٹا اور ۵ء جولائی کی شب میں بادشاہ کی فوجوں پر بہ مقام سجمور چھاپہ مارا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ دونوں فوجوں کے درمیان ایک گہرا نالہ تھا جس سے پیشقدمی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور شاہی فوج کے سوار بھی سدّ راہ ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈیوک کی فوج کے بہادر کسان و کانکن منتشر ہوگئے۔ خود ڈیوک بھی میدان سے بھاگ نکلا اور کوشش یہ کی کہ ملک سے نکل جائے مگر اس کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہوا اور گرفتار ہوکر نہایت بے رحمی سے قتل کردیا گیا۔

عدالتِ خونخوار

انگلستان نے اس سے زیادہ وفاداری کا ثبوت کسی موقع پر نہیں دیا تھا مگر فتح سجمور کے بعد جس قسم کی ظالمانہ کارردائیاں کی گئیں

اس سے یہ وفاداری خوف و دہشت سے مبدّل ہوگئی۔ لارڈ نارتھ محافظِ مہر شاہی، بادشاہ کا نہایت ہی مطیع و فرمانبردار خادم تھا مگر جنگ کے بعد فوج نے جیسی غارت گری و خونریزی کی، اس کے خلاف نارتھ تک نے اعتراض کیا۔ اس کے اعتراض پر کچھ لحاظ نہ کیا گیا جس سے وہ شکستہ خاطر ہوکر دربار سے چلا گیا اور کچھ دنوں بعد انتقال کرگیا۔ درحقیقت جیمز اس سے بھی زیادہ سخت انتقام پر تُلا ہوا تھا۔ چیف جسٹس جفریز بڑی قابلیت کا شخص تھا مگر اس کے ساتھ ہی مشتعل مزاج بھی غایت درجہ کا تھا۔ جیمز نے اسے محافظ مہر شاہی بنانے کی اُمید دلائی اور اس اُمید میں پڑ کر اس نے بذریعۂ عدالت اتنے لوگوں کو پھانسیاں دیں کہ اس کا نام ہی ظلم وستم کے مرادف ہوگیا۔ اس نے ڈارسٹ وسمرسٹ کے دورے میں اپنی خونخوار عدالت، کے ذریعے سے ساڑھے تین سو باغیوں کو پھانسی دیدی۔ آٹھ سو سے زائد آدمی غلام بناکر بیچڈالے گئے اور سمندر پار بھیجدئے گئے۔ اس سے بھی بڑی تعداد کو کوڑے لگے اور قید کی سزائیں بھگتنی پڑیں۔ ملکہ اور محل کی خادمائیں بلکہ خود جج تک نے معافیاں بیچ بیچ کر نہایت بے شرمی سے روپیہ حاصل کیا۔ سب سے زیادہ جس امر سے لوگوں کو رنج وصدمہ ہوا وہ عورتوں پر ظلم وستم کا ہونا تھا۔ بعض عورتوں کو ایک بازار سے دوسرے بازار تک کوڑوں سے پیٹتے ہوے لے گئے۔ مسز لسلی شاہ کشوں میں ایک شخص کی بیوی تھی۔ اسے ایک باغی کو اپنے یہاں ٹھہرانے کے جرم میں ونچسٹر میں قتل کردیا۔ اسی قسم کی

عنایت کے لئے الیزبتھ گانٹ کو ٹائبرن میں زندہ جلا دیا۔جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مظالم بادشاہ کی حتمی منظوری وحکم سے ہوے ہیں تو رنج کے بجائے خوف و دہشت طاری ہوگئی۔رحم کی درخواستوں پر جیمز نے جس بے رخی کا برتاؤ کیا اس سے جنرل چرچل کا سا سرد طبیعت شخص بھی متنفر ہوگیا حالانکہ سجمور کی فتح زیادہ تر اسی جنرل کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔وہ جس وودکش پر پیٹھ لگائے ہوئے کھڑا تھا اسی پر ہاتھہ ٹیک کر کہا کہ "یہ پتھر بھی بادشاہ کے دل سے زیادہ سخت نہ ہوگا" لیکن بہت جلد یہ ظاہر ہوگیا کہ اس خونریزی سے رعایا کے دل میں جس خوف کا پیدا کرنا منظور تھا وہ ایک بہت بڑی تجویز کا جزو تھا۔اس بغاوت کو مستقل فوج کی تعداد کو بڑھانے کا ایک حیلہ قرار دیا تھا۔اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ چارلس نے نہایت خاموشی اور ہوشیاری کے ساتھ فوج کی تعداد دس ہزار تک پہنچا دی تھی۔جیمز نے ایک ہی مرتبہ میں اس کی تعداد بیس ہزار کردی۔اس فوج سے خود ملک ہی میں کام لینا مقصود تھا کیونکہ غیر ملکی معاملات میں انگلستان کی کارروائیاں پہلے ہی کمزور پڑ چکی تھیں۔جیمز نے جو منصوبے اپنے دل میں سوچے تھے ان کے پارلیمنٹ سے منظور ہونے کی اسے توقع نہیں تھی۔اگرچہ وہ اپنے غرور کی وجہ سے فرانس کی اطاعت سے بیزار تھا مگر پارلیمنٹ سے بے نیاز رہنے کی اگر کوئی صورت تھی تو یہی کہ فرانس سے روپیہ اور سپاہی کے لینے میں تامّل نہ کیا جائے۔اس لئے اپنی تخت نشینی کے ایک ہی ہفتے بعد اس نے لیوئس

کو مطمئن کردیا کہ وہ چارلس ہی کے برابر اس کا منت کش اور فرمان پذیر ہے ۔ اس نے فرانسیسی سفیر سے یہ کہا کہ "اپنے آقا سے کہدینا کہ اس کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کو مشورہ دینے کا حق ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ میں ہر امر میں اس سے مشورہ لیا کروں"۔اس اطاعت شعاری کے انعام میں امداد کا وعدہ کیا گیا اور اس وعدے کا خیر مقدم نہایت ہی مسرت و امتنان کے ساتھ ہوا۔

ظلم و جور

فرانس سے خفیہ اتحاد انگلستان کے مذہب کے حق میں کبھی اس سے زیادہ خطرناک نہیں معلوم ہوتا جیسا اس وقت معلوم ہورہا تھا۔لیوئس کی حرص وطمع کے باعث یورپ بہت دنوں سے اس سے کانپ رہا تھا، اب اس کے مذہبی تعصب سے بھی یورپ کو لرزہ چڑھا ہوا تھا۔ہالینڈ پر حملہ کر کے وہ ملکی آزادی کے خلاف پہلے ہی اعلانِ جنگ کرچکا تھا، اب فرمان نانٹ کو منسوخ کر کے اس نے مذہبی آزادی کے خلاف بھی صدائے جنگ بلند کردی۔ ہنری چہارم نے جب خود مذہب پروٹسٹنٹ کو ترک کیا تھا تو اسنے اپنی پروٹسٹنٹ رعایا کی آزادیٔ عبادت کے لئے یہ کارروائی کی تھی کہ ایک اقرار فرمان نانٹ کے نام سے شایع کردیا تھا۔ اسٹلیو نے جب فرقۂ ہیوگیناٹ پر فتح پائی اس وقت اس نے بھی اس معاہدے کا لحاظ رکھا اور مازارین نے اس میں بہت خفیف سا خلل دیا مگر لیوئس اپنے ابتدائی عہد سے اس امر کا عزم کئے ہوئے تھا کہ وہ اس کے شرائط کو کالعدم کردے گا۔ سنہ ۱۶۸۵ء میں اس کا اس فرمان کو

منسوخ کرنا درحقیقت اس سست دارو گیر کو ختم کرنا تھا جسے وہ ایک مدت سے ترقی دے رہا تھا۔ اس منسوخی کے بعد جیسی ظالمانہ کارروائیاں ہوئیں انہوں نے آلوا کی خونریزیوں کو بھی شرما دیا۔ پروٹسٹنٹ خاندانوں کے مکانات سپاہیوں کی قیام گاہ بنا دئے گئے۔ عورتیں بستر علالت سے اٹھا اٹھا کر سڑکوں پر ڈال دی گئیں۔ بچے کیتھولک بنانے کے لئے ماؤں کی گودوں سے چھین لئے گئے۔ پادری ملاح بنا کر جہازوں پر بھیجدئے گئے۔ شاہی احکام سے ان مصیبت زدوں کے لئے فرار کے راستے بھی بند کر دئے گئے تھے۔ پھر بھی ایک لاکھ پروٹسٹنٹ سرحد پار بھاگ گیا۔ ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ اور پیلٹینیٹ۔ فرانس کے جلاوطنوں سے بھر گئے۔ ہزاروں شخصوں نے انگلستان میں آکر پناہ لی اور انہیں کی محنت سے مشرقی میدانوں میں اسپٹلفیلڈ کی تجارت ریشم کی بنیاد پڑی۔ لیکن ایک طرف انگلستان کے باشندے ان واقعات کو وحشت و خوف کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے دوسری طرف جیمز انہیں واقعات سے نئی امیدیں قائم کر رہا تھا۔ قانون کو پس پشت ڈال کر وہ اپنی فوج کے دستوں میں کیتھولک افسر مقرر کرتا جاتا تھا۔ اس نے ہیلیفیکس کو اس بنا پر پریوی کاؤنسل (مجلس) سے نکال دیا کہ وہ ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار) کی تنسیخ پر رضامند نہیں ہوتا تھا۔ اس نے پارلیمنٹ میں یہ پر از نخوت اعلان بھیجدیا کہ قانون کے موافق ہو یا مخالف مگر فوج میں اس نے کیتھولکوں کو جو عہدے دئے ہیں، ان کے متعلق کسی قسم کی بحث نہ کی جائے اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی نئی فوج کے لئے روپیہ کا مطالبہ بھی کر دیا۔ ایوانہائے پارلیمنٹ کی وفاداری اگرچہ مسلم تھی

مگر کلیسا کے متعلق ان کا اندیشہ اور مستقل فوج سے ان کا خوف اس وفاداری سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ دارالعوام نے ایک رائے کی کثرت سے رقوم کی منظوری اس وقت تک ملتوی کردی جب تک کہ شکایات رفع نہ کردئے جائیں اور اپنی عرضداشت میں خلاف قانون عہدہ داروں کی برطرفی کا بھی مطالبہ کیا۔ دارالامرا نے زیادہ جسارت سے کام لیا اور اساقفہ کو قانون اختبار میں کسی قسم کی دراندازی کے خلاف جو عذر تھا ہیلیفیکس نے اپنی فصیح البیانی سے اسے قوی کردیا لیکن دونوں ایوان پارلیمنٹ کے اجلاس فوراً ہی ملتوی کردئے گئے۔ بادشاہ نے یہ ارادہ کرلیا کہ جس شے کو وہ پارلیمنٹ سے حاصل نہیں کرسکا ہے اسے ججوں کے ذریعے سے حاصل کرے۔ جن چار ججوں نے اس کی تجویز سے موافقت کرنے سے انکار کیا انہیں اس نے موقوف کردیا اور اس طرح عدالت کو ہموار کرلیا۔ ان ججوں کے جانشینوں کے روبرو فوج کے ایک کیتھولک عہدہ دار سر اڈورڈ ہیلز کا مقدمہ پیش ہوا اور انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ "ٹسٹ ایکٹ" کے خلاف بادشاہ کا کسی کو مستثنی کردینا قانوناً جائز ہے۔ ججوں نے جس اصول پر اپنے فیصلے کی بنا قرار دی تھی وہ یہ تھی کہ بادشاہ اپنی رائے سے تعزیری قوانین میں رعایت کرسکتا ہے۔ جیمز نے اس اصول کے استعمال میں نہایت لایعقلانہ بیصبری وتعجیل سے کام لیا۔ کیتھولک ملکی وفوجی عہدوں پر بے روک ٹوک مقرر ہونے لگے اور چار کیتھولک امیر پریوی کاؤنسل (مجلس خاص) میں بھی شامل کرلئے گئے۔ ملک میں کیتھولک پادریوں کے رہنے اور علانیہ کیتھولک طریق پر عبادت کرنے کے خلاف جو

قانون اختبار کا معلق کیا جانا

قوانین نافذ تھے ان کی مطلق پروا نہیں کی جاتی تھی۔ بادشاہ کے لئے محلِ سنٹ جیمز میں ایک عالیشان معبد تیار کیا گیا۔ کارملیٹ، بنیڈکٹ اور فرنیسکن فرائر، اپنے مذہبی لباس میں لندن کی سڑکوں پر گھومتے پھرتے تھے اور فرقہ جزوئٹ کے لوگوں نے سیوائے میں اپنا ایک بڑا مدرسہ قائم کرلیا تھا۔

جیمز اور کلیسا

ان کاموں سے جس عجلت کے ساتھ ہر طرف بددلی پھیل گئی اس سے ایک فہمیدہ شخص فوراً احتیاط کی طرف مائل ہو جاتا مگر جیمز احتیاط کے بجائے اس امر پر نازاں تھا کہ وہ اپنی خود رائی سے کبھی باز نہیں آتا۔ شہر لندن میں جب ایک کیتھولک عبادتگاہ کھولی گئی تو ہنگامہ ہوگیا، اس کے جواب میں شہر کو خوف دلانیکے لئے جیمز نے مقام ہاؤنسلو میں تیرہ ہزار فوج متعین کردی۔ انگلستان میں جیمز اسی روش پر چلنا چاہتا تھا جو اس نے دوسرے ملکوں میں اختیار کر رکھی تھی۔ اسکاٹلینڈ میں اس نے اپنی حیثیت بالکل مطلق العنان بادشاہ کی بنالی تھی۔ اس نے اس ملک کی حکمرانی کا کام دو امیر میلفرٹ اور پرتھ کے ہاتھوں میں دیدیا تھا جنہوں نے کیتھولک مذہب اختیار کرلیا تھا اور قلعۂ اڈنبرا پر ایک کیتھولک کو متعین کردیا تھا۔ اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ اگرچہ اسوقت تک محض بادشاہ کی دست نگر تھی مگر غلامانہ اطاعت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جیمز نے جب جرأت کرکے اراکین پر اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ کیتھولکوں کے ساتھ رواداری کو وہ قانوناً جائز قرار دیدیں تو انہوں نے اس قانون کے منظور کرنے سے انکار کردیا۔

بادشاہ نے انہیں یہ طمع دلائی کہ اگر وہ اس پر رضامند ہوجائیں گے تو وہ اسکاٹلینڈ کے ساتھ آزادانہ تجارت کی اجازت دیدیگا مگر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ پس اس نے اسکاٹلینڈ کے ججوں کو فوراً ہی یہ حکم دیدیا کہ وہ کیتھولکوں کے خلاف تمام قوانین کو کالعدم تصور کریں، ان احکام کی اطاعت کی گئی۔ آئرلینڈ میں اپنے قانون کا ظاہری نقاب بھی اُتار پھینکا۔ اس کے حکم سے کیتھولک مجلس شاہی اور ملکی عہدہ داروں میں داخل ہونے لگے۔ ایک کیتھولک لارڈ ٹرکونل فوج کا افسر اعلیٰ مقرر کردیا گیا اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ فوج کو فوراً از سرِ نو مرتب کرے، پروٹسٹنٹ عہدہ داروں میں تخفیف کرے اور ملک کے کیتھولکوں میں سے دوہزار نئے سپاہی بھرتی کرے۔ اس اثنا میں جیمز نے انگلستان میں نہایت جسارت کے ساتھ کلیسا پر باقاعدہ حملہ شروع کردیا۔ وہ اپنے "تفوّق مذہبی" کے اختیار کو ایک ایسا آلہ سمجھتا تھا جیسے خدا نے اس غرض سے اس کے ہاتھ میں دیا ہے کہ اس کے پیشروؤں نے جو کام کئے ہیں وہ ان سب کو باطل کردے۔ ہنری اور الیزبتھ کے دور میں اس تفوّق سے یہ کام لیا گیا تھا کہ کلیسائے انگلستان کو کیتھولک طریق سے ہٹاکر پروٹسٹنٹ بنادیا گیا۔ جیمز کے عہد میں لازمی تھا کہ وہ اس اختیار کی مدد سے پھر کلیسا کو پروٹسٹنٹ سے کیتھولک بنادینے کی کوشش کرے۔ طویل العہد پارلیمنٹ ایک قانون کے ذریعے سے ہائی کمیشن کو ناجائز قرار دے چکی تھی اور رجعتِ شاہی کے بعد کی پارلیمنٹ نے بھی اس قانون پر مہر تصدیق

لگا دی تھی لیکن سمجھا یہ گیا کہ اگر کمیشن کے ضوابط میں سے وہ غیر معمولی اختیارات
خارج کر دئے جائیں جن کی وجہ سے وہ سابق میں باعث تکلیف رہچکی
ہے تو اس قانون کو نظر انداز کر دینا ممکن تھا۔ اس احتیاط کو مدِّنظر
رکھتے ہوئے سات کمشنر بسر کردگی جفریز کلیسا پر حکمرانی کرنے کیلئے
مقرر کئے گئے۔ اس کمیشن نے پہلا وار اسقف لندن پر کیا۔ جیمز نے
اس امر کی ممانعت کردی تھی کہ " بادشاہ کے مذہب کے رد" میں
کوئی وعظ نہ کہا جائے، مگر لندن کے ایک وکار نے اسکی خلاف ورزی
کی اور جیمز نے اسقف کومپٹس کو اس کے معطل کر دینے کا حکم
دیا۔ اسقف کے انکار کرنے پر اسے یہ سزا دی گئی کہ وہ خود معطل کر دیا گیا۔
لیکن کمیشن کے دباؤ کا اثر صرف یہ ہوا کہ پادری بادشاہ کی مرضی
کی خلاف ورزی میں اور زیادہ دلیر ہوگئے۔ ہر منبر پر توہم پرستی کے
خلاف وعظ ہونے لگے اور اس زمانے کے دو مشہور ترین علمائے
مذہب ٹلٹسن اور سٹلنگفلیٹ، مناظرین کے غول کے سرگردہ
بن گئے اور ان لوگوں نے ہر چھاپے خانے سے رسالے اور
پرچے شائع کرنا شروع کر دئے۔

اعلان رعایت

کیتھولکوں میں متوسط طبقے کا زیادہ حصہ جیمز کی کارروائیوں
سے الگ رہا کیونکہ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کارروائی کا اثر
اُلٹا پڑے گا خود روما نے بھی زیادہ اعتدال برتنے کی صلاح دی،
مگر جیمز پر کسی بات کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی اولوالعزمیوں کی ظاہری
کامیابی سے سرمست ہورہا تھا۔ جن مخالفتوں کا اسے سامنا ہوا
انہیں وہ ہائی چرچ کے ان ٹوریوں کے اثر کی طرف منسوب کرتا تھا

جو سنہ ۱۶۸۵ع کی بازگشت عمل کے بعد ذی اختیار رہ گئے تھے اور انکی نسبت یہ عزم کرلیا کہ ان کی قرار واقعی تادیب کی جائے۔ اسکاٹلینڈ میں اس فریق کا سرگروہ ڈیوک کوئینز بری تھا، وہ اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ ٹرکونل کا آئرلینڈ میں مقرر کیا جانا گویا ارمنڈ کا جواب تھا۔ انگلستان میں جیمز نے یہ دکھانا چاہا کہ ضروریات مذہب کے مقابلے میں وہ قریب ترین رشتہ داری کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ کلیرنڈن کی لڑکی این ہائڈ سے جیمز کا پہلا عقد ہوا تھا۔ اس لئے کلیرنڈن کے دونوں لڑکوں کی قسمت جیمز کی قسمت کے ساتھ وابستہ تھی۔ تخت نشین ہونے پر اس نے اپنے بڑے سالے ہنری (ارل کلیرنڈن) کو آئرلینڈ کا لارڈ لفٹیننٹ (نائب السلطنت) بنا دیا اور چھوٹے سالے لارنس (ارل روچسٹر) کو وزیر خزانہ مقرر کردیا۔ لیکن روچسٹر سے اب یہ کہا گیا کہ بادشاہ اتنی بڑی ذمہ داری کا کام کسی ایسے شخص کے سپرد نہیں کرسکتا جو مذہب میں اس کا ہمخیال نہ ہو اور جب اس نے اپنے عقیدے کے ترک کرنے سے انکار کیا تو وہ اس معزز عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے بھائی کلیرنڈن کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ روچسٹر کی برطرفی کے بعد خزانہ کا انتظام ایک کمیشن کے سپرد کردیا گیا اور ایک کیتھولک لارڈ بیلاسیز وزیر خزانہ مقرر کیا گیا۔ ایک دوسرا کیتھولک لارڈ ارنڈل محافظ مہر شاہی ہوگیا اور ایک جزوئٹ فادر پیٹری، کاؤنسل میں شامل کرلیا گیا۔ جن عہدہ داروں نے ٹسٹ ایکٹ (قانون اختبار) کی منسوخی میں مدد دینے سے

۱۶۸۷

انکار کیا تھا وہ ایک ایک کر کے اپنی جگہوں سے ہٹادئے گئے اور بالکل خلاف قانون، پوپ کے وکیل کا شاہی اعزاز کے ساتھ ونڈسر میں خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ جیمز کو عام بددلی کی ترقی کا احساس نہ ہو۔ ٹوری امرا اگرچہ تاج کے لئے سینہ سپر تھے

ٹوری امرا

مگر اس کے ساتھ ہی انگریز ہونے کے اعتبار سے بے جا مظالم سے نفرت کرنے میں وہ وہگ امرا سے کسی طرح کم نہ تھے۔ جیمز نے ڈیوک نارفک کو شاہی تلوار اس غرض سے دی تھی کہ وہ تلوار لیکر اس کے آگے آگے کیتھولک عبادتگاہ میں چلے مگر ڈیوک عبادتگاہ کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ "تمہارا باپ موجود ہوتا تو اور آگے تک چلتا" ڈیوک نے جواب دیا کہ "حضور کے والد میرے باپ سے بہتر شخص تھے مگر وہ یہاں تک بھی نہ آتے جہاں تک حضور تشریف لائے ہیں"۔ نوجوان ڈیوک سمرسٹ کو جب یہ حکم دیا گیا کہ وہ پوپ کے سفیر کو ایوانِ باریابی میں پیش کرے تو اس نے جواب دیا کہ "مجھے یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ میں قانون کی خلاف ورزی کئے بغیر حضور کا حکم پورا نہیں کرسکتا" جیمز نے غصے میں آکر یہ پوچھا کہ "کیا تمھیں یہ نہیں معلوم ہے کہ میں قانون سے بالاتر ہوں" ڈیوک حاضر جوابی میں کچھ کم نہ تھا اس نے کہا کہ "حضور قانون سے بالاتر ہوں گے مگر میں تو نہیں ہوں" وہ اپنے عہدے سے برطرف کردیا گیا مگر مقاومت کی ہوا زور کے ساتھ چلنے لگی تھی۔ چارٹر ہاؤس کے منتظموں میں بعض بڑے بڑے امرا بھی شامل تھے، جیمز نے ان لوگوں کو

خطوط لکھے کہ ایک کیتھولک کو بھی اس وقف کے متوتیوں میں شامل کرلیں مگر ان لوگوں نے انکار کردیا۔ جیمز نے جب یہ مطالبہ کیا کہ وفاداری کے ثبوت میں لوگ اپنے پروٹسٹنٹ عقائد سے باز آئیں تو اس کے نہایت سچّے وفاداروں میں بھی شکایت پیدا ہوگئی۔ اسنے بہت جلد یہ توقع اٹھادی کہ وہ کلیسا کو یا ٹوریوں کو اپنی مرضی کے موافق بنالے گا۔ پس وہ بھی چارلس کی طرح عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کی طرف مائل ہوا اور ۱۶۸۷ء میں ایک اعلانِ رعایت شائع کرکے عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں اور کیتھولکوں دونوں کے خلاف تعزیری قوانین کی کارروائی معطّل کردی اور اس کے ساتھ ہی ان تمام قوانین کو بھی معلّق کردیا جن سے کلیسا یا سلطنت کے عہدے کے لئے کسی قسم کی قید مذہبی عاید ہوتی تھی۔ اس رعایت کو شوق کے ساتھ قبول کرنے کے بہت سے اسباب موجود تھے، جن میں سے ایک سبب یہ تھا کہ شافٹسبری کے زوال کے بعد سے پروٹسٹنٹ کنارہ کشوں پر سخت مصیبت نازل ہورہی تھی، پس کوئی تعجب نہیں کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنیوالے کچھ وقت کے لئے تردّد میں پڑگئے، اور جیمز کے حضور میں بیشمار سپاسنامے پیش ہونے لگے لیکن ان اتفاق نہ کرنے والوں کا جم غفیر اور ان کے تمام ممتاز افراد عام آزادی کی جانبداری میں ثابت قدم رہے۔ بیکسٹر، ہو اور بنین سب نے اس رعایت کے قبول کرنے سے انکار کردیا جس کا معاوضہ قانون

منحرفین

کی انتہائی مخالفت ہو۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ فرقہ پروٹسٹنٹ کی طاقتوں کو تقسیم کرنے کی کوشش قطعاً ناکام رہی اور جیمز کے لئے اپنے مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ صرف یہی رہ گیا کہ وہ خود پارلیمنٹ کے ذریعے سے قانون اختبار کو منسوخ کرائے۔

جیمز اور دارالعوام

لیکن موجودہ پارلیمنٹ کا انداز قطعاً بادشاہ کی رائے کے خلاف تھا، اس لئے اس نے اس پارلمنٹ کو برطرف کرکے ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی مگر وہ جانتا تھا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات اگر آزادانہ ہوے تو کوئی پارلیمنٹ بھی اس قانون کی منسوخی پر رضامند نہ ہوگی۔ البتہ امرا پر یہ دباؤ پڑسکتا تھا کہ دارالامرا کو بے تکان نئے امیروں سے بھر دیا جائے۔ جیمز کے وزیر لارڈ سنڈرلینڈ نے چرچل سے کہا تھا کہ "تمہاری فوج کے سوار دارالامرا میں بلائے جائیں گے۔" لیکن ایک اطاعت شعار دارالعوام کا جمع کرنا مشکل کام تھا۔ صوبہ داروں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ قصبات کی حکمراں جماعت کے قواعد اس طرح مرتب کریں کہ صرف وہی امیدوار منتخب ہوسکیں جو قانون اختبار کی منسوخی کا وعدہ کریں اور یہ بھی ہدایت کردی گئی کہ صوبے کے ہر ایک مجسٹریٹ سے یہ دریافت کرلیں کہ وہ کس جانب رائے دیگا۔ نصف صوبہ داروں نے تو اس کام سے فوراً انکار کردیا، اور بہت سے بڑے بڑے امرا صوبہ داری سے برطرف کردئے گئے جن میں آکسفورڈ، شروسبری، ڈارسٹ،

ڈاربی، پیمبروک، رٹلینڈ، ایبرگوینی، تھینٹ، نارتھمپٹن اور اینگڈن کے ارل بھی شامل تھے۔ جسٹسوں (ناظمانِ امن) سے جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے صاف جواب دیدیا کہ وہ ایمانداری کے ساتھ رائے دیں گے اور انہیں لوگوں کو پارلیمنٹ میں بھیجینگے جو پروٹسٹنٹ مذہب کی حفاظت پر آمادہ ہوں۔ قواعد میں بار بار ترمیمیں ہوئیں مگر پھر بھی یہ غیر ممکن معلوم ہوا کہ کوئی متفقہ جماعت ایسی بنائی جا سکے جس کے منتخب کردہ قائم مقام بادشاہ کی مرضی پر چلنے کے لئے رضامند ہوں، لامحالہ پارلیمنٹ کا خیال ہی ترک کرنا پڑا اور جیمز کے لئے امرا، طبقۂ متوسط اور تاجروں کی طرف سے جس سخت مخالفت کے پیش آنے کا اندیشہ تھا اس کا یہ رنگ دیکھکر متعصب درباریوں نے بھی اعتدال اختیار کرنے کی صلاح دی۔ صرف پادریوں کا ایک طبقہ ایسا تھا جو اب تک علانیہ مخالفت سے جھجکتا تھا۔ کمیشن کے مظالم بھی ان لوگوں کو بددلی کے علانیہ اظہار پر آمادہ نہ کرسکے جو ہر اتوار کو یہ وعظ کہا کرتے تھے کہ بدترین بادشاہ کی اطاعت بھی خاموشی کے ساتھ کرنا چاہئے مگر جیمز کے نزدیک خاموشانہ اطاعت کی کچھ قدر نہ تھی۔ پادریوں نے اس کی تجویز کی تائید سے جب انکار کیا تو اس نے اس کے یہ معنی قرار دئے کہ وہ کلیسا کو بحال خود برقرار رکھنے کے اقرار سے آزاد ہوگیا اور اس نے یہ عزم کرلیا کہ وہ ان عظیم الشان تنظیمات پر قابو حاصل کرلے جو اب تک کلیسا کی ملجا و ماویٰ بنی ہوئی ہیں، اور اس طرح ضمناً کلیسا کو نقصان پہنچائے۔

اگر دارالعلوم کیتھولک خیال کے تابع ہوجاتا تو پادریوں کے ہاتھ سے وہ مدرسے نکل جاتے جن پر ان کے گروہ کی تربیت کا مدار تھا۔ کیمبرج تو اس زد سے آسانی کے ساتھ بچ نکلا۔ فرقہ بینڈیکٹ کا ایک راہب اپنی سفارش میں بادشاہ کا خط لیکر آیا تھا کہ اسے ایم۔ اے کی سند دی جائے۔ اس سے کہا گیا کہ وہ "عقائد ثلاثہ" پر دستخط کرے۔ جب اس نے عذر کیا تو اسے سند دینے سے انکار کردیا گیا مگر اس انکار کا عوض صرف وائس چانسلر سے لیا گیا اور وہ اپنے عہدے سے برطرف کردیا گیا۔ البتہ آکسفورڈ پر نہایت تند و سخت حملہ ہوا۔ یونیورسٹی کالج کے صدر نے اپنے تبدیلِ عقیدہ کا اعلان کردیا تھا، اس پر بھی وہ خلافِ قانون اپنے عہدے پر برقرار رکھا گیا۔ ایک رومن کیتھولک مسی نامی کو بادشاہ نے کرائسٹ چرچ کالج کا ڈین (ناظمِ دینیات) مقرر کردیا۔ آکسفورڈ کے کالجوں میں میگڈلین (موڈلن)، سب سے زیادہ متمول کالج تھا، جیمز نے ۱۶۸۷ء میں اس کے صدر مدرس کے لئے ایک کیتھولک فارمر نامی کی سفارش کی۔ یہ شخص بہت بدنام تھا اور از روئے قواعد وہ اس عہدے کی اہلیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ رفقائے مدرسہ نے اس پر عذر کیا اور جب انکا عذر نامنظور ہوگیا تو انہوں نے اپنے ہی گروہ میں سے ایک شخص ہاؤ کو اپنا صدر بنا لیا۔ مذہبی کمیشن نے اس انتخاب کو کالعدم قرار دیا۔ جیمز خود اس سفارش پر شرمندہ ہوا اور اب اس نے آکسفورڈ کے اسقف

پارکر کو اس عہدے کے لئے نامزد کیا۔ یہ شخص خفیہ طور پر کیتھولک اور جیمز کا ایک بہت بڑا تبذّل درباری تھا، مگر رفقا اپنے منتخب کردہ سرگروہ کے قانونی جواز پر سختی سے قائم رہے۔ بادشاہ خود آکسفورڈ میں گیا، ان لوگوں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور جب وہ آداب بجالائے تو انہیں مکتب کے بچوں کی طرح سے ڈانٹا کہ "میں تمہارا بادشاہ ہوں، میری اطاعت تم پر لازم ہے، اسی وقت عبادتگاہ میں جاؤ اور اسقف کا انتخاب کردو۔ جو لوگ اس سے انکار کریں وہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ میں قرار واقعی ان کی تنبیہ کروں گا"۔ لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میگڈلین (مَوڈلن) اور کرائسٹ چرچ کو کیتھولکوں کے ہاتھ میں دیدینے کے یہ معنی ہیں کہ آکسفورڈ کیتھولکوں کا ایک صومعہ بنا دیا جائے۔ رفقا نے بادشاہ کی تہدید کا کچھ خیال نہ کیا مگر اس تہدید نے عملی صورت اختیار کرلی، ایک خاص کمیشن دارالعلوم میں آیا، ہاؤ کی قانونی حجت کو مداخلت ناروا ٹھہرا کر مسترد کردیا اور پارکر کو اس کی جگہ بٹھانے کے لئے مکان صدارت کا دروازہ بزور توڑ ڈالا۔ جب رفقا نے اس حکم کے آگے سر اطاعت خم کرنے سے انکار کیا تو وہ رفاقت سے محروم کردئے گئے۔ جو لوگ رفاقت کے امیدوار تھے جب انہوں نے بھی اس حکم کے ماننے سے انکار کیا تو انکا بھی وہی حشر ہوا جو رفقا کا ہوچکا تھا۔ پارکر اس جگہ پر متمکن ہونے کے بعد ہی مرگیا۔ اس کے بعد ایک کیتھولک بوناونچر گیفرڈ جسے اسقف کا

نقب حاصل تھا مگر وہ کسی خاص جگہ کا اسقف نہیں تھا)، اس کا جانشین بنایا گیا اور ایک دن کے اندر بارہ کیتھولک زمرۂ رفقا میں داخل کرلئے گئے۔

سات اساقفہ کا مقدمہ

اس دوران میں جیمز برابر اس امید میں لگا رہا کہ ایک اطاعت شعار پارلیمنٹ اسے مل جائے تاکہ وہ قانونِ اعتبار کو منسوخ کرا دے۔ ملک کی سخت مخالفت کی وجہ سے انتخاب ملتوی کردیا گیا تھا اور یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ عام قوم کی توجہ کے لئے ایک نیا اعلانِ رعایت شائع کیا جائے۔

اپریل ۱۶۸۸ء

اس اعلان کے آخر میں جیمز نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ نومبر میں پارلیمنٹ طلب کریگا اور انتخاب کنندوں سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو اس کے آغاز کردہ طریقے کو پوری طرح کامیاب بناسکیں۔ اس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کا یہ ارادہ ہے کہ آئندہ ہر شخص کو اپنے عقائد میں پوری آزادی حاصل ہو۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اسنے ہر ایک پادری کو حکم دیا کہ اس شاہی اعلان کو متواتر دو اتواروں کو نماز کے وقت پڑھ کر سنا دیں۔ غور و فکر کے لئے وقت بہت کم تھا مگر وقت کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ خود اپنی اہانت و تذلیل کا ذریعہ بننے سے تقریباً ہر ایک پادری نے انکار کردیا۔ یہ اعلان لندن کے صرف چار گرجوں میں پڑھا گیا اور وہاں بھی اعلان کے شروع ہوتے ہی لوگ گرجے سے باہر نکل گئے۔ بیرونجات کے قریب قریب تمام پادریوں نے اس شاہی حکم کی تعمیل سے انکار کردیا۔ اساقفہ نے بھی عام پادریوں کا ساتھ دیا۔ جس اتوار کو اس اعلان کا پڑھا جانا قرار پایا تھا اس سے چند روز پہلے اسقف اعظم سینکرافٹ نے اپنے نائبوں کو بلایا۔ انمیں سے چھ شخص وقت پر لیمتھ میں پہنچ سکے اور انھوں نے اپنے دستخط کے ساتھ ایک موزوں معذرت نامہ بادشاہ کے

پاس بھیجا اور اس خلاف قانون اعلان کے شائع کرنے سے اپنے کو معذور ظاہر کیا۔ اسقفِ اعظم نے جب کاغذ پیش کیا تو جیمز چلّا اٹھا کہ "یہ بغاوت کا علَم بلند کرنا ہے"۔ پادریوں کی مخالفت کا حال جب اسے معلوم ہوا تو وہ انہیں مقتدایانِ دین سے انتقام لینے پر تُل گیا جنہوں نے اس معذرت نامے پر دستخط کئے تھے۔ اس نے کمیشن مذہبی کو حکم دیا کہ یہ لوگ اپنے اپنے عہدے سے ہٹا دئے جائیں مگر اس معاملے میں کمیشن کے ارکان کو بھی اس کے حکم کی بجاآوری میں تامّل ہوا۔ چانسلر لارڈ جفریز نے یہ صلاح دی کہ ان لوگوں کو سزا دینے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان پر توہین کا مقدمہ قائم کر دیا جائے۔

سات اسقفوں کا مقدمہ ۱۶۸۸

جب اساقفہ پر الزام قائم کیا گیا تو انہوں نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا اور وہ سب کے سب ٹاور میں بھیجدئے گئے۔ ان کے قید خانے کو جاتے وقت خلائق کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا، اور لوگ ہر طرف سے شور مچانے لگے۔ قید خانیکے دروازے میں داخل ہوتے وقت پہرہ دار گھٹنونکے بل جھک گئے اور انسے خیر و برکت کے طالب ہوئے۔ قید خانیکے سپاہیوں نے انکے جام صحت نوش کئے۔ قوم میں ایسی برافروختگی پیدا ہوگئی تھی کہ جیمز کے وزرا نے اس کارروائی سے باز رہنے پر زور دیا مگر خطرے کے بڑھنے کے ساتھ ہی جیمز کی ضد بھی بڑھ گئی۔ اسنے کہا کہ "نرمی ہی نے میرے باپ کا کام تمام کیا"۔ آخر ۲۹ جون کو اساقفہ بہ حیثیت مجرم عدالت شاہی کے روبرو حاضر کئے گئے۔ ارکان جوری پہلے ہی سے جانچ کر مقرر کئے گئے تھے۔ جج محض بادشاہ کے اشارے پر چلنے والے تھے اسپر بھی عام قوم کی برہمی کا یہ عالم تھا کہ جج وجوری دونوں پر ہیبت طاری ہوگئی۔ جوری کے سرپنچ کی زبانسے جوں ہی "بے قصور" کا لفظ نکلا لوگوںمیں شور تحسین بلند ہوگیا اور بیرونجات میں اس خبر کو شائع کرنیکے لئے سوار ہر طرف دوڑ گئے؎

ولیم، شہزادۂ آرنج

(اسناد - مثل سابق)

ولیم اور یورپ

سازش اور قانون حجب کے شور و شغب کے دوران میں انگلستان کے زیادہ دوراندیش مدبّر برابر اس فکر میں لگے رہے کہ جیمز کی بڑی لڑکی میری کو جیمز کے بجائے صاحب تاج و تخت قرار دینا چاہیئے، اور جب جیمز نے تخت نشین ہوکر دست ستم دراز کیا تو عام قوم بھی اس خیال کی موید ہوگئی۔ لیکن یورپ اسے کسی اور ہی نظر سے دیکھتا تھا۔ اسے میری کی تخت نشینی سے کوئی سروکار نہ تھا مگر اس تغیر سے جب کبھی بھی ہو ولیم (شہزادہ آرنج) کو جو نئی قوت حاصل ہوجاتی وہ یورپ کی نگاہوں میں کھٹکتی تھی۔ درحقیقت اب وہ وقت آگیا تھا کہ انگلستان میں بادشاہ کی زیادتیوں کے خلاف جو جدوجہد ہورہی تھی وہ لیوئس چہاردہم کے خلاف یورپ کی وسیع تر جدوجہد سے وابستہ ہوجائے۔ پس جب انقلاب نے جیمز کو تخت سے اتارا اس کی اصلی حقیقت و نتائج کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ ہم برّاعظم کی سیاسی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

فرانس کی عظمت

فرانس کی طاقت اس وقت تمام ممالک عیسوی میں سب سے بڑھی ہوئی تھی۔"اصلاح" کے ساتھ ساتھ جو مذہبی لڑائیاں شروع ہوگئی تھیں ان سے فرانس کے اطراف و جوانب کی قوموں کی قوت بالکل ابتر ہوگئی تھی۔اسپین اس مذہب کیتھولک کی حمایت میں جنگ آزمائی کے قابل نہیں رہا تھا۔صلح وسٹ فیلیا نے جرمن شہزادوں کو آزاد کردیا تھا مگر جرمنی کے اندر پروٹسٹنٹ اور کیتھولک سلطنتوں میں رقابت قائم تھی، اور اس سے "شہنشاہی" کی طاقت بالکل فنا ہوگئی تھی۔خاندان آسٹریا بھی جرمنی کی ایک شاخ تھا اس کی قوت جنگ سی سالہ کی طولانی کشمکش میں فنا ہوچکی تھی۔ ادھر ترک ہنگری کو فتح کرکے وائنا کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے جس سے اس کی رہی سہی قوت خود اپنی جان بچانے میں صرف ہورہی تھی۔گسٹاوس اور اس کے تربیت کردہ سپہ سالاروں نے اگرچہ بڑی فتحیں حاصل کیں مگر ان فتوحات نے خود سویڈن کو بھی بہت ہی خستہ و درماندہ کردیا تھا، صوبجات متحدہ (ندرلینڈز) کا شمار اس وقت بڑی طاقتوں میں نہیں تھا اور سمندروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں وہ انگلستان کے ہاتھوں خراب ہوچکے تھے۔ صرف ایک فرانس کو اس عام تباہی سے فائدہ پہنچا تھا۔ ہنری چہارم نے ازراہ دانشمندی فرقۂ پروٹسٹنٹ کو اپنے عبادات و رسومات کے بجالانے کی اجازت دیکر مذہبی صلح قائم کردی تھی اور اپنے ملک کو مذہبی لڑائیوں کے نتائج سے بچالیا تھا۔لوار کے جنوب میں اب بھی بہت کثرت سے ہیوگیناٹ موجود تھے

مگر اپنے قلعوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے باعث انہوں نے اپنی
تمامتر توجہ صنعت و حرفت اور تجارت کی جانب منعطف کردی تھی۔
رشلیو نے جاگیرداروں کی بدانتظامیوں کو سختی کے ساتھ دباکر تمام
مقامی اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں مجتمع کردیئے تھے۔یہ کارروائی
اگرچہ بعدکو فرانس کی حقیقی بہبود کے لئے مہلک ثابت ہوئی
مگر بروقت اس سے یہ نفع ہوا کہ ایک اعلیٰ نظم ونسق کی شان پیدا
ہوگئی اور بادشاہ کو ملک کے تمام وسائل پر قابو حاصل ہوگیا۔
یہ بات کسی اور ملک کو نصیب نہیں تھی۔سلطنت کے تمام حصص
باہم متّصل تھے، زمین زرخیز تھی۔ قوم میں فطرتاً محنت و ترقی کا
شوق موجود تھا۔ تجارت و مصنوعات میں تیزی کے ساتھ وسعت
ہوتی جاتی تھی۔ یہ تمام امور حصول دولت کے ایسے فطری اسباب
تھے کہ باوجود گرانبار محصولوں کے دولت کی ترقی میں کسی طرح
کمی نہیں ہوئی۔سترھویں صدی کے آخری نصف حصے میں فرانس،
یورپ کے ملکوں میں سب سے زیادہ دولتمند ملک سمجھا جاتا تھا۔
شاہ فرانس کی سالانہ آمدنی انگلستان کے بادشاہ کی آمدنی سے
دوچند تھی اور لیوئس چہاردہم تک کی یہ حالت تھی کہ اسے جسقدر
اپنی سپاہ کی کامیابی پر ناز تھا اسی قدر اپنے خزانے کی معموری
پر اعتماد تھا۔چنانچہ جب جنگ کا پانسہ اس کے خلاف پڑنے لگا
تو اس نے یہ کہا کہ "انجام کار ہیں فتح کا انحصار روپے پر ہوگا"
درحقیقت یہ کثیر دولت ہی تھی جس نے فرانس کو ایسی بڑی فوجیں
تیار کرلینے کے قابل بنادیا تھا کہ زوال روما کے بعد سے ایسی بڑی

فوج یورپ میں کہیں قائم نہیں ہوئی تھی۔ لیوئس چہاردہم کے آغاز حکومت کے زمانے میں اسکی فوج ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی، مگر جنگ ہالینڈ کے وقت تک اس کی تعداد دولاکھ کے قریب پہنچ گئی۔ "اتحاد اعظم" کے خلاف آخری جدوجہد میں اس فوج کا شمار تقریباً پانچ لاکھ ہوگیا تھا لیکن فرانس صرف اپنی اس بےشمار بری افواج ہی پر قانع نہیں تھا بلکہ رشلیو اور مازارین اپنے دوران حکمرانی میں اس کی بحری طاقت کی طرف سے بھی غافل نہیں رہے اور لیوئس کے دورِ حکومت کے شروع ہوتے ہی فرانس کے بیڑے میں سو جنگی جہازوں کا اضافہ کرکے اسے بہت جلد اس قابل کردیا کہ وہ انگلستان اور ہالینڈ کے بیڑے کا مقابلہ کرسکے، حالانکہ اسپین کی تباہی کے بعد سے سمندروں کی حکومت کے دعویدار صرف انگلستان و ہالینڈ ہی رہ گئے تھے۔

لیوئس چہاردہم

ایسی عظیم الشان طاقت ہر زمانے میں مہیب سمجھی جاتی۔ لیکن جب وہ ایسے مدبروں کے اشارے پر حرکت کررہی ہو کہ تمام یورپ میں ان کی قابلیت و علمیت کا کوئی مدمقابل نہ ہو تو اس کی ہیبت کے دو چند ہوجانے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ غیر ملکی معاملات میں کوئی مدبر لیونؔ پر فوق نہیں لیجاسکتا تھا۔ کوئی مدبّر جنگ، لووؔوا کا ہمسر نہیں تھا، کوئی مشیر مال کولبرٹ کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ ان مدبروں کا نوعمر آقا لیوئس چہاردہم اگرچہ متعصب، تنگ خیال اور معمولی قابلیت کا شخص تھا، جسے نہ اپنی عزت کا پاس تھا اور نہ اس میں جرأت وہمت تھی، نہ وہ کسی کا

شکرگزار ہوتا اور نہ کسی پر رحم کرتا تھا، بلکہ اپنے غرور و نخوت میں سرمست و مدہوش رہتا تھا، اور خود غرضی میں بہیمیت کی حد کو پہنچ گیا تھا۔ مگر بایں ہمہ اس میں ایک عظیم الشان حکمراں کی بہت سی خوبیاں بھی موجود تھیں وہ ایک جفاکش، متحمل، سریع العزم اور ارادے کا پکا شخص تھا۔ مردم شناسی اور آدمیوں سے کام لینے کی قابلیت رکھتا تھا اسے اپنی ذات پر سب سے انتہا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ وہ حقیقی عظمت کے خیال سے اگرچہ بالکل معرّا تھا مگر نمائشی شان و شوکت کا بیحد دلدادہ تھا۔ بحیثیت مدبّر کے لیوئس کو صرف اتنا کرنا تھا کہ وہ اپنے دو جلیل القدر پیشرو کارڈنلوں کے لگائے ہوئے درختوں کا ثمر حاصل کرے۔ مذہبی لڑائیوں کے باعث یورپ میں جو درماندگی و نفاق پیدا ہوگیا تھا اس سے ان کارڈنلوں نے فرانس کو نفع پہنچایا۔ رشلو نے سوئیڈن، صوبجات متحدہ، اور جرمنی کے پروٹسٹنٹ حکمرانوں سے اتفاق کرکے خاندان آسٹریا کو نیچا دکھایا۔ مازارین نے عہدنامہ وسٹ فیلیا اور عہد نامۂ کوہ پرینیز کے ذریعے سے جنگ سی سالہ کا خاتمہ کیا مگر ان دونوں اہم عہدناموں کو اس نے اس طرح ترتیب دیا کہ شہنشاہی کا شیرازہ بکھر گیا اور اسپین کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ درحقیقت اسی زمانے سے اسپین ایسا کمزور ہوگیا کہ اس کی کمزوری پر حیرت ہوتی ہے۔ ہالینڈ کے آزاد ہوجانے سے دولت کا خاص ذریعہ جاتا رہا تھا، پرتگال کی بغاوت سے ملک اندرونی طور پر کمزور ہوگیا تھا، پیادہ فوج کو گونڈے نے راکرائے کی فتح کے موقع پر بالکل نیست و نابود کردیا تھا، اور اہل ہالینڈ نے بیڑے کو تباہ کردیا تھا۔ قوم کے بہترین افراد جزائر

غرب الہند کو چلے گئے تھے، ہر قسم کی مذہبی و ملکی آزادی کے دبائے جانے سے قوم کی قوت عمل بیکار ہوگئی تھی۔ عدالت استیصال ارتداد نے قوائے ذہنی کی مٹی خراب کی، عربوں کے خارج کردیئے جانے اور مالی جبر و تشدد اور طریق نو آبادی کی غلطی نے صنعت و حرفت کو بالکل مٹا دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو سلطنت فلپ دوم کے وقت میں تمام دنیا پر چھا جانے کی کوشش کر رہی تھی وہ فلپ چہارم کے وقت میں ایک بے بس و درماندہ سلطنت ہوکر رہ گئی تھی۔ لیوئس کو فرانس کے اوپر پورا پورا اختیار درحقیقت ۱۶۶۱ء میں حاصل ہوا اور اسی وقت سے اس کی کوشش یہ رہی کہ وہ اپنے دونوں سابقین کے طرز عمل کو جاری رکھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسپین کو بالکل تباہ کردے۔ ندرلینڈز میں اسپین کے صوبوں کے فتح کر لینے سے اس کی مملکت کی سرحد دریائے شیلٹ تک پہنچ جاتی۔ ایک بعید توقع یہ تھی کہ شاید اسپین کے آسٹروی سلسلے کے بادشاہوں کی نسل منقطع ہوجائے اور فرانس کا کوئی شہزادہ اسپین کے تخت پر بٹھا دیا جائے۔ اس صورت میں نہ صرف کیسٹیل اور اراگان اور اطالیہ و ندرلینڈز کے ملحقات اسپین پر فرانس کا قبضہ ہوجاتا بلکہ نئی دنیا کی اسپینی شہنشاہی بھی فرانس کے ممالک میں شامل ہوجاتی۔ دول یورپ کے اتحاد کے سوا اسپین کے بچانے کی کوئی اور صورت نہیں تھی، اور لیوئس نے اس اتحاد کے عمل میں نہ آنے کے لئے برسوں محنت کی۔ شہنشاہی کی مداخلت اس طرح روکی گئی کہ فرانس اور چھوٹے چھوٹے جرمن حکمرانوں کے درمیان سابقہ اتحادوں کی

تجدید ہوتی رہی۔ ترکوں سے موافقت کرکے آسٹریا کی مشرقی سرحد پر اس کے لئے بہت مشکلات پیدا کردیئے گئے۔ سوئیڈن سے پرانی موافقت اور ہالینڈ کی پرانی دوستی بڑی ہوشیاری سے برقرار رکھی گئی چارلس دوم کی حکمتِ عملی نے انگلستان کو لیوئس کا پابند بنادیا۔ آخر لیوئس کو یہ معلوم ہوا کہ وہ جس وقت کے انتظار میں تھا وہ وقت آگیا ہے۔ معاہدۂ بریڈا پر دستخط ہوجانے سے اسے جنگ کا موقع مل گیا اور ۱۶۶۷ء میں اس نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ مگر دفعۃً ایسی مکمل کامیابی حاصل کرلینے سے فرانس کی طرف سے ایک عام خوف پیدا ہوگیا جس کے مقابلے میں چارلس کی تمام تدبیریں بیکار ہوگئیں۔ فرانسیسی افواج کے رائن پر نمودار ہونے سے ہالینڈ کو اپنے ملک کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوگیا۔ فلینڈرز کے ساحلی مقامات پر فرانسیسیوں کے قابض ہوجانے سے انگلستان خوابِ غفلت سے چونک پڑا اور سوئیڈن نے ان دونوں پروٹسٹنٹ سلطنتوں کے ساتھ شریک ہوکر "محالفۂ ثلثہ" قائم کردیا۔ لیوئس کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ اتحاد اور وسیع ہوجائے اسلئے وہ صرف فلینڈرز کے جنوبی نصف حصے پر قابض رہنے اور قلعوں کے ایک سلسلے کو اپنے ہاتھ میں رکھنے پر قانع ہوگیا جس سے عملاً وہ ندرلینڈز کا مالک بنا رہے۔

ولیم شہزادہ آرنج۔

اس رکاوٹ نے لیوئس کو دیوانہ بنادیا وہ ہمیشہ اہل ہالینڈ کو ان کے پروٹسٹنٹ مذہب اور ان کی جمہوری سلطنت کے باعث ناپسند کرتا تھا۔ اب اپنے منصوبوں میں اس طرح رکاوٹ ڈالنے کی وجہ

سے وہ ان سے اور بھی متنفر ہوگیا اور اس نے یہ لازمی سمجھ لیا کہ اسپین کو اپنا تختۂ مشق بنانے کے قبل اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹانا چاہئے۔ اہل ہالینڈ پر ایک کامل ضرب لگانے کے لئے چار برس تک تیاری کی گئی۔ فرانسیسی فوج رفتہ رفتہ ایک لاکھ اسی ہزار تک بڑھا دی گئی کولبرٹ نے ایک ایسا بیڑہ تیار کیا جو تعداد وساز وسامان میں ہالینڈ کے بیڑے کے ہم پلہ تھا۔ سوئیڈن کو اپنا جانبدار بنالیا۔ معاہدہ ڈوور کے ذریعے سے انگلستان کی طرف سے پھر اطمینان حاصل کیا گیا اور اس تمام زمانے میں ہالینڈ اپنے تحفظ کی نسبت ایک غلط خیال میں مبتلا رہا۔ ہنری چہارم کے وقت سے فرانس کے ساتھ اس کا اتحاد برابر چلا آتا تھا اور خاندان آرنج کے زوال کے بعد جس تاجر طبقے کو قوت حاصل ہوگئی تھی وہ اس اتحاد کو خصوصیت کے ساتھ عزیز رکھتا تھا۔ اس فریق کا سرگروہ جان ڈی وٹ، اگرچہ لیوئس کے رائن کی طرف بڑہنے کے باعث محالفۂ ثلثہ کے قائم کرنے پر مجبور ہوا مگر وہ ہمیشہ فرانس کی دوستی میں اندھا بنا رہا اور اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب سنہ ۱۶۷۲ء میں فرانسیسی فوج ہالینڈ کی سرحد کو عبور کرآئی اور دیدبانوں کی آگ کی روشنی ایمسٹرڈم کی دیواروں پر سے نظر آنے لگی۔ ہالینڈ لیوئس کے قدموں کے نیچے پڑا ہوا تھا مگر فاتح کے عجب و نخوت نے قوم میں پھر وہی عزم وہمت پیدا کردی جس کے باعث الوا کو اپنی فتح سے دست بردار ہونا اور فلپ ثانی کے غرور کو نیچا دیکھنا پڑا تھا۔ ایک عام ہنگامے میں ڈی وٹ مارڈالا گیا اور اس کے بعد ولیم (شہزادہ آرنج) کو

۱۶۷۲

لوگوں نے اس جمہوریہ کا صدر بنادیا۔ یہ بیانرئیس جمہوریہ اگرچہ ابھی پوری طرح سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا مگر اس کے اعلیٰ صفات فوراً نمایاں ہوگئے۔ اسے اپنی ابتدائی زندگی میں ضبط نفس کا عجیب سبق حاصل ہوگیا تھا۔ بچپن ہی سے باپ کا سایہ اس کے سر سے اُٹھ گیا تھا، اور شاید ہی کوئی شخص اس کا ہواخواہ باقی رہا ہو۔ اس نے ایسے لوگوں کے درمیان پرورش پائی تھی جو اس کے وجود ہی کو سلطنت کے لئے باعث خطر سمجھتے تھے۔ اس کی ایک ایک حرکت کی نگرانی ہوتی تھی اس کے طرز و طور پر نظر رکھی جاتی تھی؛ اس کے دوست و احباب اس سے الگ ہوگئے تھے۔ اس حالت میں نشو و نما پانے سے بالطبع اس میں خاموشی، حزم و احتیاط اور رازداری کی عادت پیدا ہوگئی تھی، اس کی طبیعت سے سنجیدگی اور اس کے برتاؤ سے بے مہری معلوم ہوتی تھی۔ بات کرنے میں وہ نہایت خشک بلکہ درشت تھا۔ وہ بچپن ہی سے کمزور اور بیمار رہا کرتا تھا، جوان ہوکر اسے ضیق النفس و دق کا عارضہ ہوگیا اور ہر وقت کھانستے رہنے سے اس کا جسم کمزور ہوگیا تھا۔ اس کا چہرہ پژمردہ و زرد رہتا اور اس پر گہری لکیریں پڑی ہوئی تھیں؛ جس سے اس کی ہر وقت کی تکلیف کا پتہ چلتا تھا لیکن اس بے مہر و مریض شخص کے اندر ایک پُرجوش و تحمل انہ طبیعت، غیر متزلزل عزم اور اعلیٰ ترین سیاسی قابلیت مخفی تھی۔ اسے فطرت نے ہی مدبر بنایا تھا۔ اس کی تعلیم کی زیادہ فکر نہیں کی گئی تھی، علوم و فنون سے وہ بالکل نابلد تھا مگر جان ڈی وٹ نے امور ملک داری میں

اس کی تربیت کا بڑا خیال رکھا تھا چنانچہ اس نے ندرلینڈ کی پارلیمنٹ
کے روبرو جو پہلی تقریر کی اس میں اس نے یورپ کی عام حالت
کا ایسا تصور کیا اور اس جد وجہد کے موافق و مخالف دلائل کو اس
جسارت کے ساتھ بیان کیا کہ آناً فاناً اسے تمام ملک کا اعتماد
حاصل ہوگیا۔ اس اعتماد کرنے کا صلہ بھی ملک کو بہت جلد مل گیا۔
ہالینڈ تباہی سے بچ گیا اور ولیم کے دلیرانہ عزم کے باعث تمام
صوبے یکے بعد دیگرے فرانس سے واپس لے لئے گئے۔ اپنے
جلیل القدر بزرگ ولیم "خاموش" کے مانند موجودہ ولیم بھی بہت ہی
بدقسمت سپہ سالار تھا۔ اسے جس قدر شکستیں ہوئیں، کسی سپہ سالار
کو اتنی شکستیں نہ ہوئی ہوں گی، لیکن ان شکستوں سے اس نے
اسی طرح فائدہ اُٹھایا جس طرح اور لوگ فتح سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔
درحقیقت اس میں یہ اعلیٰ صفت موجود تھی کہ تباہی و پریشانی
کے وقت اس کی ہمت اور بلند ہوجاتی تھی۔ سینیف کی ہزیمت
کے موقع پر اس نوعمر سپہ سالار نے اس خوبی کے ساتھ منتشر
دستوں کو جمع کیا اور آخر وقت میں کونڈے کو اس کے فتوحات
کے ثمر سے اس طرح محروم کردیا کہ اس جہاندیدہ شخص کو بھی اسکی
تعریف کرنا پڑی۔ ایسے ہی موقعوں پر اس کی عام متکبرانہ سکوت کی
نقاب اُٹھ جاتی اور اس کی اصلی طبیعت ظاہر ہوجاتی۔ فوج کی
آتشباری میں پہنچتے ہی اس کی آنکھوں سے عجب طرح کا شعلہ
نکلنے لگتا تھا اور شکست کے خوف و اضطراب کے درمیان وہ
ایسی نرمی و خندہ پیشانی کا برتاؤ کرتا کہ ہر ایک سپاہی اس کا

گرویدہ ہوجاتا تھا۔

ولیم اور چارلس دوم

ولیم کی سیاسی قابلیت اس سے ثابت ہے کہ اس نے اپنی تدبیروں سے اسپین اور خاندان آسٹریا کو فرانس کے خلاف متحد کر کے "محالفۂ اعظم" کی نبیاد قائم کردی لیکن ابھی فرانس کی فوج کا کوئی مدمقابل نہیں تھا اور فرانس کی فتوحات کو حلیفوں کی خود غرضی اور اس سے بڑھکر چارلس دوم کے فریب آمیز تعلقات سیاسی کی وجہ سے تقویت ہوگئی تھی۔ ولیم کو ۱۶۷۸ء میں بمجبوری معاہدۂ نے گوئن کو قبول کرنا پڑا۔ اس معاہدے کی رو سے فرانس یورپ پر اس طرح حادی ہوگیا کہ اس کے قبل کبھی اسے یہ درجہ نہیں حاصل ہوا تھا۔ ہالینڈ اگرچہ لیوئس کے انتقام سے بچ گیا مگر اسپین کے کچھ مزید مقبوضات چھین لئے گئے اور فرانش کومٹے (برگنڈی) Franete Comte جو سابق جنگ کے اختتام پر واپس کردیا گیا تھا، اس جنگ کے بعد فرانس ہی کے ہاتھ میں رہگیا۔ سب سے زیادہ اثر یہ ہوا کہ فرانس نے تن تنہا یورپ کے اس وسیع اتحاد کا جس کامیابی وجرأت سے مقابلہ کیا، اس سے تمام یورپ پر ایک ہیبت چھا گئی۔ شاہ فرانس کی تعلی و خودستائی کی کوئی حد نہیں رہی۔ خطۂ لورین ایک ماتحت ریاست بنالیا گیا۔ جینوا پر گولہ باری کیگئی اور اس کے حاکم اعلیٰ (دوج) کو طلب عفو کے لئے ورسیلز کے محل شاہی کے دروازے پر حاضر ہونا پڑا۔ روما میں فرانسیسی سفیر کی کچھ تحقیر ہوئی تھی اس کے انتقام کے لئے فرانسیسی فوج روما میں داخل ہوگئی اور اس طرح پوپ کو بھی ذلیل کیا گیا۔

السا‌س اور دوسرے مقامات میں شہنشاہی جاگیروں پر قبضہ کرکے شہنشاہی کی توہین کی گئی۔ ہیوگیناٹ پر تشدد شروع کردیا گیا جس سے تمام یورپ کے پروٹسٹنٹوں کو یہ جتانا مقصود تھا کہ ان کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اس تشدد کی انتہا یہ ہوئی کہ معاہدہ نانٹ منسوخ کردیا گیا۔ لیوئس کے ذہن میں امن کے معنی یہ تھے کہ آس پاس کی سلطنتوں پر زیادتیاں کی جائیں لیکن ہر ایک زیادتی سے اسکے اس ساکت و صامت مخالف (ولیم) کو تقویت حاصل ہوتی جاتی تھی، جو ہیگ میں بیٹھا ہوا یہ تدبیریں کررہا تھا کہ فرانس کے خلاف تمام یورپ کو متحد کرکے ایک "مخالفہ اعظم" قائم کردے اور اس کی حرص پر ایک کاری ضرب لگاسے۔ گذشتہ جنگ کے تجربے سے اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ اس اتحاد میں انگلستان کا شریک ہونا لازمی ہے۔ اس لئے صلح کے بعد سے وہ اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ انگلستان کو اپنے ساتھ متفق کرے۔ چارلس کو فرانس کی دست نگری سے آزاد کرنے کی صورت یہی تھی کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان مصالحت ہوجائے اور ولیم نے اسی کی کوشش کی مگر بہت دنوں تک وہ اس مقصد میں ناکام رہا کیونکہ چارلس اس سلطنت کا دامن چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جس کی مدد سے اسے اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کی توقع تھی۔ تاہم کابال کے زوال اور ڈینبی کے عروج سے حکومت کی روش میں جو تغیر واقع ہوا اس سے ولیم کے دل میں نئی امیدیں پیدا ہوگئیں اور میری سے اس کا عقد کرلینا لیوئس کے لئے ایک مہلک ضرب ثابت ہوا۔

جیمز کے کوئی لڑکا نہیں تھا اور میری کے عقد سے ولیم کو یہ یقین تھا کہ اپنے خسر کے انتقال کے بعد اسے اس اہم تجویز میں ضرور انگلستان کی تائید و اعانت حاصل ہوجائے گی، لیکن اس وقت تک انتظار کرنا غیر ممکن تھا اور اگرچہ شہزادے نے اپنے اس نئے تعلق کی بنا پر چارلس کو ایک قطعی روش اختیار کرنے پر آمادہ کرنا چاہا، مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ رومن کیتھولکوں کی سازش کے طوفان نے اس کے لئے بھی پیچیدگیاں پیدا کردیں۔ قانون حجب کے ابتدائی مراحل میں جبکہ اس کا منشا صرف یہ تھا کہ جیمز کو محروم کرکے چارلس کے انتقال کے بعد ہی میری کو تخت نشین کردیا جائے اور پارلیمنٹ بھی بظاہر اس رائے پر مستحکم معلوم ہوتی تھی، اس وقت ولیم اس کشمکش سے علٰحدہ رہا کیونکہ اسے اس نتیجے میں شک تھا۔ لیکن اگر خوش قسمتی سے فیصلہ حسب منشا ہوجاتا تو اسے اس کے قبول کرنے میں بھی تامل نہیں تھا۔ شافٹسبری سے یہ سخت غلطی ہوئی کہ اس نے منمتھ کے حقوق پیش کردیئے، اس تجویز کے پیش ہوتے ہی ولیم کو بھی میدانِ عمل میں آنا پڑا۔ اپنی بیوی کے حق جانشینی کے قائم رہنے سے اسے بہت بڑے نتائج کی توقع تھی اور اب اس کی کوئی تدبیر سوائے اس کے باقی نہیں رہگئی تھی کہ ڈیوک یارک کی طرفداری اختیار کی جائے، پس اس کشمکش کے نازک ترین موقع پر ولیم نے اپنا سارا زور جیمز کی جانبداری میں صرف کردیا۔ ہلیفیکس کی فصیح البیانی نے قانون حجب کو نامنظور کرادیا مگر ہلیفیکس کی زبان سے درحقیقت ولیم بول رہا تھا۔

ولیم اور جیمز ثانی۔

ادھر انگلستان رومن کیتھولکوں کی سازش اور شاہ پسندوں کی بازگشت کے باعث نعل در آتش ہو رہا تھا اُدھر یورپ کی کشمکش عظیم قریب سے قریب تر ہوتی جاتی تھی۔ لیوس کی مسلسل زیادتیوں کے باعث جرمنی کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تھا اور ۱۶۸۶ء میں جرمنی کے تمام حکمرانوں نے بمقام اوگسبرگ اس امر کا عہد کیا کہ فرانس کی مزید مداخلت کو روکنے میں سب کے سب سینہ سپر ہو جائیں۔ اب جنگ کا ہونا ناگزیر ہوگیا تھا اور ولیم نہایت اضطراب قلب کے ساتھ اپنے خسر کی کارروائیوں کی طرف آنکھ لگائے ہوئے تھا۔ انگلستان کی امداد حاصل کرنے کی کوششوں میں اسے بالکل ناکامی ہو چکی تھی۔ جیمز نے فرانس کے ساتھ اپنے متوفی بھائی کے خفیہ معاہدے کی تجدید کرلی تھی اور خود اپنی قوم سے ایسے جھگڑوں میں اُلجھ گیا تھا کہ اس بیرون ملک کی کشمکش میں اگر وہ مدد دینا بھی چاہتا تو بھی ناممکن تھا۔ شہزادہ آرنج اس کے سوا کچھ نہیں کرسکتا تھا کہ ان کارروائیوں کو ضبط کے ساتھ دیکھتا رہے تاہم اس عالمِ مایوسی میں بھی اسے یہ امید تھی کہ شاید کسی طرح جیمز اس سے بہتر روش اختیار کرنے پر مائل کیا جاسکے۔ جیمز کے خاص خاص بدخواہ شہزادۂ ولیم سے یہ کہ رہے تھے کہ وہ معاملات انگلستان میں بزور مداخلت کرے مگر اس نے ان لوگوں کی ہمت ذرا بھی بڑھانے سے قطعاً انکار کردیا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بادشاہ کی اس تجویز میں مدد دینے سے بھی کنارہ کش رہا کہ قانون اختبار منسوخ کردیا جائے۔ آخر وقت تک اسے یہ امید تھی کہ وہ بادشاہ و رعایا کے درمیان مصالحت کرادے گا اور

ظن غالب یہ تھا کہ انگلستان بھی "مخالفۂ اعظم" میں شریک ہوجائے گا مگر ۱۶۸۷ء کے "اعلان رعایت" نے اس امید کا خاتمہ کردیا۔ اس موقع پر جیمز نے شہزادے سے یہ خواہش کی کہ وہ تعزیری قوانین اور قانون اختیار کی منسوخی کی موافقت میں اپنی رائے کا اعلان کردے لیکن بادشاہ کی اس خواہش کے ساتھ ہی ساتھ انگلستان کے سربرآوردہ امرا کے خطوط بھی پہنچ گئے جن میں اسے اس کارروائی سے روکا تھا اور اس سے مدد دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ خاندان ہائیڈ کی طرح بعض امرا نے محض دوستی کا یقین دلایا تھا اور اسقف لندن نے مدد کا بھی وعدہ کیا تھا، لیکن ڈیونشائر، ناٹنگھیم اور شروسبری وغیرہم نے اشارۃً یا صریحۃً شہزادے کو یہ لکھدیا تھا کہ وہ بادشاہ کی تجویز سے اتفاق نہ کرے۔ لارڈ چرچل نے علی الاعلان یہ ظاہر کردیا کہ میری کی بہن این مذہب پروٹسٹنٹ کی جانبداری کا عزم مصمم کرچکی ہے۔ ذی اقتدار ٹوری فریق کے قائم مقام ڈینبی نے ولیم کو اچھی طرح متنبہ کردیا تھا۔ خطوں کے ذریعہ سے ولیم کا منشا معلوم ہوگیا۔ اس نے نہایت صاف طور پر یہ عذر کیا کہ کوئی شخص مذہبی تشدد کو اس سے زیادہ، پسند نہ کرتا ہوگا مگر رواداری مذہبی کے ذریعہ سے سیاسی بندشوں کے ڈھیلا کردینے سے جیمز نے اسے مجبور کردیا ہے کہ وہ خود اپنے مذہب کو حملے سے بچانے کی فکر کرے۔ اس نے اپنے خط کو ان لفظوں پر ختم کیا تھا کہ "حضورِ والا جو کام مجھ سے لینا چاہتے ہیں میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں"۔ لیکن بزور مداخلت کرنے کی تجویز سے ولیم ابتک تذبذب میں پڑا ہوا تھا۔ بددلی کے عام

ہونے میں کوئی شک نہیں تھا مگر پھر بھی جیمز اپنی جگہ پر مطمئن معلوم ہوتا تھا۔ اسے فرانس کی مدد پر بھروسہ تھا۔ اس کے پاس بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ارگائل کی بغاوت کی ناکامی سے اسکاٹلینڈ دل شکستہ ہوگیا تھا اور طویل العہد پارلیمنٹ کو اس نے جیسی مدد دی ویسی مدد اس وقت نہیں دیسکتا تھا۔ آئرلینڈ، مغربی ساحل پر ایک کیتھولک فوج کے اُتار دینے کے لئے تیار تھا۔ اس میں بھی شک تھا کہ آیا خود انگلستان کے اندر یہ بددلی واقعی بغاوت کی صورت اختیار کرلے گی یا نہیں۔ وِہگوں پر ابتک "خونخوار عدالت" کا خوف طاری تھا۔ ٹوری اور اہل کلیسا غصے میں ضرور تھے مگر ان کے "عدم مقاومت" کے اصول نے انہیں پابزنجیر کررکھا تھا۔ اسلئے ولیم یہ چاہتا تھا کہ جبرہ دستی کے مشوروں کو روکے اور صرف یہ کوشش کرے کہ ایک عام مخالفت پیدا ہوجائے جس سے مجبور ہوکر جیمز کو قانونی وسائل سے ملک کے ساتھ اتفاق کرنا پڑے اور وہ اپنی اندرونی و بیرونی حکمت عملی کو ترک کرکے فرانس کے خلاف ولیم سے متحد ہوجائے۔

دعوتنامہ

لیکن ایک غیر متوقع امر کے باعث ولیم کو اپنی روش کلیتہً بدلنا پڑی۔ انگریزی قوم اور خود ولیم کے صبر وتحمل کی بنا میری کی جانشینی کے تیقن پر تھی لیکن جس زمانے میں کلیسا سے کشمکش جاری تھی اُسی زمانے میں یہ اعلان کیا گیا کہ ملکہ پھر حمل سے ہے۔ عام طور پر اس کا اعتماد نہیں کیا گیا کیونکہ ملکہ میری (موڈینہ) کے آخری بار

۱۶۸۸

حاملہ ہونے کے بعد سے پانچ برس کا زمانہ گزر چکا تھا تاہم اس

خبر سے فوراً ہی ایک نازک حالت پیدا ہوگئی۔کیتھولک خوش تھے وہ پیشینگوئیاں کررہے تھے کہ ضرور لڑکا ہوگا، یہ بھی یقین تھا کہ اس کی تعلیم کیتھولک اصول پر ہوگی۔اس صورت میں بڑے سے بڑے ٹوری کو اپنے دل میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس وقت انگلستان جس مصیبت میں مبتلا ہے، آیا یہی مصیبت ہمیشہ قائم رہے گی اور وہ اس کی تائید کرتا رہے گا یا وہ کوئی اور تدبیر اختیار کرے گا۔آخر قوم کے تذبذب کا خاتمہ ہوگیا۔ڈینبی کلیسا کے ساتھ وفاداری میں اور فرانس کی غلامی سے متنفر ہونے میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔اس نے ٹوریوں کی ذمہ داری اپنے سر لی، کامپٹن ہائی چرچ کا پیرو تھا مگر اعلانِ رعایت نے بالآخر اسے بھی بغاوت پر مجبور کردیا تھا۔ارل ڈیونشائر (جو قانون حجب کی جدوجہد کے موقع پر لارڈ کیونڈش کے لقب سے ملقّب تھا)"عبادت عام سے اتفاق نکرنے والوں" اور وھگوں کی عام جماعت کا ذمہ دار بنا۔"عام عبادت سے اتفاق نکرنے والے" ولیم کے اس وعدے سے مطمئن ہوگئے تھے کہ وہ ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ
۱۰رجون کرے گا۔پس شہزادۂ ویلز کے پیدا ہونے کے اعلان کے وس ہی دن بعد ایک باضابطہ دعوتنامہ ولیم کے پاس بھیجا گیا کہ وہ انگلستان کی آزادی کے بحال کرنے اور پروٹسٹنٹ مذہب کی حفاظت کے لئے بزور اسلحہ مداخلت کرے۔عام خطرے کی مخالفت میں تمام ذی اثر فریق متحد ہوگئے تھے اور اس دعوتنامے پر ان سب فریقوں کے قائم مقاموں اور بعض اور لوگوں نے بھی دستخط کئے اور ہربرٹ اس درخواست
۳۰رجون کو لیکر ہیگ روانہ ہوا۔یہ شخص جہازرانوں میں بہت ہی ہردلعزیز تھا

اور قانونِ اختیار کے خلاف رائے دینے سے انکار کرنے کے باعث اپنے عہدے سے معزول کردیا گیا تھا۔ اس دعوتنامے میں ولیم سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ اتنی کافی فوج لیکر انگلستان میں وارد ہو کہ سب دستخط کرنے والے اس کے بھروسے پر بغاوت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اساقفہ کی رہائی کے دوسرے روز یہ دعوتنامہ لندن سے روانہ کیا گیا تھا۔ اس رہائی کے وقت لوگوں میں سخت ہیجان پھیل گیا تھا، تمام دریا کشتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف شور مچا ہوا تھا اور ہر ایک سڑک پر آگ روشن کی گئی تھی۔ قومی بددلی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ تمام ملک بغاوت پر تلا ہوا ہے۔ جیمز کو فوج پر بڑا اعتماد تھا مگر فوج نے بھی دفعتہً عوام کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کردیا۔ جیمز ہاؤنسلو میں تھا اور وہیں اسے اس فیصلے کی خبر پہنچی اور جب وہ لشکرگاہ سے سوار ہوکر چلا تو اس نے اپنے پیچھے بڑے شور کی آواز سنی۔ دریافت کرنے پر جواب ملا کہ "کچھ نہیں سپاہی خوش ہیں کہ اساقفہ چھوٹ گئے"۔ بادشاہ نے دانت پیس کر کہا کہ "تمھارے نزدیک کچھ نہیں ہے"! اسے اب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اپنے ملک میں بالکل اکیلا ہے۔ امرا و شرفا، اساقفہ وعمّال مذہبی، دارالعوام، ہر ایک قانون پیشہ، ہر ایک تاجر، ہر ایک کاشتکار پہلے ہی سے اس سے کنارہ کش تھا، اب اس کے خاص سپاہیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کے نہایت بہی خواہ کیتھولکوں نے اس پر زور دیا کہ اسے اس موقع پر دب جانا چاہیئے مگر دب جانے کے معنی یہ تھے کہ وہ اپنا تمام اصول حکمرانی بدل دے۔ قانون کے موافق حکمرانی کا شائبہ تک

باقی نہیں رہا تھا۔ شیرف (ناظم امن) میر (صدر بلدہ) مجسٹریٹ (عمال) سب پارلیمنٹ کے قوانین کے علی الرغم بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتے تھے، لہذا قانون کی نظر میں وہ درحقیقت حاکم نہیں تھے۔ پارلیمنٹ بھی اگر طلب کی جاتی تو اس کے ارکین کے انتخاب کی کارروائی بھی انہیں حکام کے توسط سے عمل میں آتی اس لئے وہ بھی حسبِ قانونِ پارلیمنٹ نہیں سمجھی جاسکتی تھی۔ بادشاہ کے وزرا اور اُس کے مشیرانِ خاص میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے حسبِ قانون اختیارات حاصل ہوے ہوں جیمز نے معاملات کو اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ اب قانونی حکومت کے ازسرِنو قائم کرنے کے معنی یہ تھے کہ جیمز کے ہرایک کام کو پلٹ دیا جائے مگر وہ اپنے کاموں کو پلٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اس خطرے اور تعرض کا اثر اس پر یہ ہوا کہ اسے اور سخت ضد ہوگئی۔ اس نے ہاونسلو کی لشکرگاہ کو توڑ دیا اور سپاہیوں کو دور و دراز فوجی قیام گاہوں میں بھیجدیا؛ اُن دونوں ججوں کو موقوف کردیا، جو اساقفہ کی رہائی کی تائید میں تھے؛ ہرایک حلقۂ اسقفی کے چانسلر کو حکم دیا کہ جن پادریوں نے اعلان رعایت پڑھکر نہیں سُنایا ہے ان کے ناموں سے اسے مطلع کریں لیکن جب ہر طرف سے خاموشی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا تو جیمز کا عزم متزلزل ہوگیا۔ ایک چانسلر نے بھی کمشنروں کے پاس اطلاع نہیں بھیجی اور خود کمشنروں نے قوم کے انداز طبیعت سے ڈرکر سکوت اختیار کرلیا۔ جن ججوں نے غلامانہ طور پر بادشاہ کی اطاعت کی تھی جب وہ دورے پر گئے تو امرا و شرفا نے ان کے پاس تک جانے سے

انکار کردیا۔ انگریزی فوج کو اپنے کام کا نہ پاکر بادشاہ نے جب انکے بجائے ٹرکونل کی تیار کردہ کیتھولک فوج کو آئرلینڈ سے بلانا چاہا تو اور بھی زیادہ اشتعال پیدا ہوگیا۔ مجلس شاہی کے رومن کیتھولک امرا نے بھی اس کارروائی کے خلاف اعتراض کیا اور ایک ہی دستے کے چھ افسروں نے اپنی فوج میں آئرلینڈی سپاہیوں کے داخل کرنے کے بجائے اپنے عہدوں سے استعفا دیدیا۔ آئرلینڈ کے سپاہیوں کی مذمت میں ایک نظم تیار کی گئی اور وہ نظم انگلستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر شخص کی زبان پر تھی۔

صورت معاملات اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ اب بغاوت کا ہو جانا ناگزیر ہوگیا تھا۔ ولیم اپنی پوری قوت اس امر میں صرف کر رہا تھا کہ ایک بیڑہ اور کافی فوج جمع کرلے۔ اس کے ساتھ ہی انگلستان کے امرا یکے بعد دیگرے ہیگ میں پہنچ رہے تھے۔ ارل شروسبری اس مہم کے اخراجات کے لئے دو ہزار پونڈ ساتھ لایا تھا۔ دھگوں کی جانب سے اول بڈفرڈ نے اڈورڈ رسل کو اپنا قائم مقام بناکر بھیجا تھا اس کے بعد اور بڑے بڑے ٹوری خاندانوں کے قائم مقام بھی ہیگ میں پہنچ گئے۔ مارکوئس ونچسٹر، لارڈ ڈینبی، لارڈ پیٹربرا کے لڑکے اپنے خاندانوں کے قائم مقام بنکر وہاں گئے۔ ہای چرچ کی نیابت لارڈ میکلسفیلڈ نے کی۔ خود انگلستان کے اندر ارل ڈینبی اور ارل ڈیونشائر، لارڈ لملی کے ساتھ شریک ہوکر خاموشی کے ساتھ شمال میں بغاوت کی تیاری کرنے لگے۔ سنڈرلینڈ نے خفیہ طور پر مذہب کیتھولک قبول کرلیا تھا اور اسی کا صلہ اسے یہ ملا تھا کہ وہ بدستور اپنے عہدے پر قائم

ولیم کا ورود ۱۶۸۸

رہا تھا۔ ولیم نے اگرچہ نہایت رازداری سے کام لیا مگر سنڈرلینڈ کی
دوربیں نظر نے اس کی تیاریوں کو بھانپ لیا اور چونکہ اسے اپنے
آقا کی تباہی کا یقین ہوچکا تھا۔ اس لئے اس نے اس شرط سے
جیمز کے ہرایک راز کے بتا دینے کا وعدہ کیا کہ جیمز کے شریک کار
ہونے کے جرم سے اسے معاف کردیا جائے۔ ایک جیمز رہگیا تھا
جو بدستور اپنے خیال پر مصر تھا، اور جسے ان خطروں کا مطلق
حس نہیں تھا۔ شہزادہ آرنج کی مدد کے بغیر اسے کسی بغاوت کا
خوف نہیں تھا اور ولیم کی نسبت اسے یہ یقین تھا کہ ہالینڈ پر
فرانس کے حملے کے ڈر سے اس کی روانگی ممکن نہیں ہے۔ جس
جنگ کا مدتوں سے اندیشہ تھا وہ بالآخر ستمبر میں شروع ہوگئی
اور لیوئس نے اپنی تمام عمر میں سخت ترین سیاسی غلطی یہ کی کہ
اپنی فوجوں کو ہالینڈ کے بجائے جرمنی کی طرف بڑھا دیا۔ اہل ہالینڈ
نے فوراً ہی یہ سمجھ لیا کہ اب وہ محفوظ ہیں۔ اور ہالینڈ کی پارلیمنٹ نے
ولیم کی تجویز کو منظور کرلیا۔ جس قدر سامانِ جنگ تیار کیا گیا تھا
وہ عجلت کے ساتھ شیلٹ میں جمع ہونے لگا۔ انگلستان میں
اس خبر کے پہنچتے ہی بادشاہ گھبراہٹ میں پڑگیا اور اس کی تمام
خودرائی و خودکامی جاتی رہی۔ اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ میں اس نے
چالیس ہزار آدمی بھرتی کرلئے تھے مگر اس فوج کے انداز کو دیکھکر
اسے اعتماد باقی نہیں رہا تھا۔ فرانس سے کسی قسم کی مدد کا ملنا
خارج ازبحث تھا۔ پس اب اسکے لئے صرف یہی ایک چارہ کار
باقی رہگیا کہ وہ مثل سابق اہلِ کلیسا اور ٹوریوں سے اتحاد پیدا

کرے۔ اس نے اساقفہ سے بذات خاص تائید کی درخواست کی۔ مذہبی کمیشن کو موقوف کردیا۔ شہروں کو ان کے حقوق انتخاب از سرِ نو عطا کردیئے۔ لندن کے منشور کو چانسلر اعزازِ شاہی کے ساتھ شہر میں واپس لیگیا۔ میگڈیلین کالج کے خارج شدہ رفقا کو دوبارہ ان کی جگہوں پر متمکن کرنے کے لئے اسقف ونچیسٹر، آکسفورڈ روانہ کیا گیا۔ کیتھولکوں کے معابد اور جیزوئٹ کے مدرسوں کے بند کردیئے جانے کا حکم دیا گیا۔ سنڈرلینڈ نے اس امر پر زور دیا کہ فوراً پارلیمنٹ طلب کرنا چاہیئے مگر جیمز نے اس مشورے کو اس کی غدّاری پر محمول کرکے اسے عہدے سے برطرف کردیا۔ شہزادہ آرنج نے ایک اعلان کے ذریعے سے شہزادۂ ویلز کی ولادت کے جواز کو پارلیمنٹ کی رائے پر منحصر کیا تھا۔ جیمز نے اس کے جواب میں لندن کے موجودالوقت امرا کے روبرو اپنے لڑکے کی پیدائش کے ثبوت پیش کئے لیکن مراعات و ثبوت دونوں کا وقت گزر چکا تھا۔ ولیم کچھ دنوں ہوا کی ناموافقت کے باعث رکارہا، اور جب اس نے پہلی بار روانگی کی کوشش کی تو طوفان کی وجہ سے اسے پلٹ جانا پڑا لیکن بالآخر اس کے چھ سو باربرداری کے جہاز پچاس جنگی جہازوں کی حفاظت میں ۵ ر نومبر کو بندرگاہ ٹاربے میں آکر لنگرانداز ہوگئے۔ اس کی فوج میں تیرہ ہزار آدمی تھے، جب یہ فوج شہر اکسٹر میں داخل ہوئی تو شہریوں نے شورِ مرحبا بلند کیا۔ اس کے مغرب میں آکر اُترنے کی توقع نہیں تھی اور اُترنے کے بعد ایک ہفتے تک تو کوئی بڑا رئیس اس کا شریک نہیں ہوا مگر بہت جلد امرا اور متوسط الحال اشخاص

قومی بغاوت

اس کی لشکرگاہ میں جمع ہونے لگے اور شہریلی متھ کی شرکت سے اس کا لشکر جانب عقب محفوظ ہوگیا۔ اسکاٹلینڈ میں شورش برپا ہوگئی۔ ڈینبی سو سواروں کو ہمراہ لیکر یارک میں گھس آیا اور اس کا آنا عام بغاوت کا اشارہ ہوگیا اس کی درخواست پر مقامی فوج "آزاد پارلیمنٹ اور پروٹسٹنٹ مذہب" کا نعرہ مارتی ہوئی اس کے ساتھ شریک ہوگئی امرا و شرفا اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ یہاں سے اس نے ناٹنگھم کی طرف کوچ کیا، ڈیونشائر مشرقی اور وسطی صوبوں کے بڑے بڑے امرا کو ساتھ لئے ہوئے پہلے سے ڈربی میں موجود تھا، وہ بھی ناٹنگھم میں آکر ڈینبی سے مل گیا۔ ہر جگہ اس بغاوت کو کامیابی حاصل ہورہی تھی۔ ہل کی قلعہ نشین فوج نے بھی آزاد پارلیمنٹ کی جانبداری کا اعلان کردیا۔ ڈیوک نارفک تین سو معززین کو لئے ہوئے ناروچ کے بازار میں نکل کھڑا ہوا۔ آکسفورڈ میں اہل شہر اور اہل علم سب نے نہایت زور کے ساتھ لارڈ لویس کو لبیک کہی۔ جیمز نے اپنی فوجیں مقام سالسبری میں جمع کی تھیں، شہزادہ آرنج برابر اسی طرف کو بڑھتا جارہا تھا۔ اثنائے راہ میں برسٹل نے بھی اس کے لئے اپنے دروازے کھول دئے۔ بادشاہ کی فوج کی حالت آپس کے اختلافات اور افسروں کے ایک دوسرے کو مشتبہ سمجھنے کے باعث خراب ہوگئی تھی۔ ولیم کے نمودار ہوتے ہی اس فوج میں ہل چل پڑگئی۔ لارڈ چرچل فوج سے الگ ہوگیا اور اس کے بعد اس کثرت سے افسروں نے فوج سے علحدگی اختیار کی کہ جیمز کو مایوس ہوکر میدان چھوڑنا پڑا وہ بھاگ کر

لنڈن پہنچا۔ یہاں اس نے سُنا کہ اس کی لڑکی این محل سنٹ جیمز سے نکل کر ناٹنگھیم میں ڈینبی سے جاملی ہے۔ اس پریشان حالی میں بادشاہ کی زبان سے یہ نکلا کہ" میرے بچوں تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ خدا ہی میری مدد کرے" اس کی ہمت ٹوٹ گئی اور اگرچہ اس نے پارلیمنٹ کے جمع کرنے کا وعدہ کیا اور آزاد پارلیمنٹ کے شرائط پر کاربند ہونے کے لئے اپنے ماموریں کو ولیم سے گفتگو کرنے کے لئے ہنگرفرڈ کو روانہ کیا مگر وہ بھاگ جانے کا ارادہ پختہ کر چکا تھا۔ جو چند اشخاص اس کے ساتھ تھے ان سے اس نے کہا کہ" پارلیمنٹ ایسے مراعات کی خواہاں ہوگی جن کا قبول کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔" وہ صرف اپنی بیوی اور بچے کے نکل جانے کی خبر کے انتظار میں تھا تاکہ اس کے بعد وہ خود جزیرہ شیپی میں پہنچ جائے۔ جہاں ایک بجرا اسے فرانس لیجانے کے لئے تیار تھا۔ چند اکھڑ ماہی گیروں نے اسے جزوئٹ سمجھکر روک لیا اور شاہی محافظین کا ایک دستہ اسے حفاظت کے ساتھ لنڈن واپس لے آیا، مگر ولیم اور اسکے مشیروں کی مصلحت خود اسی میں تھی کہ وہ ملک سے نکل جائے تاکہ یہ خاص وقت ان کے راستے سے ٹل جائے۔ جیمز اگر ملک کے اندر رہتا تو اسے معزول کرنا بہت مشکل اور اس کا قید رکھنا نہایت خطرناک تھا۔ ڈچ فوج کے لنڈن میں داخل ہوجانے، شہزادے کے خاموش رہنے، اور محل سنٹ جیمز کے خالی کردینے کے حکم سے بادشاہ پر پھر خوف طاری ہوگیا۔ مگر فرار کے راستے اسکے لئے بالکل کھولدئے گئے تھے، اس موقع کو اپنے مفید مطلب دیکھکر وہ دوبارہ لنڈن سے

جیمز کا فرار

نکلا اور ۲۳ دسمبر کو بے روک ٹوک فرانس کے ارادے سے کشتی پر سوار ہوگیا۔

انقلاب

روانگی کے قبل جیمز نے نئی پارلیمنٹ کی طلبی کے بہت سے فرمان جلادئے تھے، اپنی فوج کو منتشر کردیا تھا، اور جہاں تک اسکے امکان میں تھا حکمرانی کے تمام وسائل کو تباہ کردیا تھا، چند روز تک لندن میں سخت لوٹ مار اور ہل چل مچی رہی لیکن لوگ پھر بہت جلد انتظام کی طرف مائل ہوگئے۔ لندن میں جو امرا اس وقت موجود تھے انہوں نے بہ حیثیت مشیر شاہی ہونے کے اپنے اختیار سے زیادہ انتظامات سرانجام دیئے اور ولیم کے داخلے کے بعد اپنے اختیارات اسے تفویض کردیئے۔ ایک مشکل یہ پیش آئی کہ کوئی شخص ایسا نہیں رہا تھا جسے ازرو ئے قانون پارلیمنٹ کے طلب کرنے کا اختیار ہو۔ اس مشکل کو اس طرح حل کیا گیا کہ دارالامرا جمع کیا گیا اور دارالعوام کی صورت یہ قرار دیگئی کہ چارلس دوم کے عہد میں جو لوگ دارالعوام کے رکن تھے وہی اس کے رکن قرار پائے اور ان کے ساتھ شہر لندن کے آلڈرمین اور مجلس بلدی کے ارکان شامل کردیئے گئے۔ ان دونوں جماعتوں نے ولیم سے یہ درخواست کی کہ وہ ہنگامی طور پر حکومت کا کام اپنے ذمے لے لے اور ایک گشتی خط کے ذریعے سے ہر ایک شہر و قصبے کے قائم مقاموں کو طلب کرکے فروری ۱۶۸۹ء میں ایک کانونشن (عارضی مجلس ملکی) قائم کرے۔ اس نئی مجلس میں دونوں ایوان اس رائے پر متفق تھے کہ جیمز کے واپس بلانے یا اس سے مراسلت کرنے کی کوئی کارروائی مطلق نہ کیجائے اور اختیارات شاہی عارضی طور پر شہزادہ آرنج کو تفویض کردیئے جائیں

کانونشن (عارضی مجلس ملکی) ۱۶۸۹

لیکن اس حد پر آکر ان کا اتفاق ختم ہو جاتا تھا۔ دارالعوام میں دھگوں کی کثرت تھی، انہوں نے ایک خلاف قیاس اور جامع ضدّین تحریک کو اس وجہ سے منظور کرلیا کہ اس سے جیمز کے تمام مخالفین ان کے ساتھ متحد ہو جائیں گے۔ ان مخالفین میں اہل کلیسا کی شکایت صرف اس کے تعصب کی وجہ سے تھی، ٹوریوں کو اس امر میں شک تھا کہ کوئی قوم اپنے بادشاہ کو معزول بھی کرسکتی ہے یا نہیں۔ دھگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ بادشاہ و رعایا باہمدگر معاہد ہیں؛ پس ان لوگوں نے یہ رائے قرار دی کہ "چونکہ شاہ جیمز نے رعایا اور بادشاہ کے قدیم عہد و پیمان کو توڑ کر اس سلطنت کے نظام کو بدل دینا چاہا اور جزوئٹ اور دوسرے بدکردار آدمیوں کے مشورے سے قوانین اساسی کی خلاف ورزی کی، اور خود ملک سے نکل گیا، اس لئے اس نے خود حکومت سے دستکشی کرلی ہے، اور اس وجہ سے تخت خالی ہے"۔ لیکن دارالامرا میں ابھی تک ٹوریوں کا غلبہ تھا، وہاں اس تحریک پر بہت سخت مباحثہ ہوا۔ اسقف اعظم سینکرافٹ اور اسکے ساتھ دوسرے متعصب ٹوریوں نے یہ کہا کہ کسی جرم کی وجہ سے بادشاہ تاج و تخت سے محروم نہیں ہوسکتا، جیمز اب بھی بادشاہ ہے مگر اس کے مظالم کے باعث قوم کو یہ حق حاصل ہوگیا ہے کہ وہ حکومت کے عملی اختیارات اس سے نکال لے اور کسی متولی کو یہ اختیار سپرد کردے۔ معتدل ٹوریوں نے لارڈ ڈینبی کے زیر اثر یہ تسلیم کیا کہ جیمز اب بادشاہ

نہیں رہا ہے لیکن تخت خالی نہیں رہ سکتا اور جس وقت سے اس نے خلع کیا ہے اسی وقت سے اس کی بیٹی میری کو شاہی کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ ہیلیفیکس نے اپنی فصیح البیانی سے وھگ امرا کی تائید کی کہ کسی طرح دارالعوام کی تحریک بجنسہ منظور ہو جائے مگر اس سے کام نہ چلا۔ تولیت کی تجویز ایک رائے کی زیادتی سے نامنظور ہو گئی اور ڈینبی کی تجویز بہت بڑی کثرت کے ساتھ قبول کرلی گئی۔ مگر ٹوریوں کی ان دونوں تجویزوں میں یکایک ولیم کی طرف سے وقت پیدا ہو گئی۔ اس نے متولی ہونے سے انکار کر دیا، اور ڈینبی سے یہ کہدیا کہ اسے اپنی بیوی کے پیش خدمت بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ولیم کے ان خیالات کے ظاہر ہو جانے سے اس بحث کا خاتمہ ہو گیا اور اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ ولیم اور میری متفقاً صاحب تاج و تخت تسلیم کئے جائیں، مگر عملی انتظامات کلیتہً ولیم کے ہاتھ میں رہیں۔ پارلیمنٹ کی ایک

اعلان حقوق

مجلس نے ایک درخواست "اعلانِ حقوق" کے نام سے تیار کی اور وہائٹ ہال کے دعوت کے کمرے میں یہ اعلان ہردو ایوانہائے پارلیمنٹ کی جانب سے ۱۳ر فروری کو ولیم اور میری کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس اعلان کی تیاری میں ایک نوجوان قانوندان جان سمرس نے بہت کوشش کی تھی جسے اساقفہ کے مقدمے میں خاص شہرت حاصل ہو چکی تھی اور آئندہ اسکے ہاتھوں سے بہت بڑے بڑے کام انجام پانے والے تھے۔ اس اعلان میں جیمز کی بدنظمیوں، اسکے مخلوع ہونے اور انگریزی رعایا کے قدیم حقوق

اور آزادی کے قائم رکھنے کے متعلق دارالامرا اور دارالعوام کے عزم کا ذکر کیا گیا تھا۔ جیمز کے مذہبی کمیشن کے قائم کرنے اور بغیر منظوری پارلیمنٹ کے فوج بھرتی کرنے کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اس امر پر بھی زور دیا گیا تھا کہ کسی بادشاہ کو بغیر منظوری پارلیمنٹ کے کسی قانون کو معطل یا منسوخ کرنے اور بطور خود روپیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بھی دعوی کیا گیا ہے کہ رعایا کو یہ حق ہونا چاہیئے کہ بادشاہ کے حضور میں ہر قسم کی درخواست دیسکے، پارلیمنٹ کے لئے اپنے قائم مقاموں کو آزادی کے ساتھ منتخب کرسکے اور عدالتی کارروائیاں بے لوثی اور رحمدلی کے ساتھ عمل میں آئیں۔ ایوانہائے پارلیمنٹ کے لئے آزادی کے ساتھ ہر معاملے میں بحث کرنے کا حق ثابت کیا گیا تھا۔ یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ پروٹسٹنٹوں کو ان کے مذہبی اعمال کے آزادانہ بجالانے کا اطمینان ہونا چاہیئے اور جدید بادشاہ اس کا پابند ہو کہ وہ پروٹسٹنٹ مذہب اور ملک کے قانون اور آزادی کو قائم رکھے۔ اس امر کے کامل اعتماد کے ساتھ کہ ولیم اور میری ان اصول کو تسلیم کرتے ہیں اور ان پر کارفرما ہونگے، شہزادۂ آرنج کو انگلستان کا بادشاہ اور شہزادی آرنج کو ملکہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اس اعلان کے پڑھے جانے کے بعد ہیلیفیکس نے تمام طبقات ملک کی طرف سے ولیم اور میری سے تاج کے قبول کرنے کی التجا کی۔ ولیم نے اپنے اور اپنی بیوی کی طرف سے اس درخواست کو قبول کیا اور چند الفاظ میں دونوں کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ وہ قوانین کو قائم رکھیں گے اور پارلیمنٹ کے مشورے سے حکومت کریں گے۔

جزو ہشتم

محالفۂ اعظم

۱۶۸۹ـ۱۶۹۷

{اسناد۔ مثل سابق}

محالفۂ اعظم

ہالینڈ کے بجائے جرمنی پر حملہ آور ہونے میں لیوئس سے غلطی ضرور سرزد ہوی مگر ابتدائے جنگ کی شاندار کامیابیوں نے اس غلطی کی بہت کچھ تلافی کردی۔ دریائے رائن کے مغرب کا تمام علاقہ بہت جلد لیوئس کے قبضے میں آگیا۔ اس کی فوجیں پیلٹینیٹ پر قابض ہوگئیں بلکہ ورٹمبرگ کے اندر تک پہنچ گئیں۔ اس کی توقعات انتہا کو پہنچی ہوی تھیں کہ یکایک جیمز کے سنٹ جرمین میں وارد ہونے سے تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ لیوئس کو فوراً جنگ مدافعانہ پر مجبور ہونا پڑا اور اس رجعت قہقری میں اُس کی فوجوں نے جیسی وحشیانہ زیادتیاں کیں، ان سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اس مجبوری نے اُس کے غرور کو کیسا توڑا۔ پیلٹینیٹ بالکل ویران کردیا گیا۔ ہیڈلبرگ میں الکٹر (والی) کے شاہانہ محل، اسپیر میں شہنشاہوں کے عالی شان مقبرے، تاجروں کے شہر، کاشتکاران انگور کے جھونپڑے سب کے سب تباہ و برباد کردئے گئے۔

تخت انگلستان کے قبول کرنے میں ولیم کی ذاتی طمع کو اسقدر دخل نہیں تھا جسقدر کہ انگلستان اور ہالینڈ کو مضبوطی کے ساتھ باہم متحد کردینے کی توقع کو دخل تھا۔ یہی دو بہت بڑی پروٹسٹنٹ سلطنتیں تھیں اور انہیں کے جہازات سمندر پر اپنا ڈنکا بجا رہے تھے۔ پس تاجِ انگلستان کو قبول کرکے ولیم ان دونوں سلطنتوں کو اسیطرح متفق کردینا چاہتا تھا جسطرح ایک سال قبل اس نے اپنے تدابیر سے بذریعۂ معاہدہ آؤگسبرگ تمام جرمنی کو ایک کردیا تھا۔ لیکن اس اتفاق سے گزر کر فرانس کے خلاف تمام یورپ کا ایک مخالفہ قائم کردینے میں ابھی اسوجہ سے تاخیر ہورہی تھی کہ خاندانِ آسٹریا کی جو شاخیں جرمنی و اسپین میں برسرِ حکومت تھیں وہ ایک کیتھولک بادشاہ کے خلاف، پروٹسٹنٹ سلطنتوں کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ انگلستان کو بھی اس کی کچھ زیادہ پروا نہیں تھی کہ وہ یورپ کی آزادی کے واسطے فرانس پر حملہ آور ہو، لیکن جب سنٹ جرمین میں جیمز کا استقبال بہ حیثیت شاہ انگلستان کے کیا گیا تو تمام تذبذب رفع ہوگیا اور اعلان جنگ کے لئے انگلستان کو معقول وجہ ہاتھ آگئی۔ ہالینڈ نے اس کارروائی میں اس کا ساتھ دیا اور فرانس کے خلاف کوشش کرنے میں دونوں ملک باہم متفق ہوگئے۔ ۱۶۸۹ء میں، اسپین اور دربار وائنا کی موافقت کرلینے سے ولیم کے حسب دلخواہ "مخالفہ اعظم" کی تکمیل ہوگئی اور جب سیوائے بھی ان حلیفوں کا شریک ہوگیا تو سوئٹزرلینڈ کے

سوا، اور ہر طرف سے فرانس ایک آہنی حلقے میں گھر گیا۔ اسکینڈینیویا کی سلطنتیں اس اتحاد سے علیحدہ رہیں مگر باوجود علیحدگی کے فرانس سے ان کا برتاؤ غیر دوستانہ رہا۔ ترکوں کے سوا اور کوئی لیوئس کا شریک نہیں رہا تھا مگر فرانس کی تمام قوت ایک شخص واحد کے ہاتھ میں مجتمع ہو جانے سے اسے جو طاقت و سہولت حاصل ہوگئی تھی اس کی وجہ سے مقابلہ پھر بھی برابر ہی کا رہا۔ شہنشاہ کی کارروائی نہایت سست رہی۔ دربار وائنا ترکوں کی جنگ کے باعث پریشان تھا۔ اسپین میں کچھ قوت نہیں رہی تھی۔ صرف ہالینڈ و انگلستان آمادہ و مستعد تھے، مگر ان میں بھی انگلستان ابھی جنگ میں زیادہ مدد دینے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ جیمز نے جو فوجی دستے قائم کئے تھے انہیں سے ایک رسالہ تیار کیا گیا اور اس رسالے نے بہ سرکردگی چرچل (جو اپنی غداری کے صلے میں ارل مارلبرا ہو گیا تھا) دریائے سامبر کے قریب ہالینڈ کی فوج کے ساتھ شریک ہوکر والکورٹ کی مختصر جنگ میں بہت نمود حاصل کی لیکن ابھی ولیم کو ملک کے اندر بہت اہم کام انجام دینا تھے۔

ولیم و اسکاٹلینڈ

انگلستان میں ایک شخص نے بھی جیمز کے لئے تلوار نہ اٹھائی۔ اسکاٹلینڈ میں اس نے انگلستان سے بھی زیادہ ظلم کئے تھے اور جہانتک لولینڈز کا تعلق تھا اس کے مظالم کا نہایت سرعت کے ساتھ بالکل خاتمہ ہوگیا۔ ولیم کے حملوں کو روکنے کے لئے جیمز کی فوجوں کا جنوب کیطرف جانا تھا کہ

اڈنبرا نے علم بغاوت بلند کردیا اور مغرب کے کسانوں نے بھی فوراً ہتیار سنبھالے۔ رجعت شاہی کے بعد سے حکومت اساقفہ کے ماننے والے پادری شاہان اسٹوارٹ کی بد نظمی کا خاص آلہ بنے ہوئے تھے۔ اب عوام الناس نے انھیں لوٹ کر ہر ایک حلقے سے نکالدیا۔ ولیم کو اگرچہ اسکاٹلینڈ پر قانونی اختیار نہیں حاصل ہوا تھا مگر ان بدنظمیوں کی اطلاع پاکر وہ عملی کارروائی پر مجبور ہوا۔ اسکاٹلینڈ کے جو امرا لندن میں موجود تھے ان کے مشورے سے اس نے وہاں بھی ایک اسی قسم کی عارضی مجلس طلب کی جیسی انگلستان میں جمع ہوی تھی اور اپنی ذمہ داری پر اس قانون کو معطل کردیا جس کے بموجب فرقۂ پرسبٹیرین کے لوگ اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ سے خارج کردئے گئے تھے۔ اس عارضی مجلس نے یہ قرار دیا کہ جیمز اپنی بدنظمیوں کے باعث تخت سے اتار دیا گیا ہے اور ولیم و میری سے تاج و تخت قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس درخواست کے ساتھ "دعوے حقوق" بھی شامل تھا، یہ دعوای حقوق، انگلستان کے "اعلانِ حقوق" کے طریقے پر مرتب کیا گیا تھا مگر آخر میں یہ مطالبہ بڑہا دیا گیا تھا کہ اساقفہ کی حکومت مذہبی منسوخ کردیجائے۔ تاج کے ساتھ یہ مطالبہ بھی قبول کرلیا گیا اور ولیم، ہالینڈ سے اہل اسکاٹلینڈ کے جو دستے لایا تھا اس سے نئی حکومت کو تقویت حاصل ہوگئی۔ اس حکومت کی طاقت کو جانچنے کے لئے ایک سخت امتحان پیش آگیا۔ کلیورہاؤس کے جان گریہم نے مغربی کونٹڑون (متعہدوں) پر نہایت تشدد

کیا تھا اور اس ظلم وستم کے صلے میں اسے اسکاٹلینڈ کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ اور وائکاؤنٹ ڈنڈی کا خطاب ملگیا تھا۔ یہ شخص کچھ سواروں کو لیکر اڈنبرا سے نکل گیا اور ہالینڈ پہنچکر وہاں کے قبائل کو ابھارا۔ ہالینڈ کے لوگوں کو انگلستان کی حکومت کے نیک وبد کا کچھ علم نہیں تھا۔ وہ انقلاب کے معنی یہ سمجھتے تھے کہ خاندانِ آرگائل دوبارہ تخت نشین ہو جائے دبہت سے قبایل کے نزدیک انقلاب کا منشا یہ تھا کہ مخصوص قانون تعزیری کے وقت ارل کی جوزمینیں انہیں ملی تھیں وہ واپس دینا ہونگی، پس میکڈانلڈ، میکلین اور کیمرون کے قبائل، خاندانِ کیمبل اور انکی حامی حکومت سے لڑنے کے لئے ویسی ہی مستعدی کے ساتھ ڈنڈی کی شرکت پر آمادہ ہوگئے جسطرح چالیس برس قبل اسی معاملے میں مانٹروز کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے تھے۔ وہ بہت جلد مسلح ہوگئے اور جس وقت ولیم کے اسکاٹلینڈی دستے جنرل میکے کے تحت میں کلکرینکی کی چڑھائی پر چڑھ رہے تھے، ڈنڈی تین ہزار اہل قبائل کو لیکر ان پر ٹوٹ پڑا اور اسی وادی میں انکا بالکل خاتمہ کردیا لیکن عین فتح کے وقت اسکی موت سے وہ رشتۂ اتحاد شکست ہوگیا جس نے قبائل کو باہم متحد کررکھا تھا اور جس فوج نے تمام لولینڈز میں ہلچل مچادی تھی وہ چند ہفتوں میں بےدست وپا ہوکر برف کیطرح پگھل گئی۔ دوسرے موسم گرما میں میکے کو اتنی قوت حاصل ہوگئی کہ اس نے اس غیروفادار ملک کے عین وسط میں قلعۂ ولیم کے نام سے ایک مضبوط لشکر گاہ قائم کردی اہل قبائل کو بھی انعامات اور معافی کے ذریعے سے اس نے مطیع بنا لیا۔

کلکرینکی
جولائی ۱۶۸۹ء

اسکاٹلینڈ کی حکومت کا مدار اسوقت زیادہ تر سرجان ڈالرمپل کے اوپر تھا جو اِسٹئر کی جاگیر کا وارث تھا اور اسے یہ توقع تھی کہ حلف اطاعت سے انکار کرنے کے باعث اسے ان قبائل کو بالکل نیست و نابود کردینے کا موقع مل جائے گا اور اسطرح اسکاٹلینڈ ہمیشہ کے لئے ہائلینڈزوں کے خطرے سے مطمئن ہو جائے گا۔ اس نے اسی خیال سے سرکردۂ فوج کو لکھا تھا کہ "تمہارے سپاہیوں کو چاہئے کہ لوخ آبر، لوخیل، کیپوخ، کلنگیری اور گلینکو کے تمام ممالک کو بالکل برباد کردیں۔ اس کام کے لئے تمہارے پاس کافی قوت موجود ہے، مجھے اُمید ہے کہ سپاہی حکومت کو قیدیوں کی پریشانی میں نہ ڈالینگے"۔ لیکن قبائل نے حکومت کی تجویز کو برضا و رغبت منظور کرلیا اور ڈالرمپل کو اپنی توقعات میں مایوس ہونا پڑا۔ گلینکو کے قبیلہ میکڈانلڈ کے سوا، سب قبیلے وقت معینہ کے اندر مطیع ہوگئے، صرف قبیلہ گلینکو اپنے غرور کے باعث حلف اٹھانے میں تاخیر کرتا رہا، یہاں تک کہ اعلان کی مقررہ آخری تاریخ سے چھ دن گزر گئے۔ ڈالرمپل جس وقت سے قبائل کو تباہ کرنا چاہتا تھا، جب وہ اُمید بر نہ آئی تو اس نے یہ چاہا کہ جہانتک ہوسکے میکڈانلڈ ہی کی اس تاخیر سے فائدہ اٹھائے۔ پس اس "گروہ قزاقان کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے" ولیم کے حکم کے لئے کاغذ پیش کیا گیا؛ ولیم نے اس کاغذ پر دستخط کردئیے۔ کرنل ہملٹن کو یہ کام سپرد ہوا اور ڈالرمپل نے اسے لکھا کہ "یہ کام نہایت خفیہ اور اچانک طور پر

گلینکو کا قتل عام

ہونا چاہئے" سپاہی قبیلۂ کیمبل سے منتخب کئے گئے جو قبیلۂ گلینکو کے جانی دشمن تھے۔ یہ سپاہی قبائل ہیکلڈانلڈ ہی کے درمیان بارہ روز تک امن و آشتی کے ساتھ مقیم رہے تا آنکہ ان کے کار مفوضہ کیطرف سے شک وشبہ بالکل رفع ہوگیا۔ تیرہویں صبح کو وہ یکایک اپنے میزبانوں پر ٹوٹ پڑے اور چند لمحوں میں تیس اہل قبیلہ برف کے اوپر مردہ پڑے ہوئے تھے۔ طوفان آجانے کے باعث باقی لوگ بچکر پہاڑوں میں بھاگ گئے مگر وہاں انکا بیشتر حصہ بھوک اور سردی سے ہلاک ہوگیا۔ ڈالریمپل کو جب اس کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ "مجھے صرف یہ افسوس ہے کہ ایک آدمی بھی بچکر کیوں نکل گیا" گلینکو کے اس قتل عام سے زمانۂ مابعد میں جو کچھ بھی خوف پیدا ہو مگر فی الوقت اسکا اندازہ صرف ڈالریمپل کو ہوا تھا۔ ہالینڈرز کے امن کے باعث اڈنبرا کے جدید نظم و ترتیب کا کام خاموشی سے چلتا رہا۔ حکومت اساقفہ کی برطرفی کے مطالبہ کے ساتھ "دعوی حقوق" کے قبول کرلینے سے ولیم نے معناً پرسبٹیرین کلیسا کو بحال کردیا تھا اور اس بحالی کے بعد ہی معیار اعتقاد کے طور پر "اعتراف ویسٹ منسٹر" کی تجدید کی گئی اور ایک قانون بھی یہ منظور ہوا کہ طبقۂ مذہبی سے خارج اشخاص مذہبی سرپرستوں سے علحدہ کردئے جائیں۔ بادشاہ نے قانونِ رواداری کے اجرا کی بھی تجویز کی مگر اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ اس کے خلاف سختی سے قائم رہی لیکن جسقدر پارلیمنٹ اپنی رائے پر مستحکم تھی اسیقدر بادشاہ بھی اپنی رائے کا پکا تھا۔

سنہ ۱۶۹۲ء
۱۳ فروری

ولیم کے یہ الفاظ یادگار رہینگے کہ جب تک وہ زندہ ہے کسی شخص پر اس کے عقیدہ و ایمان کی نسبت سختی وتشدد نہیں کیا جائے گا۔ اس نے یہ کہا کہ "ہم کبھی یہ خیال بھی دل میں نہیں لاسکتے، کہ کسی سچے مذہب کی اشاعت کے لئے تشدد کی ضرورت ہے" اور نہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اقتدار کو کسی فریق کے جا وبیجا جوش کے پورا کرنے کا آلہ بنائیں۔"

آئرلینڈ کی بغاوت

گر جیمز اور لیوئس کو جس ملک میں ولیم کے اثر کے روکنے کی توقع تھی وہ اسکاٹلینڈ نہیں بلکہ آئرلینڈ تھا۔ اپنے وسط حکومت میں جیمز نے یہ کوشش کی تھی کہ اس کے مرنے پر اگر کوئی پروٹسٹنٹ اس کا جانشین ہو جائے اور اسطرح اس کے ہم مذہب پھر پست حالت میں آجائیں تو ان کے لئے کوئی جائے امن موجود رہے۔ اگر فرانسیسی سفیر کے بیان پر اعتماد کیا جائے تو جیمز نے یہ عزم کرلیا تھا کہ آئرلینڈ کو اس حد تک اپنے معاملات میں آزاد کردے کہ وہ اس کی کیتھولک رعایا کا ماویٰ و ملجا بن سکے۔ لارڈ کلیرنڈن، آئرلینڈ کی حکومت سے معزول کردیا گیا تھا اور اس کے بجائے اس جزیرے کی حکومت ایک کیتھولک یعنی ارل ٹرکونل کو سپرد کی گئی تھی؛ یہ نیا حکمراں جو اب ڈیوک بنا دیا گیا تھا بہت اہتمام کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھا۔ سرکاری عہدوں سے ایک ایک انگریز کو چن چن کر خارج کردیا تھا۔ ہر ایک جج، ہر ایک رکن پیروی کاؤنسل، ہر ایک شہر کے میر (صدر بلدہ) اور ہر ایک قصبے کے الڈرمین کے لئے لازمی تھا کہ

وہ کیتھولک اور آئرلینڈ کا باشندہ ہو۔ آئرلینڈ کی فوج کی تعداد پچاس ہزار تک بڑھا دی گئی تھی، پروٹسٹنٹ سپاہی فوج سے نکال دئے گئے تھے اور فوج پر کیتھولک افسر متعین کئے گئے تھے۔ چند ہی مہینوں میں انگریزوں کی فوقیت غائب ہوگئی اور کرامویل کے وقت سے نوآباد انگریز جن باشندگان ملک کو پامال کر رہے تھے اب وہ اپنی زندگی اور اپنے مال و متاع کے لئے انہیں کے دست نگر بن گئے۔ اس لئے بادشاہ کے فرار ہو جانے اور آئرلینڈ میں اس خبر کے ساتھ ہی باشندگان ملک میں اضطراب کے پیدا ہو جانے سے، ایک تشویش پیدا ہو گئی۔ ہر طرف یہ یقین کیا جانے لگا کہ اب دوسرا قتلِ عام ہونے والا ہے، پندرہ سو پروٹسٹنٹ خاندان (خاصکر اہل جنوب) بدحواسی کے ساتھ سمندر کے پار بھاگ گئے۔ لیکن شمال کے پروٹسٹنٹ اِنِسکِلن اور لندنڈری میں جمع ہوکر اپنی حفاظت کی تیاری کرنے لگے۔ تاہم بغاوت کے سر اٹھانے میں ابھی دیر تھی اور ٹرکونل دو مہینے تک ولیم سے سازشیں کرتا رہا۔ لیکن اس کی غرض صرف مہلت حاصل کرنا تھی وہ درحقیقت جیمز سے آئرلینڈ میں واپس آنے کو کہہ رہا تھا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ شاہ فرانس نے جیمز کے لئے سران فوج، سامان حرب اور روپئے کا انتظام کر دیا ہے تو اس نے فوراً ہی نقاب اٹھا دی۔ قلعۂ ڈبلن پر ایک جھنڈا بلند کیا گیا اور اس کے پھریرے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ "جو کرنا ہو کرلو ورنہ پھر موقع نہ ملے گا"۔ اس علامت کو دیکھکر ہر ایک کیتھولک مسلّح ہوگیا۔

۱۶۸۷

۱۶۸۸

۱۶۸۹

باشندگان ملک نے دیوانہ وار لوٹ مار شروع کردی، اور ان کے مالکوں سے جو کچھ بچ رہا تھا اسے انہوں نے غارت کیا۔ فرانس کے ایلچی نے لیوئس سے یہ کہا تھا کہ اس تباہی کی تلافی کے لئے مدتہائے دراز کا زمانہ درکار ہوگا۔ اسی اثنا میں جیمز نے فرانس سے لنگر اٹھا دیا اور کنسیل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسکا مقصد یہ تھا کہ ٹرکونل کے پاس جو پچاس ہزار آدمی ہیں اُن کی مدد سے انگلستان پر حملہ کرے لیکن خود آئرلینڈ کے اندر مختلف نسل کے لوگوں میں جو جنگ شروع ہوگئی تھی اس کی وجہ سے یہ امید باطل ہوگئی۔ ٹرکونل اور آئرلینڈ کے سردار، بادشاہ کی تجویز کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ آئرلینڈ خود باشندگانِ آئرلینڈ کے لئے ہو اور انکی پہلی کارروائی یہ تھی کہ ان انگریزوں کو ملک سے نکال دیں جو ابتک السٹر میں برسرِ مقاومت تھے اور اس ضرورت سے ٹرکونل کی نصف فوج لنڈنڈری کو بھیجدی گئی تھی۔ فراریوں کا بہت بڑا حصہ اسی شہر کی کمزور دیواروں کے پیچھے پناہ گزین تھا۔ حفاظت کے لئے صرف چند پرانی توپیں تھیں اور شہر کے گرد خندق تک موجود نہ تھی لیکن دیواروں کے اندر سات ہزار جانباز انگریزوں کی موجودگی نے اس کمی کی تلافی کردی تھی۔ انہوں نے خود اس شدت کے حملے کئے اور اپنے مخالفین کے حملوں کو اس زور کے ساتھ مسترد کیا کہ بادشاہ کے سپہ سالار ہملٹن کو محاصرے کے بجائے ناکہ بندی کی کارروائی اختیار کرنا پڑی۔ بھوک اور بخار کی وجہ سے پروٹسٹنٹ

لنڈنڈری کا محاصرہ

سڑکوں پر مر رہے تھے مگر پھر بھی ہر طرف سے یہی آواز آتی تھی
کہ " ہم اطاعت نہیں کرینگے " یہ محاصرہ ایکسو پانچ دن تک قائم رہا
اور لنڈنڈری میں صرف دو روز کی خوراک باقی رہگئی تھی کہ
۲۸۔ جولائی کو دریا میں ایک انگریزی جہاز سے توپ کی
آواز سنائی دی اور محاصرین اپنا سامنہ لیکر واپس ہوگئے۔ اِنِسکلین
کے لوگوں نے اس شکست کو تباہی کی صورت میں بدل دیا۔
ایک ولدل کے عقب سے بمقام نیوٹاؤن بٹلر الف لوگوں نے اپنے
سے دونی تعداد کی آئرلینڈی فوج پر حملہ کردیا۔ اس حملے سے
سوار و پیادے سب مضطرب و پریشان ہوگئے اور بہت جلد
ہملٹن کی تمام فوج میں پریشانی پھیل گئی۔ یہ فوج بحالت تباہ
ڈبلن کو واپس آئی جہاں جیمز اپنی ہی طلب کی ہوئی مخبوط الحواس
پارلیمنٹ کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا اس پارلیمنٹ کا ہر ایک
رکن آئرلینڈ اور کیتھولک تھا اور انکا نصب العین صرف یہ تھا
کہ وہ زمینیں واپس لیلی جائیں جو متواتر ضبطیوں کے ذریعے
سے انگریزی نوآبادی کو ملگئی ہیں اور آئرلینڈ صرف اسی ملک
کے باشندوں کے لئے ہو۔ باوجود بادشاہ کی ناپسندیدگی کے
قانون نوآبادی (جس پر جائیدادوں کے حقوق بنی تھے) فوراً
منسوخ کردیا گیا۔ تین ہزار صاحب دولت و ثروت پروٹسٹنٹ
ایک ہی قانون تعزیری میں شامل کردئے گئے۔ دنیا میں اتنا
وسیع مخصوص قانون تعزیری کوئی دوسرا نافذ نہیں ہوا ہوگا۔
باوجودیکہ جیمز نے مذہبی آزادی کا وعدہ کرلیا تھا پھر بھی پروٹسٹنٹ

پادری اپنی جگھوں سے ہٹا دئے گئے۔ ٹرینٹی کالج کے رفقا و طلبہ کالج سے نکال دئے گئے اور فرانس کے ایلچی کاؤنٹ اواکس کی جرأت اتنی بڑھی ہوی تھی کہ اس نے یہ تجویز کی کہ انگریزی فوج کی آمد پر اگر پروٹسٹنٹوں نے بغاوت کی تو جو اضلاع جیمز کی اطاعت میں آچکے ہیں انہیں جو پروٹسٹنٹ باقی ہیں ان سب کو بیدریغ قتل کردیا جائے۔ بادشاہ کی تعریف کرنا چاہئے کہ وہ اس تجویز کے منظور کرنے سے رک گیا۔ اُس نے کہا کہ "مجھسے یہ ظلم نہیں ہوسکتا کہ لوگ امن کے ساتھ میری حکومت میں رہتے ہوں اور میں ان کے گلے کاٹ ڈالوں" جس کا جواب یہ ملا کہ "پرٹسٹنوں پر رحم کرنا کیتھولکوں پر ظلم کرنا ہے"

انگلستان اور انقلاب ولیم بوجہ مجبوری لندنڈری کی طول طویل مصیبت اور نئی آئرلینڈی حکومت کی نفی البلدی و خونریزی کو دیکھتا رہا مگر دم نہ مارسکا۔ ہاؤنسلو کی جمع شدہ فوج کا بہترین حصہ مارلبرا کے ساتھ دریائے سامبر کو بھیجدیا گیا تھا۔ حکومت کی پیش نظر مشکلات کے باعث باقی آدمیوں کا کہیں بھیجنا ممکن نہ تھا۔ لیکن ابتری اور سازش کے باوجود (جسکا ذکر بعد میں ہوگا) انقلاب کے اہم مقاصد پر عام اتفاق اور ان کی طرف سے اطمینان ہوگیا تھا۔ ملکی آزادی کے اہم مسائل پر اب ٹوری اور وہگ یکزبان تھے۔ کانونشن (مجلس عارضی) نے پارلیمنٹ کی حیثیت حاصل کرکے "اعلان حقوق" کو ۱۶۸۹ء میں

"قانون حقوق"

"قانونِ حقوق" میں بدل دیا تھا اور اس قانون کی منظوری سے شاہی کی وہ حیثیت پھر قائم ہوگئی جو خاندان ہائے ٹیوڈر اور اسٹوارٹ کے زمانے میں زائل ہوگئی تھی۔ قوم کا یہ حق مسلم ہوگیا کہ وہ اپنے نائبین کے توسط سے کسی بادشاہ کو معزول کردے، جانشینی کی ترتیب کو بدل دے اور جسے مناسب سمجھے اسے تخت نشین کرے۔ ولیم اور میری کے انتخاب سے حقوقِ ربانی کا دعویٰ، اور قانون سے بالا موروثی استحقاق سب باضابطہ باطل ہوگئے تھے۔ اس زمانے سے انگلستان کے کسی بادشاہ نے ایک خاص قانون پارلیمنٹ کی ایک خاص دفعہ کے علاوہ اور کسی بنا پر تاج و تخت کے متعلق اپنا استحقاق نہیں جتایا ہے۔ ولیم، میری اور این محض قانونِ حقوق کی بنا پر صاحب تاج و تخت ہوئے اور جارج اول اور اس کے جانشین محض "قانون انتظام جانشینی" کی بنا پر تخت نشین ہوتے رہے ہیں۔ انگلستان میں اب بادشاہ اپنے اعلیٰ منصب کے لئے قانون پارلیمنٹ کا ویسا ہی تابع ہے جیسا ملک کا ایک ادنی محصل قانون کے تابع ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف شاہی کی قدیم خصوصیت واپس آگئی بلکہ قدیم نظامِ حکومت بھی دوبارہ قایم ہوگیا۔ تلخ تجربوں نے انگلستان کو یہ سبق دیدیا تھا کہ محصولوں کے متعلق پارلیمنٹ ہی کو قطعی اختیارات حاصل ہونا چاہئے اور اس کے اس اختیار کے بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ آخری دو بادشاہوں کا

اجرائے محصول

طرزِ عمل قوم کے خلاف ہونے میں یہی راز تھا کہ انہیں مأوام الحیات کے محصول پر اختیار دیدیا گیا۔ اس لئے نئے قوانین کی وضع میں پہلا کام یہ ہوا کہ شاہی آمدنی کیلئے صرف چار برس کی میعاد مقرر کردی گئی۔ ولیم کو اس تجویز سے سخت صدمہ ہوا۔ اُس نے کہا کہ "انگلستان کے امرا و شرفا نے شاہ جیمز پر تو اعتماد کیا جو انکے مذہب اور انکے قانون کا دشمن تھا، اور اعتماد نہ کیا تو مجھپر جس نے اُن کے مذہب اور اُن کے قانون کو بچایا ہے" لیکن بادشاہ کے اس غصے سے قانون میں تغیر ہوا تو یہ کہ آئندہ سے اس رقم کے لئے سالانہ منظوری کی شرط لگادی گئی۔ بعد کی ٹوری پارلیمنٹ نے اس میں کسی قدر ترمیم کردی مگر بہت جلد یہی دستور ناقابل ترمیم قاعدہ بنگیا۔ ایک ایسے ہی اہم تغیر نے فوج پر بھی پارلیمنٹ کی نگرانی قائم کردی۔ مستقل فوج کی نسبت کرامویل کے وقت سے جو نفرت پیدا ہوگئی تھی وہ جیمز کے وقت میں بہت بڑھ گئی تھی تاہم براعظم کی لڑائیوں کیوجہ سے فوج کا رکھنا بھی ضروریات میں داخل تھا لیکن اسوقت تک جو فوج رکھی گئی تھی قانوناً اسکا وجود نہیں تسلیم کیا گیا تھا۔ سپاہی کی حیثیت ایک معمولی رعایا کی تھی، خاص فوجی قصوروں کی سزا دہی کا کوئی قانونی ذریعہ نہیں تھا نہ فوجی انضباط کے لئے کوئی قانون موجود تھا۔ "قانون غداری" کے ذریعے سے پارلیمنٹ اور فوج دونوں کی مشکل حل ہوگئی

فوج

فوجی انضباط کے لئے جن اختیارات کی ضرورت تھی، پارلیمنٹ نے وہ اختیارات افسروں کو عطا کردیئے اور فوج کی تنخواہیں ادا کردینے کے احکام نافذ ہوگئے مگر یہ تنخواہ اور یہ اختیارات صرف ایک برس کے لئے منظور ہوئے تھے منظوریٔ رقوم کی طرح "قانون غدّاری" بھی انقلاب کے وقت سے سالانہ منظور ہوتا رہا ہے اور چونکہ سلطنت کا بغیر روپئے کے اور فوج کا بغیر انضباط و تنخواہ کے قائم رہنا ناممکنات سے ہے اس لئے لامحالہ پارلیمنٹ کو سال بسال جمع کرنا پڑتا ہے۔ انگلستان کی تاریخ میں نظام حکومت میں یہ تغیر سب سے بڑا تغیر ہے اور اگرچہ یہ تغیر بالواسطہ ہوا مگر اپنے نتیجے اور اثر میں مکمل رہا۔ لیکن گزشتہ تجربوں سے خود پارلیمنٹ میں پارلیمنٹ جو خطرے محسوس ہوئے ان کے انسداد میں ایسی ہی دانش و تدبیر سے کام نہیں لیا گیا۔ چارلس کے عہد میں انگلستان یہ دیکھ چکا تھا کہ عین ہیجانِ طبع کے موقع پر ایک پارلیمنٹ کا انتخاب ہوگیا اور یہی پارلیمنٹ بغیر جدید انتخاب کے اٹھارہ برس تک قائم رہی۔ ایک "سہ سالہ قانون" (جسکا منشا یہ تھا کہ ہر تیسرے سال پارلیمنٹ کا انتخاب ہوا کرے) نہایت خفیف اختلاف کے ساتھ منظور ہوگیا مگر ولیم کی ناپسندیدگی اور نامنظوری نے اسے بیکار کردیا۔ دارالعوام میں عمال سرکاری کے بھر دینے سے بادشاہ کو جو قوت حاصل ہو جاتی تھی اسکا مقابلہ ذرا سخت ثابت ہوا۔ ایک قانون یہ منظور ہوا کہ

جو لوگ ' انت کی ملازمت میں ہوں وہ پارلیمنٹ میں نہ بیٹھ سکیں مگر دارالامرا نے اپنی دانشمندی سے اس قانون کو نامنظور کردیا۔ اسوقت تک کسی کے ذہن میں یہ نہیں آیا تھا کہ دربار اور سلطنت کے ادنیٰ طبقے کے عمال کو پارلیمنٹ سے خارج کردینا چاہئے مگر اعلیٰ عہدہ داروں کو پارلیمنٹ میں شامل رکھکر انہیں قابو میں رکھنا چاہئے۔ یہ بھی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے کہ "قانونِ حقوق" میں پارلیمنٹ نے فوج اور عام مداخل پر اپنی نگرانی قائم کردی مگر تجارت کے متعلق خاموشی اختیار کرلی اور اسے بالکل بادشاہ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ چند برس بعد جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرمان شاہی پر بحث ہوی اسوقت پارلیمنٹ نے انگلستان کی تجارت کو اپنے قواعد کے تحت میں لانے کا دعویٰ کیا اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہی۔

رواداری اور کلیسا

اس انقلاب کے مذہبی نتائج اس کے سیاسی نتائج سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ عجیب بات تھی کہ مذہب کیتھولک کے مقابلے میں اہل کلیسا اور منحرفین دونوں متفق تھے اور اس سے پروٹسٹنٹوں کے اتحاد عام کی تجاویز کو یک بیک ہردلعزیزی حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن جیمز کے زوال کے ساتھ ہی دونوں گروہوں کا اتفاق دفعتہً ٹوٹ گیا اور اسکاٹ لینڈ میں پرسبٹیرین کلیسا کے قائم ہو جانے اور حکومت اساقفہ کے ماننے والے پادریوں کی بربادی کے باعث پادریوں کو ان علیحدگی اختیار کرنے والوں سے پھر عداوت پیدا ہوگئی۔ مجلس مذہبی

نے رواداروں کی اس تجویز کو نامنظور کردیا کہ کتاب ادعیّہ میں ایسی ترمیم کردیجائے جس سے اتفاق نہ کرنے والے پھر متفق ہوسکیں۔ پارلیمنٹ میں بھی اتحاد عام کا ایک مسودۂ قانون پیش ہوا مگر باوجود بادشاہ کی کوشش کے منظور نہ ہوسکا۔ ولیم نے یہ چاہا کہ "مجلس بلدی کے قانون" میں ایسی ترمیم کردے کہ "علیٰحدگی اختیار کرنے والوں" کو ایک حدتک ملکی مساوات حاصل ہو جائے۔ یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ لیکن

قانونِ رواداری

۱۶۸۹ء میں قانونِ رواداری کے منظور ہو جانے سے عملاً عبادت کی آزادی حاصل ہوگئی۔ وسیع المشربوں کی تجویز میں ناکامی ہونیکا مذہبی اثر جو کچھ بھی ہوا ہو مگر اس کا سیاسی اثر نہایت اہم ہوا۔ انقلاب کے وقت میں کلیسا کو جیسی قوت اور ہردلعزیزی حاصل تھی یہ بات کبھی سابق میں حاصل نہیں ہوی تھی، اگر عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے بھی رضامند ہوجاتے تو اس کی قوت دونی ہوجاتی۔ گزشتہ دوسو برس سے کلیسا کی خصوصیت یہ رہی تھی کہ وہ ہر قسم کے سیاسی تغیر سے متنفّر رہا تھا، پس یہ امر تو مشکوک ہے کہ اگر اسے قوت حاصل ہوجاتی تو اس تنفّر پر اُسکا کیا اثر پڑتا مگر اسقدر یقینی ہے کہ کلیسا نے حکومت کے مخالفین کو جو تقویت دی تھی وہ بے انتہا بڑھ جاتی۔ مگر ہوا یہ کہ قانونِ رواداری نے بہت سی مذہبی جماعتیں پیدا کردیں جنکی مذہبی مخالفت کے باعث کلیسا کو مجبور ہونا پڑا کہ ترقی کی جن کارروائیوں کے وہ

مخالف تھا اُن کی تائید کرے۔ مذہبی قوتوں کے کبھی ایک جانب اور کبھی دوسری جانب ہونے کی وجہ سے انگلستان اس مصیبت سے بچ نکلا جس نے ان سب قوتوں کو تباہ کردیا تھا جنھوں نے سیاسی تغیر و انقلاب کو مذہب کے ساتھ ملا لیا تھا۔ کلیسا کے اندرونی اختلافات نے اس کی قوت کو اور بھی کمزور کردیا تھا۔ پادری اگرچہ اپنے بے چون وچرا اطاعت کے اصول کو مجبوراً ترک کرچکے تھے مگر بادشاہ کے حقوق ربانی کا خیال ابھی تک ان کے دلوں میں سختی کے ساتھ جاگزیں تھا۔ اور جب سرکاری عہدہ داروں سے نئے تاجداروں کے لئے حلف اطاعت اٹھانے کو کہا گیا تو قریب قریب تمام ہی پادریوں نے اسے ایک ناقابل برداشت ظلم خیال کیا۔ کینٹربری کے اسقفِ اعظم سینکرافٹ اور اُس کے ساتھ چند مقتدایان دین اور اعلیٰ عہدہ دارانِ مذہبی کی ایک کثیر تعداد نے اس قسم کا حلف اُٹھانے سے قطعاً انکار کردیا اور جن لوگوں نے حلف اٹھائے انھیں تفرقہ انداز قرار دیا۔ پارلیمنٹ نے جب ایک قانون بناکر ان لوگوں کو ان کی جگہوں سے معزول کردیا تو یہ لوگ اپنے ہی کو اصل کلیسائے انگلستان کا رکن قرار دیتے رہے اور نان جورر (منکران حلف وفاداری) کے نام سے مشہور ہوئے۔ پادریوں کے زیادہ حصّے نے اگرچہ ضرورت سے مجبور ہوکر سر جھکا دیا تھا مگر نئی حکومت سے وہ سخت مکدّر ہوگئے تھے اور جب انھیں

منکرانِ حلفِ وفاداری

یہ معلوم ہوا کہ حکومت اس ذریعہ سے کلیسا پر پارلیمنٹ کی فوقیت ثابت کرنا اور اپنے قانون کی رو سے اساقفہ کو معزول کرنا چاہتی ہے تو ان کی نفرت بے انتہا بڑھ گئی۔ نئے مقتدایان دین میں کینٹربری کا اسقف اعظم ٹلٹسن اور سالسبری کا اسقف برنٹ وغیرہ ذی علم اور پرہیزگار لوگوں میں تھے مگر پادریوں کے طبقے میں صرف وہگوں اور وسیع المشربوں ہی کے اندر ولیم اور اس کے جانشینوں کے سچے دوست ملسکتے تھے اور اس لئے مجبوراً کلیسا کے اعلیٰ عہدے انھیں لوگوں کو دینا پڑے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کے اعلیٰ عہدہ داروں اور عام پادریوں میں تفرقہ پڑگیا اور کلیسا کی قوت ٹوٹ گئی اور جارج سوم کے وقت تک ان کی تمام جنگ وجدل اپنے ہی طبقے کے اندر محدود رہی۔ لیکن جس کارروائی سے یہ تفرقہ پڑا تھا اس کی ناگواری نے ولیم کے لئے مشکلات پیدا کردیئے۔

ایکٹ آف گریس (قانون اعلان عفو عام)

لیکن اس کی پارلیمنٹ کے انداز و اطوار سے اور بھی زیادہ مشکلات پیش آگئے۔ دار العوام کے ارکان میں وہگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اُن کی پہلی کوشش یہ تھی کہ دو سابقہ دور حکومت میں اس فریق کو جو نقصانات پہنچے ہیں اُن کی تلافی کیجائے۔ لارڈ رسل کے مخصوص قانونِ تعزیری کا حکم منسوخ کردیا گیا۔ سڈنی، کارنش، اور ایلس لائل کے خلاف احکام خارج کردئے گئے۔ ٹائٹس اوٹس کی نسبت ججوں نے یہ رائے دی تھی کہ اُس کی سزا قانون کے خلاف ہے، اس پر بھی دارالامرا نے

اس کی سزا کے منسوخ کرنے سے انکار کردیا تھا، اب اسے
بھی معافی اور وظیفہ عطا کردیا گیا۔ مگر وہگ صرف ان زیادتیوں
کی تلافی ہی پر قناعت نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ اسکے
ساتھ ہی زیادتی کرنے والوں کو بھی سزا دینا چاہتے تھے۔
اصل یہ ہے کہ محض جیمز کے مظالم کے باعث وہگ اور ٹوری
آپس میں متفق ہوگئے تھے اور دونوں فرقوں نے انقلاب پیدا
کردیا تھا، اور ولیم نے اپنی پہلی وزارت میں دونوں کے
سرگروہوں کو شامل کرکے اس اتحاد کو زیادہ مدت تک قائم
رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک ٹوری ارل ڈینبی کو صدر اعظم
مقرر کیا، ایک وہگ شروسبری کو وزیر خارجہ بنایا اور سلطنت کی
مہر لارڈ ہیلیفیکس کے سپرد کی جو دونوں فریقوں میں بین بین سیاسی مشکلات
تھا۔ لیکن مشترک مصیبت یا مشترک خطرے کے علاوہ اور وقتوں
میں انکا اتحادِ باہمی غیر ممکن تھا۔ وہگ یہ شور مچا رہے تھے
کہ چارلس اور جیمز کے افعال خلافِ قانون میں جن ٹوریوں
نے شرکت کی ہے انہیں سزا دیجائے اور ولیم نے عام معافی
کے لئے جو مسودۂ قانون پیش کیا تھا اس کی منظوری سے ان
لوگوں نے انکار کردیا۔ ادھر ولیم اپنی جگہ اس خیال پر جما ہوا تھا
کہ جن انقلابی حالات کے اندر وہ تخت نشین ہوا ہے ان کے
بعد کسی قسم کی خونریزی یا ظلم و زیادتی نہ ہونا چاہئے۔ وہ طبعاً
جور و تشدد کو ناپسند کرتا تھا۔ اسے ان دونوں متخاصم فریقوں
میں سے کسی ایک کے ساتھ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں تھی اور

سب سے بڑھکر یہ کہ وہ ان اندرونی مناقشات کو جنگ کی کارروائیوں کے لئے مضر سمجھتا تھا۔ وہ اپنی نئی سلطنت کی ضروریات کے باعث انگلستان میں رکا ہوا تھا اور براعظم کے جس اتحاد کا وہ روح وروان تھا وہ فرانس کی سریع ومستحکم نقل وحرکت کے مقابلے میں بہت سست وکمزور ثابت ہوتا جاتا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ لیوئس کی فوجیں اپنے حدود کے اندر واپس ہوگئی تھیں مگر اس حدود کے اندر انھوں نے بہت مضبوطی سے قدم جمائے تھے۔ انگریزی اور ہالینڈی بیڑوں کے متحد ہو جانے سے بھی سمندر پر پورے غلبہ کا یقین نہیں تھا۔ انگلستان کے ملازمانِ سرکاری میں رشوت کا بازار گرم تھا پس کچھ تو اسوجہ سے اور کچھ اپنے امیرالبحر کی سستی وناقابلیت کے باعث انگریزی بیڑے کا عدم و وجود برابر ہوگیا تھا۔ انقلاب کے موقع پہ امیرالبحر ہربرٹ نے جو خدمات انجام دئے تھے اُس کے صلے میں وہ ٹارنگٹن کا ارل اور بیڑے کا امیرالبحر بنا دیا گیا تھا۔ مگر وہ ایسا سست تھا کہ اہل فرانس کے جہازوں نے تمام سمندر کو تہ وبالا کردیا اور جب فرانس کے سرکاری بیڑے کے ایک حصے سے خلیج بینٹری میں اسکا مقابلہ ہوا تو اس جنگ کے سبے نتیجہ رہنے سے اُس کی عدم قابلیت ظاہر ہوگئی۔ اس اثنا میں لیوئس ہمہ تن اُس کوشش میں مستغرق تھا کہ دوبار کو اپنے قابو میں کرلے۔ فرانس کے جہاز سازی کے کارخانے برابر نئے جہاز تیار کرتے جاتے تھے، اور بحیرۂ روم کے بڑے بڑے جہازات بھی برسٹ کے بیڑے کو تقویت دینے کے لئے طلب کرلئے گئے تھے۔

اگر انگلستان کے ساحل پر فرانسیسوں کو فتح حاصل ہو جاتی تو اس سے سخت سیاسی خطرات پیش آجاتے کیونکہ اسباب ایسے جمع ہوگئے تھے کہ عام خیال جیمز کی طرفداری کیطرف مائل ہوتا جاتا تھا۔ جنگ کا دباؤ بڑھتا جاتا تھا، محصول میں زیادتی ہوتی جاتی تھی "نان جورر" (منکران حلف وفاداری) کلیسا سے خارج کردئے گئے تھے۔ پادریوں میں بددلی پیدا ہوگئی تھی، ظفرمند وہگوں کے جوش انتقام کے باعث ٹوریوں میں اضطراب برپا تھا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ خود جیمز آئرلینڈ میں موجود تھا۔ جیکوبائٹ (حامیانِ جیمز) کے نام سے ایک نیا فریق پیدا ہوتا جاتا تھا۔ اور اندیشہ یہ تھا کہ حامیان جیمز کی شورش کے ساتھ ہی فرانسیسی بیڑہ ساحل پر حملہ کردیگا۔ اس صورت حالات میں ولیم کی رائے بالکل صحیح تھی کہ اگر اس نے وہگوں کے جوش انتقام کا ساتھ دیا تو اس کا کام خراب ہوجائیگا۔

فریق جیکوبائٹ

پس ولیم نے اس پارلیمنٹ کو برطرف کردیا جس نے گزشتہ سیاسی قصوروں کے لئے معافی کے قانون کو نامنظور کردیا تھا اور اس کے بجائے مارچ میں ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی۔ اس انتخاب سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اس نے جو کچھ کیا تھا وہ قوم کے عام خیال کے موافق تھا۔ قصبات نے اسوجہ سے وہگوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا کہ ان لوگوں نے معافی عامہ کے منظور کرنے سے انکار کردیا تھا اور اس کوشش میں تھے کہ مجلس ہائے بلدی کو خاص اپنے فریق کے اثر میں کریں۔ صوبہ جات کی کیفیت یہ تھی کہ لوگوں کو پادری اپنے ساتھ لیجاکر وہگوں کے خلاف رائے دلواتے

۱۶۹۰

تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جدید پارلیمنٹ میں ٹوری ارکان بکثرت داخل ہوگئے۔ ولیم کے مشیروں میں جن تند مزاج وہگوں نے استعفے دئے ولیم نے انھیں بے تامل منظور کرلیا اور مہام سلطنت ڈینبی کے سپرد کردی۔ مئی کے مہینے میں دونوں ایوان ہائے پارلیمنٹ نے "قانون الطاف و اکرام" کو منظور کرلیا۔ اسطرح یکایک رخ بدل دینے سے بادشاہ کی غرض صرف یہی نہ تھی کہ وہ قوم کے خیال کو پورا کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ کچھ دیر کے لئے انگلستان کے تنازعات میں سکون پیدا کرنے کا خواہاں تھا تاکہ اُسے آئرلینڈ کی بغاوت کی سرکوبی کا موقع مل سکے۔ جیمز جبتک ڈبلن میں بادشاہ بنا ہوا تھا اسوقت تک انگلستان میں غداری کے فنا ہونے کی توقع بیکار تھی۔ یہ خطرہ اسقدر شدید ہوتا جاتا تھا اور صورت حالات اسقدر نازک ہوگئی تھی کہ اس کام کو کما ینبغی انجام دینے کے لئے ولیم اپنے سوا کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا

جنگ بوائن

ڈیوک شومبرگ، ایک جلاوطن ہیوگیناٹ تھا اور ولیم کے ساتھ انگلستان آیا تھا۔ اسے ایک مختصر فوج دیکر ۱۶۸۹ء کے موسم خزاں میں السٹر بھیجا گیا مگر اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ آئرلینڈ میں نیا جوش پیدا ہوگیا۔ فوج میں سپاہیوں کا ہجوم ہوگیا اور جیمز بمقام ڈروجیڈا، ڈیوک سے دو چند فوج کے ساتھ اس سے مقابل ہوا۔ شومبرگ کی فوج میں بالکل نئے آدمی بھرے ہوئے تھے اور تناسب تعداد کی نظر سے ان آدمیوں پر یہ اعتماد نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ میدان میں ٹھہر سکینگے اس لئے ڈیوک بمقام

ڈنڈاک خندق کھود کر قلعہ بند ہوگیا۔وبا کیوجہ سے اس کے نصف آدمی ضائع ہوگئے یہانتک کہ موسم سرما کے آجانے سے دونوں فوجیں ہٹ گئیں۔جیمز کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا تھا، آیندہ چھ ماہ میں اس نے (بجائے چاندی کے) تانبے کا سکہ بناکر اپنا خزانہ بھرنا چاہا اور اس کے سپاہی محض لوٹ مار پر بسر کرتے رہے۔ ادھر رودبار کی دوسری جانب ولیم سخت کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح آئرلینڈ کی جنگ کو ختم کردے۔ موسم سرما میں شومبرگ کو سپاہ و سامان سے مدد پہنچائی گئی اور موسم بہار تک اسکی فوج کی تعداد تیس ہزار آدمیوں تک پہنچ گئی۔لیوئس بھی اس آنے والی جنگ کی اہمیت سے غافل نہیں تھا اس نے کاؤنٹ لوزین کے تحت میں سات ہزار منتخب فرانسیسیوں کو جیمز کی اعانت کے لئے روانہ کردیا۔یہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ ولیم بذات خاص کیرگ فرگس میں جا اترا اور جلد جلد جنوب کیطرف بڑھنا شروع کردیا۔آئرلینڈ کی فوجیں بہت جلد نظر آگئیں اور ولیم مضبوطی کے ساتھ دریائے بوائن کے عقب میں جم گیا۔ جوش مسرت میں بیساختہ اس کی زبان سے "نکلا کہ صاحبو! میں تمہیں دیکھکر بہت خوش ہوا اور اگر اب تم میرے ہاتھ سے بچ نکلے تو یہ میرا ہی قصور ہوگا" دوسرے روز علی الصباح تمام انگریزی فوج دریا میں کود پڑی۔آئرلینڈ کی فوج کے پیدل دفعتہً گھبرا کر منتشر ہوگئے۔ مگر سواروں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ شومبرگ اس حملے کے روکنے میں کام آیا اور کچھ دیر کیلئے انگریزی

ا۔جولائی ۱۶۹۰ء

فوج کا قلب آگے بڑھنے سے رک گیا۔ لیکن جب ولیم نے بیسرے کی فوج کو لیکر حملہ کیا تو جنگ کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ جیمز ولیم کے ساتھ برابر کا مقابلہ کرنے کے بجائے ہمہ وقت یہ کوشش کر رہا تھا کہ اپنی فوج کو ہٹا لیجائے، اور جب اسکی فوج شکست کھاکر ڈبلن کی طرف پلٹی تو اس نے فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور بعزم فرانس کنیسیل میں جہاز پر سوار ہوگیا۔ یہ شکستہ فوج اگرچہ ولیم کے تعاقب کے باعث دارالسلطنت کو چھوڑ دینے پر مجبور ہوی مگر جنگ کے لئے وہ اب بھی آمادہ تھی۔ اپنے اسٹوارٹ بادشاہ کی نالایقی کو اُس کے ہمراہی بھی نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ ایک انگریز نے ایک آئرلینڈی افسر کو بوائن کی ہزیمت پر طعنہ دیا تو اس نے جواب میں کہا کہ "ہمسے بادشاہ بدل لو اور ہم پھر تم سے لڑنے کے لئے تیار ہیں" اہل آئرلینڈ بادشاہ کے بغیر اور اچھی طرح پر لڑے۔ اس ہزیمت یافتہ فوج نے جب لمرک کی دیواروں کے عقب میں مدافعانہ کارروائی اختیار کی تو فرانیسی حقارت کے ساتھ اس سے الگ ہو گئے۔ لوزین نے طنزاً کہا کہ "تم اسے دمدمہ کہتے ہو اس کے گرانے کے لئے انگریزوں کو توپ کی ضرورت نہیں ہو گی۔ سڑے ہوئے سیبوں سے وہ اسے مسمار کردینگے" اس پر بھی بیس ہزار آدمی سارسفیلڈ کے تحت میں وہاں قدم جمائے رہے۔ سارسفیلڈ ایک دلیر و صاحبِ تدبیر شخص تھا، اُس نے انگلستان اور دوسرے ممالک میں خدمات انجام دئے تھے، اس نے نہایت جرأت

آئرلینڈ کی جنگ

کے ساتھ انگریزوں کے سامانِ جنگ کی گاڑیوں کو اچانک لوٹ لیا، اور شہر کو فتح کرنے کے لئے جو شدید حملے کئے گئے انہیں پسپا کر دیا۔ اس اثنا میں موسم سرما آگیا اور ولیم نے محاصرہ اُٹھا لیا دیگر ممالک کی رفتار جنگ کے باعث اسے انگلستان کو واپس جانا پڑا مگر وہ اپنا کام ایک ایسے شخص کے سپرد کر گیا جو خاموشی کے ساتھ اپنے فن جنگ کے کمال کو ثابت کر رہا تھا۔ یہ شخص چرچل یعنی ارل مالبرا تھا۔ جنوب آئرلینڈ میں فوج کا جو حصہ اترا تھا اس کی سپہ سالاری کے لئے یہ فلینڈرز سے بلایا گیا تھا۔ موسم سرما کی آمد اور اس کی وجہ سے فوجی کارروائیوں کے معلّق ہو جانے میں صرف چند دن باقی رہ گئے تھے مگر ان چند دنوں سے بھی اس نے بڑا کام نکالا۔ شہر کارک جس کی دیواروں کے اندر پانچ ہزار سپاہ موجود تھی، اڑتالیس گھنٹے میں فتح ہو گیا۔ اس کے چند روز بعد کینسیل کا بھی یہی حال ہوا، مگر موسم سرما کے باعث کناٹ اور منسٹر کا بیشتر حصہ اہل آئرلینڈ کے ہاتھ میں باقی رہ گیا۔ فرانسیسی فوج کو خراش تک نہیں لگی تھی اور روپئے اور سامان حرب کے ساتھ ایک نئے فرانسیسی سپہ سالار سنت روتھ کے آجانے سے باغیوں کی ہمت بڑھ گئی لیکن ۱۶۹۱ء کے موسم بہار کے شروع ہوتے ہی نئے انگریزی سپہ سالار جنکل نے ایتھلون پر قبضہ کر لیا اور اسی وجہ سے متحدہ فرانسیسی اور آئرش فوج کو مقام آگرِم میں جنگ پر مجبور ہونا پڑا۔ سنت روتھ میدانِ جنگ میں کام آیا اور اس کی فوج بالکل

منتشر ہوگئی۔اس شکست کے بعد صرف لمرک بغاوت پر اڑا رہا۔سارسفیلڈ تک کو بمجبوری اطاعت قبول کرنا پڑی اور آئرلینڈ اور انگلستان کے سپہ سالاروں کے مابین دو عہدنامہ لکھے گئے۔پہلے معاہدے کی روسے یہ طے پایا کہ آئرلینڈ کے کیتھولکوں کو اپنے مذہب کی ادائی فرائض میں وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو قانون کے موافق ہوں یا جنہیں وہ چارلس دوم کے عہد میں کار بند رہ چکے ہوں۔بادشاہ کی طرف سے یہ بھی اقرار کیا گیا کہ جسقدر جلد ممکن ہوگا پارلیمنٹ طلب کیجائے گی اور نیک چلن رومن کیتھولکوں کے لئے بربنائے مذہب کسی قسم کی دشواری و زحمت باقی نہیں رہے گی۔فوجی معاہدے کی روسے یہ قرار پایا تھا کہ سارسفیلڈ کی فوج کے جو سپاہی اس کے ساتھ فرانس کو جانا چاہیں وہ جا سکتے ہیں اور اس کے دس ہزار سپاہیوں یا یوں کہئے کہ اسکی ساری فوج نے ایک ایسے ملک میں رہنے کی بہ نسبت جہاں کسی قسم کی قومی آزادی کی امید نہو ملک سے چلے جانے کو زیادہ بہتر سمجھا۔انکی روانگی کے وقت جو عورتیں جمع ہوگئی تھیں جب اُن کے نالہ و فغان کی آواز موقوف ہوی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آئرلینڈ پر موت کی خاموشی طاری ہوگئی ہے۔سو برس تک ملک میں خاموشی رہی مگر یہ خاموشی مایوسی کی خاموشی تھی۔جن لوگوں نے ٹرکونل کے شریک ہوکر بغاوت کی تھی ان سے قانون کے پردے میں ایسا سخت انتقام لیا گیا کہ کبھی کسی قوم پر ایسا ظلم نہ ہوا ہوگا۔سوئفٹ نے ناگوار الفاظ میں حقارت کے ساتھ لکھا ہے کہ مفتوح قوم اپنے فاتحین کے لئے

"لکڑیاں چیرتی اور پانی بھرتی تھی" یعنی قوم کو غلام بنا لیا تھا، یہ نیم غلام اپنی اپنی جگہ پر برابر شورشیں کرتے رہتے اور انگریز نوآبادوں کو ہمیشہ انکی طرف سے خوف لگا رہتا تھا۔ مگر قومی بغاوت کا کسی کو خواب و خیال بھی نہیں تھا، اور فرانس کے انقلاب کے وقت تک آئرلینڈ کی طرف سے انگلستان کو کسی قسم کا سیاسی خطرہ باقی نہیں رہا۔

حامیان جیمز کی سازشیں

آئرلینڈ کی یہ کشمکش اگرچہ تھوڑے ہی زمانے تک رہی مگر لیوئس کو اس سے خاطر خواہ فائدہ ہوگیا کیونکہ جس زمانے میں ولیم جنگ بوائن میں مشغول تھا اسی زمانے میں فرانس کی مسلسل کامیابیوں سے اس کی کھوئی ہوئی عظمت، وقت پھر بحال ہوتی جاتی تھی۔ فلینڈرز میں ڈیوک لکسمبرگ نے فلیورپوس پر فتح حاصل کرلی تھی، مارشل کاٹینا نے ڈیوک سیوائے کو اطالیہ میں شکست دیدی تھی، سمندر پر ایک اس سے بھی زیادہ اہم فتح نے کچھ دنوں کے لئے خود ولیم کے تخت کو خطرے میں ڈال دیا تھا، مگر سمندر کی یہ فتح فرانس کے لئے آخری فتح تھی۔ حامیان جیمز بغاوت برپا کردینے کے لئے صرف اس امر کے منتظر تھے کہ فرانس کا بیڑہ سمندر میں آجائے، پس ایسے موقع پر ولیم کا انگلستان کو چھوڑ کر جیمز کے مقابلے میں، آئرلینڈ کو جانا ایک ایسی جرأت کا کام تھا کہ خود ولیم سے بھی یہ طمانیت و جرأت کسی دوسرے موقع پر ظاہر نہیں ہوی تھی۔ درحقیقت اس کے روانہ ہوتے ہی فرانسیسی امیرالبحر ٹورویل پر روانہ ہوگیا اور اسے سخت حکم دیدیا گیا کہ جنگ میں کوتاہی نہ کرے۔ انگریزی اور ہالینڈی بیڑے بمقام بیچی ہیڈ اس کے مقابل

ہوئے اور بیڑے کے ہالینڈی حصّے نے فوراً جنگ شروع کردی۔ فریق مخالف کے جہازوں کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ تھی مگر ہربرٹ کی مدد کی امید میں اہل ہالینڈ استقامت کے ساتھ لڑتے رہے لیکن ہربرٹ بزدلی خواہ غدّاری کے باعث خاموش تماشا دیکھتا رہا اور اس کے حلیف پامال ہوتے رہے۔ رات ہونے پر وہ بہ خیال حفاظت اپنے جہازات کو لیکر ٹیمز میں چلا آیا۔ اس سے جیسی سخت دقت ہوئی وہ خود ظاہر ہے مگر خطرہ بھی کسیطرح کم نہ تھا۔ اس فتح کے باعث ٹوروِیل رودبار کا مالک ہوگیا اور ساحل ڈیون کے سامنے آجانے سے حامیانِ جیمز کو بغاوت کی ہمت پیدا ہوئی۔ ٹوریوں اور نان جورز (منکران حلف وفاداری) کو ولیم سے کیسی ہی کچھ نفرت کیوں نہ رہی ہو، مگر فرانسیسیوں کے ساحل پر اترتے ہی نفرت کے تمام خیالات جاتے رہے۔ فرانسیسی ملاحوں کے ٹینمتھ میں آگ لگا دینے کے باعث ساحل کے تمام لوگ بلا تفریق مسلح ہوگئے اور بوائن کی خبر نے جیمز کی طرفداری میں بغاوت کے خیال کو بالکل باطل کردیا۔ لوگوں کو بالطبع اس کام سے نفرت پیدا ہوگئی جسمیں غیر ملک سے امداد کی توقع کی گئی تھی اور اسوجہ سے فی الوقت انگلستان میں ولیم کو نئی قوت حاصل ہوگئی مگر "اتحاد اعظم" کو ابھی بڑی دقتوں کا سامنا درپیش تھا۔ یورپ میں ولیم کے موجود ہونے کی اسقدر سخت ضرورت تھی کہ وہ (حسب تصریح بالا) ۱۶۹۱ء کے موسم بہار میں آئرلینڈ کے کام کو ناتمام چھوڑ کر فلینڈرز کو روانہ ہوگیا۔ ہنری ہشتم کے بعد سے

پہلا موقع تھا کہ انگلستان کے کسی بادشاہ نے انگریزی فوج کے ساتھ براعظم پر قدم رکھا ہو لیکن حلیفوں کی سست روش نے پھر ولیم کی امیدوں کو خاک میں ملادیا۔ ایک لاکھ فرانسیسیوں نے یکایک ندرلینڈ کے سب سے زیادہ مستحکم قلعۂ مانس پر حملہ کرکے لیوئس کی موجودگی میں اس پر قبضہ کرلیا اور ولیم ایک مختصر سی فوج لئے ہوئے دیکھتا ہی رہگیا۔ اس سے ولیم کو ایسی سخت ذلت نصیب ہوی کہ یہ معلوم ہونے لگا کہ اب اسکے اقبال کا خاتمہ ہے انگلستان میں اس ضرب کا اثر سب جگہوں سے زیادہ محسوس ہوا ٹورویل کے حملے سے جو عام غصہ پیدا ہوگیا تھا اس سے حامیان جیمز کی امیدیں ٹوٹ گئی تھیں مگر اب ان میں پھر نئی جان آگئی لارڈ کلیرنڈن اور لارڈ ڈارٹمتھ کے ایسے سربرآوردہ ٹوریوں نے جیمز سے مراسلت شروع کردی۔ اس کے ساتھ ہی بعض سربرآوردہ وہگوں نے بھی (جنکا سرگروہ ارل شروسبری تھا) بزعم خود ولیم کی ناشکر گزاری سے برافروختہ ہوکر یہی روش اختیار کی۔ معاملات کی اس صورتِ حال سے لارڈ مالبرا کے دلمیں دہری غدّاری کا خیال پیدا ہوگیا۔ اسکی خواہش یہ تھی کہ بغاوت کے ذریعہ سے ولیم تو تخت سے اتار دیا جائے مگر جیمز بھی تخت نشین نہ کیا جائے بلکہ اسکی لڑکی آین کو ملکہ بنا دیں آین کو مارلبرا کی بیوی سے بہت الفت تھی اور اسوجہ سے مارلبرا کو یہ توقع تھی کہ زمام حکومت اس کے ہاتھ میں آجائے گی ٹورنگٹن کے بجائے اب ایڈمرل

انگلستان میں سازشیں

رسل بیڑے کا اعلیٰ افسر مقرر ہوگیا تھا، اسکی غداری سے اور بھی زیادہ خطرہ تھا جیمز اپنے تخت کے واپس لینے کے لئے دوبارہ کوشش کرنے کا عزم بالجزم کئے ہوئے تھا اور لیوئس اسکی پشت پناہی پر آمادہ تھا۔ اس کے راستے میں صرف ایک دشواری حائل تھی اور اگر رسل اپنے ادائے فرض میں قصور کرتا تو یہ دشواری بھی رفع ہو جاتی اوائل ۱۶۹۲ء میں تیس ہزار سپاہ ساحل انگلستان پر حملہ کرنے کے لئے نارمنڈی میں تیار تھی۔ اس کے لئے باربرداری کے جہازات مہیا ہوگئے تھے اور ٹورویل کو حکم دیا گیا تھا کہ برسٹ کے فرانسیسی بیڑے کو لیکر اسکی حفاظت کرے۔ رسل کے پاس اگرچہ اپنے حریف سے دوچند جہازات تھے مگر اس کی نسبت ولیم کے ساتھ دغا کرجانے کا خیال اسقدر قوی تھا کہ لیوئس نے ٹورویل کو حکم دیدیا تھا کہ حالات کیسے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں، وہ متحدہ بیڑے سے جنگ کرنے میں تامل نکرے اپنی سازشوں سے رسل کا مقصد جوکچھ بھی رہا ہو مگر ہربرٹ نہیں تھا جن حامیان جیمز نے اس سے مراسلت کی تھی انہیں اس نے متنبہ کردیا تھا کہ " یہ خیال نہ کرنا کہ میں اس امر کا روادار ہونگا کہ ہمارے ہی سمندر میں فرانسیسی ہمپر غالب آجائیں۔ اگر میرا انکا مقابلہ ہوگیا تو اگر خود شاہ جیمز اگر بہ نفس نفیس جہاز پہ موجود ہوگا تب بھی میں جنگ سے باز نہیں آؤنگا " جب ہارفلر کی بلندیوں کے سامنے متحدہ بیڑہ فرانسیسی بیڑے کے سامنے آیا تو رسل نے اس پر

بہت شدید حملے کرکے اپنے قول کو سچا کر دکھایا۔ ٹوروِیل کے پچاس جہاز حلیفوں کے نوّے جہازوں کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے پانچ گھنٹے کی دلیرانہ نبرد آزمائی کے بعد فرانسیسی جہازوں کو کاٹنٹن کے پہاڑی ساحل کیطرف بھاگنا پڑا۔ ان کے بائیس جہاز سنٹ مالو میں پہنچ گئے، تیرہ جہاز ٹوروِیل کے ساتھ شربور اور لاہوگ کی خلیجوں میں لنگر انداز ہوگئے مگر ان کے تعاقب کرنے والے بھی بہت جلد وہاں پہنچ گئے اور انگریزی کشتیوں سے دلیرانہ حملے کرکے فرانسیسی فوج کی آنکھوں کے سامنے ان جہازوں کو جلانا شروع کردیا حملہ کا تمام خطرہ فوراً ہی رفع ہوگیا۔ اس حملے کے بھروسے پر انگلستان میں حامیان جیمز نے جو سازشیں کی تھیں انکا بھی پتہ چلاکر انہیں دبادیا اور ولیم کا تخت ہر طرح پر محفوظ ہوگیا لیکن حامیان جیمز کی امیدوں کا خاتمہ، فتح لاہوگ کا ادنی ترین نتیجہ تھا اسوقت حالات جنگ کی تبدیلی سے فرانس کا شمار اعلیٰ درجہ کی بحری طاقتوں سے خارج ہوگیا کیونکہ اگرچہ اس کے بیڑے کی سابقہ قوت بہت جلد بحال کردیگئی مگر اس کے ملاحوں کو اپنی قوت پر اعتماد نہیں رہا اور ٹوروِیل کو پھر کبھی یہ جرأت نہ ہوی کہ وہ بحری جنگ میں قسمت آزمائی کرتا علاوہ بریں "اتحاد اعظم" کو ایک اور نئی امید کی جھلک نظر آنے لگی۔ فرانس کی فتحمندی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اگرچہ نامیور نے لیوئس کی اطاعت قبول کرلی اور ڈیوک لکسمبرگ نے انشٹائن کرک میں ولیم پر فتح حاصل کرکے فرانسیسی فوج کی

۱۶۹۲ شہرت کو قائم رکھا۔ لیکن یہ جنگ محض بیکار کی خونریزی تھی۔ فاتحین کے بھی اسیقدر آدمی ضائع ہوئے جسقدر مفتوحین کے ضائع ہوئے تھے۔ اپنی کوششوں کے بیکار جانے سے فرانس میں بددلی اور اضمحلال پیدا ہوگیا تھا۔ عوام کی مصیبتیں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ فے نلون نے صاف طور پر لیوئس کو لکھا تھا کہ "ملک ایک وسیع اسپتال بن گیا ہے" ۱۶۹۳ء میں لیوئس کی مہم ندرلینڈز بھی بے نتیجہ ثابت ہوی اور لکسمبرگ نے بمشکل تمام نیروندن میں ولیم کے شدید حملے کو پسپا کیا۔ اپنی کامیاب زندگی کے اس طولانی زمانے میں لیوئس کو اب پہلی مرتبہ اپنے غرور کا سرنیچا کرنا پڑا اور اس نے اپنے فتوحات کو ترک کرکے صلح کی خواہش کی۔ اور اگرچہ یہ کارروائی بھی نخوت سے خالی نہیں تھی مگر اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اب فرانس کے بڑھے ہوئے حوصلوں کا خاتمہ ہوگیا ہے اور "مخالفہ اعظم" کا کام انجام کو پہنچ گیا ہے۔

انگلستان کی پہلی وزارت ظاہرا ۱۶۸۸ء کے انقلاب کا مآل کار صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان کی بادشاہت جیمز کے ہاتھوں سے نکلکر ولیم اور میری کو ملگئی ہے، لیکن فی الحقیقت اس انقلاب سے اس عظیم الشان آئینی تحریک میں ایک زبردست وقطعی زور پیدا ہوگیا تھا جو کہ اقتدار شاہی کو بادشاہ سے نکالکر دارالعوام کی طرف منتقل کرتی جارہی تھی۔ جسوقت "قانون حقوق" کے ذریعے سے یہ طے ہوا کہ رعایا پر محصول عاید کرنے کا اختیار

صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہے اور پارلیمنٹ نے اپنے عزم و استقلال
سے یہ طریقہ رائج کردیا کہ بادشاہ کے لئے رقوم کی منظوری
صرف ایک ایک سال کے لئے ہوا کرے گی، اسیوقت سے
دارالعوام کو ملک میں سب سے اعلیٰ قوت حاصل ہوگئی تھی۔
اب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس دائماً ملتوی
رکھا جائے بلکہ ایک مدت کے بعد یہ بھی ناممکن ہوگیا کہ پارلیمنٹ
کی رائے سے مخالفت کیجائے کیونکہ ان دونوں صورتوں کا
نتیجہ یہ ہوتا کہ حکومت کے پاس روپیہ مطلق نہ رہتا، تمام برّی
و بحری فوج شکستہ ہو جاتی اور جملہ سرکاری ملازمین بیکار ہوجاتے
یہ آئینی تغیر اگرچہ مکمل ہوگیا تھا مگر حکومت کی کل ہنوز اسطرح
درست نہیں ہوی تھی کہ ان مبدل شدہ سیاسی حالات کے
موافق ہوسکے۔ دارالعوام کی رائے کیسی ہی زوردار کیوں نہو
مگر اس کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا کہ اس رائے
کا اثر براہ راست معاملات عامہ پر پڑ سکے۔ جن وزراء کے ہاتھوں
میں کام کا انصرام تھا وہ پارلیمنٹ کے نہیں بلکہ بادشاہ کے ملازم
تھے۔ اپنے کام کے لئے ان کی نظر بادشاہ کی ہدایت کیطرف
رہتی تھی اور وہ اپنے کو بادشاہ ہی کا ذمےدار سمجھتے تھے۔
دارالعوام صرف مقدمہ چلانے یا اور کسی دوسرے بالواسطہ طریقے
سے بادشاہ کو مجبور کرسکتا تھا کہ جس وزیر نے دارالعوام کی
رائے کے خلاف کیا ہے اسے برطرف کردیا جائے مگر [illegible]
طور پر انہیں یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ اس معزول وزیر

دارالعوام کے اقتدار شاہی

کے بجائے کسی ایسے مدبر کو مقرر کریں جو اس کی رائے پر کاربند ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعوام کا انداز بتدریج ایسا ہوگیا جس سے ولیم اور اس کے وزرا بالکل مایوس ہوگئے۔ جن جماعتوں کو اپنے اختیار کا تو احساس ہوتا ہے مگر اس احساس کے ساتھ اس اختیار کے عملی مشکلات اور اخلاقی ذمے داریوں کا احساس نہیں ہوتا ان میں جس قسم کی خرابیاں، غلبہ واقتدار کا شوق، عزم کی کمزوری اور اختلافات کا زور ہوجاتا ہے بس وہی کیفیت دارالعوام کی ہوگئی تھی۔ دارالعوام جنگ کی ناکامی، تاجروں کی پریشان حالی اور اہل کلیسا کی بددلی کا شاکی تھا، اور ان تمام شکایتوں کا الزام وہ بادشاہ اور وزیروں پر لگاتا تھا لیکن اسے یہ بتانا مشکل تھا کہ کونسی حکمتِ عملی اور کارروائی اختیار کیجاتی جو اس سے بہتر ہوتی۔ لمحہ بہ لمحہ اسکا انداز بدلتا رہتا تھا اور ولیم اس سے سخت نالاں تھا۔ اصل یہ ہے کہ پارلیمنٹ کو نہ تو کسی مسلمہ سرگروہ کی رہبری حاصل تھی، نہ اس کے پاس کافی معلومات تھے اور نہ اس کے اندر وہ نظم و ترتیب تھی جس سے کوئی قطعی روش قائم ہوسکے۔ انگریزوں کی طبیعت کی خلقی سیاسی قابلیت کا ثبوت اس سے بہتر کسی اور امر سے نہیں ملسکتا کہ اس سخت دشواری کا ایک آسان وکار آمد طریقہ فوراً نکل آیا۔ اس کامیابی کا سہرا ایک ایسے شخص کے سر ہے جسکی اخلاقی حالت سیاسیات میں نہایت پست تھی۔ یعنی رابرٹ ارل سنڈرلینڈ یہ شخص چارلس دوم کے آخری زمانے میں اسکا وزیر تھا اور

لارڈ سنڈرلینڈ

کم و بیش جیمز کے تمام زمانۂ حکومت میں وہ وزارت پر قائم رہا مگر یہ قیام صرف اسطرح رہا کہ وہ اپنے آقا کے بدترین مظالم میں شریک ہوگیا تھا، اور درپردہ رومن کیتھولک عقائد کے قبول کرنے کا بھی اقرار کرتا تھا۔ جب اسے جیمز کی تباہی کا یقین ہوگیا تو اس نے فوراً ہی ولیم سے اس شرط کے ساتھ معافی و حمایت حاصل کرلی کہ جس آقا پر اس نے اپنے مذہب اور اپنی عزت کو قربان کردیا تھا اس سے بیوفائی کرکے اسکا راز افشا کردیگا۔ انقلاب کے بعد سے سنڈرلینڈ کی کوشش یہ رہی تھی کہ وہ دیہات میں گوشہ نشین ہوکر عوام کی نظر سے بچا رہے۔ اب اس نازک موقع پر وہ خفیہ طور پر اس غرض سے بادشاہ کے پاس آیا کہ اپنی بیمثل قابلیت سے اسے فائدہ پہنچائے اور اسے یہ صلاح دے کہ دارالعوام کی نئی قوت کو عملاً اس طریق پر تسلیم کرلیا جائے کہ جس فریق کا غلبہ ہو اسی فریق میں سے وزرا کا انتخاب کیا جائے۔ اسوقت تک موجودہ زمانے کے مفہوم کے موافق کوئی وزارت قائم نہیں ہوئی تھی۔ سلطنت کے جملہ اعلی عہدہ دار (یعنی وزیر خزانہ، وزیر خارجہ، محافظ مہر شاہی) اصولاً ایک دوسرے آزاد تھے۔ ہر ایک "بادشاہ کا ملازم" تھا اور اپنے خاص فرائض کی تعمیل کے لئے صرف بادشاہ کا ذمےدار تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کلیرنڈن کے مانند کوئی وزیر دوسروں پر حاوی ہوجاتا تھا اور حکومت کے تمام کاموں کو اپنے زیراثر

نیا طریق وزارت

کرلیتا تھا لیکن یہ غلبہ صرف شخصی تھا اور اسے کوئی دوام وقیام بھی نہیں تھا بلکہ اس حالت میں بھی دوسرے وزرا اس مدبّر پر جس نے انہیں مغلوب کرلیا ہو مقدمہ چلانے اور اس کی مخالفت کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔بادشاہ بالعموم کسی ایک وزیر کو مقرر یا موقوف کردیتا تھا، دوسرے وزرا کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔وزرا میں اتحاد پیدا کرنے کی فکر سے ولیم اسقدر بیگانہ تھا کہ اس نے یہ کوشش کی تھی کہ فریقوں کا جو تناسب باہر موجود تھا وہی تناسب کابینہ یا مجلس وزرا کے اندر بھی قائم رکھے۔سنڈرلینڈ کی تجویز یہ تھی کہ وزرا کے اسطرح ایک دوسرے سے آزاد ہونے کے بجائے ایک متفقہ وزارت قائم کرلیجائے۔ان کا انتخاب ایک ہی فریق سے ہو اور وہ ایک ہی قسم کے خیالات کے نمائندے ہوں اور اپنے فریق کی ذمہ داری و وفاداری کے خیال سے ان میں اتحادِ عمل موجود ہو۔اس تجویز سے نہ صرف انتظام میں ایسی یکرنگی پیدا ہو جانے کی توقع تھی جسکا ابتک گمان بھی نہیں تھا بلکہ خود دارالعوام میں ایک ایسی تنظیم کے پیدا ہوجانے کا یقین تھا جسکی کوئی مثال سابق میں نہیں ملسکتی۔دارالعوام میں جس فریق کی کثرت ہوتی وزرا انہیں کے قائمقام ہوتے اور بالطبع وہی دارالعوام کے سرگروہ ہوتے۔ چھوٹے چھوٹے فریق ان دو بڑے فریقوں میں جذب ہوجاتے جو وزارت کے موافق یا مخالف ہوتے۔سب سے بڑھکر یہ کہ اسی ذریعہ سے نہایت آسان طور پر یہ مشکل حل ہو جاتی جس سے

بادشاہ اور دارالعوام دونوں مدت سے پریشان تھے۔ پس اب نئے وزرا صرف نام کے لئے بادشاہ کے ملازم رہگئے تھے، ورنہ درحقیقت وہ دارالعوام کے فریق غالب کی کارکن مجلس کے ارکان تھے اور جب دوسرے فریق کو غلبہ حاصل ہوجاتا تو وہ بہت آسانی کے ساتھ علیحدہ کئے جاسکتے تھے اور ان کے بجاے ویسی ہی دوسری مجلس مقرر ہوسکتی تھی۔

جنٹو (جتھا) اسطرح پر قائمقامانہ حکومت کے اس طریقے کی ابتدا ہوی جو سنڈرلینڈ کے وقت سے اسوقت تک چلا آرہا ہے۔ سنڈرلینڈ کی اس تجویز کو سمجھ لینے اور اسے قبول کرلینے سے خود ولیم کی فراست سیاسیہ کا ثبوت ملتا ہے مگر اس پر عمل کرنے میں اس نے بہت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ خیالات میں عارضی طور پر تغیر ہو جانے کے باوجود بھی سنڈرلینڈ کا یقین یہی تھا کہ درحقیقت ابھی تک وِگوں کا پلہ بھاری ہے۔ وہ لوگ نہ صرف انقلاب کے اصول کے فطرتی قائمقام اور جنگ کے حامی تھے بلکہ پارلیمنٹی اور انتظامی قابلیت میں بھی اپنے مخالفین سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ایسے سرگروہوں کے زیر اثر تھے جو اپنے اتحادِ خیال و اتفاقِ عمل کے باعث جنٹو (جتھے) کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔ ان میں رسل ابھی تک سب سے زیادہ ممتاز تھا اور وہ لاہوگ کا فاتح تھا۔ جان سامرس ایک وکیل تھا جس نے ”اساقفہ سبعہ“ کی پیروکاری میں شہرت حاصل کی تھی۔ لارڈ وہارٹن گروہ بندی کے انتظام میں سب سے زیادہ چالاک و بے باک

شخص سمجھا جاتا تھا۔ مانٹیگو کی نسبت بہت تیزی کے ساتھ یہ شہرت ہوتی جاتی تھی کہ انگریزوں میں مالی کاموں کے متعلق وہ سب سے زیادہ قابل شخص ہے لیکن با ایں ہمہ اگر ٹوریوں نے جنگ کے مخالف روش نہ اختیار کی ہوتی اس امر میں شک ہے کہ بحالات موجودہ ولیم خود کو تمامتر وہگ وزرا کے ہاتھوں میں دیدیتا یا نہیں۔ فرانس اگرچہ تھک گیا تھا مگر جنگ کا سلسلہ ہنوز جاری تھا اور حلیفوں کو ہنوز ایک فتح بھی حاصل نہیں ہوئی تھی اس کے ساتھ ہی فرانس کے غارتگر جہازوں نے انگلستان کی تجارت کو بالکل ہی تباہ کردیا تھا اور محصولوں کے اضافے سے قوم حیران و ششدر ہوگئی تھی۔ ٹوری ، "مخالفہ اعظم" کی تائید میں ہمیشہ سستی سے کام لیتے رہے تھے اب اس موقع پر وہ صلح کے لئے زور دینے لگے تھے۔ ادہر ولیم کے خیال میں فرانس کا مقابلہ سب پر مقدم تھا اس لئے وہ مجبور ہوکر آہستہ آہستہ سنڈرلینڈ کی تجویز کیطرف مائل ہوتا گیا۔ مانٹیگو نے پہلے ہی جنگ کی اشد ضروریات کا انتظام ایک قومی بنک کے اجرا سے کرنا چاہا تھا۔ یہ تجویز دراصل اسکاٹلینڈ کے ایک شخص ولیم پیٹرسن کی تھی جسے اب مانٹیگو نے اختیار کرلیا تھا۔ اس نئے بنک کا نام بنک آف انگلینڈ رکھا گیا۔ روپئے کے لین دین میں اس کا طریقہ معمولی بنکوں کا سا تھا لیکن درحقیقت اس سے یہ کام لیا جاتا تھا کہ اس کے توسط سے عوام سے سلطنت کی اس باضابطہ ذمہ واری کے ساتھ روپیہ قرض لیا جاتا کہ بروقت مطالبہ ادا کردیا جائے گا۔ بارہ لاکھ پاؤنڈ کا قرضہ عوام کے لئے

۱۶۹۴

قومی قرضہ

۱۶۹۴

جاری کیا گیا اور اس قرضے میں شریک ہونے والوں کی ایک سند یافتہ کمپنی (شراکت) قائم کیگئی اور آئندہ قرضوں کا انصرام انہیں کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ دس روز کے اندر ہی اندر قرض دہندوں کی فہرست مکمل ہوگئی۔ قومی دولت کی اس وسعت کے انکشاف سے ایک نئی قوت پیدا ہوگئی۔ سلطنت کے اس قرضہ کو قومی قرضہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور اس کی سریع ترقی، شاہان اسٹوارٹ کی واپسی کے خلاف ایک نئی ضمانت بنگئی کیونکہ اگر وہ واپس آتے تو پہلا کام یہی کرتے کہ ان قرض دہندوںکے دعاوی کو مسترد کردیتے۔ سلطنت کی اس ساکھ سے دوسرے ممالک میں ولیم کو ایک تقویت حاصل ہوگئی اور اندرون ملک میں بھی سنڈرلینڈ کی صلاح کے خاموشی کے ساتھ عمل میں آجانے کے بعد اتحادِ عمل کی ایک نئی صورت پیدا ہوگئی۔ ٹوری وزرا مانٹیگو کی کامیابی سے پہلے ہی کمزور ہوچکے تھے، وہ اب ایک ایک کرکے خارج کردئے گئے اور ان کے بجائے جنٹو کے ارکان مقرر ہوگئے۔ رسل، امیرالبحر ہوگیا، سمرس محافظ مہر شاہی بنگیا۔ شروسبری وزیر خارجہ اور مانٹیگو وزیر خزانہ مقرر ہوگئے۔ یہ تغیر ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ دارالعوام نے ایک نیا لب ولہجہ اختیار کیا۔ فریق وہگ اپنے اتحاد و انتظام کیوجہ سے دارالعوام میں غالب تھا، اور اب وہ اپنے فطری سرگرہوں میں بادشاہ کے وہگ وزرا کے اشارے پر بے عذر چلنے لگا۔ میری کے انتقال کے بعد ولیم کے رتبہ کو جو صدمہ پہنچا

ملکہ میری کا انتقال ۱۶۹۴

تھا، اس تغیر سے اس کے مقابلے کی قوت پیدا ہوگئی۔ ٹوریوں
کے نئے حملوں سے ظاہر ہوگیا کہ ولیم کے اکیلے رہ جانے سے
ان کے دلوں میں کیا کیا نئی امیدیں جوشزن ہوگئی ہیں، لیکن
پارلیمنٹ (جسے بادشاہ نے قانون سہ سالہ کے منظور کرلینے سے
حال ہی میں خوش کردیا تھا) برابر وزرا کا ساتھ دیتی رہی، اور
بیرون ملک کی کامیابیاں اس وفاشعاری کا صلہ تھیں ۱۶۹۵ء میں
نامیوُر کی تسخیر سے "مخالفۂ اعظم" کو فرانس کے مقابلے میں پہلی
مرتبہ ایک فتح عظیم نصیب ہوئی۔ اس فتح سے فائدہ اٹھانے
کے لئے بادشاہ نے ازراہ دانشمندی ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی
اور اس کے ارکان کی پرزور تائید جنگ نے فوراً یہ ظاہر کردیا
کہ انکا خیال کیا ہے لیکن پارلیمنٹ ولیم کے ہاتھ میں محض کٹھپتلی
نہیں تھی۔ اُس نے ولیم کو مجبور کیا کہ اُس نے اپنے ہالینڈ کے
رفیقوں کو جو بڑی بڑی جاگیریں دیدی تھیں وہ ان سے واپس
لیلے اور اسکاٹلینڈ کے ان وزرا کو برطرف کردے جنہوں نے
خاکنائے ڈیریئن میں اہل اسکاٹلینڈ کی نوآبادی قائم کردی تھی۔
انہوں نے اپنے لئے اس حق کا بھی مطالبہ کیا کہ معاملات تجارت
کے انتظام کے لئے جو نئی "مجلس تجارت" قائم ہوئی ہے ۱۶۹۶
اس کے ارکان کو پارلیمنٹ نامزد کرے۔ مطابع پر احتساب قائم
کرنے کی تجویز کو انہوں نے نامنظور کردیا اور یہ بھی طے کردیا
کہ آئندہ اس کی تجدید نہ ہو لیکن کسی قسم کی فریقانہ مخالفت
نہیں ہوئی۔ وزارت کی قوت اسدرجہ بڑھی تھی کہ جب لوگوں نے

سکوں کو تراشتے تراشتے معینہ قیمت کے نصف سے بھی کم کردیا اور سکّے میں اصلاح کرنا پڑی (جس سے فی الوقت ایک عام پریشانی پیدا ہوگئی) تو مانٹیگو نے کامیابی کے ساتھ اس پریشانی کا مقابلہ کیا اور اس اصلاح کے باعث مالی دقّتوں کے پیدا ہوجانے کے باوجود ولیم برابر فرانسیسوں کے مقابلے میں قدم جمائے رہا۔

صلح ریسوِک

لیکن جنگ جلد جلد اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ لیوئس صرف اسلئے لڑ رہا تھا کہ وہ زیادہ مفید شرایط پر صلح کرسکے اور اگرچہ ولیم کا خیال یہ تھا کہ "فرانس سے صرف اسطرح صلح ہوسکتی کہ تلوار ہمارے ہاتھ میں ہو" پھر بھی صلح کے لئے اسکا اشتیاق لیوئس سے کم نہیں تھا۔ سیوائے کی غدّاری کی وجہ سے یہ ناممکن ہوگیا کہ حلیفوں کی ابتدائی غرض پوری ہوسکے یعنی فرانس کو ان حدود کے اندر رہنے پر مجبور کردیا جائے جو صلح ویسٹ فلیا کے وقت میں ہیں تھی۔ ادھر اسپین کی جانشینی کا مسئلہ بھی یوماً فیوماً قریب آتا جاتا تھا۔ پس معاملات کے روبراہ آنے میں، اسپین اور شہنشاہی کیجانب سے جو رکاوٹیں پیدا کی جارہی تھیں انہیں ولیم اور لیوئس نے باہمی مراسلت سے طے کرلیا اور ۱۶۹۷ء میں صلح ریسوِک کی تکمیل ہوگئی۔ میدانِ جنگ کی شکست و ناکامی کے باوجود ولیم ہی کی حکمتِ عملی کو فتح حاصل ہوئی۔ اتحادِ یورپ کے مقابلہ میں فرانس کے فتوحات بیکار ہوگئے اور ریشلیو کے بعد سے یہ پہلا موقع تھا کہ فرانس کو اپنی درماندگی و خستگی کے باعث غیر مفید شرایط پر صلح کرنا پڑی۔

صلح نیمے گوئن کے بعد سے اس نے شہنشاہی کے جن حصّوں کو ملحق کرلیا تھا وہ باستثنائے اسٹراسبرگ سب کے سب اسے چھوڑنا پڑے۔ بدقسمتی سے جرمنی کے سفیروں نے تساہل سے کام لیا ورنہ اسٹراسبرگ بھی واپس ہوجاتا۔ لیوئس نے لکسمبرگ اور ندرلینڈ کی جنگ کا تمام ملک مفتوحہ اسپین کو واپس کردیا۔ ڈیوک لورین دوبارہ اپنی مملکت پر بحال کردیا گیا۔ صلح کی ایک اس سے بھی زیادہ اہم شرط یہ قرار پائی کہ لیوئس نے شاہان اسٹوارٹ کی رفاقت کے چھوڑ دینے اور ولیم کو انگلستان کا بادشاہ تسلیم کرلینے کا اقرار کیا۔ تمام یورپ کے لئے ریسوک کی یہ صلح درحقیقت ایک عارضی صلح سے زیادہ نہیں تھی لیکن خاص انگلستان کے لئے یہ صلح ایک طولانی و سخت کشمکش کا اختتام اور سیاسی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ثابت ہوئی۔ معاہدہ ڈوور کے وقت سے شاہان اسٹوارٹ اور لیوئس کے درمیان یہ سازش ہوتی آتی تھی کہ انگلستان کو رومن کیتھولک اور فرانس کا تابع بنادیا جائے، اب اس صلح سے نہ صرف اس اندیشہ کا حتمی و قطعی طور پر خاتمہ ہوگیا، بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ ہوگیا: یعنی یورپ کی طاقتوں کے توازنِ قوت کو توڑنے کے خلاف انگلستان ایک مستقل مرکز بنگیا۔

١٦٩٨ — ١٧١٢

{**اسناد:**- میکالے کی بلند پایہ تصنیف کم و بیش صلح رسوک کے حالات تک پہنچکر ختم ہوجاتی ہے، مگر لارڈ اسٹینہوپ نے اس کتاب کو "تاریخ انگلستان بعہد ملکۂ این" (History of England under Queen anne) کے نام سے زمانۂ زیر بحث تک وسعت دی ہے۔ مارلبرا کے حالات کیلئے خاص قابل سند کتاب اس کی سوانح عمری مصنفۂ آرکڈیکن (صدر شماس) کاکس، اور خود ڈیوک کے "مراسلات" ہیں۔ فرانسیسی حیثیت سے مارٹن نے جنگ کی کیفیات اور باہمی گفت وشنود کے حالات کو بہت احتیاط کے ساتھ اپنی تصنیف "تاریخ فرانس" (Histoire de France) میں بیان کئے ہیں اور اس کتاب میں یہ حصہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ قابل اعتماد شمار ہوتا ہے۔ ٹوریوں کی مخالفت کی کیفیت سوئفٹ کے "روزنامچہ اسٹیلا" (Jaunal to Stalla) اور بالنگبروک کے مراسلات سے واضح ہوتی ہے۔}

اسپین کی جانشینی کا مسئلہ

اپنے غرور کو ترک کرکے صلح رسوک کی سی ذلت آمیز شرائط کے منظور کرلینے میں لیوئس کا خیال فرانس کی خستگی و درماندگی سے زیادہ اس جانب مائل تھا کہ وہ ایک جدید

دو وسیع تر جدّوجہد کی تیاری کے لئے اس قسم کی صلح کو ضروری سمجھتا تھا۔ ہر شخص یہ جانتا تھا کہ چارلس دوم (شاہ اسپین) کوئی دن کا مہمان ہے اور اس کے انتقال کے ساتھ ہی ان آسٹروی شہزادوں کا سلسلۂ ذکور منقطع ہو جائے گا جو دو سو برس سے اسپین پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ یورپ میں اسپین اپنے بلند درجے سے جس قدر پست ہوگیا تھا اس کی حیرت انگیز حقیقت لوئی کے معرکوں سے بخوبی منکشف ہوگئی تھی پھر بھی اس کے مقبوضات اس قدر وسیع اور اس کے ذرائع مداخل اس قدر کثیر تھے کہ عام طور پر یہ یقین کیا جاتا تھا کہ جس وقت بھی کوئی پُرزور بادشاہ تخت پر متمکن ہو جائے گا ملک کی قدیم طاقت وسطوت فوراً عود کر آئے گی۔ شاہِ اسپین اب بھی اپنے خاص ملک کے علاوہ قدیم وجدید دنیا کے بعض بہترین حصص پر قابض تھا، ملان، نیپلز، سسلی، ندرلینڈز، جنوبی امریکہ اور بحر اسپین کے زرخیز جزیرے سب پر اس کا پرچم لہراتا تھا۔ ایسی وسیع سلطنت لوئی یا شہنشاہ دونوں میں سے کسی کی مملکت میں بھی شامل ہو جاتی، تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ ولیم نے اپنی کوششوں سے یورپ میں جو آزادی پیدا کی تھی اس کا خاتمہ ہو جاتا۔ اسی نتیجے سے بچنے کے لئے ولیم نے صلح ریسوک کے ذریعے سے جنگ فرانس سے خلاصی حاصل کی تھی۔ اس وقت تختِ اسپین کے تین دعویدار تھے:۔ پہلا دعویدار فرانس کا ولیعہد تھا جو شاہ اسپین کی بڑی بہن کا بیٹا تھا۔ دوسرا دعویدار بادشاہ

کی چھوٹی بہن کا پوتا والی بیویریا اور تیسرا چارلس کی پھوپھی کا لڑکا "شہنشاہ" تھا اگر اس معاملے میں صرف قانون کو دخل ہوتا تو شہنشاہ کا حق سب سے زیادہ قوی تھا، کیونکہ ولیعہد فرانس کا حق یوں زائل ہوگیا تھا کہ جب اس کی ماں نے لیوئس چہارم سے عقد کیا تھا تو اس نے (یعنے ملکہ فرانس نے) جانشینی کے جملہ حقوق سے دست برداری ظاہر کردی تھی اور یہی حال بیویریا کے دعویدار کا بھی تھا۔ سلسلۂ نسب کے اعتبار سے اگرچہ شہنشاہ کا حق زیادہ بعید تھا مگر اس میں کسی قسم کی دست برداری کا دخل نہ تھا۔ لیکن یورپ کے فائدے کے خیال سے ولیم جس طرح لیوئس کے حق کو روکنے پر عزم مصمم کئے ہوئے تھا اسی طرح وہ "شہنشاہ" کے حق کے روکنے پر بھی مصر تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ لڑائی جاری رہی اور اسپین، "مخالفۂ اعظم" کے رکن کی حیثیت سے فرانس سے برسر جنگ اور شہنشاہ سے متحد رہا تو خاندانِ آسٹریا کا جانشین ہوجانا یقینی تھا۔ اور اسی خیال سے ولیم نے جنگ کو دفعتہً ختم کر کے عہد نامہ ریسوک کی تکمیل کردی۔ اگر انگلستان اور ہالینڈ، ولیم کے ہم خیال ہوتے تو وہ اس پر زور دیتا کہ تنہا والی بیویریا کو تمام مملکت اسپین کا جانشین بنا دیا جائے مگر یہ دونوں ملک جنگ سے عاجز آگئے تھے، انگلستان میں صلح کے بعد ہی دارالعوام کے اصرار پر فوج کی تعداد چودہ ہزار تک گھٹا دی گئی اور اس تعداد کے بھی برطرف کردینے کا مطالبہ شروع ہوگیا تھا۔ اس حالت میں ضروری ہوگیا کہ بقیہ دونوں رقیبوں کو کچھ کچھ دیکر اپنے حقوق کے ترک کرنے پر

راضی کیا جائے۔پس ۱۶۹۸ء میں انگلستان، ہالینڈ اور فرانس کے درمیان جو پہلا "معاہدہ تقسیم" عمل میں آیا اس کے رو سے یہ قرار پایا کہ والی بَیویریا کی جانشینی اس شرط سے تسلیم کی جائے کہ اسپین اپنے اطالوی مقبوضات فرانس و شہنشاہ کو دیدے۔ ملان شہنشاہ کی طرف منتقل ہو جائے اور مملکت سسلی مع سرحدی صوبہ گوئی پُرکوا کے فرانس کو مل جائیں۔لیکن اس معاہدے کی تکمیل کے بعد ہی والی بَیویریا کا انتقال ہوگیا اور معاہدہ ایک ردی کاغذ رہگیا آسٹریا و فرانس اب ایک دوسرے کے سامنے تھے اور ایک مہیب جدال و قتال کے وقوع پذیر ہونے سے کوئی مفر نظر نہیں آتا تھا۔اس زور آزمائی میں دونوں میں سے جس کو کامیابی حاصل ہوتی یورپ کی آزادی کے حق میں دونوں کی مضرت یکساں تھی۔خطرہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ گیا کہ انگلستان کی روش کے باعث ولیم کے پاس کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا تھا کہ وہ اپنی حکمت عملی کو بزور عمل میں لا سکے۔جنگ نے تاجروں کو جس مصیبت میں مبتلا کردیا تھا، اور قرض و محصول کا جو بار رعایا پر پڑ گیا تھا اسکی وجہ سے قوم میں یوماً فیوماً نفرت بڑھتی جاتی تھی اور اس عام بددلی نے ولیم کو اور اس فریق کو جس نے جنگ کی تائید کی تھی اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔بادشاہ بالطبع اپنے ہالینڈ والے ندیموں کا طرفدار تھا، سنڈرلینڈ پر اسے اعتماد تھا، اس کا انداز خشک و درشت تھا، مستقل فوج کے قائم رکھنے کا وہ بہت کوشاں تھا، ان باتوں نے اس کی ہر دلعزیزی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ سنہ ۱۶۹۸ء

پہلا معاہدۂ تقسیم ۱۶۹۸ء

کے انتخاب پارلیمنٹ میں ان ٹوریوں کو کثرت حاصل ہوگئی جنہوں نے امن کے قائم رکھنے کا اقرار کیا تھا۔نئی پارلیمنٹ پر جنٹو (Junto) کو مطلق اقتدار باقی نہیں رہا۔مانٹیگو اور رسل کے مستعفی ہوجانے کے بعد وہگ وزارت برطرف کردی گئی اور انتظام پھر سامرس اور اس کے دوستوں کے ہاتھ میں آگیا۔یہ انتظام معتدل خیال ٹوریوں پر مشتمل تھا اور لارڈ رچیسٹر اور لارڈ گڈالفن ان کے رہبر تھے۔

جنٹو کا زوال

فوج اب تک چودہ ہزار کی تعداد پر قائم تھی وہ کم کرکے سات ہزار کردی گئی۔ولیم کی منکسرانہ درخواست کے باوجود پارلیمنٹ اپنے اس عزم سے نہ باز آئی کہ ولیم اپنے ہالینڈ والے محافظوں کو ملک سے باہر بھیجدے۔جنگ کے وقت بحری سپاہ کی تعداد چالیس ہزار تھی۔اب گھٹاکر آٹھ ہزار کردی گئی۔انگلستان کی اس امن پسندی کے باعث ولیم کا زور جس قدر گھٹ گیا تھا اس کا اندازہ دوسرے معاہدہ تقسیم سے ہوسکتا ہے۔یہ معاہدہ دونوں بحری طاقتوں (یعنی انگلستان وہالینڈ) اور فرانس کے درمیان ہوا تھا لوئس کا یہ مطالبہ تو منظور نہیں ہوا کہ ندرلینڈز وائی بیویریا کو دیدیا جائے (کیونکہ بحالت موجودہ والی مذکور شاہ فرانس کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی تھا) مگر اسپین، ندرلینڈز اور ممالک امریکہ کا شہنشاہ کے دوسرے بیٹے آرک ڈیوک چارلس (آسٹریا) کو اور اسپین کے جملہ اطالوی مقبوضات کا فرانس کو دیا جانا طے ہوگیا۔اور اسکے ساتھ ہی یہ اجازت بھی دیدی گئی کہ ملان کا تبادلہ لورین سے کرلیا جائے اور لورین کے ڈیوک کے جملہ تعلقات لورین سے

دوسرا معاہدہ تقسیم ۱۷۰۰

منقطع کرکے وہ ملان کا ڈیوک بنا دیا جائے۔ معاہدین کے درمیان یہ قرار پا گیا تھا کہ اگر شہنشاہ اس معاہدے کے نہ ماننے پر مصر رہے تو اس کے بیٹے کا حصّہ ایک دوسرے شہزادے کو دیدیا جائے جس کا نام نہیں لیا گیا تھا مگر باغلب وجوہ وہ شہزادہ ڈیوک سیوائے تھا۔

دوسرا معاہدہ تقسیم

شہنشاہ نے اس پر بھی اعتراض کیا مگر جب تک لیوئس اور دونوں طاقتیں متحکم طور پر متفق تھیں اس کا اعتراض بے وزن تھا۔ علیٰ ہذا اسپین کی سرگرانی کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اسپینیوں کو اس کی تو کچھ پروا نہ تھی کہ چارلس دوم کے تخت پر فرانسیسی شہزادہ بیٹھتا ہے یا آسٹروی لیکن ان کا غرور انہیں اس امر کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اسپین کے اطالوی مقبوضات کے الگ ہوجانے سے اپنی بادشاہت کے ٹکڑے ہوتے دیکھیں اور قریب مرگ بادشاہ بھی اس غصّے میں اپنی رعایا کے ساتھ شریک تھا۔ جو متخاصم فریق اس کے بستر مرگ کے قریب جمع تھے انھوں نے اس سے بزور ایک وصیت نامہ حاصل کرلیا کہ اسپین کی کل مملکت ولیعہد فرانس کے دوسرے بیٹے ڈیوک انژو کو دیدی جائے۔ معاہدہ تقسیم ابھی بالکل تازہ تھا اور اس وصیت کے قبول کرنے کے خطرے بھی بہت بڑھے ہوئے تھے ان وجوہ سے لیوئس کو اس کے قبول کرنے کی جرائت نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس نے صرف اس یقین کی بنا پر اسے قبول کرلیا کہ انگلستان کی روش کے باعث ولیم کی مخالفت لازماً بیکار

ہوجائے گی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ انگلستان اس زمانے میں
جنگ سے اس قدر متنفر تھا کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ولیم
کی خارجی طرز عمل کی مخالفت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ
علانیہ شاہ فرانس کی تعریف کرتے تھے۔ انگلستان میں ایک بچے
کی جانشینی سے کسی کو مطلق اندیشہ نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ یہ یقین
تھا کہ اگرچہ وہ نسلاً فرانسیسی ہے مگر اپنے گرد و پیش کے طبعی حالات
کے باعث بہت جلد وہ اسپینی بن جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ ڈیوک
آنژو کا شاہ اسپین ہوجانا اس سے بدرجہا بہتر معلوم ہوتا تھا کہ آخری
معاہدۂ تقسیم کے رو سے فرانس کی قوت میں اضافہ ہو جائے۔ فرانس
اگر اسپین کے اطالوی مقبوضات پر قابض ہوجاتا تو بقول عوام بحیرۂ
روم ایک فرانسیسی خلیج بن جاتا، ترکی اور امریکہ کے ساتھ انگلستان کی
تجارت خطرے میں پڑجاتی اور فرانس کی بحری قوت خوفناک
حد تک بڑھ جاتی۔ ولیم نے بہت تلخ کامی کے ساتھ لکھا تھا کہ "مجھے
یہ دیکھکر دلی صدمہ ہوتا ہے کہ ہر شخص فرانس سے خوش ہے کہ
وصیت کو معاہدے پر ترجیح دی"۔ ولیم کو اپنے حریف کی اس
بدعہدی پر حیرت وغصہ ضرور تھا مگر نیچا دکھانے کا کوئی ذریعہ اسکے
پاس نہیں تھا۔ ڈیوک آنژو، میڈرڈ میں داخل ہوگیا اور لیوئس فخراً
کہنے لگا کہ اب کوہستان پرنیز کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا
تھا کہ ولیم کی زندگی بھر کا کام برباد ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا
آخری وقت قریب آگیا ہے۔ کھانسی کسی طرح رکتی نہیں تھی،
آنکھیں حلقے پڑجانے سے بھیانک سی معلوم ہوتی تھیں، جسم اس قدر

ڈیوک آنژو اسپین میں ۱۷۰۱

کمزور ہوگیا تھا کہ وہ اپنی کوچ تک مشکل سے پہنچ سکتا تھا لیکن اس کی طبیعت کی عظمت کا اظہار اس سے زیادہ اور کسی وقت میں نہیں ہوا۔ مشکلات کے ساتھ ساتھ اس کی ہمّت اور بلند ہوتی جاتی تھی۔ انگلستان کی فرقہ بندیوں کے باعث اس کی ذات پر جو حملے کئے گئے تھے ان سے اگرچہ اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہوگیا تھا مگر اپنے عزم و ارادے کی قوت سے اسنے اشتعال کو فرد کردیا۔ وہ اپنی پیش بینی اور بلند نظری سے ان اہم اغراض کو اچھی طرح سمجھتا تھا جن کا انجام کار میں یورپ کی سیاسیات پر اثر پڑنے والا تھا اور جنہیں فرانسیسی حکمتِ عملی کی عارضی دقتوں اور انگلستان کی حریفانہ کوششوں نے الحال نظروں سے پوشیدہ کردیا تھا۔ ملک کے اندر اور ملک کے باہر تمام حالات اسکے مخالف معلوم ہوتے تھے۔ سوائے ہالینڈ کے کوئی اسکا حامی نہیں رہا تھا، اسپین اب فرانس کے ساتھ ہوگیا تھا، بیویریا کی طرز عمل سے جرمنی میں تفرقہ پیدا ہوگیا تھا اور خاندانِ آسٹریا دِقت میں پڑگیا تھا؛ نوبت اس حد تک پہنچ گئی کہ والیِ بیویریا (جسے اسپینی ندرلینڈز سپرد ہوا تھا اور جس پر ولیم کو بھروسہ تھا) سب سے اول علانیہ طور پر فرانسیسیوں کے ساتھ ہوگیا اور بروسلز میں ڈیوک آنژو کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ انگلستان میں نئی پارلیمنٹ میں ٹوری بھرے ہوئے تھے اور یہ لوگ سختی کے ساتھ جنگ کے خلاف تھے۔ ٹوری وزارت نے ولیم پر زور دیا کہ وہ اسپین کے نئے بادشاہ کو تسلیم کرلے اور جب ہالینڈ تک نے اسکی

بادشاہت کو تسلیم کرلیا تو ولیم کو بھی بدرجۂ مجبوری یہی کرنا پڑا۔ اسے اپنی کار برآری کے لئے اب صرف لیوئس کی حرص وطمع پر بھروسہ تھا اور اس کا یہ خیال غلط نہیں ثابت ہوا۔ شاہِ فرانس کی کارروائی کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ لوگ یہ یقین کرتے تھے کہ وہ نئے بادشاہ کے تحت میں اسپین کو اسپینیوں کے لئے چھوڑ دیگا۔ انگلستان کے اندر وہگ اور ٹوری میں مخالفت کیسی ہی شدید کیوں نہ رہی ہو مگر دو باتوں پر دونوں متفق تھے:۔ اولاً یہ کہ کوئی فریق اس امر پر راضی نہیں تھا کہ ندرلینڈز پر فرانس کا قبضہ ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی اسکا روادار نہیں تھا کہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب نے انگلستان میں جو پروٹسٹنٹ سلسلہ شاہی قائم کردیا ہے، فرانس اسے درہم برہم کردے۔ لیکن اس خوش نصیبی کے وقت لیوئس کی نخوت نے اسے اعتدال کی ضرورت کی طرف سے اندھا بنا دیا۔ اس نے اپنے پوتے کے نام سے ان سات قلعوں میں جو "ثغور ہالینڈ" کے نام سے مشہور تھے، نیز آسٹنڈ اور سواحل فلینڈرز کے شہروں میں فرانسیسی فوجیں متعین کردیں۔ اس وقت انگلستان کی امن پسند پارلیمنٹ تک نے ولیم کے اس مطالبہ سے اتفاق کرلیا کہ فوجیں واپس بلالیجائیں اور اس نے ولیم کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ ہالینڈ کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرے۔ بایں ہمہ بادشاہ کی طرزِ عمل پر سختی کے ساتھ الزام لگایا گیا اور اس کے سابق وزرا، سامرس، رسل، اور مانٹگو پر (جو اب طبقۂ امرا میں داخل ہوگئے تھے)

انگلستان اور جنگ

عہدناموں میں شریک کار ہونے کی علت میں مقدمات قائم کیے گئے - لیکن یہ حالت صرف دارالعوام کے اندر تک محدود تھی، ورنہ باہر کی کیفیت یہ تھی کہ لیوئس کے منصوبے جس قدر عیاں ہوتے جاتے تھے اسی قدر قومی خیالات کی رو بدلتی جاتی تھی- لیوئس نے آلینڈ کی سرحد دوبارہ قائم کیے جانے سے انکار کردیا اور رود بار میں ایک بہت بڑا فرانسیسی بیڑا جمع ہوگیا- اس بیڑے کے اجتماع سے یہ یقین کیا جاتا تھا کہ حامیانِ جیمز نیا حملہ کرنا چاہتے ہیں- جیمز کے وزرا کا ایک خط گرفتار ہوکر پارلیمنٹ کے روبرو پیش ہوا جس سے ظاہر ہوگیا کہ واقعی حملے کی تجویز درپیش ہے- اس خط کو دیکھکر دارالعوام بھی بر افروختہ ہوگیا اور فوج بحری کی تعداد تیس ہزار تک اور فوج برّی کی تعداد دس ہزار تک بڑھادی گئی- کنٹ کے ٹوریوں کی فرقہ بندی کے خلاف ایک اعتراض نامہ روانہ کیا گیا کہ یہ لوگ ابھی تک بادشاہ کی حکمت عملی کے خلاف کوشاں ہیں، اس اعتراض نامے میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ بادشاہ کے حضور میں عرضداشت پیش کرنے کے بجائے رقومِ امداد کی منظوری پیش کرنا چاہئے- خیالات کے اس تغیر کو دیکھکر ولیم کو یہ ہمت ہوئی کہ اسنے ہالینڈ میں ایک انگریزی فوج بھیجدی اور صوبہ جات متحدہ سے یہ خفیہ معاہدہ کرلیا کہ ندرلینڈز، لیوس کے ہاتھ سے نکال لیا جائے، اور ندرلینڈز وملان دونوں خاندان آسٹریا کو دیدئے جائیں تاکہ اس ذریعے سے فرانس کی نئی

جیمز کا انتقال

طاقت کا توڑ ہوجائے لیکن اس پر بھی انگلستان کسی طرح سے امن کے توقعات کو ترک نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ لیوئس کی ایک حرکت سے اسے دفعتہً جنگ پر مجبور ہوجانا پڑا۔ لیوئس نے صلح ریزو کے روسے ولیم کو انگلستان کا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ وہ اس کے تخت سے اتارنے کی تمام کارروائیوں کی مخالفت کرے گا، مگر اب اس کا کچھ لحاظ نہ کرکے لیوئس بہ مقام سینٹ جرمین، جیمز کی خوابگاہ میں گیا جہاں وہ معزول بادشاہ آخری سانس لے رہا تھا اور اس سے یہ وعدہ کرلیا کہ وہ اسکے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کو انگلستان، اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کا بادشاہ تسلیم کرلے گا۔ یہ وعدہ درحقیقت اعلانِ جنگ کے مرادف تھا اور آناً فاناً تمام انگلستان لیوئس کے خلاف متحد ہوگیا۔

ستمبر ۱۷۰۱ء

لیوئس نے اب جو بحث پیدا کردی تھی وہ یورپ کے سیاسیات تک محدود نہیں تھی بلکہ سوال یہ تھا کہ انگلستان میں انقلاب نے جو کام انجام دیا ہے وہ پلٹ دیا جائے گا یا قائم رہے گا اور آیا فرانس کی فوج کی مدد سے انگلستان کے تخت پر مذہب کیتھولک اور مطلق العنانی کا تسلط ہوجائے گا یا نہیں۔ اس قسم کے معاملات میں ٹوری اور وہگ میں مطلق کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا۔ ۱۷۰۰ء میں جب شہزادی این کے آخری لڑکے کا انتقال ہوگیا تو ایک نیا قانونِ وراثت منظور ہوا، اور اس وقت جیمز یا اس کے بیٹے کے حق میں ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی؛ چارلس اول کی بیٹی ہنری اٹا (آرلینز) کی صرف ایک ہی بیٹی تھی جس نے

ایکٹ آف سٹلمنٹ

(قانون تعین جانشینی) ۱۷۰۱

سیوائے کے کیتھولک مذہب ڈیوک سے عقد کرلیا تھا، اس کے حق کو بھی خاموشی کے ساتھ نظر انداز کردیا گیا اور پارلیمنٹ نے جیمز اول کے سلسلے کی طرف رجوع کیا۔ اس کی بیٹی الزبیتھ نے الکٹر پیلیٹائن سے شادی کی تھی جس کی اولاد میں صرف ایک لڑکی صوفیا باقی تھی جو سابق والیٔ ہنوور کی بیوی اور موجودہ والی کی ماں تھی۔ چونکہ صوفیا اور اس کے ورثہ سب کے سب پروٹسٹنٹ تھے اسلئے پارلیمنٹ نے اپنے قانون تعین جانشینی کی رو سے انہیں کو تاج انگلستان کا مستحق قرار دیا۔ قانون میں یہ بھی داخل کردیا گیا کہ انگلستان کا ہر ایک بادشاہ کلیسائے انگلستان کا (جو حسب قانون ملک قائم ہو) پیرو ہوگا۔ آئندہ کوئی بادشاہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر انگلستان سے باہر نہ جاسکے گا اور غیر ممالک کے لوگ ہر ایک سرکاری عہدے سے خارج کردئے جائیں گے۔ انصاف کی آزادی کے قیام و دوام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ اس قانون میں ایک دفعہ یہ رکھی گئی کہ کوئی جج اس وقت تک اپنے عہدے سے علیحدہ نہ کیا جائے گا، جب تک پارلیمنٹ اس غرض کے لئے بادشاہ کو درخواست نہ دے۔ یہ قاعدہ بھی قرار پایا کہ تمام معاملات عامہ باضابطہ پریوی کاؤنسل (مجلس خاص) میں انجام پائیں۔ اور اس مجلس کے تمام فیصلوں پر اراکین کے دستخط ہوں اس سے یہ دونوں اصول مسلم ہوگئے کہ بادشاہ صرف اپنے وزرا کے توسط سے کارروائی کا مجاز ہے۔ اور وزرا پارلیمنٹ کے ذمہ دار ہیں۔ اس طرح قانون حقوق کے معین

کردہ نظام پارلیمنٹ کی تکمیل ہوگئی۔ اس ٹوری پارلیمنٹ کی اس کارروائی سے عام قومی اتحاد کا اعلان ہوگیا۔ اور بادشاہ جب ہیگ سے واپس آیا تو سب نے بالاتفاق اس کا خیر مقدم کیا۔ ولیم کے صبر و تدبر کا معاوضہ آخر اسے مل گیا، اور ہیگ میں اس نے ایک نیا "محالفۂ اعظم" قائم کرلیا۔ جس میں "شہنشاہی" ہالینڈ اور صوبجات متحدہ شامل تھے۔ اس محالفے میں بہت جلد ڈنمارک، سوئیڈن، پیلیٹائن اور بیشتر جرمن سلطنتیں بھی شامل ہوگئیں۔ سنہ ۱۷۰۲ء کی پارلیمنٹ میں بھی اگرچہ ٹوریوں کی کثرت تھی۔ مگر اس نے ولیم کی پرجوش درخواست کے جواب میں جنگ کے لئے چالیس ہزار سپاہی اور اسی قدر ملاحوں کی منظوری صادر کردی۔ مدعی جدید (یعنے جیمز کے بیٹے) کے خلاف ایک قانون تعزیری منظور ہوگیا، اور دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کے تمام ارکان اور جملہ سرکاری عمال سے خاندان ہینوور کی جانشینی کا حلف لیا گیا۔

مارلبرا

لیکن بادشاہ اب اس قدر کمزور ہوگیا تھا کہ اس کے لئے خود میدان جنگ میں جانا متعذر تھا۔ مجبوراً اسے ندرلینڈز کی جنگ کی کارروائی اس شخص کے سپرد کرنا پڑی، جس نے تمام انگریزوں میں خود کو اس مہم عظیم کا اہل ثابت کردیا تھا۔ یہ شخص جان چرچل (ارل مارلبرا) تھا۔ وہ سنہ ۱۶۵۰ء میں پیدا ہوا تھا اور ڈیونشائر کے ایک شاہ پرست کا بیٹا تھا۔ رجعت شاہی کے بعد اس کی بہن (ازیبلا) ڈیوک یارک کی محبوبہ بن گئی تھی۔ شاہی فوج محافظ میں چرچل کو جو اعلیٰ عہدہ ملا اس کا سبب غالباً اسکے

باپ کی وفاداری سے زیادہ اس کی بہن کی بے شرمی تھی۔ ٹیورین کی ماتحتی میں پانچ برس بیرون ملک میں کام کرنے کے بعد یہ نوجوان کپتان اس انگریزی رجمنٹ کا کرنل ہوگیا جو فرانس کی ملازمت میں روک لی گئی تھی۔ اسی زمانے میں اس سے ایک اعلیٰ سپاہی کے بعض صفات ظاہر ہونے لگے تھے اس کی ہمت کبھی پست نہیں ہوتی تھی، اس کی دلیرانہ وپرجوش طبیعت پر حزم وسکون غالب تھا، اس کی باخبری اور برداشت شدائد کی قوت کسی حال میں اسکا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی۔ اپنے بعد کے زمانہ میں اس نے ایک پورا دن سراغ رسانی کے کام میں صرف کردیا اور جنگ بلنہائم کے موقع پر یک لخت پندرہ گھنٹے تک گھوڑے پر سوار رہا۔ لیکن دربار انگلستان میں واپس آنے کے بعد اسے اپنی ہمت وقابلیت سے وہ نفع نہ پہنچا جو حسن ذاتی کے طفیل میں انجام پاگیا۔ فرانسیسی لشکرگاہ میں لوگ اسے خوشرو انگریز کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے قدو قامت کی طرح اس کے انداز میں بھی دلفریبی پائی جاتی تھی۔ بڑھاپے تک اس کے چہرے کا اثر پڑے بغیر نہیں رہتا تھا۔ چسٹرفیلڈ کہتا ہے کہ " وہ سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا تھا۔ اس کے انداز واطوار میں ہمیشہ ایک طرح کی دلپذیری پائی جاتی تھی اور اسی جادو نے لیڈی کیسلمین کو مسخر کرلیا تھا۔ بادشاہ کی اس محبوبہ نے اسے پانچ ہزار پونڈ نذر کئے تھے۔ اور اسی رقم نے اس کی دولت کی بنیاد قائم کردی۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس دوربین وخوشرو نوجوان سپاہی کی حرص جسقدر بڑھتی جاتی تھی اسی قدر جلد جلد اس کی دولت میں بھی اضافہ

چرچل اور جیمز

ہوتا جاتا تھا لیکن چرچل کو بالتخصیص جس شخص سے اپنی ترقی کی توقع تھی وہ ڈیوک یارک تھا۔ چرچل، ڈیوک کے ذاتی ملازموں میں داخل تھا اور کیتھولک سازش کے زمانہ میں جب ڈیوک کی قسمت تاریک نظر آرہی تھی وہ پوری وفاداری کے ساتھ اس کا ساتھ دیتا رہا۔ آخر اس کی آرزو پوری ہوگئی۔ اس نے ہیگ اور اڈنبرا میں جیمز کا ساتھ دیا اور اپنے آقا کی واپسی پر طبقۂ امرا میں داخل کرلیا گیا، اور بادشاہ کی فوج کا کرنل مقرر ہوگیا۔ جیمز کی تخت نشینی کے بعد اس نے سجمور میں شاہی فوج کو اچانک حملے سے بچانے میں جو کارنمایاں کیا۔ اگر جیمز تعصب کو دخل نہ دیتا تو اس کا اعتراف اور زیادہ شاندار طریقے سے ہوتا۔ جیمز نے بذات خاص اس سے تبدیل مذہب کی خواہش کی مگر چرچل مذہب پروٹسٹنٹ پر ثابت قدم رہا۔ لیکن وہ جیمز کی طبیعت سے بھی خوب واقف تھا، اور اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب اس سے کسی مزید عنایت کی توقع نہیں ہوسکتی۔ خوش قسمتی سے اسے اب اپنی قسمت آزمائی کا ایک نیا ذریعہ ہاتھ آگیا تھا۔ اس کی بیوی کا اثر بادشاہ کی دوسری بیٹی این پر پڑتا جارہا تھا۔ اور انقلاب کے زمانے میں این کا مذہب پروٹسٹنٹ پر قائم رہنا نہایت ہی ضروری تھا۔ مارلبرا نے شہزادہ آرنج سے خط وکتابت شروع کردی اور اسے این کی ہمدردی کی توقع دلائی۔ میدان جنگ میں جب ولیم کا سامنا ہوا تو وہ شاہی فوج سے الگ ہوگیا اور ان تمام مراحل میں اس نے اپنے سابق مربی کے لطف واحسان کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ کیا۔ اسکا

فوج سے الگ ہوجانا شاہی مقاصد کے لئے مُضر ہوا، لیکن اس نے
چرچل و ولیم ولیم کے لئے ایک اس سے بھی بڑی خدمت انجام دی جس کے
سامنے یہ خدمت بھی ماند پڑگئی۔ اسی کی بیوی کی ترغیب سے
یہ ہوا کہ این اپنے باپ کو چھوڑ کر ڈینی کی لشکرگاہ میں چلی
گئی۔ اگرچہ اخلاقاً اس کی یہ کارروائیاں سخت نازیبا تھیں۔ مگر ولیم
کے لئے اس نے ایسے اہم خدمات انجام دیئے تھے کہ ان سے
چشم پوشی کسی طرح ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ اسے ارل مارلبرا کا لقب
دیا گیا اور جنگ آئرلینڈ کے زمانے میں اسے ایک فوج کی افسری
عطا ہوئی جہاں اس نے اپنی عاجلانہ کامیابیوں سے ولیم کا خیال
اپنی طرف منعطف کرلیا اور فلینڈرز میں فوج کی اعلیٰ افسری اسکے
حصے میں آئی لیکن اپنے پرانے آثرِ خاص کے خیال سے اس نے
ولیم کے خلاف بھی ایسی ہی غدّارانہ سازشیں شروع کردیں جیسے جیمز
کے خلاف کی تھیں۔ اُسے اگرچہ روپے کی بے انتہا حرص تھی، مگر
شادی اس نے چارلس کے دربار کی ایک مفلس حسین عورت سے
کی تھی جس کا نام سارہ جننگز تھا۔ یہ عورت نہایت بد مزاج
وکینہ توز تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلینے
اور ان کی الفت قائم رکھنے کا اس میں عجیب ملکہ تھا۔ اس عورت
کے ساتھ چرچل کا اس درجہ محبت کرنا اس کی زندگی کی شب تار
میں اجالا سا نظر آتا ہے۔ وہ اپنے اثنائے کوچ بلکہ میدانِ جنگ
تک سے اپنی بیوی کو نہایت ہی پرجوش محبت کے ساتھ خط
لکھا کرتا تھا۔ جو طبیعت کسی خطرے یا نفرت سے اثر پذیر نہیں

ہوتی تھی وہ اس عورت کی سرد مہری اور اس کے پر غضب طنز کے خیال سے بالکل پست ہوجاتی تھی۔ وہ کبھی بغیر رنج وتکلیف کے اس سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک مہم پر روانہ ہونے کے بعد اس نے لکھا تھا کہ "میں اپنی دوربین سے بہت دیر تک اس اُمید میں چٹانوں کی طرف دیکھتا رہا کہ شاید ایک بار تمہاری صورت نظر آجائے" پس جس عورت نے مارلبرا میں محبت کا یہ جوش پیدا کردیا وہ اگر شہزادی این کی سی بودی اور کمزور طبیعت کی عورت کو اپنے ساتھ وابستہ کرلے تو استعجاب کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ ان دونوں دوستوں نے شاہی آداب کو بالکل ترک کردیا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے کو "مسز فریمین" اور "مسز مارلے" کے نام سے پکارتی تھیں۔ اپنی بیوی کے اسی اثر کے بھروسے پر ارل اپنی حرص کی وجہ سے ولیم کے خلاف منصوبے گانٹھنے لگا۔ اس نے یہ تجویز سوچی تھی کہ جنگ کی مخالفت میں ٹوریوں کا ساتھ دیکر اور غیر ملکیوں کی طرف سے انگریزوں کی نفرت کو مشتعل کرکے بادشاہ کو ملک سے بھگا دے، اور اس کے بجائے این کو تخت نشین کردے۔ ان تجویزوں کے ظاہر ہوجانے سے بادشاہ نے خلاف معمول سخت نفرت کا اظہار کیا، اور اس کی زبان سے یہ نکلا کہ "اگر میں اور لارڈ مارلبرا صرف ذاتی حیثیت رکھتے ہوتے تو تلوار ہم دونوں کے درمیان حکم ہوتی"۔ بحالت موجودہ اس نے یہ کیا کہ ارل کو اس کے منصب اور فوج کی افسری سے معزول کردیا، اور اسکی بیوی کو

محل سینٹ جیمز سے نکال دیا۔ شہزادی این بھی اپنے اس منظور نظر کے ساتھ چلی گئی اور اس کا دربار ٹوری مخالفت کا مرکز بن گیا اور مارلبرا نے جیمز سے مراسلت شروع کردی۔ وہ غداری میں اس قدر بدنام ہوچکا تھا کہ سنہ ۱۶۹۲ء کے فرانسیسی حملے کے قبل جو مشتبہ اشخاص ٹاور میں بھجدیئے گئے تھے ان میں سب سے پہلا شخص وہی تھا۔ میری کے انتقال نے ولیم کو مجبور کیا کہ این کو واپس بلالے کیونکہ اب وہی جانشیں ہونے والی تھی این کے ساتھ مارلبرا اور اس کی بیوی بھی دربار میں واپس آگئی۔ بادشاہ کی طبیعت اب کسی طرح یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ دوبارہ ارل پر اعتماد کرے۔ لیکن موت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ اس کے بعد مارلبرا ہی ایک شخص ہے (جو باوجود اپنی کم ظرفی و غداری کے) انگلستان پر حکومت کرنے اور "اتحادِ اعظم" کی رہبری کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔

مارلبرا اور محالفۂ اعظم

اس لئے اس نے مارلبرا کو شہنشاہ کے ساتھ محالفے کا معاہدہ کمل کرنے کے لیئے متعین کیا اور اسی کو فلینڈرز کی فوج کا افسر مقرر کردیا۔ ارل کے فوج کی کمان لینے کے بعد ہی بادشاہ گھوڑے پر سے گر پڑا اور یہ حادثہ اس کے کمزور جسم کے لیئے مہلک ثابت ہوا۔ اس قریب مرگ بادشاہ نے پورٹلینڈ سے آہستہ آواز میں کہا کہ "ایک وقت تھا جب میں ان مشکلات سے نجات پا جانے سے خوش ہوتا، مگر اب مجھے کچھ اور ہی سامان نظر آرہے ہیں۔ اور اگر میں کچھ دنوں اور

ولیم کی موت مارچ ۱۷۰۲ء

زندہ رہنے کی تمنا کروں تو بیجا نہ ہوگا۔" لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ تمنا بیکار ہے اس نے این سے مارلبرا کی سفارش کی کہ وہ فوجوں کی سربراہی اور مشورت کے لیئے بہترین شخص ہے مگر این کیلئے اس سفارش کی ضرورت نہیں تھی۔ تخت نشینی کے تین ہی دن بعد ارل' انگلستان کی افواج اندرون ملک اور بیرون ملک کا "کپتان جنرل" (سپہ سالار اعظم) مقرر ہوگیا اور جنگ کی تمام کارروائی اس کے سپرد کردی گئی۔ اندرونِ ملک کے معاملات میں اس کے غلبہ کے قائم رہنے کا یہ انتظام کیا گیا کہ ایک خالص ٹوری وزرات قائم کی گئی اور مارلبرا کے ایک دوست لارڈ گوڈالفن کو بحیثیت وزیر خزانہ اس وزارت کا صدر بنا دیا۔ این کی شخصی ہردلعزیزی کے باعث قوم پر تاج کا ایک نیا اثر پیدا ہوگیا اور مارلبرا کو پورا یقین تھا کہ اس کی بیوی کی دوستی کے باعث ملکہ اس کی ہرطرح تائید کرے گی۔ درحقیقت انگلستان میں اسوقت فریقانہ احساس بالکل فنا ہوگیا تھا ایک ٹوری ملکہ کی طرف سے ایک ٹوری سپہ سالار جنگ کر رہا تھا۔ اس لیئے انتہا پسند ٹوریوں کے سوا سب اس جنگ کے موئد ہوگئے تھے۔ اور وگھوں میں سخت سے سخت شخص بھی اس ٹوری سپہ سالار کی تائید کے لیئے آمادہ تھا، کیونکہ یہ جنگ درحقیقت انہیں کی جنگ تھی البتہ بیرونِ ملک میں ولیم کے انتقال کے باعث مخالفے کی بنیاد ہل گئی تھی اور اس خوف سے کہ مبادا انگلستان اس کا ساتھ چھوڑ دے ہالینڈ تک کو اس آنیوالی کشمکش میں

شریک ہونے میں تردّد تھا، لیکن مارلبرا کے عزم و استقامت نے بہت جلد اس بدگمانی کا خاتمہ کردیا۔ این نے بحیثیت ملکہ کے اپنا یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ اپنے پیشرو کے طرزِ عمل کو پوری قوّت کیساتھ جاری رکھیگی۔ جنگ کے جاری رکھنے کیلیئے پارلیمنٹ سے زوردار کارروائیاں منظور کرائی گئیں، اور نئے سپہ سالار نے بعجلت تمام ہیگ پہنچکر انگریزی فوج کیساتھ ہالینڈ کی فوج کی کمان بھی اپنے ہاتھ میں لیلی، اور اس دانشمندی و مستعدی کیساتھ جرمن سلطنتوں کی ایک مشترکیت قائم کردی کہ ولیم بھی اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھتا جسقدر جلد مارلبرا کی عظمت کا اعتراف کیا جانے لگا یہ بات کبھی کسی شخص کو نصیب نہیں ہوئی تھی چند مہینے کے اندر اندر سب لوگ اسیکو اتحاد کی روح رواں سمجھنے لگے، اور جن حکمرانوں کی رقابت باہمی یہ ولیم صبر کرتے کرتے عاجز آگیا وہی حکمراں ولیم کے جانشین کے مشوروں کو بلا چون وچرا التسلیم کرنے لگے۔ مارلبرا اپنی خاص طبیعت کیوجہ سے اتحادِ اعظم کی سربراہی کیلیئے نہایت ہی موزوں تھا۔ ولیم کیطرح اسکی قوّت عمل بھی ابتدائی تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں تھی، اسکی تعلیمی غفلت کا اثر آخرِ عمر تک ظاہر و قائم رہا۔ وہ لکھنے سے ہمیشہ جی چراتا تھا۔ اسنے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ "سب سے زیادہ بے رغبتی مجھے لکھنے سے ہے"۔ اسکے لیئے ایک مراسلے کا لکھنا ایک مہم تیار کرنیسے زیادہ دشوار تھا لیکن دوسروں میں جو خوبیاں تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں وہ خوبیاں فطرت نے اس میں ازخود پیدا کردی تھیں۔ اس کے کام کرنے کی قوّت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے دس برس تک فلینڈرز اور اسپین کی جنگ کی عام سربراہی اپنے ہاتھ میں

رکھی، حلیف درباروں کے ساتھ جو مراسلت ہوتی تھی اُن میں ہر ایک کو وہ خود دیکھتا، انگریزی سیاسیات کی تغیر پذیر کیفیتوں کو وہ بنظر تعمق جانچتا رہتا تھا۔ کبھی ایَن کو تغیر وزارت پر راضی کرنیکے لیئے وہ رودبار کے پار آجاتا اور کبھی برینڈنبرگ سے والیان جرمنی کی فوجیں لانے کے لیئے فوراً برلن پہنچ جاتا۔ لوگ دیکھتے تھے کہ وہ ایک ہی وقت میں ہنگری کے پروٹسٹنٹوں کی طرف سے شہنشاہ کو رضامند کررہا ہے۔ سیوین کے پروٹسٹنٹوں کو بغاوت پر اُبھار رہا ہے۔ پرتگال کے معاملات کا انتظام اور ڈیوک سیوا سے کی حفاظت کا سامان کررہا ہے۔ با ایں ہمہ اس کی حالت سے کسی قسم کی ماندگی، تعجیل یا اضطراب کا اثر مطلق ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ نوجوانی میں اس کا جو بے پروایانہ انداز تھا وہ آخر عمر تک قائم رہا۔ اشتعال طبیعت کی وجہ سے کبھی اس کے فطری وقار میں فرق نہیں آیا۔ جنگ کے پر آشوب طوفان میں سپاہی یہ دیکھتے تھے کہ اُنکا سردار بغیر کسی قسم کے توحش و اضطراب کے نہایت سکون کے ساتھ احکام جاری کررہا ہے۔ اس کے سکون و وقار کی جو کیفیت میدانِ جنگ میں تھی وہی حالت مجلس وزرا کے اندر بھی قائم رہتی تھی۔ وہ حکمرانان جرمنی کی خفیف الحرکاتی، اہل ہالینڈ کی نخوت، اپنے عہدہ داروں کی ناواقفانہ مخالفت، اپنے سیاسی مخالفین کے الزامات سب کا جواب ایک ہی سے سکون و وقار کے ساتھ دیتا تھا۔ وزارتیں جن مشکلات کے سلجھانے میں ناکام رہتی تھیں وہ اکثر اُنہیں بہت ہی معمولی تدبیروں سے حل کردیتا تھا

جن میں کچھ مزاح کا پہلو بھی شامل ہوتا تھا۔ شاہ پروشیا اپنے زود رنجی و نخوت کے باعث حلیفوں میں سب سے زیادہ پریشان کن شخص تھا لیکن جب ایک شاہی دعوت کے موقع پر مارلبرا نے کھڑے ہوکر ایک رومال اس کے سامنے پیش کیا تو سب مشکلوں کا خاتمہ ہوگیا۔ درحقیقت چرچل کا یہ سکون ایک حد تک اس کے غرور پر مبنی تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عام اشخاص کے روبرو اپنے اندرونی جذبات کا اظہار کرے۔ اس کے زوال کے قبل جو تلخ زمانہ اس پر گزرا اس میں اس نے گوڈالفن کو حکم دیا کہ بعض بحث طلب خطوں کو (جو اپنے مخالفوں کی سختی و تشدد کے باعث اسے لکھنا پڑے تھے) جلا ڈالے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ "میں یہ چاہتا ہوں کہ دنیا اس غلطی میں پڑی رہے کہ میں ایک خوش گزران آدمی ہوں کیونکہ میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ لوگ مجھ پر رحم کرنے کے بجائے مجھے رشک کی نظر سے دیکھیں"۔ لیکن فی الاصل اس کی دماغی و ذہنی کیفیت زیادہ تر اس سکون و وقار کا باعث تھی۔ اس کی بے رنگ طبیعت پر اگر کسی رنگ کا پرتو پڑتا تھا تو وہ بیوی کی محبت کا احساس تھا۔ اس کے سوا تمام معاملات میں وہ نہ کسی سے اُلفت رکھتا تھا نہ کسی سے نفرت، نہ اسے کسی بات میں شک تھا نہ کسی بات پر افسوس ہوتا تھا۔ اپنی خانگی زندگی میں وہ ایک انسان دوست اور صاحب درد آدمی تھا، لیکن اگر اس کے عہدے کی ضرورت متقاضی ہوتی تو

انگریزوں کو موت کے پنجے میں پھنسا دینے یا جنگ مال پلا کے کی طرح اپنی فوج کے کٹا دینے میں اُسے کچھ باک نہیں ہوتا تھا۔ خیال غیرت اور انسان کے نازک حسیات کو وہ جانتا ہی نہیں تھا۔ غبن وخست سے دولت جمع کرنے کا اگر کوئی بے نظیر موقع آجاتا تو وہ بے تامل یورپ کی سربراہی اور بڑے بڑے فتوحات کی نیک نامی کو چھوڑ دیتا تھا۔ غالباً حقیقی عظمت رکھنے والے شخصوں میں وہی ایک شخص ہے جو روپے کو محض روپے کی خاطر عزیز رکھتا تھا۔ جن جذبات سے اس کے گرد وپیش کے شریف ورذیل سب میں ایک تموج پیدا ہوجاتا تھا، انہیں وہ محض ذہنی ہیجان سمجھتا تھا اور یہ یقین کرتا تھا کہ اپنے وقت پر سب مشکلیں آسان ہوجائیں گی۔ صرف صبر کی ضرورت ہے، اور وہ بار بار یہ کہتا تھا "صبر سے تمام مشکلات حل ہوجاتی ہیں"۔ اس کا قول تھا کہ "چونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب چیزیں قسمت کے تابع ہیں۔ اس لئے ہم جب اپنے سے سب کچھ کرچکیں تو پھر صبر کے ساتھ نتیجے کا انتظار کرنا چاہیئے"۔

مارلبرا و جنگ

بہ حیثیت ایک مدبر کے مارلبرا کے اعلیٰ صفات کو اُسکے سخت سے سخت دشمن بھی تسلیم کرتے تھے، بولنگبروک کہتا ہے کہ "اس نئے اور معمولی شخص نے اپنی قابلیت وانتظام سے جرمنی کی مشترکیت پر اس سے زیادہ اثر پیدا کرلیا جتنا اثر شاہ ولیم اپنی عالی نسبی، مسلمہ اقتدار اور تاج انگلستان کے زور سے بھی نہ پیدا کرسکا۔ تدبیرِ مملکت میں اس کا پایہ جس قدر بلند تھا

ظاہر ہے، مگر میدانِ جنگ میں اس نے خود کو اور بھی بلند رتبہ ثابت کردیا تھا۔ ماہرانِ جنگ میں وہی ایک سپہ دار ہے جس نے اپنا کام اس عمر میں شروع کیا جب بیشتر اشخاص اپنا کام ختم کرچکتے ہیں۔ اس نے اگرچہ نوجوانی میں ٹیورین کے ماتحت کچھ دنوں اپنے فرائض ادا کئے تھے اور چھ مہینے آئرلینڈ اور ندرلینڈز میں بھی کام کیا تھا مگر باون برس کی عمر میں فلینڈرز کے میدان میں جانے کے قبل اسے کسی بڑی فوج کی افسری نہیں ملی تھی۔ اپنی مسلسل کامیابیوں کے باعث بھی وہ سب میں فرد ہے۔ والٹیر (Valtaire) لکھتا ہے کہ اس نے کبھی کسی قلعے کا محاصرہ نہیں کیا جسے اس نے فتح نہ کرلیا ہو، نہ کبھی کوئی جنگ کی جس میں وہ کامیاب نہ ہوا ہو۔ اسے جو مشکلات پیش آئے ان کا باعث دشمنوں سے زیادہ خود اس کے رفقا کی جہالت و پست ہمتی تھی۔ میدانِ جنگ میں کبھی اسے شکست نہیں ہوئی، مگر اپنے افسروں کی ناقابلیت یا اہلِ ہالینڈ کی ضد اور ہٹ کی وجہ سے فتح کے ثمرات یکے بعد دیگرے اس کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ اس زمانہ کے محتاط ماہرانِ جنگ جس تیزی سے گھبرا جاتے تھے وہ اس کے پُرزور و بیباک تجاویز تھے۔ وہ اگرچہ بڈھا ہوگیا تھا مگر اس کے تجاویز میں ہمیشہ نوجوانوں کی سی بیباکی وجرأت پائی جاتی تھی۔ سنہ ۱۷۰۲ء میں میدانِ جنگ میں قدم رکھتے ہی اس نے یہ عزم کرلیا کہ براباَنٹ کے قلب میں پہنچکر جنگ کرے، لیکن ہالینڈ کے نمائندوں کی پست ہمتی نے

جنگ کا آغاز

سبب سے یہ تجویز خراب ہوگئی۔ تاہم وہ خود استقلال کے ساتھ دریائے میوز سے پار ہوکر برابر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ فرانسیسی فوجوں کو دریا سے ہٹ جانا پڑا اور مارلبرا نے مسلسل محاصروں کے ذریعے سے یکے بعد دیگرے قلعوں کو مسخر کرنا شروع کردیا اور آخر لی ایژ کی اطاعت پر اس مہم کا خاتمہ ہوا۔ فرانسیسی فوج کا تعلق نشیبی رائن سے بالکل منقطع ہوگیا اور ہالینڈ پر حملے کا کوئی خوف باقی نہیں رہا۔ دوسرے مقامات کی صورت حالات نے مارلبرا کی کامیابی کو اور بھی نمایاں کردیا تھا، شہنشاہی سپہ سالار شہزادہ یوجین (سیوائے) نے اگرچہ کریمونا میں فرانسیسی فوج پر یکایک حملہ کرکے اپنی قوت کو ثابت کردیا تھا، مگر درحقیقت اطالیہ میں کوئی کارآمد کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ سواحل اسپین کا انگریزی حملہ بھی ناکام رہا تھا، جرمنی میں اہل بیویریا فرانسیسیوں کے شریک ہوگئے تھے اور ان کی متحدہ فوجوں نے شہنشاہ کی فوجوں کو شکست دیدی تھی۔ اسی سمت میں لیوئس نے اپنی قسمت آزمائی کا ارادہ کیا، اور ۱۷۰۳ء کے موسم بہار میں مارشل ویلار کے تحت میں ایک تازہ دم فوج نے والی بیویریا کو پھر شاہی فوج کی زد سے بچا لیا، اور اگر ان دونوں سپہ سالاروں میں تفرقہ نہ پڑگیا ہوتا تو یقیناً ان کی متحدہ فوجیں وائنا تک بڑھ گئی ہوتیں۔ اس اثناء میں ہالینڈ کے نمائندوں کی بزدلی ندرلینڈ میں لیوئس کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ اپنی سال ماسبق کی کامیابی کے باعث مارلبرا کو اب ڈیوک

کا خطاب مل گیا تھا لیکن اس موقع پر اسٹیٹس جنرل کے ارکان نے اس کے توقعات پر پھر پانی پھیر دیا۔ باوجود اپنی سنجیدگی مزاج کے انیوروپ اور فرانسیسی فلینڈرز کے حملوں میں اہل ہالینڈ کے انکار شرکت سے وہ برہم ہوگیا اور محض گوڈالفن اور وظیفہ خوار ہارسنیگس کی التجاؤں کے باعث اپنے استعفے کے ارادے کو ملتوی کیا۔ لیوئس کو اگرچہ ڈینیوب پر کامیابیاں حاصل ہوگئی تھیں، راین پر اس کے مخالفو سے غلطیاں سرزد ہورہی تھیں اور ہنگری میں ایک ہنگامی شورش برپا ہوگئی تھی پھر بھی اس کے مشکلات ساعت بہ ساعت بڑھتے جاتے تھے۔ سیوائے کے "محالفۂ اعظم" میں شریک ہوجانے کے باعث اس کی دلیوئس کی، فوجوں کو اطالیہ میں تباہی کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔ پرتگال کی شرکت سے حلیفوں کو اسپین کے خلاف کارروائی کرنے کا ایک مستقر ہاتھ آگیا۔ لیکن خطرے کے ساتھ ہی فرانس کی مستعد کاری بھی بڑھ گئی۔ جیمز ثانی کا بیٹا ڈیوک بیروک، پرتگال کے مقابلے کے لئے روانہ کیا گیا، انہیں چھوٹی چھوٹی فوجوں نے سیوائے کو گھیر لیا اور چیدہ فرانسیسی فوجیں دریائے ڈینیوب پر بیویریا سے جا ملیں کیونکہ لیوئس کی دلیرانہ تجویز یہ تھی کہ جنگ کا خاتمہ ایک ایسی فتح پر ہو جس سے وہ وائنا کی دیواروں کے نیچے شہنشاہ کو صلح پر مجبور کرسکے۔

جنگ بلنہیم

لیوئس کی اس زبردست چال نے مارلبرا کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی اس کے جواب میں ایک ایسی ہی زبردست چال اختیار کرے لیکن اس نے اپنی تجویز کو اس طرح راز میں رکھا اور اس جرأت کے ساتھ اس پر کاربند ہوا کہ دوست دشمن دونوں یکساں طور

پڑ جھونے میں پڑ گئے۔ اس نے جب مائنس کی طرف کوچ کیا تو فلینڈرز کی فرانسیسی فوج نے یہ سمجھا کہ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ جنگ السا س کی طرف منتقل ہو جائے۔ موزیل کی ایک خیالی مہم کی تجویز سے اہل ہالینڈ کو اس امر پر راضی کر لیا گیا کہ وہ فلینڈرز سے باہر کوبلینس تک اپنی فوجوں کو جانے دیں۔ ڈیوک جب دریائے نیکر سے پار ہو کر قلب جرمن سے تیر کی طرح گزرتا ہوا ڈینیوب کی طرف بڑھا صرف اس وقت اس کی کارروائیوں کا اصلی راز ظاہر ہوا۔ ورٹمبرگ کے پہاڑی ملک کو بدشواری تمام قطع کرتا ہوا وہ اس شہنشاہی فوج سے جا ملا جو شہزادہ باڈن کے زیر کمان تھی۔ اس نے ڈوناؤورث کی بلندیوں کو سر کر لیا اور دریا ہائے ڈینیوب و لیک کو عبور کر کے بیویریا کے قلب میں پہنچ گیا۔ اس نازک موقع پر بالائے رائن کے اوپر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ عین وقت پر مارشل ٹالارڈ کے تیس ہزار فرانسیسی فوج کے ساتھ آ جانے سے والی بیویریا اطاعت قبول کرنے کی ضرورت سے بچ گیا مگر اسکے حریف شہزادہ یوجین کے مارلبرا سے آملنے کے باعث دونوں متخاصم فوجوں کی طاقتیں پھر برابر ہو گئیں۔ کچھ اور بڑھنے کے بعد دونوں فوجیں دریائے ڈینیوب کے شمالی ساحل پر مقابلے کیلئے جم گئیں۔ یہ مقابلہ ایک چھوٹے سے قصبے ہوخ شٹاٹ اور ایک گاؤں بلنہیم کے قریب پیش آیا۔ یہ جنگ بھی بڑی یادگار لڑائیوں میں سے ہے اور اسی قصبہ اور گاؤں کے نام سے موسوم ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ جنگ اپنا نظیر نہیں رکھتی کہ اس میں ایک

عجیب طرح سے خلط ملط ہوکر ٹیوٹنی نسل کی ہر شاخ کے لوگ موجود تھے۔ مارلبرا اور یوجین کے تحت میں انگریز، اہل ہالینڈ، اہل ہینوور، ڈین، اہل ورٹمبرگ اور آسٹروی سب فوجیں جمع تھیں۔ دونوں جانب فوجوں کی تعداد پچاس پچاس ہزار کے قریب تھی۔ فرانسیسی اور اہل بویریا ایک چھوٹے سے چشمے کے عقب میں خیمہ زن تھے جو دلدل سے گزرتا ہوا ڈینیوب میں جاملا تھا ان کا موقع بہت مضبوط تھا کیونکہ ان کے سامنے دلدل تھی، دائیں جانب دریائے ڈینیوب تھا اور بائیں جانب وہ پہاڑی سرزمین تھی جسمیں سے یہ چشمہ نکلا تھا۔ ماسوا اسکے ٹالارڈ نے اپنی فوج کے گرد خندق کھودلی تھی بلکہ اسکا توپ خانہ بھی فریق مخالف کے توپ خانے سے بہت بڑھا ہوا تھا لیکن اس موقع پر مارلبرا کو بالکل آزادی حاصل تھی اس نے بہت اطمینان کے ساتھ انگلستان کو لکھا تھا کہ "مجھے بہت قوی امید ہے کہ اس جنگ کا انجام بہت خوب ہوگا کیونکہ میں مسرت کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ تمام افسر اطاعت پر آمادہ ہیں اور اس کے لئے وہ میری مرضی کی تعمیل کے سوا اور کچھ خیال نہیں رکھتے۔ فلینڈرز کی حالت سے یہاں کی حالت بالکل مختلف ہے، کیونکہ وہاں مجھے ہر کام کیلئے ایک جنگی مجلس کی منظوری لینا پڑتی تھی"۔ تاہم موانعات اسقدر سخت تھے کہ حلیفوں نے اگرچہ آفتاب نکلتے ہی حرکت کرنا شروع کردی تھی مگر یوجین (جو میمنہ کی کمان کررہا تھا) دوپہر کے قبل چشمے سے پار اترنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ انگریزی پیدل سپاہ بھی فوراً ہی بائیں طرف سے چشمے کے پار ہوگئی اور موضع بلنہیم پر

۱۳؍اگست [illegible]ء

حملہ کر دیا جہاں فرانسیسی پیدل سپاہ کا زیادہ حصہ خندق کے اندر محفوظ تھا۔ ایک سخت کوشش کے بعد یہ حملہ پسپا کر دیا گیا۔ دوسری جانب بھی ایسی ہی سخت مقاومت نے یوجین کو روک دیا۔ فرانسیسی اپنے قلب کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے اور مارلبرا نے اسی کو خاص حملے کا مرکز بنایا تھا۔ اس نے دلدل پر سرعت سے ایک سڑک بنا کر اپنے آٹھ ہزار سواروں کو اس جگہ پہنچا دیا جہاں فرانسیسی سوار قابض تھے۔ ڈیوک نے خود اپنی سرکردگی میں دو شدید حملے کئے اور اسی پر جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔ فرانسیسی لشکر کا قلب ڈینیوب کی طرف ہٹ گیا اور اطاعت پر مجبور ہوگیا۔ میسرہ ابتری کے ساتھ ہوخستاٹ پر ہٹا پڑا اور میمنہ بلنہیم میں گھر کر کسی طرف کو نکل نہ سکا اور قیدیِ جنگ بن گیا۔ اس شکست خوردہ فوج میں سے صرف بیس ہزار آدمی بھاگ کر بچے۔ بارہ ہزار مارے گئے اور چودہ ہزار قید ہوگئے۔ جرمنی فرانسیسیوں سے بالکل خالی ہوگیا، اور مارلبرا جوالساس کی طرف بھاگنے والی فوج کے تعاقب میں چلا جا رہا تھا بہت جلد شانستیبی موزیل پر قابض ہوگیا۔ لیکن فرانس کے نقصان کا اندازہ آدمی اور قلعوں سے نہیں ہوسکتا۔ روکرائے کے بعد سے سینکڑوں فتوحات نے دنیا میں یہ خیال قائم کر دیا تھا کہ فرانسیسی فوج ناقابلِ فتح ہے مگر بلنہیم کی جنگ اور بہترین فرانسیسی فوج کی شکست نے اس طلسم کو توڑ دیا۔ اس وقت سے حلیفوں کے فتوحات کی دہشت طاری ہوگئی اور "مارلبروک" کے نام سے فرانس کا بچہ بچہ ڈرنے لگا۔

خود انگلستان کے اندر جنگ بلنہیم کا اثر یہ ہوا کہ سیاسی معاملات میں ایک بہت بڑا تغیر پیدا ہوگیا۔ ٹوری یہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کو مجالس بلدی سے خارج کرکے دارالعوام میں ٹوریوں کی کثرت کو ہمیشہ کیلئے مستقل کردیں کیونکہ قصبات کے اراکین کا انتخاب، بیشتر مجالس بلدی ہی میں ہوتا تھا۔ پروٹسٹنٹ ڈسنٹر (علیحدگی اختیار کرنیوالے) اب قانون رواداری کی وجہ سے محفوظ ہوگئے تھے۔ وہ اپنی علیحدہ مجالس مذہبی کو قائم رکھنے پر بھی سال میں ایکبار گرجائیں شریک ہوجانے سے سرکاری عہدوں کے قابل قرار پا جاتے تھے۔ اس شرکت کو "مطابقت ہنگامی" کہتے ہیں۔ اس "مطابقت ہنگامی" کے خلاف ٹوریوں نے جانچ کا ایک طریقہ پیش کیا جس سے اتفاق نہ کرنے والوں کا اخراج منظور تھا۔ اولاً مارلبرا نے بھی اس کی تائید کردی تھی مگر دارالامرا برابر اُسے نامنظور کرتا رہا اور لوگوں نے بہت جلد یہ قیاس قائم کرلیا کہ مارلبرا اور گوڈالفن دونوں درپردہ اس مخالفت کو تقویت دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مارلبرا اگرچہ خود ٹوری تھا مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ٹوریوں کی حکومت بے روک ٹوک قائم ہوجائے یا پھر ایسے مذہبی مناقشے برپا ہوجائیں جو جنگ کے مزاحم ہوں۔ اس نے اپنے فریق کو ہموار کرنے کے خیال سے ملکہ کو یہ ترغیب دی کہ پادری جو عشر و ثمر اول بادشاہ کو دیتے ہیں اس کا ایک سرمایہ اس غرض سے قائم کیا جائے

جنگ راسیلیز

مطابقت ہنگامی

کہ کم آمدنی والے اوقاف کو مدد دی جائے مگر اس کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ یہ سرمایہ اب تک "ملکہ این کی خیرات" کے نام سے رائج ہے۔ دارالعوام نے مارلبرا کے متعلق اپنی نفرت کا اظہار اس طرح کیا کہ اسے پہلی مہم کے بعد جب ڈیوک کا خطاب دیا گیا تو اس کے ساتھ روپے کے عطیے سے انکار کردیا اور لارڈ ناٹنگھم کی سرکردگی میں غالی ٹوریوں نے جنگ کے جاری رہنے میں ہر طرح کی دقتیں ڈالنا شروع کردیں۔ آخر یہ لوگ ۱۷۰۴ء میں اپنے عہدوں سے دستکش ہو گئے۔ اور مارلبرا نے اُن کی جگہ ایسے معتدل خیال ٹوریوں کو مقرر کردیا جو اب تک جنگ کے حامی تھے۔ رابرٹ ہارلے وزیرِ خارجہ مقرر ہوا۔ اور ہنری سینٹ جان ایک قابل شخص وزیرِ جنگ بنایا گیا۔ ڈیوک کے جرمنی کے اندر داخل ہونے سے انگلستان، وسطی براعظم کی کشاکش میں پھنس گیا تھا اور اس سے سخت سیاسی مناقشہ پیدا ہوگیا تھا۔ حد سے بڑھے ہوئے ٹوری اور حامیانِ جیمز یہ دھمکی دیتے تھے کہ اگر مارلبرا کو ناکامی ہوئی تو اس کا نتیجہ قتل ہوگا اور صرف بلنہیم کی فتح نے اسے سیاسی تباہی سے بچالیا۔ ڈیوک رفتہ رفتہ اپنی مرضی کے خلاف اپنے فریق سے علیحدہ ہوکر اسی فریق میں جذب ہوگیا جو حقیقتہً اس کی حکمتِ عملی کا مؤید تھا۔ اس نے بلنہیم کی قومی فتحمندی سے فائدہ اُٹھاکر پارلیمنٹ کو برطرف کردیا، اور جب اس کے حسب توقع ۱۷۰۵ء کے انتخاب میں حامیانِ جنگ کی کثرت ہوگئی تو اس نے دھگ سرگروہوں اور ان معتدل خیال ٹوریوں کی (جو اب تک اس کے ساتھ تھے) ایک

مشترک وزارت قائم کی۔ وگوں کی موافقت اس طرح حاصل کی گئی کہ ایک وہگ ولیم کاؤپر کو لارڈ کیپر (محافظ مہر شاہی) بنایا گیا اور لارڈ سنڈرلینڈ کو بطور سفیر کے وائنا بھیجا گیا۔ اس اتحاد سے حامیٔ امن فریق کے سخت سے سخت اعتراضات بھی بالکل بیکار ہوگئے اور مارلبرا کو بالآخر اندرونِ ملک کے معاملات کی طرف سے اطمینان ہوگیا مگر اسے ابھی بیرونِ ملک میں مایوسی سے سامنا کرنا تھا۔ دریائے موزیل کے خط پر حملہ کرنے کی تجویز شہنشاہی فوج کے انکار کر جانے سے چھوڑ دینا پڑی۔ جب وہ دریائے ڈیل کے پار فرانسیسی خط جنگ میں داخل ہوا تو ہالینڈی سپہ سالاروں نے اپنی فوجیں واپس لے لیں۔ علیٰ ہذا ڈیوک کی ویلروا پر میدان واٹرلو میں حملہ کرنے کی تجویز کو پوری مجلسِ جنگ میں ہالینڈ کے نائبوں نے نامنظور کر دیا اور انھوں نے اس تجویز پر "خونریزی اور قتل عام" کا شور مچا دیا۔ اس اعتراض سے مارلبرا کے چہرے پر سخت ناگواری و تلخ کامی کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے انگلستان کو لکھا کہ "اگر مجھے وہی اختیار حاصل ہوتا جو سال گزشتہ حاصل تھا تو میں فتح بلنہیم سے بھی ایک بڑھی ہوئی فتح حاصل کر لیتا" اس کے شکایت کرنے پر ہالینڈ نے اپنے نمائندوں کو واپس بلا لیا مگر اس میں ایک برس ضائع ہوگیا۔ اطالیہ میں اور دریائے رائن پر بھی کچھ بہتر نتیجے ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ حلیفوں کا جوش صرف اسپین میں لارڈ پیٹربرا کی افسانہ نما مہموں کی وجہ سے قائم تھا۔ پیٹربرا اگرچہ ایک فضول خرچ، بے اصول

وزارت مشترک

اور وہی شخص تھا مگر اس میں جنگ کی اصلی قابلیت موجود تھی اور جب اس نے ایک مٹھی بھر آدمیوں سے بارسیلونا پر قبضہ کرکے آراگون کی قدیم آزادیوں کو تسلیم کرلیا تو اس صوبے میں شہنشاہ کے اس دوسرے بیٹے کی تائید کا جوش پیدا ہوگیا جسے حلیفوں نے چارلس سوم کے نام سے اسپین کا بادشاہ تسلیم کیا تھا اور بہت جلد کیٹولینا اور ویلنشیا بھی چارلس کو بادشاہ تسلیم کرنے میں آراگون کے شریک ہوگئے؛ ادھر مارلبرا ۱۷۰۵ء کے موسم سرما میں وئنا، برلن، ہینوور اور ہیگ سے مراسلات کرنے اور آئندہ کی مہم کی تیاریوں میں وقت صرف کر رہا تھا۔ وہ اپنے کام میں آزادی کا خواہاں تھا اور ہالینڈ کے سپہ سالاروں کی طرح شہنشاہی سپہ سالاروں سے بھی تنگ آگیا تھا، اس لئے اسنے یہ تجویز کی کہ کوہ آلپس سے ہوکر اطالیہ میں ایک مہم لیجائے اگرچہ اس کی یہ تجویز حلیفوں کی مخالفت کے باعث عمل میں نہ آسکی مگر جب وہ دوبارہ ۱۷۰۶ء میں فلینڈرز آیا تو اسے پابندیوں سے آزادی مل گئی تھی۔ مارلبرا کی طرح فرانسیسی مارشل ویلروا بھی مقابلے کے لئے بیتاب تھا اور آخر ۲۳ مئی کو موضع رامیلیز کے ناہموار میدان پر (جو برابانٹ میں سب سے بلند مقام ہے) دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ فرانسیسی ایک وسیع ہلال کی شکل میں صف آرا تھے اور ان کے سامنے دلدلی زمین واقع تھی۔ مارلبرا نے ان کے بائیں بازو پر بناوٹ سے فرار کی صورت ظاہر کی اور دوسری طرف بمقام رامیلیز

ان کے داھنے بازو پر ٹوٹ پڑا اور فوج کو خود اپنی سرکردگی
میں لیکر ایک ہی شاندار حملے میں انھیں پامال کرڈالا اور تمام
صفوں کو زیر و زبر کردیا۔ اس ہزیمت خوردہ فوج نے لوُدَین
کی دیواروں کے نیچے جاکر سانس لی۔ ڈیڑہ گھنٹے کے اندر فرانسیسیو
نے اپنے پندرہ ہزار آدمی، تمام سازوسامان اور توپیں ضائع کردیں
اور بروسلز، انٹیورپ، برور اور دریائے شیلٹ کے کنارے پر
فاتحوں نے بطور غنیمت جنگ کے قبضہ کرلیا جنگ رامیلیز
کے بعد چار کامیاب محاصروں نے فلینڈرز کو فرانسیسیوں سے
بالکل خالی کرادیا۔

اسکاٹلینڈ کے ساتھ اتحاد

جس سال رامیلیز کی فتح ظہور میں آئی ہے وہ سال
انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے کامل اتحاد کی وجہ سے اور بھی زیادہ
یادگار ہوگیا ہے۔ جس طرح رجعت شاہی کے بعد حکومت نے
پہلا کام یہ کیا کہ ان دونوں ملکوں کے مخالفہ سابقہ کو مٹادیا تھا،
اسی طرح انقلاب کے بعد حکومت کی مقدم کوششوں میں ایک
کوشش یہ بھی تھی کہ اس مخالفے کو پھر قائم کردیں؛ لیکن مذہبی
وتجارتی رقابتوں کے باعث یہ کارروائی مدت تک تعویق میں
پڑی رہی۔ انگلستان کے قرضے کے کسی جزو کے قبول کرنے سے
اسکاٹلینڈ نے انکار کردیا تھا۔ اور انگلستان اپنی جگہ پر نوآبادیوں
کی تجارت میں اسکاٹلینڈ کو کوئی حصہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ ایک
طرف انگلستان کے اہلِ کلیسا یہ چاہتے تھے کہ سرحدِ انگلستان
کے شمال میں بھی حکومتِ اساقفہ کو بحال کردیا جائے، دوسری

طرف اسکاٹلینڈ کے پربسٹیرین اتنا بھی نہیں سننا چاہتے تھے کہ اسا قفہ
کی حکومت کے ماننے والوں کے ساتھ قانونی رواداری جائز رکھی
جائے، لیکن ۱۷۰۳ء میں اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ میں جو قانون
جانشینی منظور ہوا اس سے انگلستان کے مدبّروں نے مزید تاخیر
کے خطرات کو سمجھ لیا۔ اس معاملے میں اسکاٹلینڈ کے وہگ جنہیں
صرف اپنے ملک کی آزادی مدّنظر تھی، اسکاٹلینڈ کے ان حامیانِ
جیمز کے ساتھ شریک ہوگئے تھے جو صرف "مدعی سلطنت" کے
مفاد کے خواہاں تھے۔ حامیانِ جیمز نے اس قانون میں سے
شہزادی صوفیا کا نام خارج کردیا تھا۔ وہگوں نے ایک قید
یہ لگادی تھی کہ انگلستان کا کوئی بادشاہ اس وقت تک
اسکاٹلینڈ کا بادشاہ تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ
اہلِ اسکاٹلینڈ کے مذہب، ان کی آزادی اور ان کی تجارت
کی ضمانت نہ کرے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کارروائی سے
سخت مشکلات کے پیش آجانے کا اندیشہ تھا کیونکہ اسکا منشا
یہ تھا کہ ملکہ کے انتقال کے بعد "مدعی سلطنت" کو اسکاٹلینڈ
کا بادشاہ تسلیم کرلیا جائے۔ اس پر بھی تین برس گزر جانے
کے بعد لارڈ سامرس کی دانشمندی و استقلال سے معاملات روبراہ ۱۷۰۶
ہوئے۔ اہل اسکاٹلینڈ کی تجویز یہ تھی کہ دونوں ملکوں کی مجلس
قانون سازی کے ایک کردینے کے بجائے، دونوں سلطنتیں
اپنی اپنی حیثیت سے قائم رہیں اور ان میں اتفاق باہمی
ہوجائے مگر سامرس نے اپنی استوار رائے سے اُسے خارج

کر دیا۔ اسی طرح انگریزی تاجروں کی تجارتی رقابتوں کو بھی پس پشت ڈال دیا، اور "قانون اتحاد" کی رو سے یہ قرار پایا کہ دونوں سلطنتیں برطانیہ عظمٰی کے نام سے ایک سلطنت میں متحد ہو جائیں اور اس متحدہ سلطنت کے بادشاہ انگریزی قانون جانشینی کے شرائط کے، موافق تخت نشین ہوا کریں۔ اسکاٹلینڈ کے کلیسا اور اسکاٹلینڈ کے قانون میں کسی طرح دخل نہیں دیا گیا لیکن تجارت کے تمام حقوق سب کے لئے یکساں کر دئے گئے اور ایک اصول پر جاری کر دئے گئے۔ آئندہ سے ایک ہی پارلیمنٹ اس سلطنت متحدہ کی قائم مقام قرار پائی اور اس مقصد سے انگلستان کے دار العوام کے پانچسو تیرہ اراکین میں اسکاٹلینڈ کے پینتالیس ارکان کا اضافہ کر لیا گیا۔ اور دار الامرا کے ایک سو آٹھ انگریزی امیروں میں، اسکاٹلینڈ کے سولہ قائم مقام امیر شامل کئے گئے۔ اسکاٹلینڈ میں اس کی مخالفت نہایت سخت اور تقریباً عام طور پر ہوی مگر پرسبٹیرین کے خوف کا یہ تدارک کیا گیا کہ "معاہدۂ اتحاد" میں ایک "قانون توثیق"، بھی شامل کر لیا گیا جس کا منشا یہ تھا کہ ہر ایک بادشاہ کے لئے تخت نشینی کے وقت یہ لازم ہوگا کہ وہ پرسبٹیرین کلیسا کی تائید کا حلف اٹھائے۔ لیکن پرجوش محبانِ وطن اور پیروانِ کیمرون کے سے مذہبی دیوانوں کو کسی توثیق سے اطمینان نہیں ہوسکتا تھا۔ حامیان جیمز نے فرانس سے فوج کی استدعا کی اور خاندان اسٹوارٹ کے واپس لانیکی

سازش کرنے لگے۔ وطن پرست یہ مشورے کر رہے تھے کہ جس پارلیمنٹ نے اتحاد کی منظوری دی ہے اس سے قطع تعلق کرلیں اور اس کے مقابلے میں ایک دوسری پارلیمنٹ قائم کریں۔ لیکن آخر میں تاجر طبقوں کی معاملہ فہمی اور وفاداری سے پروٹسٹنٹ جانشینی کا مسئلہ کامیاب ہوگیا۔ اسکاٹلینڈ کی پارلیمنٹ نے اس تجویز کو قبول کرلیا اور ۱۷۰۷ء میں "معاہدۂ اتحاد" نے قانون کی صورت اختیار کرلی اور ملکہ این نے نہایت ہی مناسب الفاظ میں اس کی منظوری دی۔ اس نے کہا کہ "میری یہ تمنا ہے اور مجھے اپنی دونوں قوموں کی رعایا سے یہ توقع ہے کہ وہ آئندہ ایک دوسرے کے ساتھ ہر ممکن طریقے سے عزت ومحبت کا برتاؤ کرے گی تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو کہ وہ ایک قوم بنجانے کی دل سے خواہاں ہے" زمانے نے اس خیال کو توقع سے زیادہ پورا کر دکھایا اس اتّحاد نے جن دو قوموں کو ایک کر دیا تھا وہ اس وقت سے ایک ہی رہیں۔ غدّاری و جنگ کے مسلسل خطرے سے انگلستان کو نجات مل گئی۔ اسکاٹلینڈ کے لئے دولت کے نئے راستے کھل گئے اور قوم نے اپنی محنت کے باعث ان وسائل سے حیرت انگیز فائدہ اٹھایا۔ لوتھین کے کھیت اب زرعی قابلیت کے نمونے بن گئے تھے۔ دریائے کلائڈ کا ایک ماہی گیری کا قصبہ گلاسگو کا سا دولتمند وآباد شہر ہوگیا۔ امن وتربیت نے ہالینڈ کے وحشی قبائل کو شبان و کسان بنادیا۔ اس کے ساتھ ہی اس تغیر سے قومی جوش میں

کسی طرح کا نقصان نہیں پیدا ہوا۔ اتحاد کے بعد اسکاٹلینڈ کی قومی مستعدی میں جیسی زور دار و تیز ترقی ہوئی اس کی نظیر دنیا میں مشکل سے ملے گی۔ اس اتحاد سے جو شئے مفقود ہوگئی وہ آپس کا رشک وحسد تھا جس نے اڈورڈ اول کے وقت سے ایک نسل اور ایک زبان بولنے والی قوم میں تفرقہ ڈال دیا تھا۔ اسکاٹلینڈ اور انگلستان کا اتحاد اسی وجہ سے حقیقی اتحاد ثابت ہوا کہ یہ ایک حقیقت نفس الامری کا قانونی اعتراف وعمل درآمد تھا۔

مارلبرا اور وہگ

رامیلیز کی شکست کے ساتھ فرانس کی پستی انتہائی حد کو پہنچ گئی۔ یوجین نے ایک فتح کے ذریعہ سے ٹیورین کو خلاصی دلادی اور اس طرح فلینڈرز کے نکل جانے کے بعد اطالیہ سے بھی فرانس کا قبضہ اٹھ گیا۔ اسپین میں نہ صرف یہ کہ پیٹربرا اپنی جگہ پر جما رہا بلکہ چارلس سوم انگریزی و پرتگالی فوجوں کے ساتھ میڈرو میں داخل ہوگیا۔ مارلبرا کی ناموری اب اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گئی تھی۔ ملکہ این کو وہگوں سے نفرت تھی مگر فتح رامیلیز سے مارلبرا کو اتنی قوت حاصل ہوگئی کہ اس نے ملکہ کو مجبور کردیا کہ اس کے عہد کے پورا کرنے کے لئے وہ لارڈ سنڈرلینڈ کو ملازمت میں لیلے، حالانکہ لارڈ موصوف

۱۷۰۶

وہگ سرگروہوں میں سب سے زیادہ سخت شخص تھا لیکن مارلبرا نے اب تک جو سیاسی توازن قائم کر رکھا تھا وہ فوراً ہی متزلزل ہونا شروع ہوگیا۔ آئینی اعتبار سے مارلبرا کی یہ کوشش آخری کوشش تھی کہ انگلستان پر فریقانہ حکومت کو چھوڑ کر اور

طریقے سے حکمرانی کی جائے۔انتہا پسند ٹوریوں سے علیحدہ ہونے کے بعد سے وہ مختلف فریقوں کے اتحاد باہمی کے لئے جو کوشش کر رہا تھا ان کا ناممکن العمل ہونا بہت جلد ثابت ہوگیا۔ٹوریوں میں جنگ کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی اور اس وجہ سے ڈیوک کا قیام وقرار یوماً فیوماً وہگوں کی تائید کا زیادہ محتاج ہوتا جاتا تھا۔لیکن وہگ اپنی تائید بہت گراں قیمت پر فروخت کرتے تھے۔ سنڈرلینڈ کو فریقانہ حکومت کے خیالات اپنے باپ سے ورثے میں ملے تھے وہ یہ حتمی ارادہ کئے ہوئے تھا کہ صرف وہگوں کو شامل کرکے خالص نظم ونسق قائم کرے اور مارلبرا کے علی الرغم اعتدال پسند ٹوریوں تک کو عہدوں سے ہٹا دے۔ وہگ اس پر جس قسم کا دباؤ ڈال رہے تھے اس کی نسبت ڈیوک نے بہت خشمگیں الفاظ میں انگلستان کو لکھا تھا کہ ”محض اس وجہ سے کہ چند اشخاص خوش نہیں ہوتے انگلستان کو تباہ نہیں کیا جاسکتا،، اس تنفر میں مارلبرا تنہا نہیں تھا۔ہارلے نے اپنے خارج کئے جانے کے خطرے کو پہلے ہی محسوس کرلیا تھا، اور مسز میشم کے وسیلے سے دربار میں وہگ اور مارلبرا دونوں کے خلاف سازشیں کر رہا تھا مسز میشم ملکہ کی خوابگاہ کی ایک خادمہ تھی اور ڈچیز مارلبرا کے بجائے اب این کی نظر عنایت اسی کی طرف مبذول تھی۔سینٹ جان جو اپنی ابتدائی ترقی کے لئے ڈیوک کی عنایت کا زیر بار احسان تھا وہ بھی اسی خوف سے ہارلے کی تجاویز میں شریک ہوگیا تھا۔مارلبرا نے ان دونوں

کو پھر اپنا بنا لینے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح سے اس فریق کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگیا تھا جو جنگ کو مستقلاً جاری رکھنے کی تائید میں تھا۔ وگھوں کے اپنے مخالفین کے ساتھ عارضی طور پر متحد ہو جانے سے ڈیوک نے اگرچہ پارلیمنٹ میں ایک غیر معمولی غصے کا اظہار کیا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزید مقاومت کے ناممکن ہونے کا اسے یقین ہوگیا۔ ملکہ کی مخالفت بھی بہت ہی سخت و ناخوشگوار تھی۔ این دل سے ٹوری تھی اور مارلبرا نے جب وگھوں کے مطالبات کے آگے سر جھکا دیا تو مارلبرا کی نسبت اس کا قدیم اعتماد جاتا رہا۔ اس نے صرف اپنے استعفے کی دھمکی سے ملکہ کو سنڈرلینڈ کے تقرر پر مجبور کیا تھا اور ڈچز نے اپنے شوہر کی خواہش کو جس تُند مزاجی کے ساتھ پیش کیا اس سے ملکہ کے دل میں دوستی کے بجائے اس کی طرف سے بغض پیدا ہوگیا۔

وگھ فریق کی ظفریابی

مارلبرا نے بہ مجبوری وگھ فریق کے جدید شرائط کو قبول کرکے اس تنفر کو اور بڑھا دیا۔ اس نے محض ٹوری ہونے کی وجہ سے پیٹربرا کو اس کے عہدۂ سپہ سالاری سے ہٹا دیا اور این کو بزور مجبور کیا کہ وہ ہارلے اور سینٹ جان اور ان کے ساتھ دوسرے اعتدال پسند ٹوریوں کو بھی معزول کردے۔ ان لوگوں کے معزول ہونے کے بعد وگھوں کو پورا غلبہ حاصل ہوگیا۔ سامرس مجلس شاہی کا صدر اور وارٹن آئرلینڈ کا لارڈ لفٹننٹ (نائب السلطنت) ہوگیا۔ نیچے درجے کی جگہیں بہت سے ایسے لوگوں کو ملیں جو آئندہ تاریخ انگلستان میں

کارہائے نمایاں انجام دینے والے تھے۔ انہی میں نوجوان ڈیوک نیوکاسل اور رابرٹ والپول بھی شامل تھے۔ اس دوران میں انگلستان سے باہر محاربہ عظیم برابر جاری تھا۔ کامیابی کی عجیب حالت تھی، کبھی ایک فریق کامیاب ہوتا کبھی دوسرا غالب آجاتا۔ فرانس، رامیلیز کی مصیبت اُٹھاکر بہت جلد سنبھل گیا۔ مقام المنزا پر مارشل بیروک کی ایک فتح سے اسپین نے دوبارہ فلپ کی اطاعت قبول کرلی۔ ویلیرز کو دریائے رائن پر نئی کامیابیاں حاصل ہوئیں، اور یوجین کو (جو پروانس کے اندر داخل ہوگیا تھا) اٹلی کے طرف پسپا ہونا پڑا۔ فلینڈرز میں ڈیوک ۱۷۰۷ مارلبرا کی عظیم الشان فتح سے جو فوائد حاصل ہونا چاہیے تھے، وہ ڈیوک واندوم کی جنگی تدابیر اور اہل ہالینڈ کے پس وپیش کے باعث ضائع ہوگئے۔ اہل ہالینڈ اب صلح کرنے کے تذبذب میں پڑے ہوئے تھے۔ لیکن ۱۷۰۸ء کی مہم میں جنگِ اودنارد واندوم پر اس کی کثرتِ سپاہ کے باوجود مقام اودنارد میں حملہ کردیا گیا اور اسے شکست ہوئی۔ اور اگرچہ انگریزی وہالینڈی مدبروں کی وجہ سے مارلبرا فرانس کے قلب پر ضرب لگانے سے رہ گیا مگر سرحدی قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط قلعہ لیل کو اس نے مسخر کرلیا حالانکہ اس کی امداد کے لئے ایک لاکھ سپاہ سامنے موجود تھی۔ آخر شکست اور فرانس کے اندوہناک مصائب نے لیوئس کے غرور کو توڑ دیا۔ اسنے صلح کے ایسے شرائط پیش کئے جن میں ان تمام خواہشات کو

مان لیا گیا تھا جن کے لئے حلیف جنگ کر رہے تھے۔ اس نے یہ منظور کرلیا کہ وہ فلپ شاہِ اسپین کو مدد نہ دیگا۔ فلینڈرز کے دس قلعے اہل ہالینڈ کے حوالے کردیگا، اور عہدنامہ وسٹ فیلیا کے بعد سے شہنشاہی کے جن علاقوں پر اس نے قبضہ کرلیا ہے وہ اب واپس کردیگا۔ اس نے یہ بھی منظور کیا کہ وہ این کو ملکہ انگلستان تسلیم کریگا، "مدعی سلطنت" کو اپنی مملکت سے خارج کردیگا اور ڈنکرک کی قلعہ بندیوں کو مسمار کردیگا۔ یہ بندرگاہ فرانس کے قزاقوں کا ماویٰ وملجا بنی ہوئی تھی۔ اور اسی وجہ سے انگلستان کو اس سے نفرت تھی۔

انگلستان و جنگ

مارلبرا کے خیال میں اب صلح کی طرف سے اطمینان نظر آتا تھا مگر اس کے مشوروں کے خلاف حلفا اور انگلستان کے وہگ وزرا یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ لیوئس اپنی ہی فوج سے اپنے پوتے کو مجبور کرے کہ وہ اسپین کے تاج وتخت سے دست بردار ہوجائے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ "اگر مجھے جنگ ہی کرنا ہو تو میں اپنے بچوں کے بجائے اپنے دشمنوں ہی سے کیوں نہ لڑوں"۔ اس نے نہایت مایوسی کے عالم میں فرانس سے امداد کی التجا کی اور فرانس اگرچہ خستہ و درماندہ ہوگیا تھا مگر ۱۷۰۹ء کی مہم نے یہ ثابت کردیا کہ اس نے اپنے بادشاہ کی التجا کا کیسا شریفانہ جواب دیا ہے۔ وہ مہیب خونریزی جو جنگ مالپلاکے کے نام سے مشہور ہے، فرانسیسی سپاہیوں کی ایک نئی طبیعت کا اظہار کرتی ہے۔ سپاہی بھوک سے

مالپلاکے

مر رہے تھے مگر انہوں نے لڑنے کے شوق میں اپنی خوراکیں پھینک دیں اور اختتام جنگ کے قریب قطار در قطار اس طرح مخالفین پر ٹوٹ پڑے کہ مارلبرا اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود انکی صف کو توڑ نہ سکا۔ ان کے بارہ ہزار آدمیوں کا نقصان ہوا مگر ان کے خندقوں پر دباؤ ڈالنے میں حلیفوں کے دوچند سپاہی ضائع ہوئے۔ لوگ جنگ سے پہلے ہی عاجز آگئے تھے اس "خون کے سیلاب نے" اس نفرت ووحشت میں اور اضافہ کردیا۔ مارلبرا نے جب فرانس کے شرائط کو نامنظور کردیا تو اس پر ناواجب طور پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ اپنے نفع اور حصول طاقت کے خیال سے جنگ کو طول دینا چاہتا ہے۔ وگوں کے خلاف ایک عام طوفان برپا ہوگیا۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ "ہائی چرچ کا ایک پادری ڈاکٹر سیکورل، سینٹ پال میں ایک معمولی سا بے لطف وعظ کہہ رہا تھا، اس وعظ میں اس نے عدم مقاومت کے اصول پر اس دلیری سے بحث کی اور مخالفین کو للکارا کہ اگر وہ کچھ داروگیر کرنا چاہتے ہیں تو وہ موجود ہے"۔ مارلبرا اور سامرس کی رائے کے خلاف وگ وزرا، دارالامرا کے روبرو اس پر مقدمہ قائم کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اس مقدمے نے ایک بہت بڑی جدوجہد کی صورت اختیار کرلی۔ سیکورل کی طرفداری کے عام جوش وخروش سے ظاہر ہوگیا کہ فریق وگ اور جنگ کے خلاف کس قدر نفرت کا طوفان جمع ہورہا تھا۔ اہلِ کلیسا میں جو نہایت ہی بلند رتبہ

ٹوری تھے وہ عدالت کے روبرو سیکورل کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ عدالت میں جاتے وقت اور وہاں سے واپس آتے ہوئے عوام کا مجمع اس کے ساتھ ہوتا تھا سڑکوں پر ہر طرف کلیسا اور ڈاکٹر سیکورل کا شور مچا رہتا تھا۔ امرا نے ایک قلیل سی کثرت رائے سے اسے مجرم قرار دیا مگر انہوں نے جیسی خفیف سزا تجویز کی وہ بمنزلہ بری کردینے کی تھی۔ تمام ملک میں آگ روشن کی گئی اور چراغاں ہوا اور اسے ٹوریوں کی کامیابی قرار دیا گیا۔

مارلبرا کا زوال

وہگوں نے جس فریق کو خاک میں ملا دینے کی کوشش کی تھی اس میں اب ایک نئی جان پیدا ہوگئی تھی۔ جنگ کے ابتدائی زمانے میں ٹوریوں کے جن سرگروہوں نے وزارت سے علیحدگی اختیار کی تھی وہ ہائی چرچ کے پیرو تھے لیکن اب ہارلے اور سینٹ جان کے اخراج سے ٹوریوں کو ایسے سرگردہ مل گئے جو ان ہائی چرچ والوں سے بدرجہا زیادہ ہوشیار و مستعد کار تھے۔ سینٹ جان نے سیاسی حملے کی ایک نئی صورت پیدا کی جس کی قوت کا احساس بہت جلد ہونے لگا۔ ایک رسالہ ایگزامنر کے نام سے جاری کیا گیا اور اس کے بعد بیشمار پمفلٹ اور موقت الشیوع رسالے جاری و شائع ہوئے۔ ان رسالوں میں پیرایر نے مزاح کے طور پر سولفٹ نے طنزیہ طرز میں اور خود سنٹ جان نے سوفسطائیانہ طریق پر جنگ کی اور مارلبرا کی خرابیاں ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں کیا۔ سوئفٹ نے بہت ناگواری کے ساتھ لکھا تھا کہ "ساٹھ لاکھ کی امداد اور پانچ کروڑ کے قریب قرضہ؟ بیشک ان بلند رتبہ حلیفوں نے ہمیں تباہ کردیا ہے۔" مارلبرا کا مضحکہ اڑایا جاتا اور اس کی ہجو کی جاتی تھی۔ اس پر نخوت، ظلم و حرص، رشوت ستانی وطمع کے الزامات لگائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی جرأت وہمت پر بھی شک ظاہر کیا جانے لگا۔ عوام کے خیالات کے اس تغیر نے این کو فوراً ہی اس دباؤ سے آزاد کردیا جس سے وہ مغلوب ہوگئی تھی، اور ہارلے وزارت کی بنیاد ہلا دینے کے لئے ہوشیاری کے ساتھ ریشہ دوانیوں میں مشغول ہوگیا وہگ یہ جانتے تھے کہ ان کے ساتھ ڈیوک کا اتحاد محض جنگ کی مجبوری کے باعث ہے، اس لئے ان کے ذہن میں یہ جما دینا آسان تھا کہ ملکہ کا مقصود صرف ڈیوک کو ذلیل کرنا ہے۔ پس وہ ڈیوک کے داماد سنڈرلینڈ اور اس کے دوست گاڈلفن کی برطرفی کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ دوسری طرف مارلبرا کو یہ سبز باغ دکھایا گیا کہ اس کے سابق فریق (ٹوریو) سے پھر اس کی موافقت ہوجائے گی۔ پس جب این نے وہگ وزرا کو برطرف کرکے ان کی جگہ ہارلے اور سنٹ جان کی سرگردگی میں ٹوری وزارت مقرر کی تو وہ بھی خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ لیکن سنٹ جان کی عیارانہ غداری کے سامنے ہارلے کی سازشیں بھی گرد ہوگئیں۔ وہ اگرچہ مارلبرا کو اس کے فوجی عہدے سے ہٹانے کے خیال پر مستحکم تھا مگر

وہگوں کی برطرفی ۱۷۱۰

وہ ڈیوک کو برابر یہی اُمید دلاتا رہا کہ ٹوریوں سے اسکی مصالحت
ہوجائے گی - یہاں تک کہ اس نے خود ڈیوک کی بیوی کی
برطرفی پر ڈیوک کو راضی کرلیا اور اس سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ
ٹوریوں کی حکمتِ عملی کا ساتھ دیگا۔ ڈیوک کو یہ یقین ہوگیا کہ
ٹوریوں کے ساتھ اس کی مصالحت ہوگئی ہے اور اس یقین
کی بنا پر وہ ان رسالوں کو جو فلینڈرز میں اس کی فوج کی تقویت
کا باعث ہوتے کناڈا کی ایک لاحاصل مہم پر بھیجنے کے لئے
رضامند ہوگیا۔ فوج کی اس کمی کے باعث وہ اس قدر کمزور
ہوگیا کہ آغاز سال ۱۷۱۱ء میں اس نے فرانس کے اندر داخل
ہوجانے کی جو زبردست تجویز سوچی تھی اسے پوری نہ کرسکا۔
بلکہ اس قابل بھی نہ رہا کہ جنگ کے خطرے میں پڑسکے اور
چند ساحلی قصبات پر قبضہ کرنے کے سوا اس سے کچھ نہ ہوسکا۔
سنٹ جان نے مہم کے ان حقیر نتائج سے فوراً یہ حجت قائم
کردی کہ صلح کرلینا چاہیے۔ مجالسہ اعظم کے ارکان میں باہم یہ عہد
ہوگیا تھا کہ کوئی رکن فرانس سے علیحدہ مراسلت نہ کرے، مگر
سنٹ جان نے (جو اب لارڈ بولنگبروک ہوگیا تھا) اس کی
۱۷۱۱ کچھ پروا نہ کی اور انگلستان و فرانس کے مابین خفیہ طور پر معاملات
طے کرنے لگا۔ اسی مقصد سے اس نے مارلبرا کی فوج کو گھٹا
دیا تھا۔ ڈیوک پر جب یہ راز کھلا اس وقت اسے معلوم ہوا
کہ اس کے ساتھ کیسی دغا کی گئی ہے اور آخر مجبور ہوکر اسنے
پوری وزارت سے اپنے تعلقات منقطع کرلئے۔ وہ انگلستان واپس

آیا اور اس نے اپنی کوششوں سے دارالامرا کو اس امر پر راضی کرلیا کہ وہ اس مجوزہ صلح پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے، مگر دارالعوام اور ملکہ کی تائید اور جنگ سے عوام الناس کی نفرت کے باعث ہارلے کو اتنی قوت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ ہر طرح کی مخالفت پر غالب آگیا ۱۷۱۲ء میں دارالامرا میں بارہ ٹوری امیروں کا اضافہ کرکے وگھوں کی کثرت کو مٹا دیا گیا۔ مارلبرا اپنے فوجی عہدے سے معزول کردیا گیا، اس پر غبن کا الزام لگایا گیا اور دارالعوام نے اسے کثرت رائے سے مجرم قرار دیا۔ ڈیوک فوراً ہی انگلستان سے چلا گیا اور اس کے جاتے ہی صلح کی تمام مخالفتیں معدوم ہوگئیں۔

عہدنامہ یوٹریخٹ ۱۷۱۳

مارلبرا کے فرار کے بعد فرانس، انگلستان اور اہل ہالینڈ میں بہ مقام یوٹریخٹ ایک معاہدہ ہوگیا اور اپنے حلیفوں کے الگ ہوجانے سے آخر شہنشاہ نے بھی مجبور ہوکر بمقام راس اشٹاٹ صلح کرلی۔ ان عہدناموں میں جنگ کا اصل مقصد (یعنے خاندان بوربن کو فرانس و اسپین دونوں پر قابض ہونے سے روکا جانا) فوت ہوگیا۔ "توازنِ قوت" کے خلاف جن خطرات کے پیش آنے کا احتمال تھا ان کے متعلق کوئی پیشبندی نہیں کی گئی۔ صرف یہ شرط قائم کی گئی کہ ایک ہی شخص کبھی دونوں ملکوں کا بادشاہ نہ ہو اور فلپ تختِ فرانس کے جملہ حقوق سے دست بردار ہوجائے۔

یہ معاہدے جس اصول پر مبنی تھے وہ درحقیقت وہی سابق معاہدات تقسیم کا اصول تھا۔ اسپین اور مقبوضات امریکہ، فلپ کے قبضے میں رہے مگر اس نے اپنے اطالوی مقبوضات، مع نیدرلینڈز و جزیرہ سارڈینیا چارلس (شاہِ آسٹریا) کے حقوق کے پورا کرنیکے لئے دیدیئے۔ اور چارلس اب

شہنشاہ بھی ہوگیا تھا علاوہ بریں جزیرۂ سسلی، ڈیوک سیوائے کو دیدیا گیا۔
انگلستان کو اس نے نہ صرف منارکا بلکہ جبرالٹر بھی دیدیا۔ ان دونوں
مقامات پر قابض ہوجانے سے انگلستان کو بحیرۂ روم پر قابو حاصل ہوگیا۔
فرانس نے ہالینڈ کی سرحد کا سابق کی بہ نسبت زیادہ وسیع کیا جانا
منظور کرلیا۔ فرانسیسی قزاقوں کے متعلق انگریزوں کی شکایت مٹانے
کیلئے ڈنکرک کے قلعے مسمار کردیئے گئے اور تاج انگلستان کے متعلق نہ صرف
این اور خاندان ہینوور کے پروٹسٹنٹ جانشینوں کا حق تسلیم کیا گیا
بلکہ " مدعی سلطنت " کو سرزمین فرانس سے خارج کردینا بھی منظور کرلیا گیا۔

ہارلے اور بولنگبروک۔

ملکہ کی خرابی صحت نے جانشینی کے مسئلے کو اس وقت کا سب سے اہم
مسئلہ بنا دیا تھا اور اسی مسئلے کی وجہ سے سیاسیات نے فرقہ بندی و سازش
کی صورت اختیار کرلی تھی۔ دارالعوام میں اب بھی ٹوریوں کی کثرت تھی اور
دارالامرا میں بھی انہوں نے ایک معاہدۂ تجارت کو شکست دیکر اپنے
فریق کا غلبہ ثابت کردیا تھا، اگر یہ معاہدۂ تجارت منظور ہوجاتا تو ڈیمیٹ
کی سب سے بڑی مالی ناموری بولنگبروک کو پہلے ہی حاصل ہوجاتی اور
انگلستان و فرانس کے درمیان تجارت بالکل آزاد ہوجاتی۔ فرقہ وہگ،
والی ہینوور کی جانشینی کیلئے بہت سرگرم تھا اور ٹوریوں کے خیال میں
بھی اس کے سوا کوئی اور تجویز نہیں تھی مگر جانشینی کے بروئے کار آنے کے
طریقے کی نسبت ہارلے اور بولنگبروک میں سخت اختلاف تھا ہارلے کا میلان
اسطرف تھا کہ اعتدال پسند ٹوریوں اور وہگوں کے درمیان اتحاد ہوجائے
اس کے برخلاف بولنگبروک اپنے مخالفین کو پوری طرح پست کرکے
ٹوریوں کو قوی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ والیٔ ہینوور کے

ذاتی خیالات کچھ بھی ہوں بہ حیثیت بادشاہ کے اسے اپنے وزرا کی حکمت عملی پر چلنا پڑیگا۔ اپنے رقیب کے اثر کے مٹانے کیلئے اسنے ایک "سنرم بل" (قانون تفریق) پیش کیا جسکی رو سے عام عبادت سے اتفاق نہ کرنیوالوں کیلئے بہ حیثیت معلم مدرسہ یا اتالیق کے کام کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور ٹوریوں اور وہگوں کے درمیان ہمیشہ سے زیادہ تفرقہ پڑگیا۔ جس سے ہارلے کے منصوبے غارت ہوگئے لیکن اس قانون کی کامیابی اس کے منشا سے بھی بڑھ کر ہوئی۔ وہگوں نے یہ خیال کیا کہ یہ قانون جیمز کے لڑکوں کے دوبارہ بادشاہ بنانے کیلئے پہلا قدم ہے۔ خود شہزادی صوفیا کو خوف پیدا ہوگیا اور ہینوور کے سفیر نے یہ مطالبہ کیا کہ والی ہینوور کے لڑکے کو (جو بعد میں جارج دوم ہوا) ڈیوک کیمبرج کا خطاب دیکر پارلیمنٹ میں شامل کرلیا جائے، جس سے غرض یہ تھی کہ ملکہ کے انتقال کی صورت میں ایک ہیووری شہزادہ انگلستان میں موجود رہے۔ ملکہ کو اس پر غصہ آگیا اور بولنگبروک نے اسے بھڑکا دیا۔ ملکہ نے شہزادی صوفیا کو متنبہ کردیا کہ "اس قسم کی حرکتوں سے خود جانشینی معرض خطر میں آجائیگی"۔ این پر یہانتک اثر ڈالا گیا کہ اس نے ماہ جولائی میں ہارلے کو (جو اب ارل آکسفورڈ ہوگیا تھا) موقوف کردیا اور ایک مستحکم متحدہ ٹوری وزارت قائم کی جو والی ہینوور کے مطالبے کے خلاف اسکی تائید کرے۔ چونکہ یہ خطرہ قریب آتا جاتا تھا اسلئے دونوں فریق خانہ جنگی کیلئے تیار ہوتے جاتے تھے۔ اوائل ۱۷۱۴ء میں وہگ بالکل آمادہ تھے کہ ملکہ کے انتقال کے بعد شورش برپا کردیں اور انھوں نے اپنی سرگردہی کیلئے مارلبرا کو فلینڈرز سے بلایا تھا تاکہ اسکے نام سے فوج انکی طرفدار

ہوجائے۔ دوسری طرف بولنگبروک ایک مضبوط ٹوری فریق قائم کرنا چاہتا
تھا اور اسی خیال سے اسنے ڈیوک آرمنڈ کو (جسکی نسبت یہ معلوم تھا کہ
وہ "مدعی سلطنت" کی جانشینی کا طرفدار ہے) "سنک پورٹز" کا وارڈن
(محافظ) مقرر کردیا تھا کیونکہ تاج کے دونوں دعویداروں میں جو دعویدار
بھی آتا انہی بندرگاہوں میں آتا۔ اسیطرح اسکاٹلینڈ پر اسنے جیمز کے ایک
حامی ارل مار کو متعین کرویا۔ لیکن واقعات اس کے تجاویز کی نسبت زیادہ
عجلت کے ساتھ ظہور میں آگئے۔ این پر ایکایک سکتہ طاری ہوگیا۔ پریوی کاؤنسل
(مجلس شاہی) فوراً طلب کیگئی اور اس خبر کے سننے سے ڈیوک آرگائل اور
ڈیوک سمرسٹ بلا طلب مجلس شاہی میں آکر اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے یہ کارروائی
ڈیوک شروسبری کی خفیہ موافقت سے ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ اس ٹوری وزارت
میں کاؤنسل کا صدر تھا مگر وہ بولنگبروک کا حریف مقابل اور خاندان ہینوور
کی جانشینی کا موید تھا اس کارروائی نے اپنا قطعی نتیجہ دکھا دیا۔ خاندان ہینوور
کا حق فوراً ہی تسلیم کرلیا گیا اور شروسبری کو مجلس نے وزیر خزانہ نامزد کردیا
اور قریب مرگ ملکہ نے بھی اس نامزدگی کو قبول کرلیا۔ بولنگبروک اگرچہ
بدستور وزارت پر قائم رہا مگر اسے معلوم ہوگیا کہ دفعتہً اسکے اختیارات
سلب ہوگئے ہیں اور کوئی اسکی پروا نہیں کرتا اور مجلس شاہی حادثہ اتفاقی
کے ضروریات کو پورا کرنے میں مشغول ہے۔ خانہ جنگی کے خوف سے چار رجمنٹیں
پایہ تخت میں طلب کرلی گئی تھیں لیکن حامیان جیمز بالکل بے یار و مددگار تھے
اور انھوں نے کسی قسم کی تیاری بھی نہیں کی تھی۔ ملکہ کے انتقال کے بعد
شہزادہ جارج دوائی ہینوور جو اپنی ماں کے انتقال کیوجہ سے وارث تخت
ہوگیا تھا، انگلستان کا بادشاہ مشتہر کردیا گیا اور کسی طرف سے ذرا بھی مخالفت نہیں ہوئی

این کی موت

جزو دہم

والپول

۱۷۱۲ ——————— ۱۷۴۲

اسناد۔ کتب ذیل سے ایک جانب کے حالات کے لئے خاص مواد حاصل ہوتا ہے۔

(۱) سر رابرٹ والپول کی سوانح عمری (Life of Sir Robert Walpole) مرتبہ کاکس،

(۲) ہاریس والپول کی یادگار عہد جارج دوم (Memoirs of the Reign of George II)

(۳) ہروی کا "دلچسپ تذکرہ" (Memoirs) جو جارج دوم کی تخت نشینی کے وقت سے شروع ہوکر ملکہ کیرولین کے انتقال پر ختم ہوتا ہے۔ دوسری جانب کے کچھ اندرونی حالات بولنگبروک کے "خط بنام سر ولیم ونڈھم" اس کی تصنیف "محب وطن بادشاہ" (Patriot King) اور اس کے مراسلات سے معلوم ہوتے ہیں ہاریس والپول نے سر ہاریس مین کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان سے اس کے باپ کے زوال کے تفصیلی حالات معلوم ہوتے ہیں۔

لارڈ اسٹینہوپ کی تاریخ انگلستان من ابتدائے صلح یوٹریخٹ (History of England from the peace of the Utrecht) سے اس کل زمانے کے متعلق درست و صائب کیفیت سے آگاہی ہوتی ہے۔

انگلستان و یورپ

جارج اول کے شاہ انگلستان ہوجانے سے یورپ کی سلطنتوں کے درمیان اس ملک کی حیثیت میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہوگیا۔ شاہان پلینٹیجنٹ کے وقت سے انگلستان کو معاملات یورپ سے سرسری تعلق کے علاوہ زیادہ گہرا لگاؤ نہیں رہا تھا۔ لیکن "انقلاب" نے اسے مجبور کردیا کہ وہ اقوام یورپ کے محالفۂ اعظم میں شریک ہوجائے۔ اس محالفے میں اگرچہ بعض واقعات شرمناک پیش آئے مگر صلح یوٹریخٹ نے خاندان بوربن کی ہوسناکی کے مقابلے میں انگلستان کو ایک سدِ آہنی بنادیا۔ اس انقلاب سے انگلستان نہ صرف یورپ کی طاقتوں میں اس طرح شامل ہوگیا کہ ان سے نکلنا اس کے لئے دشوار ہوگیا بلکہ ان طاقتوں میں اس کی ایک خاص حیثیت بھی معین ہوگئی۔ اس محالفے اور جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی بڑی بڑی طاقتوں کے درمیان ایک طرح کا "توازن قوت" قائم ہوگیا مگر یہ توازن سلطنتوں کے کسی فطری مساوات کی بنا پر قائم نہیں ہوا تھا بلکہ ایک ایسی حالت پر مبنی تھا جو اس کشمکش عظیم کی متخاصم طاقتوں کے تھک جانے سے از خود پیدا ہوگئی تھی۔ توقع یہ تھی کہ جب ایکبار یہ توازن مسلم اور قائم ہوجائے گا تو پھر سیاسی حالات کے تغیر کے ساتھ ساتھ اس میں اصلاح و ترمیم ہوتی رہے گی۔ عہدنامہ یوٹریخٹ اور اس کے بعد کے عہدناموں میں جو توازن تسلیم کرلیا گیا تھا، انگلستان اس کا

خاص محافظ بن گیا۔ تینوں جارج کے زمانے میں مدبّروں کے پرزور طریق عمل نے اس وقت سے انگلستان کی حکمت عملی پر اپنا اثر قائم کردیا ہے۔ صلح کے قائم رکھنے اور عہدناموں کی عزت کرنے کی کوششیں خواہ خودغرضی ہی پر مبنی سمجھی جائیں تاہم انگلستان نے ایک بار جس زنجیر کو پکڑلیا، پھر اسے ذرا بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ قوم کی طبیعت اگرچہ جنگجوئی اور حصول غلبہ کی طرف مائل رہتی ہے مگر اس نے کبھی اس خیال کو ترک نہیں کیا کہ دنیا میں اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے لئے اور نیز اپنے گردوپیش کی قوموں کے لئے امن کو قائم رکھے۔ اور امن کی بہترین ضمانت یہی ہے کہ کیسی ہی مشکلات وتحریصات کیوں نہ پیش آئیں مگر بین الاقوامی قراردادوں اور معاہدوں کی توقیر کو برقرار رکھا جائے۔

انگلستان وخاندان ہینوور

انگلستان میں نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی اہم سیاسی نتائج ظہور پذیر ہونے لگے۔ ولیم کی غیر ہردلعزیزی کے باعث بادشاہ کا جو اثر زائل ہوگیا تھا وہ این کے عہد میں پھر بحال ہوگیا، مگر این کے بعد جو دو بادشاہ ہوئے ان کے دور میں تاج کی طاقت بالکل معطل رہی۔ وہ بالکل اجنبی تھے اور ان کی ذات کے ساتھ وفاداری ممکن نہ تھی۔ اخلاقی حیثیت سے انھوں نے اپنے کو اس درجہ بے اثر بنا دیا تھا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں تھا۔ لیکن یہ دونوں بادشاہ ایماندار اور معاملے کے صاف تھے، انھوں نے آئینی بادشاہ کی پراز وقعت

حیثیت کو صفائی کے ساتھ تسلیم کرلیا تھا۔ مگر ان دونوں میں سے کسی میں بھی وہ صفات موجود نہ تھے جن سے ان کی صداقت کا اثر عوام پر پڑتا۔ جارج اول تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک معزز درباری ہے؛ اسے صرف ایک فکر یہ رہا کرتی تھی کہ اپنے اور اپنے ندیموں کے لئے روپیہ حاصل کرے۔ جارج دوم کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایک قواعد لینے والا فوجی عہدہ دار معلوم ہوتا تھا۔ اسے یہ یقین ضرور تھا کہ وہ اپنے مملکت کا مالک ہے مگر اس کی ملکہ جو کچھ اسے سمجھا دیتی تھی اسی کو وہ دہرایا کرتا تھا اور ملکہ جو کچھ سیکھتی تھی وزرا سے سیکھتی تھی۔ اس زمانے کی مذاقیہ تحریروں میں ان کے درباروں کی جو کیفیتیں ابتک موجود ہیں، لوگ ان سے اچھی طرح مانوس ہیں۔ لیکن سیاسی حیثیت سے دونوں جارج کے نام تاریخ انگلستان میں مفقود سے نظر آتے ہیں۔ ولیم (آرنج) نہ صرف ایوانہائے پارلیمنٹ کے قوانین کو نامنظور کردیا کرتا تھا بلکہ غیرملکی معاملات کی نگرانی اس نے خاص اپنے ہاتھ میں رکھی تھی؛ این نے اپنے کلیسائی تقررات کے اختیار میں مارلبرا تک کو دخل نہیں دیا اور اپنے وزرا کے جلسوں میں آخر تک خود صدارت کا کام انجام دیتی رہی۔ لیکن شاہان ہینوور کی تخت نشینی کے ساتھ ہی یہ خصوصیات جاتے رہے۔ این کے بعد سے کوئی بادشاہ وزرا کی مجلس میں شریک نہیں ہوا نہ کسی بادشاہ نے پارلیمنٹ کے منظور کردہ قانون کے ساتھ اتفاق کرنے سے انکار کیا۔ یہ البتہ ہوا کہ والی ہینوور

شاہی اثر کا زوال

ہونے کی حیثیت سے بادشاہ براعظم کے معاملات میں اب بھی دخل دیتا رہا، اور اس شخصی مداخلت کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ جوش رقابت تو بڑھا لیکن بادشاہ کے انگریز مشیروں کی غیر ملکی حکمت عملی پر اس کا بہت ہی خفیف اثر پڑا۔ خلاصہ یہ کہ انگلستان کی حکومت اب بادشاہ کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی بلکہ اس کے وھگ وزرا کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ وھگوں کو اپنے سیاسی مخالفین کے کسی بااثر دباؤ کا بھی خوف باقی نہیں رہا تھا۔ این کے انتقال کے بعد بولنگبروک نے لکھا تھا کہ "ٹوری فریق کا خاتمہ ہوگیا"

ٹوریوں کی برطرفی

نئے بادشاہ کے وقت میں جو پہلا دارالعوام جمع ہوا اس میں شاید ہی پچاس ٹوری ارکان رہے ہونگے۔ اس کے ساتھ ہی آپس کے سخت مناقشے نے ملک میں ان کی قوت کو توڑ دیا اور ان میں جو زیادہ پرجوش افراد تھے وہ اس عالم مایوسی میں "مدعی سلطنت" کی طرف مائل ہوگئے۔ لارڈ آکسفورڈ پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے ٹاور میں بھیجدیا گیا۔ بولنگبروک اور ڈیوک آرمنڈ انگلستان سے بھاگ گئے تاکہ شاہ جیمز کے بیٹے کی ماتحتی میں کام کریں۔ اندرون ملک میں سر ولیم ونڈھم نے ان کی کوششوں کی اس طرح تائید کی کہ ٹوری فریق میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو مجتمع کرکے حامیان جیمز کا ایک گروہ مرتب کیا۔ اس گروہ بندی سے "مدعی سلطنت" کو تو کچھ ایسا نفع نہ پہنچا مگر ٹوری فریق کے معاملات درہم و برہم ہوگئے۔ شاہان اسٹوارٹ کی واپسی کو انگلستان ابتک ناپسند کرتا تھا۔ اور حامیان جیمز کی

تجویزوں کے شبہے کے باعث نہ صرف تاجروں کا طبقہ ان سے
الگ ہوگیا بلکہ عام پادریوں اور متوسط الحال اشخاص کا جوش
بھی سرد پڑگیا۔تاجر اس وجہ سے گھبراتے تھے کہ حامیان جیمز
اگر سلطنت کے قرضے سے انکار کردیں گے تو اس سے انگلستان
کی عام ساکھ کو سخت نقصان پہنچ جائے گا۔اس کے ساتھ ہی
عام طور پر مشہور ہوگیا تھا کہ اس فرقہ بندی سے نئے بادشاہ
کے دل میں فرقۂ ٹوری کے تمام لوگوں کی طرف سے سخت
بے اعتمادی پیدا ہوگئی ہے۔بادشاہ اب وہگوں کی طرف مائل
وہگوں کی بھی ہوگیا تھا۔وہگوں کے لئے کلیسا ابتک سنگ راہ بنا ہوا تھا
حکومت
مگر اب اس کی سیاسی اہمیت اسقدر کم ہوگئی تھی کہ اس سے
کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔تیس برس سے زائد تک وہگوں
نے انگلستان پر حکومت کی، لیکن ان کی اس طولانی حکومت
کی بنا صرف بادشاہ کی تائید یا ٹوریوں کی آپس کی فرقہ بندی
ہی پر منحصر نہیں تھی بلکہ ایک حد تک اس کا باعث خود انکے
فریق کا اعلیٰ نظم و انضباط بھی تھا۔ان کے مخالفین اپنے
اصول کے اختلافات کی وجہ سے آپس میں منقسم تھے اور
ان میں کوئی اعلیٰ قابلیت کا سرگروہ بھی نہیں تھا۔اس کے
برخلاف وہگ فریق کا ایک ایک شخص انقلاب کے اصولوں پر
جما ہوا تھا اور اس میں بڑے بڑے سرگروہ ایسے پیدا ہوگئے
تھے جو ان اصولوں کو عملی شکل میں لانے کی قابلیت رکھتے
تھے۔اس فریق کے تمام لوگ قابل قدر انضباط کے ساتھ

ایک مختصر جماعت کی رہبری کے سامنے سرِ اطاعت خم کئے ہوئے تھے۔ اس جماعت میں خاندانہائے، بنٹنک، کیسنرز کیمبل، اور کیونڈش کے بڑے بڑے امرا، فٹسنر را ئے، لیناکس، رسّل اور گرنویل کے سے خاندان کے لوگ شامل تھے، جنھوں نے شاہانِ اسٹوارٹ کی واپسی کی ہر ممکن طریق سے مخالفت کی تھی، انقلاب میں شریک تھے، اور اپنی کوششوں سے خاندانِ ہینوور کو تخت نشین کردیا تھا، اور ان خدمات کی وجہ سے سلطنت کے اختیار و اقتدار پر ان کا حق قائم ہوگیا تھا۔ لیکن اس دیرپا قوت کا ایک اس سے بھی وسیع تر سبب یہ تھا کہ وھگ پوری تندہی کے ساتھ دارالعوام میں فوقیت حاصل کرنے اور اپنی حاصل شدہ فوقیت کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ تجارتی طبقات اور بڑے بڑے قصبات کی تائید حاصل کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ نہیں تھا کہ حکومت کی ساکھ مضبوطی کے ساتھ قائم رکھی جاتی تھی بلکہ ہر وزارت تجارتی و مالی معاملات پر خاص توجہ کرتی تھی۔ صلح اور تخفیف لگان نے کسانوں اور زمینداروں کو راضی کردیا تھا، اور چونکہ متوسط الحال طبقات کی ہمدردی حامیانِ جیمز کی طرف تھی اور اس بنا پر وہ سیاسیات میں دخل دینے سے کنارہ کش رہتے تھے؛ اسلئے کچھ زمانے کے لئے صوبوں کی قائم مقامی بھی وھگوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ صوبوں کے ارکان اگرچہ تعداد میں کم ہوتے تھے مگر دارالعوام میں ان کا اقتدار زیادہ تھا۔ اس گروہ کی بھی کئی برس تک

وھگ اور پارلیمنٹ

یہ کیفیت رہی کہ ان میں دس میں سے نو ارکان بڑے بڑے وھگ خاندانوں کے جانبدار و متوسل تھے۔ پارلیمنٹ پر قابو رکھنے کے ذلیل طریقوں سے بھی پرہیز نہیں کیا جاتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے مختصر حلقہائے انتخاب کو پوری طرح قابو میں لانے کے لئے امرا کی دولت بیدریغ صرف ہو رہی تھی اور قصبات میں اس قسم کے حلقوں کا شمار بہت بڑھا ہوا تھا۔ خود پارلیمنٹ کے اندر رشوت دینے میں اس سے بھی زیادہ دولت لٹائی جا رہی تھی۔ یہ خرابی والپول اور وھگ وزارت کے پہلے سے چلی آ رہی تھی کیونکہ رجعت شاہی کے بعد جس وقت سے دارالعوام کو قوت حاصل ہوئی تھی اسی وقت سے اس خرابی کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔ تاج کی قوت دارالعوام کی طرف پوری طرح منتقل ہو گئی تھی اور اجزائے سلطنت میں دارالعوام کو سب پر غلبہ حاصل تھا، مگر دارالعوام ایک جانب تو بادشاہ کے اثر سے آزاد ہو گیا تھا دوسری جانب وہ ابھی تک پوری طرح قوم کا ذمہ دار نہیں بنا تھا۔ صرف انتخاب کے وقت ارکان پر عام رائے کا اثر پڑتا تھا۔ شاہی مداخلت سے محفوظ رہنے کے لئے بہ نظر احتیاط پارلیمنٹ کی کارروائی کے راز میں رکھنے کی ضرورت تھی لیکن یہ رازداری انتخاب کنندوں کی مداخلت کے مقابلے میں سپر کا کام دیتی تھی۔ ایسی وسیع طاقت اور پھر ہر طرح کی ذمہ داری سے کامل آزادی، ان دونوں باتوں کے یکجا ہو جانے سے جو نتیجہ بالطبع پیدا ہو سکتا تھا

وہ اکثر ارکان میں ظہور پذیر ہوگیا۔ بلا معاوضہ رائے کا ملنا مشکل تھا، اور پارلیمنٹ کی تائید کے لئے عہدوں، وظیفوں اور نقد رشوتوں کا دینا لازمی ہوگیا۔ لیکن وھگ اگرچہ اپنے فریقانہ انتظامات میں نہایت چابکدست اور نظم و ترتیب میں پوری طرح متحد تھے تاہم ان کی یہ ممتد حکمرانی صرف اسی چابکدستی اور انضباط ہی کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ کچھ اعلیٰ صفات بھی اس کا باعث تھے۔ جن اصولوں کے موافق انھوں نے ترقی کی تھی ان پر وہ ثابت قدمی سے جمے ہوئے تھے اور ان کے غیر منفصل دور حکومت نے ان اصولوں کو قومی عادت میں داخل کردیا تھا۔ ان کے اس طویل زمانۂ حکمرانی کے ختم ہونے کے قبل ہی انگریز یہ بھول گئے تھے کہ اختلاف رائے کی بنا پر بھی تشدد ہوسکتا ہے، مطابع کی آزادی بند کیجا سکتی ہے، عدالتی کارروائی میں مداخلت کیجا سکتی ہے یا بغیر پارلیمنٹ کے حکومت ہوسکتی ہے۔

والپول

اس طرز عمل کا اس مضبوطی کے ساتھ قائم ہونا اور اس استقلال کے ساتھ اس کا عمل میں آنا سب سے زیادہ رابرٹ والپول کے ذہن رسا کا نتیجہ تھا۔ وہ ۱۶۷۶ء میں پیدا ہوا تھا اور ولیم کے انتقال سے دو برس پہلے پارلیمنٹ میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایک نوعمر شخص تھا اور نارفک میں ایک معقول آمدنی کی زمینداری کا مالک تھا۔ اس کا مذاق و انداز وہی تھا جو عام طور پر دیہاتی زمینداروں کا ہوتا ہے۔ اس کے موٹے تازے جسم اور خوش منظر دہقانوں کے سے چہرے سے

صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ دیہات کا ایک عام متوسط الحال شخص ہے، مگر اس کی یہ دہقانیت ہمیشہ اس کے تدبُّر کے سامنے پست رہی۔ وہ کتابی علم سے محروم تھا" "اسے نہ لکھنے کا شوق تھا نہ پڑھنے کا" البتہ فنونِ لطیفہ کا اسے کچھ ذوق تھا مگر اس کا اصل شوق کھانا پینا اور شکار کھیلنا تھا۔ وہ جیسا سخت شرابی تھا ویسا ہی مضبوط سوار بھی تھا۔ سیاسی خطرات کے وقتوں میں بھی وہ سب سے پہلے جس مراسلے کو کھولتا تھا وہ اس کے ناظر شکارگاہ کا خط ہوتا تھا۔ اس کے استقلال کی وہ کیفیت تھی جو نارفک کی طرف لومڑی کے شکار کرنیوالوں میں پائی جاتی ہے۔ مارلبرا نے بھی اس کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا نہایت خود اعتمادی کے ساتھ یہ کہنا کہ" اگر میں وزیر اعظم نہوتا تو میں کنٹربری کا اسقف اعظم ہوتا" بجائے خود اس کا شاہد ہے۔ ابتداً وہ تقریر کرنے سے گھبراتا تھا، مگر اسی استقلال طبیعت کی بدولت اس نے کوشش کر کے اس جھجک کو رفع کر دیا۔ اپنے آخری زمانے میں اس نے تن تنہا اپنے مخالفین کی ایک پوری جماعت کے سخت حملوں کا جواب دیا۔ یہی کیفیت اس کی دلپذیر خوش طبعی کی تھی۔ اس کی یہ صفت سیاسیات میں ایک نئی قوت بن گئی تھی۔ تحریراً و تقریراً کسی شخص پر اس سے زیادہ سخت حملے نہیں کئے گئے مگر اس نے مطابع کا منہ بند کرنے کے لئے کوئی قانون نہیں پیش کیا۔ اور اگرچہ "مدعی سلطنت" کیساتھ

سازش کر لے کے باعث اس کے معاندین میں بہتوں کی جانیں اس کی مٹھی میں تھیں مگر اس نے اپنی اس قدرت سے بہت ہی کم کام لیا۔ لیکن اس کے دیہات کی تربیت کا اثر سب سے زیادہ اس کی طبیعت کی تیزی، تنگ خیالی، اور صداقت میں ظاہر ہوتا تھا۔ معاملات میں اس کی نظر صاف ضرور تھی مگر اس میں دوربینی نہیں تھی اور جہاں خود اس کی نظر نہیں پہنچ سکتی تھی اس کا وہ کسی طرح یقین ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ نہایت صداقت پسند شخص تھا اور جن چیزوں کا اسے یقین تھا ان پر پوری طرح ثابت قدم تھا۔ جیمز کے حامی شپن نے زمانۂ مابعد میں جب اس کے مخالفوں سے اس کا مقابلہ کیا تو اس نے یہ اعتراف کیا "دو ہی سچے آدمی ہیں ایک رابن (رابرٹ والپول) دوسرے میں۔ وہ شاہ جارج کا حامی ہے اور میں شاہ جیمز کا۔ باقی یہ تمام لمبے لمبے گلوبند باندھنے والے صرف عہدوں کے حریص ہیں خواہ شاہ جارج کے تحت میں ملجائیں خواہ شاہ جیمز کے تحت میں"۔ انقلاب سے جو سیاسی نتائج پیدا ہوے تھے، وہ انھیں سمجھتا تھا، اور وہ اپنے بے مثل اقتدار کے تمام زمانے میں "انقلاب کے اصولوں" پر غیر معمولی دیانت کے ساتھ کاربند رہا۔ لیکن یہ سطحی خوش فہمی انسان کے شاعرانہ حسیات وجذبات سے بہت علیحدہ رہتی تھی۔ اعلیٰ و پاک جذبات کی طرف جب اشارہ کیا جاتا تو وہ انھیں "طلبۂ مکتب" کی بلند پروازی کہکر ہنسا

کرتا تھا۔ پارلیمنٹ کے نوجوان ارکان جب بہبود عامہ اور حب وطن کا ذکر کرتے تھے وہ سب کو ایک ہی جواب دیتا تھا کہ "تم بہت جلد اس پیچ سے نکل آؤ گے اور زیادہ عقلمند ہو جاؤ گے"۔

حامیانِ جیمز کی بغاوت

اس وقت تک کسی کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ والپول کس قدر عظیم الشان کام کرنے والا ہے۔ اپنے فریق کے معاملے میں اس کی مستعدانہ کوششوں کے باعث ملکہ این کے آخری زمانے میں ٹوری اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے ۱۷۱۲ء میں اس پر غبن کا ایک سازشی الزام لگا کر اسے ٹاور میں بھیج دیا تھا۔ پس جارج اول کی تخت نشینی کے وقت وہ اس بلند مرتبے سے بہت دور تھا جو جلد تر اسے حاصل ہونے والا تھا۔ شاہانِ ہینوور کے دور حکومت میں سب سے پہلی وزارت بالکل وھگوں پر مشتمل تھی مگر اس فریق کے سرگروہ اور مارلبرا دونوں اس سے الگ رہے۔ معاملات

ٹاؤنشنڈ کی وزارت

کی سربراہی نئے وزیر لارڈ ٹاؤنشنڈ کے سپرد کی گئی۔ اس کا شریک کار سپہ سالار اسٹینہوپ تھا جو اب امرا کے زمرے میں داخل کر لیا گیا تھا۔ والپول کو اس نئے انتظام میں یکے بعد دیگرے میر بخشی، وزیر مالیات اور وزیر خزانہ کے عہدے ملتے رہے مگر اس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ وہ ٹاؤنشنڈ کا برادر نسبتی تھا۔ اس کی حقیقی قابلیت پر اس درجہ نظر نہیں کی گئی تھی۔ وزارت کا پہلا کام یہ تھا کہ "مدعی سلطنت" کے حصول تخت کی جانبازانہ کوشش کا مقابلہ کرے۔ اس کی کامیابی کی کچھ

قوی امید نہیں تھی کیونکہ انگلستان میں کچھ کرگزرنے والے حامیانِ جیمز
بہت کم تھے اور ٹوری اپنے سرگروہوں کے پست ہوجانے سے
پریشان وشکستہ خاطر ہوگئے تھے؛ لیوئش کے انتقال کے
باعث فرانس سے کسی قسم کی مدد ملنے کی توقع باقی نہیں رہی
تھی۔ سویڈن کی مدد کی توقع بھی ایسی ہی بے نتیجہ رہی مگر بولنگبروک
کے اختلاف رائے پر بھی جیمز نے تنہا کارروائی کرنے کا ارادہ
کرلیا۔ اپنے نئے وزیر کو مطلع کئے بغیر اس نے ارل مار کو حکم
دیا کہ وہ شمال میں بغاوت کا اشارہ کردے۔ اسکاٹلینڈ میں

۱۷۱۵ء کی بغاوت

دھگوں کے غلبے کے معنی یہ تھے کہ خاندانِ آرگائل کی قوت
برقرار رہے اور ہائلینڈز کے رقیب قبائل خاندانِ کیمبل سے
لڑنے کے لئے جس طرح کسی وقت میں ڈنڈی یا مانٹروز کے
تحت میں مستعد تھے ویسے ہی اب مار کی سرکردگی میں بھی
آمادہ ہوگئے۔ مگر مار ان افراد کے بہ نسبت ایک جداگانہ طبیعت کا
شخص تھا۔ پرتھ میں چھ ہزار اہلِ ہائلینڈ اس کے ساتھ شریک
ہوگئے مگر اس کی بزدلی یا عدم قابلیت کے باعث اس کی
فوج بیکار پڑی رہی اور آرگائل نے اتنی قوت فراہم کرلی کہ
شیرف میور میں اس سے ایک ناتمام جنگ کرسکے؛ "مدعی سلطنت"
جو وقت گزر جانے کے بعد آیا۔ وہ مار سے بھی زیادہ سست
وناقابل ثابت ہوا، اور ۱۷۱۵ء کے اختتام کے قریب نئی فوجوں
کے بڑھنے نے جیمز کو پھر سمندر پار بھگادیا اور قبائل اپنی اپنی
پہاڑیوں میں منتشر ہوگئے؛ انگلستان میں یہ خطرہ ایک خواب

کی طرح سے گزر گیا؛ نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد بددلی کے اظہار کے طور پر چند شورشیں ہوئیں مگر ہائلینڈرز کی بغاوت اور فرانسیسی حملے کے چرچے نے ڈھگ اور ٹوری دونوں کو بادشاہ کے گرد جمع کردیا، اور فوج بہت جوش کے ساتھ شاہ جارج کی طرفدار ہوگئی۔ قانون "احضار ملزم" کے تعطل اور اپنے سرگروہ سر ولیم ونڈہم کے گرفتار ہوجانے سے حامیانِ جیمز خوف زدہ ہوگئے اور جب آرمنڈ ڈیون کے ساحل پر آیا اور اپنے فریق کو بغاوت پر ابھارنا چاہا تو ایک شخص نے بھی جنبش نہ کی؛ آکسفورڈ کا دارالعلوم جیمز کی حمایت میں نہایت سرگرم تھا۔ صرف وہیں کسیقدر بیچینی کا اظہار ہوا اور لارڈ ورڈنٹو اسٹر اور مسٹر فاسٹر کے تحت میں نارتھمبرلینڈ میں چند کیتھولک امرا نے بغاوت کردی، مار نے دو ہزار اہل ہائلینڈرز کو ان کی شرکت کے لئے بھیجا اور ان کے آجانے سے ان لوگوں کا جوش بڑھ گیا اور وہ بڑھ کر لینکاشائر میں داخل ہوگئے جہاں کیتھولک فریق سب سے زیادہ قوی تھا۔ یہ تمام گروہ بہت جلد پرسٹن میں گھر گیا اور اطاعت پر مجبور ہوگیا۔ وزارت نے اس فتح سے یہ فائدہ اٹھایا کہ "قانون تفریق" اور قانونِ اتحادِ ہنگامی" کی ترمیم کرکے عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والوں کو زیر بار احسان بنا لیا؛ قانونِ سہ سالہ کے بموجب ولیم کے عہد میں پارلیمنٹ کی میعاد تین برس کے لئے ہوا کرتی تھی لیکن اب دارالعوام ہی سلطنت کے حکمراں اجزا میں سب سے قوی

قانون ہفت سالہ

جزو ہوگیا تھا اس لئے ایسی ترمیم کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی تھی جس سے اس کے سیاسی کاموں میں استقلال ویکسانی پیدا ہوسکے؛ ۱۷۱۶ء میں اس ضرورت کے ساتھ وھگوں میں یہ بھی خواہش پیدا ہوگئی کہ اس پارلیمنٹ کو جس میں وھگوں کا پورا پورا غلبہ تھا بدستور قائم رکھیں اس لئے پارلیمنٹ کا زمانۂ نشست قانونِ ہفت سالہ کے بموجب سات برس تک بڑھا دیا گیا۔ لیکن حامیانِ جیمز کی بغاوت نے انگلستان کی بیرونی حکمتِ عملی میں اس سے بھی زیادہ موثر و اہم تغیر پیدا کردیا، جیمز کے اسکاٹلینڈ میں اترنے کے وقت شاہ جارج کو سخت فکر پیدا ہوگئی کہ کسی طرح فرانس کو اس معاملے سے بالکل الگ رکھا جائے؛ خوش قسمتی سے اس وقت یورپ کی سیاسیات کی حالت کچھ ایسی تھی کہ اس سے ایک نئے محالفۂ ثلاثہ کے قائم کرنے میں بہت مدد ملی اور فرانس، انگلستان اور ہالینڈ کے درمیان ایک نیا محالفہ قائم ہوگیا۔

وھگ اور یورپ

۱۷۱۵ء میں لیوئس چہاردہم کے انتقال کرجانیکے بعد سے ڈیوک آرلینز، نوعمر بادشاہ لیوئس کی طرف سے بحیثیت متولی کے فرانس پر حکمرانی کررہا تھا؛ فلپ شاہ اسپین نے عہدنامۂ یوٹریخٹ میں اپنے حقوق سے دست بردار ہوجانیکا جو اقرار کیا تھا اگر وہ اس پر قائم رہتا تو سلسلۂ جانشینی میں لیوئس پانزدہم کے بعد ڈیوک ہی کا درجہ تھا، لیکن یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ فلپ اس اقرار پر قائم رہنے کا مطلق ارادہ

نہیں رکھتا، ہر ایک اسپینی برابر یہی خواب دیکھ رہا تھا کہ اسپین نے جو کچھ دیا ہے اسے واپس لیلے، یہ کوشش اگر عمل میں آتی تو تمام یورپ کے خلاف ہوتی کیونکہ سسلی، سیوائے کو مل گئی تھی، شہنشاہ نے ندرلینڈز نیپلز اور ملان پر قبضہ کرلیا تھا، ہالینڈ سرحد کے قلعوں کو اپنی حفاظت کے لئے لازمی سمجھتا تھا اور انگلستان، امریکہ کی تجارت کو کسی طرح ہاتھ سے جانے دینا گوارا نہیں کرسکتا تھا، لیکن اسپین میں اس وقت کارڈنل البیرونی وزارت پر متمکن تھا اور وہ اپنی جسارت کی وجہ سے ان خطرات میں پڑنے پر تیار ہوگیا، ایک طرف اس کا آقا فرانس میں متولی (ڈیوک آرلینز) کے خلاف سازشیں کر رہا تھا دوسری طرف البیرونی نے اس خیال سے حامیانِ جیمز کو مدد دینے کا وعدہ کرلیا کہ انگلستان اس کے منصوبوں میں دراندازی کرنے سے رک جائے، اس کی پہلی کوشش یہ تھی کہ فلپ کے ہاتھ سے جو اطالوی صوبے نکل گئے ہیں انھیں واپس لے لے، اس غرض کے لئے اس قدر جہاز جمع کئے گئے کہ سو برس کے اندر اسپین میں کبھی ایسا اجتماع نہیں ہوا تھا اور ۱۷۱۷ء میں سارڈینیا مسخر ہوگیا، پس فوراً ہی انگلستان و فرانس ایک دوسرے کی طرف جھکے اور دونوں ملکوں میں ایک مضبوط اتفاق قائم ہوگیا، فرانس نے انگلستان میں خاندانِ ہینوور کی جانشینی کی ذمہ داری کی اور انگلستان لیوئس پانزدہم کے لاولد انتقال کرجانے کی صورت میں خاندانِ آرلینز کی تخت نشینی کا ضامن بن گیا،

اسپین کے خلاف اتحاد

ہالینڈ بھی جبراً و قہراً ان دونوں طاقتوں کے ساتھ شریک ہوگیا؛ پس جب ۱۷۱۸ء کے موسم گرما میں ایک طاقتور اسپینی فوج نے سسلی میں اترکر جزیرے پر قبضہ کرلیا تو معاً مسینا میں ایک انگریزی بیڑہ جہازات بھی پہنچ گیا اور اس بحری جنگ میں اسپین کا بیڑہ تقریباً بالکل تباہ ہوگیا۔ البیرونی نے اس کا بدلا لینے کی کوشش اس طرح کی کہ ایک بیڑہ تیار کیا اور ڈیوک آرمنڈ کی سرکردگی میں اسے اسکاٹلینڈ کو بھیجنا چاہا تاکہ حامیانِ جیمز کی شورش پھر تازہ ہوجائے؛ لیکن یہ جہازات خلیج بسکے میں شکست ہوگئے اور آسٹریا اور سیوائے کے "محالفہ ثلثہ" میں شریک ہوجانے سے اسپین تمام یورپ کے مقابلے میں تنہا رہگیا۔ آخر شمال اسپین میں فرانس کی فوجوں کے بڑھنے نے فلپ کو دب جانے پر مجبور کردیا؛ البیرونی معزول کردیا گیا اور اسپینی فوجیں سارڈینیا اور سسلی سے واپس بلالی گئیں۔ جزیرۂ سسلی اب شہنشاہ کے قبضے میں آگیا اور سیوائے کو اس کے معاوضے میں سارڈینیا دیدیا گیا۔ اور ڈیوک نے شاہ سارڈینیا کا لقب اختیار کرلیا۔ عہدنامۂ یوٹرخت کے مقاصد کی تکمیل اس طرح ہوگئی کہ شہنشاہ نے تاج اسپین کے دعاوی کو ترک کردیا اور فلپ نے ملان اور سلطنت سسلی کے حقوق سے دست برداری کی۔

اسٹینہوپ کی وزارت

لیکن اس کشمکش سے یہ ظاہر ہوگیا کہ بادشاہ کی اس دُہری نوعیت سے انگلستان کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا؛ جارج کو فی نفسہ انگلستان کی بادشاہت کے بجائے اپنی ریاست

ہینوور کی زیادہ فکر تھی۔ اب اس ریاست کو چارلس دوازدہم (شاہ سویڈن) کی طرف سے خطرہ پیدا ہوگیا۔ چارلس جس زمانے میں ٹرکی میں تھا، شاہ ڈنمارک نے اس کے نہونے کو غنیمت جان کر سویڈن کے مقبوضات بریمن اور ورڈن پر قبضہ کرکے ان مقامات کو ہینوور کے حوالے کردیا تھا۔ شاہ چارلس اسوجہ سے ہینوور سے سخت برافروختہ تھا۔ سوئیڈن کو مرعوب کرنے کے لئے ایک انگریزی بیڑہ بحر بالٹک میں بھیجا گیا۔ جس سے یہ ثابت ہوگیا کہ انگلستان بھی ہینوور کے ساتھ متفق ہے۔ چارلس اسکے جواب میں البیرونی سے متفق ہوگیا اور شاہان اسٹوارٹ کو ان کی بادشاہت واپس دلانے کے لئے زار روس سے اتحاد کرلیا۔ نئے خاندان شاہی کی خوش قسمتی تھی کہ فریڈرکس ہال کے

۱۷۱۸ محاصرے میں چارلس کا انتقال ہوگیا اور اس کے ساتھ ان تجاویز کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ مگر جس طرز عمل سے یہ صورت معاملات پیدا ہوی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزارت پہلے ہی شکست

انگلستان اور ہینوور

ہوگئی۔ بریمن اور ورڈن کے الحاق سے ہینوور کا تعلق سمندر سے پیدا ہوگیا تھا اور اس لئے یہ مقامات ہینوور کے لئے نہایت ہی اہم تھے لیکن اس کے ساتھ ہی انگلستان کے لئے بھی وہ کچھ کم کارآمد نہ تھے کیونکہ اسطرح سے دریاہائے ایلب و ویزر کے دہانے ایک دوست سلطنت کے ہاتھ میں آئے جاتے تھے اور جرمنی کے ساتھ برطانیہ کی تجارت انھیں دریاؤں کے راستے سے ہوتی تھی۔ اسوجہ سے وزرائے انگلستان نے

یہ منظور کرلیا تھا کہ سوئیڈن کے خلاف ہینوور کے ساتھ معاہدۂ اتحاد کرلیا جائے لیکن ہینوور کے مقاصد میں اس سے زیادہ ساتھ دینے سے انہوں نے انکار کردیا۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آیا اور اس کے ساتھ ہی وزرا میں بھی سازشیں ہونے لگیں اور آخر ۱۷۱۷ء میں مجبور ہوکر ٹاؤنشنڈ اور والپول کو اپنی اپنی خدمت سے استعفا دینا پڑا۔ وزارت کی ترتیب جدید میں لارڈ سنڈرلینڈ اور اسٹینہوپ کا غلبہ ہوگیا اور ان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ نظام سلطنت میں کچھ ایسا تغیر کریں جس سے وھگوں کی طاقت کے استقلال کی طرف سے اطمینان ہوجائے۔ دارالامرا میں عہدنامۂ یوٹریخت کی منظوری حاصل کرنے کے لئے ہارلے نے بارہ نئے امیر بنائے تھے، جس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ بادشاہ کو یہ طاقت حاصل ہے کہ کثرت رائے حاصل کرنے کے لئے جس قدر نئے امرا کی ضرورت ہو انھیں دارالامرا میں داخل کردے۔ اس لئے ۱۷۱۹ء میں وزارت نے ایک مسودۂ قانون اس مقصد سے پیش کیا کہ دارالامرا میں نئے امیروں کے اضافے کے متعلق بادشاہ کے اختیارات کی ایک حد معین کردینا چاہیئے۔ خیال یہ تھا کہ سنڈرلینڈ کے اشارے سے یہ کارروائی ہوی ہے۔ تجویز یہ تھی کہ دارالامرا میں اس وقت جو تعداد ہے وہی ہمیشہ کے لئے معین کردی جائے اور نئے امرا صرف اس وقت داخل کئے جائیں جب کوئی جگہ خالی ہو۔ اور اسکاٹلینڈ کے سولہ منتخب شدہ امرا کے

تقرر امرا کا قانون

بجائے پچیس موروثی امرا معین کردئیے جائیں۔لیکن والپول نے اس مسودۂ قانون کی سخت مخالفت کی۔درحقیقت اس قانون کی وجہ سے نیابتی حکومت غیر ممکن ہوجاتی۔نیابتی حکومت کے معنی اب یہ ہوتے جاتے تھے کہ دارالعوام کی رائے کے مطابق حکومت کیجائے اور اس کی جانب سے وزارت اس کے نفاذ کا ذریعہ ہو۔لیکن جب دارالامرا کی رائے دارالعوام کے خلاف ہو تو اسے مجبور کرنے کا صرف یہی ذریعہ تھا کہ وزارت کے مشورے سے بادشاہ اپنے اقتدار شاہی سے کام لے کر نئے امرا کا اضافہ کردے۔سنڈرلینڈ کی تجویز اگر منظور ہوجاتی تو قانون سازی اور حکمرانی دونوں کا خاتمہ ہوجاتا۔اس مسودۂ قانون کو صرف والپول کی مخالفت کے باعث شکست ہوی اور اس کے حریف مجبور ہوگئے کہ اسے اور ٹاؤنشنڈ کو وزارت میں شامل کرلیں۔اگرچہ ان دونوں کو معمولی خدمتیں دیگئیں، لیکن اس سے ایک مناسب وحقیقی انتظام کے لئے راستہ صاف ہوگیا۔انگریزی تجارت کے دفعتہً اس قدر ترقی کرجانے سے اس وقت لوگوں میں سٹّے کا خبط پیدا ہوگیا تھا۔الزبتھ کے وقت سے اسپینی امریکہ کی غیر معلوم دولت نے انگریزوں پر جادو کا اثر کر رکھا تھا۔ہارلے نے بحر جنوبی کی ایک کمپنی قائم کرنے میں مدد دی اور اس کمپنی نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے اسپینی تجارت کا اجارہ دیدیا جائے تو وہ سرکاری قرضے کو گھٹادے گی۔لیکن اس کے ساتھ ہی اسپین بھی غیر ملکی تجارت کے روکنے کے لئے مثل سابق سختی کے ساتھ اپنے

بحر جنوبی کا بلبلا

خیال پر قائم تھا۔ عہدنامہ یوٹرخٹ سے صرف اتنا ہوسکا کہ انگلستان کو یہ حق دیا گیا کہ حبشی غلاموں کی تجارت کرے اور صرف ایک جہاز امریکہ کے اسپینی ساحل پر بھیجا کرے۔ لیکن باوجود ان تمام امور کے کمپنی نے دوبارہ اقدام کیا اور کچھ نئے حقوق کے معاوضے میں یہ شرط قبول کی کہ وہ قومی قرضے کو ادا کردے گی جس کی مقدار دس لاکھ سالانہ ہوتی تھی۔ والپول نے وزارت اور ملک دونوں کو اس "خوابِ شیریں" پر متنبہ کیا مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وزرا و رعایا دونوں دیوانے ہو رہے تھے اور ۱۷۲۰ء میں بلبلے کی طرح سے کمپنیاں یکے بعد دیگرے ابھرنے لگیں اور آخر جو ہونا تھا وہ ہوا۔ ایک عام تباہی برپا ہوگئی اس صدمے نے اسٹینہوپ کو قبر میں پہنچا دیا۔ دوسرے وزرا میں سے اکثر کی نسبت یہ ثابت ہوگیا کہ انہوں نے بحرِ جنوبی کی کمپنی سے رشوتیں لی تھیں کہ اس کے جعل و فریب کی تائید کریں۔ کریگز وزیر خارجہ تحقیقات کے وقت خوف سے مر گیا۔ ایسلیبی، وزیر مالیات ٹاور میں بھیج دیا گیا۔ اپنے رقیبوں کی اس

والپول کی وزارت

عام تباہی سے والپول کو پھر قوت حاصل ہوگئی۔ اور ۱۷۲۱ء میں وہ وزیرِ خزانہ اور ٹاؤنشنڈ وزیرِ خارجہ مقرر ہوگیا۔ لیکن اب کے ان دونوں وزیروں کے تعلقات باہمی بدل گئے تھے۔ پہلے ٹاؤنشنڈ صدر تھا اب والپول صدر ہوگیا۔ والپول نے نہایت ہی چبھتا ہوا فقرہ کہا کہ "میں یہ عزم کرچکا ہوں کہ اب "یہ کارخانہ ٹاؤنشنڈ و والپول" نہیں بلکہ "والپول و ٹاؤنشنڈ" کہلائے گا"؛

والپول کی صلح و آشتی کی روش

شعرا اور مورخین کے ہاتھوں والپول سے زیادہ کسی وزیر کی مٹی خراب نہیں ہوی مگر کام کرنے والے مدبّروں نے بلا رو رعایت بہت کم کسی کی عظمت و وقعت کو اس سے برتر تسلیم کیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اس کے اقتدار کے زمانے میں انگلستان میں جیسا سیاسی جمود قائم تھا اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس کے نظم و نسق کے بیس برس سے زائد کے زمانے کی گویا کوئی تاریخ ہی نہیں ہے۔ اسکے عہدۂ وزارت پر فائز ہوتے ہی یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام قانونی و سیاسی قوتیں معطل ہوگئی ہیں۔ سال پہ سال گزرتا جاتا تھا اور کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا تھا۔ اس کی وزارت کے تیسرے سال صرف ایک مرتبہ دارالعوام میں اظہار رائے کے لئے تفریق ہوی تھی۔ ٹوری ارکان کی تعداد اس قدر کم ہوگئی تھی کہ کچھ زمانے کے لئے تو انہوں نے دارالعوام میں آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ۱۷۲۲ء میں روچسٹر کے اسقف اٹربری پر "مدعی سلطنت" سے مراسلت کرنے کا جرم ثابت پایا گیا اس لئے اسقفی سے علیحدہ کرنے کے علاوہ پارلیمنٹ کے قانون کے بموجب وہ ملک سے ہی خارج کردیا گیا۔ اس کے بعد حامیانِ جیمز کا کوئی سرگروہ نہیں رہا۔ والپول کو صرف ایک فکر یہ تھی کہ ملک میں سکون قائم رہے تاکہ انقلاب سے جو نیا نظام سلطنت پیدا ہوا ہے، ملک اس کا عادی ہوجائے۔ یہ سکون و خاموشی عام طبائع کے بالکل موافق تھی۔ جو طبقات بالعموم سیاسی جدوجہد کے لئے زور دیتے تھے، وہ بھی اس سکون کو پسند کرتے تھے۔ تاجر ہمہ تن تجارت

کی وسعت اور دولت کے جمع کرنے میں منہمک تھے - جبتک ملک میں انصاف و اعتدال کے ساتھ حکمرانی ہوتی تھی تاجروں اور دوکانداروں کو اس سے بحث نہیں تھی کہ حکومت کی باگ کس کے ہاتھ میں ہے وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ نئی آزادی سے فائدہ اٹھانے اور کاروبار کو ترقی دینے میں کوئی ان کا مخل نہو۔ والپول نے انھیں بالکل ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا اور مادّی ترقی نے سیاسی ترقی کی جگہ لیلی تھی۔ مگر اسوقت مادّی ترقی بھی ایسی ہوی کہ انگلستان کو کبھی اس کے قبل یہ دن دیکھنا نصیب نہیں ہوے تھے۔ انگلستان میں سکون کا قائم رکھنا اور اس کے ساتھ ہی یورپ کو بھی خاموش رکھنا بجائے خود ایک عمدہ کام تھا اور والپول نے جس خوبی سے اس کام کو انجام دیا اس نے انگریز مدبروں میں اس کا رتبہ بہت بلند کردیا۔ انگلستان کے حامیانِ امن وزرا میں وہ سب سے پہلا اور سب سے زیادہ کامیاب وزیر تھا۔ اس کا قول تھا کہ "اس ملک کے لئے سب سے زیادہ مضرت رساں شئے جنگ ہے کیونکہ جبتک جنگ جاری رہتی ہے ہمیں نقصان ہی ہوتا رہتا ہے اور جب ختم ہوتی ہے تو ہمیں کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوتا" اس کے ہاتھ سے انگلستان کی عزت یا اثر کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا کیونکہ اس نے اپنی حکمت عملی کی مضبوطی اور اپنے تدابیر سیاسی کی مہارت کے باعث ایسے ہی کارآمد فتوحات حاصل کرلئے تھے جیسے جنگ وجدال سے حاصل ہوسکتے تھے۔

غیر ملکی معاملات کے الجھاؤ اور دربار و مخالفین کے دباؤ کے باوجود انگلستان کو
مضبوطی کے ساتھ صلح پر قائم رکھنا والپول کا نہایت ہی شاندار کارنامہ ہے۔
درحقیقت اسوقت صلح کا قائم رکھنا نہایت مشکل ہو گیا تھا۔
شہنشاہ چارلس ششم نے ایک شاہی فرمان جاری کر کے اپنی بیٹی
میریا تھریسا کو بلا استثنا اپنے جملہ موروثی مقبوضات کا وارث قرار دیدیا
تھا مگر ابھی تک اور سلطنتوں نے اس کی جانشینی کی ذمہ داری نہیں

اسپین کی تازہ کوششیں

کی تھی۔ اسپین بدستور اس خیال پر جما ہوا تھا کہ اپنے ضائع شدہ
مقبوضات کو واپس لیلے اور اپنی امریکہ کی نوآبادیوں کی تجارت
خالصتہً اپنے ہی لئے مخصوص رکھے۔ اس نے اس موقع کو غنیمت
سمجھا اور شہنشاہ کو دول اربعہ کے اس محالفے سے الگ کرلیا
جس نے اسپین کو بالکل تنہا کردیا تھا۔ پس اسپین نے اس شرط
کے ساتھ اس فرمان شاہی کی تائید کا وعدہ کرلیا کہ چارلس جبرالٹر
اور منارکا کو انگلستان سے نکالنے اور پارما پیاسنترا اور ٹسکنی پر
کسی اسپینی شہزادے کی جانشینی کو مستحکم کرنے میں اسکی مدد کریگا۔
شہنشاہ نے معاہدہ وسٹ فیلیا کے برخلاف اور انگلستان و ہالینڈ
کے اعتراضات کے علی الرغم آسٹنڈ میں ایک تجارتی کمپنی قائم کردی
تھی اور جب اسپین نے اس کمپنی کو اپنے امریکی مقبوضات میں
اعلیٰ ترین تجارتی حقوق عطا کردیئے تو اس خفیہ اتحاد کا راز کھل گیا
اور روس کے بھی اس اتحاد میں شریک ہوجانے کا خوف پیدا

۱۷۲۵

ہو گیا۔ کچھ زمانے تک اس خطرے کا توڑ اس طرح کیا گیا کہ انگلستان،
فرانس اور پروشیا، کے درمیان ایک محالفہ ہو گیا۔ لیکن پروشیا کے

علیحدہ ہوجانے سے پھر اسپین کے شرکا کی ہمت بڑھ گئی اور ۱۷۲۷ء میں اسپینیوں نے جبرالٹر کا محاصرہ کرلیا اور چارلس نے ہالینڈ کو حملے کی دھمکی دی۔ صرف والپول کی اعتدال پسندی سے تمام یورپ میں جنگ کا شعلہ بلند ہوتے ہوتے رہگیا۔ اس نے بحر بالٹک، اسپینی ساحل اور امریکہ کی طرف برطانوی جہازات روانہ کئے مگر ساتھ ہی ساتھ سیاسی تدابیر سے بھی کام لیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شہنشاہ نے مجبور ہوکر پھر خاموشی اختیار کرلی۔ اسپین نے بھی آخرکار معاہدۂ سیویل پر دستخط کردئے اور صرف اس وعدے پر قناعت کی کہ امارات پارما و ٹسکنی کا وارث کوئی اسپینی شاہزادہ ہوگا۔ اس رعایت سے چارلس کو بددلی پیدا ہوئی مگر ۱۷۳۱ء میں انگلستان نے اس کے فرمان شاہی (دربارۂ میریا تھریسیا) کی ذمہ داری کرکے اس کی شکایت رفع کردی۔

۱۷۲۹

والپول کے مالیات

والپول جس طرح انگلستان کے امن پسند وزرا میں پہلا شخص تھا اسی طرح وہ انگلستان کے ماہرانِ مالیات میں سب سے مقدم تھا۔ مالی حالت کی مضبوطی کی قوت کو زمانۂ مابعد کے مدبروں نے جس حد تک سمجھا ہے درحقیقت والپول اسے اُس حد تک نہیں سمجھتا تھا مگر وہ اس امر کو سمجھتا تھا کہ قومی صنعت و تجارت اور قومی دولت کے روز افزوں ترقی کی حالت میں کسی مدبر کے لئے بہترین روش یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ان معاملات میں دخل نہ دے اور انھیں ان کے راستے پر چلنے دے۔ اور یہی وہ رمز تھا جو اس کے قبل کسی وزیر کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔

اپنی حکمرانی کے شروع ہی میں اس نے بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوادئے تھے کہ تجارت کی وسعت کے لئے کوئی تدبیر اس سے زیادہ کارآمد نہیں ہوسکتی کہ" اپنے مصنوعات کی برآمد اور ان مصنوعات کے لئے خام اشیا کی درآمد میں جہاں تک ممکن ہو سہولت و آسانی پیدا کی جائے" اس نے اپنے مالی انتظامات میں پہلا کام یہ کیا کہ سو سے زائد اشیائے برآمد اور قریب چالیس اشیائے درآمد پر سے محصول اُٹھالیا۔ ۱۷۳۰ء میں بھی اس نے ایسی ہی روشن خیالی کا اظہار کیا اور اس متعصبانہ طریق کو توڑ دیا جس نے نوآبادیوں کی تجارت کو صرف وطن اصلی (انگلستان) کے ساتھ مختص کردیا تھا۔ اس نے جارجیا اور کیرولینا کو اجازت دیدی کہ وہ اپنے ملک کا چاول یورپ کے جس حصے میں چاہیں براہ راست روانہ کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ کے چاول نے بہت جلد اطالیہ اور مصر کے چاولوں کو بازار سے خارج کردیا۔ مصنوعات ملکی کے متعلق اس کا مسودۂ قانون اگرچہ ناقص تھا مگر یہی پہلی کارروائی تھی جسے انگلستان کے کسی وزیر نے محصول کی حقیقت کو سمجھکر جاری کیا ہو۔ والپول کی دانائی کا ثمرہ یہ ملا کہ ملک کی خوشحالی میں بہت جلد ترقی ہوگئی۔ اس صدی کے اوائل میں انگلستان کی برآمد ساٹھ لاکھ پاؤنڈ کی تھی وسط صدی تک یہ مقدار دونی ہوگئی۔ نوآبادیونکی تجارت کی تیز ترقی سے انگلستان کو ایک نئی دولت ہاتھ آگئی۔ منچسٹر اور برمنگھم میں جہاں کے مصنوعات اب اہمیت حاصل کرتے جاتے تھے تیس برس کے اندر آبادی کی تعداد دگنی ہوگئی۔ تجار امریکہ

کے بندرگاہ خاص (یعنے برسٹل) کو نئی ثروت حاصل ہوگئی۔ لورپول کی ابتدا مغرب کی اسی نئی تجارت کے باعث ہوی، اور وہ ایک چھوٹے سے قصبے کے بجائے سلطنت میں تیسرا بندرگاہ شمار ہونے لگا۔ اس امن و اماں اور اس کے ساتھ دولت کی فراوانی سے زمین کی قیمت بہت جلد بڑھگئی اور اسی اندازے سے دیہات کے شرفا کی آمدنی میں بھی ترقی ہوگئی لیکن دولت کی اس کثرت کو دیکھکر والپول اپنی سخت ترین جزرسی، قومی قرضے کے گھٹانے اور سرکاری محصولوں کے کم کرنے کی کوشش سے ذرا بھی باز نہ آیا۔ جارج اول کے انتقال کے قبل ہی قبل قرضے کا بار دو کرور کم ہوگیا تھا۔

والپول اور پارلیمنٹ

جارج دوم

۱۷۲۷ء میں جارج دوم کی تخت نشینی سے والپول کے اقتدار کو سخت صدمہ پہنچا، لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس نئے بادشاہ کو جس قدر اپنے باپ سے نفرت تھی اسی قدر وہ اس کے وزیر سے بھی متنفر تھا۔ مگر اسے والپول سے کیسی ہی نفرت کیوں نہ ہو وہ اپنی بیوی کیرولین شاہزادی آنسپاخ کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا اور کیرولین اس خیال پر مستحکم تھی کہ وزارت میں کسی قسم کی تبدیلی نہو۔ درحقیقت اس کے بعد ہی وہ زمانہ آیا جب والپول کا اقتدار اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ اس نے جارج دوم کے باپ پر جیسا اثر ڈالا تھا ویسا ہی اثر خود اسپر بھی ڈالا۔ دارالعوام پر اسے جو نفوذ حاصل تھا اس میں مطلق فرق نہیں آیا۔ اصحاب جائداد کی ناراضی و ناگواری کے مٹانے کی یہ تدبیر

کی گئی کہ محصول الاضی میں برابر کمی کی کوشش ہوتی رہی۔ کلیسا
خاموش تھا حامیانِ جیمز اس قدر مایوس ہوگئے تھے کہ وہ جنبش
تک نہیں کرتے تھے۔ متعدد تجارتی تجاویز اور معاشرتی اصلاحات
خاموشی کے ساتھ پارلیمنٹ میں طے ہوگئے تھے ایک بہت ہی
اہم قانون یہ منظور ہوا کہ آیندہ سے تمام عدالتوں کی کارروائیاں
انگریزی میں ہوا کریں۔ صرف ایک مرتبہ والپول نے اپنی ایک
بڑی مدبرانہ کارروائی سے اس سکون میں خلل ڈالا۔ محصولِ آبکاری
جس وقت سے رائج ہوا تھا اسی وقت سے وہ تمام قسم کے
محصولوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی
ابتدا پم اور لانگ پارلیمنٹ (طویل العہد پارلیمنٹ) سے ہوی تھی۔
انہی نے اول اول بیر (شرابِ جو)، سائڈر (شرابِ سیب)
اور پیری (شراب ناشپاتی) پر محصول لگایا۔ رجعت شاہی کے وقت
اس محصول سے چھ لاکھ پاونڈ سے زاید کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی
فرانس کی جنگ کے ساتھ سرکے پر بھی محصول لگ گیا اور اسپرٹ
(جوہر شراب) شراب تنباکو اور دوسری اشیا اسی ضمن میں آگئیں۔
عام دولت میں اس قدر ترقی ہوگئی تھی کہ جارج اول کے انتقال
کے وقت اس اندرونی محصول سے پچیس لاکھ پونڈ کے قریب
آمدنی ہوتی تھی لیکن اس محصول کی ناپسندیدگی میں کسی طرح
کمی واقع نہ ہوی اور لاک کے سے فلسفیوں تک نے یہ
رائے دی تھی کہ تمام سرکاری آمدنی زمین پر براہ راست
محصول لگاکر حاصل کرنا چاہئے۔ اس کے برخلاف والپول یہ چاہتا تھا کہ

بالواسطہ محصول کی آمدنی بڑھا کر اراضی پر سے محصول بالکل اٹھا دیا جائے اور دیہات کے معززین کو انقلاب کے بعد کے نئے خاندان شاہی کا ہواخواہ بنالیا جائے۔ خفیہ درآمد اور فریب کاری کیوجہ سے آمدنی میں بہت کمی ہوتی تھی۔ صرف تنباکو کے محصول کا نقصان تمام محصول کے ایک ثلث کے برابر تھا۔ ۱۷۳۳ء کے قانون آبکاری نے اس کا تدارک یہ قرار دیا تھا کہ سرکاری مال خانے قائم کئے جائیں اور محصول میر بحری کے بجائے اندرون ملک کے تاجروں سے "محصول آبکاری" وصول کرنے کا طریقہ جاری کیا جائے۔ پہلی شرط کے مطابق لندن ایک آزاد بندرگاہ ہوجاتا، اور انگلستان کی تجارت دونی ہوجاتی۔ دوسری شرط کے نفاذ سے خریداروں کو نقصان پہنچائے بغیر آمدنی اسقدر بڑھجاتی کہ والپول مالگزاری میں ترمیم کردیتا۔ صرف چائے اور کافی کی بابت یہ تخمینہ کیا گیا تھا کہ اس جدید طریقے سے آمدنی میں ایک لاکھ پاؤنڈ سالانہ کا اضافہ ہوجائے گا۔ والپول کی اس تجویز میں زندگی کی لازمی ضروریات اور مصنوعات کے لئے تمام مال کو محصول سے بالکل بری کردیا تھا۔ آزاد تجارت کی کامیابی کے بعد سے انگلستان جس اصول پر چل رہا ہے یہ تجویز اس کا پیش خیمہ تھی مگر ۱۷۳۳ء میں والپول اپنے زمانے کے خیالات وحالات سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ اس تجویز سے سخت بےچینی پیدا ہوگئی۔ شورشیں ترقی کرکے بغاوت کی حد کو پہنچ گئیں اور باوجودیکہ ملکہ نے یہ خواہش کہ اس مخالفت کو بزور دبانا چاہئے مگر والپول نے یہی

مناسب سمجھا کہ اس مسودۂ قانون کو واپس لیلے۔اس نے ایک شریفانہ خودداری کے ساتھ یہ کہا کہ" میں وزیر اس لئے نہیں ہوا ہوں کہ لوگوں کا خون بہا کر محصول وصول کروں"۔اس ہنگامہ خیزی میں عام ناپسندیدگی کو جس شئے نے اس حدتک بھڑکا دیا وہ نام نہاد"محبان وطن" کی زیادتیاں تھیں۔کسی فریق کا جب کوئی زوردار مدمقابل نہیں رہتا اور ان میں کسی خاص تحریک کا جوش بھی نہیں ہوتا تو ان میں آپس ہی میں فتنے برپا ہو جاتے ہیں۔چنانچہ معاملاتِ عامہ کے اس جمود کے ساتھ ٹوریوں کی کمزوری دھگوں کے اندر مناقشات پیدا کردینے کا موجب ہوی۔ علاوہ بریں والپول اپنے اقتدار کا بیحد حریص تھا اور اس کے اسی اقتدارپسندی کی وجہ سے اس کے رفقا ایک ایک کرکے اپنے عہدوں سے الگ ہونے لگے۔یہ لوگ عہدوں سے ہٹکر اس فریق کے سرگروہ بن گئے جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ والپول کو اس کی جگہ سے ہٹادیا جائے۔والپول کی قوتِ معاملہ فہمی اگر کسی جذبے سے زیر ہوجاتی تھی تو وہ یہی حرص اقتدار کا جذبہ تھا۔ٹاؤنشنڈ ۱۷۳۰ء میں اور چسٹرفیلڈ ۱۷۳۳ء میں اپنے عہدوں سے ہٹادئے گئے۔ والپول کی ابتدائی وزارت میں جس قابلیت کے لوگ اسکے شریک کار تھے ملک میں کبھی اس قابلیت کے لوگوں کا ایسا اجتماع نہیں ہوا تھا مگر بیس برس کے غلبے کے بعد اس کی وزارت میں صرف ایک قابل شخص لارڈ ہارڈوک (چانسلر) رہ گیا تھا۔

"محبانِ وطن"

ٹاؤنشنڈ کے علاوہ اس نے اپنے اور جس قدر رفقا کو علیحدہ کیا تھا وہ سب کے سب ایک ایسی مخالفت پر آمادہ ہو گئے کہ انگلستان کی سیاسیات کو کبھی اس سے زیادہ فتنہ انگیز اور بے اصول مخالفت کی ذلت دیکھنا نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ لوگ اپنے کو "محبان وطن" کہتے تھے اور پلٹنی ان کا سرگروہ تھا۔ ان کے ساتھ کچھ نوجوان وھگ بھی شامل ہو گئے تھے جنھیں والپول "لڑکے" کہا کرتا تھا۔ یہ لوگ والپول کے خاموش و ساکت طرز عمل سے برافروختہ تھے، ان کا سرپنچ سواروں کا ایک علم بردار ولیم پٹ تھا ان لوگوں نے اپنے ساتھ ٹوری فریق کے اس گروہ کو بھی شامل کرلیا تھا جو ابتک سیاسیات میں دخل دیتا تھا۔ والپول نے بولنگبروک کو جلاوطنی سے واپس آنے کی اجازت دیدی تھی مگر دارالامرا میں اسے جگہ دینے سے انکار کردیا۔ کچھ زمانے تک بولنگبروک ہی اپنی مضرت رساں قابلیت سے اس ٹوری گروہ کی رہبری کرتا رہا لیکن محصول آبکاری کے مسودۂ قانون کی شکست سے والپول کی طاقت پر بہت کم اثر پڑا اور بولنگبروک اپنی کوششوں کی ناکامیابی سے مایوس ہوکر فرانس واپس چلا گیا۔

جنگ اسپین ۱۷۳۳ء بیرون ملک میں خطرے کی پہلی علامت ۱۷۳۳ء میں ظاہر ہوئی۔ اسی سال تخت پولینڈ کے متنازع فیہ انتخاب کے باعث نئی نئی خصومتیں برپا ہوئیں اور امن یورپ میں خلل پڑگیا۔ آسٹریا اور فرانس دونوں اس مناقشے میں شریک ہو گئے

اور فرانس کے رقیبانہ جوش کی ترقی سے انگلستان میں جنگ کے لئے
پھر زور دیا جانے لگا۔ نیا بادشاہ بھی جنگ کا شائق تھا اور کیرولین
بھی اپنی جرمن ہمدردی کے باعث اس فساد میں شریک ہونا چاہتی
تھی، لیکن والپول غیر جانبداری کے قائم رکھنے پر مضبوطی کے ساتھ
جما ہوا تھا۔ یورپ میں جس زمانے میں جنگ ہو رہی تھی تو اس نے
فخریہ یہ کہا تھا کہ یورپ میں اس سال کے اندر پچاس ہزار آدمی
مارے گئے ہیں مگر انگریزوں میں ایک شخص بھی ہلاک نہیں ہوا۔"
انگلستان و ہالینڈ کی مداخلت سے دوبارہ امن قائم کرانے میں
کامیابی ہوی لیکن ملک نے اس امر کو ناگواری کے ساتھ محسوس
کیا کہ یہ امن خاندان بوربن کی دونوں شاخوں کے غلبے کے ساتھ
حاصل کیا گیا ہے۔ پارما اور ٹسکنی کے حق جانشینی سے دست بردار
ہونے کے عوض میں ہردو جزائر سسلی پر ایک اسپینی شہزادہ
حکمراں بنادیا گیا اور اس طرح خاندان آسٹریا کو نقصان پہنچا کر
ایک نئی بوربن بادشاہت قائم کردی گئی۔ دوسری طرف
بوربن بالاستقلال فرانس کے ہاتھ میں آگیا۔ لیوئس پانزدہم کے
اولاد ہوجانے سے فرانس کی جانشینی کا مسئلہ بالکل طے ہوگیا تھا
اور اپنی خاندانی ہمدردی کی وجہ سے دونوں دربار ہائے بوربن
(اسپین و فرانس) کے متحد العمل ہونے میں اب کوئی رکاوٹ
باقی نہیں رہی تھی۔ ۱۷۳۳ء میں اسپین و فرانس کے درمیان
ایک خفیہ "معاہدۂ خاندانی" ہوگیا جس کا خاص مقصد یہ تھا کہ معاہدۂ خاندانی
برطانیہ کی بحری فوقیت کو برباد کردیا جائے۔ اسپین نے یہ وعدہ

کیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ انگلستان کے ہاتھ سے اپنے امریکی مقبوضات
کے حقوق تجارتی کو نکال لیگا اور انھیں فرانس کی طرف منتقل کردیگا۔
فرانس نے اس کے عوض میں یہ وعدہ کیا کہ سمندر میں اسپین کو
تقویت دیگا اور جبرالٹر کے واپس لینے میں اس کا معاون ہوگا۔ والپول
جس احتیاط کے ساتھ پولینڈ کی جنگ سے علیحدہ رہا، اسکی وجہ
سے یہ معاہدہ بروقت بیکار ہوگیا مگر دونوں بوربن درباروں میں
سے کسی نے بھی اس کے آئندہ نفاذ کا خیال ترک نہیں کیا تھا؛
جنگ کے ختم ہوتے ہی فرانس نے ہر ممکن کوشش سے اپنی
بحری قوت کو بڑھانا شروع کیا، اور اسپین نے اپنی امریکی نوآبادیوں
کے ساتھ برطانوی تجارت پر ہر طرح کی سختی شروع کی۔ اسپینی امریکہ
کے ساتھ تجارت اگرچہ قانوناً جائز نہیں تھی، مگر جس زمانے میں
انگلستان و اسپین فرانس کے خلاف جنگ میں متحد تھے۔ اس
زمانے میں بندرگاہوں کے اسپینی عمال اغماض سے کام لیتے تھے
اور اس وسیع مدتِ اتحاد میں انگریزی تجارت نے بہت وسعت
حاصل کرلی تھی اور بالآخر صلح یوٹریخٹ میں اسے قانوناً جائز
قرار دیدیا گیا تھا، اس میں شک نہیں کہ کچھ سخت قیود بھی عائد
کیئے گئے تھے مگر خفیہ درآمد کے وسیع انتظام نے اسپین کے اجارے کو
بالکل بےسود بنادیا تھا۔ لیکن جب فلپ نے یہ کوشش کی کہ
عہدنامۂ یوٹریخٹ کے موافق اس کی نوآبادیوں کے ساتھ انگلستان
کی تجارت صرف حبشیوں کے لانے اور ایک جہاز کی روانگی تک
محدود رہے تو تصادم پیدا ہوگیا، اور صلح کا قائم رکھنا مشکل نظر آنے لگا۔

اسپین وانگلستان

ایک تجارتی جہاز کے ناخدا جنکس نامی نے ۱۷۳۸ء میں دارالعوام کے سامنے حاضر ہوکر اسپینیوں کی اذیت دہی کے قصے بیان کئے اور ایک کان نکال کر دکھلایا اور کہا کہ اسپینیوں نے شاہ انگلستان پر آوازے کسے اور میرا کان کاٹ ڈالا ہے۔ اس سے تجارتی طبقات میں بوجہ نافہمی دیوانگی سی برپا ہوگئی۔ والپول نے ہرچند کوشش کی کہ دونوں فریق کے ساتھ انصاف کیا جائے اور ایک نامنصفانہ و ناعاقلانہ جنگ کو روکا جائے مگر اس کی تمام مساعی بے سود ثابت ہوئیں۔ شہنشاہ کی موت کا زمانہ قریب آلگا تھا اور اس نازک وقت میں انگلستان کے لئے نہایت ضروری تھا کہ وہ یورپ میں اپنے مقبوضات کی حفاظت کے لئے اپنے تمام ذرائع کام میں لانے کے لئے بالکل آزاد ہو، لیکن ایک ملک کے مجنونانہ جوش اور دوسرے ملک کی نخوت کی وجہ سے والپول کی تمام گفت و شنود لاحاصل رہی۔ انگلستان میں اس کے دشمنوں نے اس پر ملامتوں کی بوچھاڑ کردی۔ "برطانیہ کے اس سگِ ملعون اور اسپین کے چاپلوس کتے" کی نسبت شاعروں نے نظمیں تیار کیں اور عوام ان نظموں کو ہر طرف گاتے پھرتے تھے۔ ملکہ کے انتقال سے اس کے اثر میں بھی ضعف آگیا تھا۔ اور شہزادہ ویلز (ولیعہدِ سلطنت) کی علانیہ مخالفت نے اس کے اثر کو اور بھی زائل کردیا تھا۔ دارالعوام میں بھی اسے اب بے ردوکد غلبہ حاصل نہیں رہا تھا۔ ٹوری آہستہ آہستہ پارلیمنٹ میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ شہزادہ فریڈرک کی علانیہ حمایت کی وجہ سے "محبانِ وطن" کی تعداد اور انکی درازدستیوں میں

زیادتی ہوگئی تھی۔ ملک بھی بتدریج اس کے خلاف ہوتا جاتا تھا۔ اس تجارتی جنگ کے شور و غوغا کے ساتھ تاجر طبقے نے بھی اس کی تائید ترک کردی۔ لیکن جبتک والپول بالکل تنہا نہوگیا۔ اس نے دبنے کا نام نہیں لیا۔ آخر ۱۷۳۹ء میں بدرجہ مجبوری اس نے اسپین کے خلاف جنگ کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔

والپول کا زوال

اس عظیم المرتبت وزیر کے اس طرح زیر ہوجانے سے ہرطرف خوشی کا شور مچگیا اور ہرجانب آگ روشن کی گئی مگر اس نے اس کیفیت کو دیکھکر سختی کے ساتھ یہ کہاکہ "یہ لوگ اس وقت گھنٹے بجارہے ہیں۔ مگر بہت جلد ہاتھ ملیں گے" اس کی پیش بینی بہت جلد صحیح ثابت ہوگئی۔ امیرالبحر ورنن جسوقت انگریزی بیڑے کے ساتھ جنوبی امریکہ میں پہنچا ہے اور پورٹو بیلو پر قبضہ کیاہے اسی وقت فرانس نے باضابطہ یہ اعلان کردیا کہ وہ جنوبی امریکہ کی سرزمین پر کسی انگریزی نوآبادی کے تسلیم کرنے پر رضامند نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے بیڑے کے دو حصے جزائر امریکہ کو روانہ کردیے۔ اس نازک وقت میں چارلس ششم کا انتقال ہوگیا اور یورپ میں وہ کشمکش برپا ہوگئی جس سے والپول ڈر رہا تھا۔ فرانس نے دیکھا کہ اسوقت موقع ہے کہ ہنری ثانی کے کام کی تکمیل کیجائے یعنے شہنشاہی کو ایسی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں منقسم کردیا جائے کہ وہ فرانس کی چیرہ دستیوں کے روکنے پر قادر نہوسکیں۔ ایک طرف

آسٹریا کی تخت نشینی کا مسئلہ ۱۷۴۰ء

فریڈرک ثانی شاہ پروشیا نے سلیسیا کا دعویٰ کیا دوسری طرف بیویریا نے ان آسٹروی امارات کا مطالبہ کیا جو فرمان شہنشاہی کی رو سے دوسرے موروثی ممالک کے ساتھ ملکہ ہنگری (یعنے میریا تھریسیا) کو مل گئی تھیں۔ اسپین صوبہ ملان کو ملحق کرلینا چاہتا تھا پس فرانس نے باتفاق رائے اسپین، پروشیا و بیویریا کی مدد کا وعدہ کرلیا۔ ۱۷۴۱ء کے موسم گرما میں دو فرانسیسی فوجیں جرمنی میں داخل ہوئیں اور وا لئی بیویریا بلامزاحمت وائنا کے سامنے تک پہنچ گیا۔ خاندان آسٹریا کو کبھی ایسے خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کے مخالفین اس کی مملکت کو پاش پاش کردینے کی فکر میں تھے۔ فرانس، ندرلینڈز کا دعویدار تھا، اسپین ملان کا خواہاں تھا۔ بیویریا سلطنت بوہیمیا کا اور فریڈرک ثانی سلیسیا کا مطالبہ کررہا تھا۔ میریا تھریسیا کے پاس صرف ہنگری اور امارت آسٹریا رہگئی تھی۔ والپول اگرچہ بدستور میریا تھریسیا کا جانبدار تھا مگر اس نے یہ صلاح دی کہ وہ فریڈرک کو سلیسیا کا کچھ حصہ دیکر اسے فرانس اور اس کے حلیفوں کے مقابلے میں اپنا معاون بنالے۔ مگر آسٹریا کو بچانے کی نسبت والپول کی یہ آخری امید بھی بر نہ آئی اور فریڈرک نے حالات پر نظر کرکے فرانس سے اتحاد کرلیا۔ لیکن ملکہ نے مایوسی کا نام تک نہیں لیا۔ اس نے ہنگری کے حقوق آئینی کو بحال کرکے اس کی پوری ہمدردی حاصل کرلی اور برطانیہ کی مالی امداد کے بھروسے پر وہ ہنگری کی ایک فوج لیکر وائنا کے بچانے کے لئے روانہ ہوگئی اس نے بیویریا کو

پامال کردیا اور ۱۷۴۲ء کے موسم بہار میں فریڈرک کے حملہ بیویریا کو پسپا کردیا۔ لیکن انگلستان جنگ میں بہت سستی و کمزوری کا اظہار کررہا تھا امیرالبحر ورنن کو کارتھیجنا کے سامنے شکست ہوگئی اور والپول پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ جنگ میں دقتیں پیدا کررہا اور سپاہیوں کو بھوکا ماررہا ہے۔ اس نے اب بھی ان "محبانِ وطن" کے حملوں کا حیرت انگیز جوش کے ساتھ جواب دیا مگر نئی پارلیمنٹ میں اس کی کثرت گھٹ کر صرف سولہ رہگئی اور خود اپنی مجلس وزرا کے اندر وہ بالکل بے قابو ہوگیا۔ آخر اس کی وہ بشاش طبیعت جو اتنی طوفان خیزیوں پر غالب آتی رہی تھی پست ہوگئی۔ اسکا بیٹا اس کی سنبت لکھتا ہے کہ "جو شخص تکئے پر سر رکھتے ہی سوجاتا تھا اب گھنٹے گھنٹے بھر میں اس کی نیند اچاٹ ہوجاتی ہے، جو شخص کھانے کی میز پر اپنے تمام تفکرات کو بھول جاتا تھا اور سب سے زیادہ خوش و بیفکر نظر آتا تھا اب منہ بند کئے بیٹھا رہتا ہے اور پورے گھنٹے گھنٹے بھر تک نظر نہیں اٹھاتا"۔ انجام کار وہ وقت قریب آلگا کہ اوائل ۱۷۴۲ء میں اس کی طرف صرف تین شخصوں کی زیادتی رہگئی اور اس نے استعفا دیدیا۔

والپول کا استعفا

باب دہم

انگلستان جدید

جزو اوّل

ولیم پٹ

۱۷۶۲-۱۷۴۲

اسناد۔ لارڈ اسٹینہوپ اور ہاریس والپول مثل سابق۔ساؤدی نے ویزلی کی ایک سوانح عمری لکھی ہے اور مسٹر ٹایرمین نے بہت صاف صاف اس کی زندگی کے واقعات بیان کئے ہیں۔دونوں سے اس کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔پٹ کے لئے خود اس کے مراسلات، تھیکرے کی مرتبہ سوانح عمری اور میکالے کے دو مضمون کار آمد ہیں۔ یادداشت سالانہ (The Annual Register) ۱۷۵۸ء سے شروع ہوتی ہے اور اسکے ابتدائی حصے برک کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔کارلائل کی تصنیف فریڈرک اعظم میں جنگ ہفت سالہ کا بیان نہایت واضح و دلنشین پیرائے میں کیا گیا ہے۔

کلائیو کے لئے سرجان میلکم کی مصنفہ سوانح عمری اور لارڈ میکالے کا مضمون دیکھنا چاہئے}

کلیسا اور ہرسہ جارج

والپول کے زوال سے اہل انگلستان کی طبیعت کا وہ تغیر ظاہر ہوگیا جسکا اثر ملک کی معاشرتی و سیاسی تاریخ پر اس زمانے سے اسوقت تک برابر پڑتا رہا ہے۔ بیکاری کی سطح کے نیچے جو نئی قوتیں، نئی تمنائیں، نئی امنگیں از خود جمع ہو رہی تھیں آخرالامر قومی زندگی پر انکا اثر پڑنا شروع ہوگیا۔ اس جنبش کا اثر خاص طور پر اس مذہبی تجدید میں ظاہر ہوا جو والپول ہی کی وزارت کے آخری زمانے میں پیدا ہو چلی تھی۔ مذہب کبھی پستی کی اس حد کو نہیں پہنچا تھا۔ خانہ جنگی کے بعد آزادانہ تحقیقات کی جو ترقی ہوئی، مذہبی بحث و تکرار سے جو نفرت رونما ہوئی اور انسانی قوت عمل کے لئے جو نئے سیاسی و مادی ذرائع مہیا ہوگئے انہوں نے مذہبی تخیلات اور مذہبی زندگی کے تمام معاملات سے ایک عام بے پروائی پیدا کردی تھی انقلاب کے وقت کلیسا کا اثر بہت حاوی معلوم ہوتا تھا مگر اسکی سیاسی اہمیت بالکل زائل ہو چکی تھی۔ چونکہ اب اساقفہ کا انتخاب محدودے چند وہگ علمائے مذہب کے اندر محدود ہوگیا تھا، اس لئے اور سب پادری ان سے کشیدہ و متنفر ہوگئے تھے اور اس لئے سیاسی حیثیت سے ان کی قوت باقی نہیں رہی تھی۔ چونکہ اور سب پادری خفیہ طور پر حامیانِ جیمز کیطرف مائل تھے، اس لئے وہ بجائے خود معاملات عامہ میں عملی طور پر

دخل دینے سے کھنچے رہتے تھے۔ وہگ مدبّروں کے حزم و احتیاط نے اس کلیسائی تعطّل کو اور تقویت دیدی تھی۔ انھیں اس امر کی بہت فکر تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے تعصبات و جنونِ مذہبی کے خوابیدہ فتنے پھر جاگ اٹھیں۔ منحرفوں نے جب قانونِ اختبار اور قانونِ بلدی کی منسوخی پر زور دیا تو والپول نے صاف یہ کہدیا کہ اسے یہ اندیشہ ہے کہ اس کارروائی سے مذہبی منافرت کے جذبات بھڑک اٹھینگے اور ان تعزیری قوانین کی خلاف ورزی کے متعلق سال بسال معافی کا حکم منظور کراکے ان لوگوں کا اطمینان کرتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی اجلاس کا نووکیشن (مجلس مذہبی) کے جلسوں کو ملتوی کرکے پادریوں کو ان کی شورش انگیزی و مخالفت کے طبعی مرکز سے علحدہ رکھا تھا۔ مقتدایانِ دین میں بڑی تعداد صرف ان لوگوں کی تھی جنکا وصف صرف یہ تھا کہ وہ وہگوں کے جانبدار ہیں اور انکا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ ان کی ترقی ہو جائے۔ وزرا کے دربار ان لمبی آستین والوں (یعنی پادریوں) سے بھرے رہتے تھے۔ ویلز کے ایک اسقف نے یہ اعتراف کیا تھا کہ وہ اپنے حلقے میں صرف ایک مرتبہ گیا ہے، اور بالعموم وسٹ مورلینڈ کی جھیلوں کے کنارے زندگی بسر کیا کرتا ہے۔ ایک ساتھ مختلف اوقاف کے نگران ہونے کا طریقہ رائج ہو جانے سے زیادہ دولتمند و ذی علم پادری اپنے حلقوں سے غیر حاضر رہنے لگے تھے اور باقی بڑا گروہ سست و غریب

اور معاشرتی لحاظ سے بے وقعت تھا۔ ایک تیز طبع گر متعصب صاحبِ نظر نے اسوقت کے انگلستان کے پادریوں پر یورپ بھر میں سب سے زیادہ بےحس ہونے کا الزام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ کام میں نہایت ہی سست اور اپنی طرز زندگی میں نہایت ہی اباحت پسند ہیں" انگلستان کی سوسائٹی کے اعلیٰ و ادنیٰ دونوں انتہائی جانب میں مذہب اور گرجا کی طرف سے برگشتگی پیدا ہوگئی تھی۔ مونٹیسکیو اپنی انگلستان کی آمد کے موقع پر لکھتا ہے کہ "اعلیٰ طبقے میں مذہب کے تذکرے پر ہر شخص ہنستا ہے" اس زمانے کے ممتاز مدبّروں کا بڑا گروہ ایسا تھا جو عیسائیت کی کسی نوعیت پر بھی اعتقاد نہیں رکھتا تھا اور بدأطواری مذہبی مسائل سے بے پروائی و بداخلاقی ہی اپنا تمغائے افتخار سمجھتا۔ بدمستی و بیہودہ گوئی والپول کے لئے کوئی عیب نہیں متصور ہوتی تھی۔ اس کے بعد کے ایک وزیر اعظم (ڈیوک گرافٹن) کی یہ عادت تھی کہ وہ مع اپنی آشنا کے تھیٹر کے کھیل میں شریک ہوتا تھا۔ اقرار مناکحت پر پاکبازی کے ساتھ قائم رہنا وضع کے خلاف تھا۔ لارڈ چسٹرفیلڈ نے اپنے لڑکے کو جو خطوط لکھے ہیں اس میں عورتوں کے اغوا کو بھی وضعداری کا ایک فن ظاہر کیا ہے۔ معاشرت کی دوسری حد پر غربا کا جمّ غفیر تھا جنکی جہالت و وحشت اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ اسکا یقین کرنا بھی دشوار ہے کیونکہ قصبوں کی وسعت اور تجارت کی ترقی سے آبادی میں جو زیادتی ہوگئی تھی اس کے روشن پرورش مذہبی و تعلیمی ترقی کی کوشش نہیں

کی گئی تھی۔ ایک بھی نیا حلقۂ مذہبی نہیں قائم ہوا تھا، اڈورڈ اور الیزبیتھ کے ابتدائی مدارس اور مذہبی تعلیم کے لئے ویلز کے چند نئے گشتی مدرسوں کے سوا مستقل مدارس کا کہیں پتہ بھی نہیں تھا۔ دیہات کے اہل زراعت قوانین اوقاف کے نامناسب استعمال کے باعث بہت تیزی کے ساتھ مفلس و قلاش ہوتے جاتے تھے اور کسی قسم کی اخلاقی یا مذہبی تعلیم کا ان کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا۔ اسوقت سے بہت زمانے بعد ہنامور نے کہا تھا کہ "چیڈر کے حلقۂ مذہبی میں ہمنے صرف ایک کتاب مقدس دیکھی اور اس کا بھی مصرف یہ تھا کہ پھولوں کے ایک گملے میں سہارے کے طور پر لگادی گئی تھی"۔ قصبوں کے اندر حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ کوئی زوردار پولیس موجود نہیں تھی اور لندن اور برمنگھم کے بڑے بڑے ہنگاموں کے موقع پر عوام الناس گھروں میں آگ لگا دیتے، قیدخانوں کو توڑ ڈالتے اور بیخوف و خطر لوٹ مار مچا دیتے تھے۔ بیرحمانہ قوانین کے باعث مجرموں کی جرأت و تعداد بڑھ گئی تھی۔ یہ قوانین بجائے خود عام خوف و دہشت کا ثبوت ہیں۔ ایک آلو بالو کے درخت کے کاٹنے کے لیئے پھانسی کی سزا مقرر تھی اور نیوگیٹ کے سامنے ایک جج کے حکم سے تیس نوعمر چور پھانسی پر لٹکا دئے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی "شراب لیموں" کے رواج سے شرابخواری کو اور ترقی ہوگئی تھی۔ کوئی زمانہ تھا کہ لندن کی گلی گلی میں "شراب لیموں" کی دکانوں پر ہر رہرو کو دعوت دیجاتی تھی

کہ ایک آنے میں ایک پیالہ پی سے یا دو آنے میں بدمست ہو جائے ؎

تجدید مذہبی

لیکن ان حالات کے باوجود اہل انگلستان دل سے مذہب کے معتقد رہے۔ متوسط طبقے کے پیوریٹنوں کا انداز طبیعت بدستور و بلا تغیر قائم رہا اور یہی طبقہ تھا جو والپول کی وزارت کے اختتام کے قریب اس تجدید مذہبی کا باعث ہوا جس نے کچھ زمانے بعد انگریزی معاشرت کے انداز و اطوار کو بالکل ہی بدل دیا۔ کلیسا میں زندگی و مستعدی کے آثار پھر نمایاں ہوگئے۔ مذہب نے لوگوں کے دلوں میں محاسن اخلاق کا ایک تازہ جوش پیدا کردیا، اور اس کے ساتھ ہی انگلستان کے علم ادب اور اس کے باشندوں کے عادات و اطوار میں پھر پاکیزگی پیدا ہوگئی۔ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کا ایک نیا جوش موجزن ہوگیا، اور یہی جوش قید خانوں کی اصلاح کا باعث ہوا، تعزیری قوانین میں نرمی اور دانشمندی کا دخل دیا گیا، غلاموں کی تجارت مسدود کردیگئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ عام تعلیم کے لئے پرزور تحریک ہوئی۔ اس تجدید مذہبی کی ابتدا اولاً آکسفورڈ کے طلبہ کی ایک چھوٹی سی جماعت سے ہوئی، جن میں اپنے زمانے کی مذہبی مردہ دلی سے ایکطرح کی برہمی پیدا ہوگئی تھی اور اسوجہ سے ان لوگوں نے ریاضات و عبادات میں درویشوں کا سا انہماک اور اپنی زندگی میں بہت ہی باقاعدگی و انضباط اختیار کرلیا تھا اسی انضباط کی وجہ سے

متھوڈسٹ

لوگ انہیں متھوڈسٹ (ضابطہ) کے نام سے بدنام کرنے لگے۔ یہ گروہ ۱۷۳۸ء میں لندن کو منتقل ہوگیا، اور اس کے جوش اور حد سے بڑھے ہوئے تقدس کے باعث فوراً عوام کی توجہ اس کی جانب منعطف ہوگئی اور اسی وقت سے اس گروہ کے تین اشخاص کو خصوصیت کے ساتھ نمود حاصل ہوگئی اور ابتدائے تحریک سے جو کام پیش نظر تھا اس میں ان تینوں میں سے ہرایک کو اس کے حسب حال کام ملگیا۔ وہ کام یہ تھا کہ مذہب و اخلاق کو ان بیشمار افراد تک پہنچایا جائے جو قصبوں میں آباد، یا کارنوال و شمال کے معادن و کانہائے زغال کے گرد جمع تھے۔

وہائٹ فیلڈ

وہائٹ فیلڈ جو پیمبروک کالج کا ایک غیر مستطیع طالب علم تھا، اس تجدید مذہبی کے واعظوں میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس زمانے میں انگلستان کی سیاسیات میں تقریر کا دور دورہ تھا، اور جب "ہیجان جوش" کے خوف سے ان نئے مبلغوں کے لئے قائم شدہ کلیساؤں کے دروازے بند کردئیے گئے اور ان لوگوں نے مجبور ہوکر میدانوں میں وعظ کہنا شروع کیا، تو مذہبی مواعظ میں بھی قوت تقریر کا اظہار ہونے لگا۔ ان کی آواز بہت جلد ملک کے نہایت ہی ویران و دہشتناک مقامات میں سنی جانے لگی۔ نارتھمبرلینڈ کی سنسان دلدل، لندن کے گنجان مقامات اور موجزن سمندروں کے کنارے کے وہ سایہ دار رستے جہاں کارنوال کے کانکن دم لینے

کیلئے پھرتے تھے، سب ان واعظوں کی آواز سے گونج اُٹھے۔ وہائٹ فیلڈ کا وعظ اس زور کا ہوتا تھا کہ انگلستان میں کبھی اس سے قبل اس شدّ و مد کا وعظ سننے میں نہیں آیا تھا۔ اس کا بیان نقالی، مبالغہ آمیزی اور عامیانہ خیالات سے بھرا ہوا تھا، مگر اس کی قوتِ صداقت، اس کے پرزور اعتقادِ انسان کے گناہ و مصائب کے ساتھ اس کی سچی اور گہری ہمدردی کے باعث کسی کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ یہ کسی معمولی جوشیلے شخص کا کام نہیں تھا کہ فرینکلن کے سے ممسک آدمی سے روپے وصول کرلیتا یا ہاریس والپول کے سے دیر آشنا شخص کی زبان سے تعریفی کلمات کہلوا دیتا یا کنگسوڈ کے ایک پُرگیاہ تودے پر کھڑے ہوکر نیچے بیس ہزار کانکنوں کے مجمع پر (جو ژولیدہ مو و پریشان حال برسٹل کے کوئلے کے غاروں سے نکل کر آگئے تھے) وعظ سے یہ اثر پیدا کردیتا کہ "انکے سیہ تاب چہروں پر آنسوؤں کی سفید سفید نہریں جاری ہوجائیں"! یہ لوگ جن بے شعور و جاہل مجمعوں کے سامنے تقریریں کرتے تھے وہ بہت کچھ وہائٹ فیلڈ اور اس کے ہم طریق متھوڈسٹوں کے زیر اثر آگیا تھا اور وہ ان کو اچھے برے جس پہلو پر چاہتے مائل کرسکتے تھے۔ ان لوگوں کے وعظ نے ان کے مخالفوں میں ایک پر جوش نفرت پیدا کردی تھی۔ انھیں اکثر اپنی جان کا خطرہ رہا کرتا تھا، ان پر حملے ہوتے تھے، انھیں پانی

میں گرادیا جاتا تھا۔ لوگ انھیں پتھر مارتے اور ان پر کیچڑ پھینکتے تھے، مگر ان لوگوں نے جو سرگرمی پیدا کردی تھی اُس کا جوش کسیطرح کم نہیں ہوتا تھا۔ عورتوں پر غشی طاری ہوجاتی تھی، مضبوط مضبوط مرد یکایک زمین پر گر پڑتے تھے، لوگ کبھی بے اختیار ہنسنے اور کبھی بیخود ہوکر آہیں بھرنے لگتے تھے۔ جس کی وجہ سے واعظ کو رک رک جانا پڑتا تھا۔ پرزور ہیجان باطنی کے وہ تمام اسرار جو اب اسقدر عام معلوم ہوتے ہیں، اس زمانے میں غیر معروف پر استعجاب نظر آتے تھے، اور ان لوگوں کے وعظوں میں اسی قسم کے اثرات کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ گناہوں کی سزا کا یقین، دوزخ کی ایک نئی دہشت، بہشت کی تازہ اُمید ایک طرف عجیب و غریب معلوم ہوتی تھی دوسری طرف ان میں ایک خاص ہیبت و وقار نظر آتا تھا۔

چارلس ویزلی

اس حیرت انگیز روشنی کو (جو اسطرح دفعتًہ نمودار ہوگئی تھی) پر لطف بنانے کے لئے کرائسٹ چرچ کالج کا ایک طالب علم چارلس ویزلی نمودار ہوا اور وہ اس تحریک کا "شیریں نغمہ سنج" سمجھا جانے لگا۔ اس نے اپنے قطعات میں اس تحریک کے معتقدوں کے آتش افروز اعتقادات کو اس پاکیزگی و لطافت سے بیان کیا ہے کہ اُن کی تمام پر از غلو کیفیتیں زائل ہوگئی ہیں۔ بے اختیارانہ جوش اور گلوگیر صدمات کو اس نے نغمہ سنجی کی لے میں بدل دیا، اور قوم میں موسیقی کی ایک نئی تحریک پیدا کردی جس سے آہستہ آہستہ تمام انگلستان کی

عبادت عامّہ کی حالت تبدیل ہوگئی ہے

جان ویزلی

لیکن چارلس کا بڑا بھائی جان ویزلی وہ شخص تھا جو اس نئی تحریک کے کسی ایک ہی پہلو کا نمائندہ نہیں تھا بلکہ وہ اس کل تحریک کا مجسم نمونہ تھا۔ آکسفورڈ میں جب وہ لنکن کالج کا رفیق تھا وہاں بھی وہ متھوڈسٹ (ضابطہ) مجمع کا سرگروہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ ایک تبلیغی جماعت لیکر بے سروپا طور پر جارجیا کے اصلی باشندوں میں چلا گیا تھا۔ اس اثنا میں متھوڈسٹوں کا یہ مجمع لندن کو منتقل ہوگیا۔ جارجیا سے واپس آکر اس نے پھر اس چھوٹے سے گروہ کی رہبری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ واعظ کی حیثیت سے اس کا درجہ وہائٹ فیلڈ سے گھٹا ہوا تھا، اور نغمہ سنجی کے لحاظ سے وہ اپنے بھائی چارلس سے دوسرے درجے پر تھا، پس اس میں ایک حد تک ان دونوں کی خوبیاں موجود تھیں، مگر خود اس میں کچھ اوصاف ایسے تھے جو ان دونوں میں بالکل مفقود تھے۔ وہ ایک مستعد کارپرداز، صاحب رائے سلیم اور دوسروں پر اثر پیدا کرنے والا شخص تھا، اس میں نظام و ترتیب کی ایک خاص قوت تھی، اس کی بیچین بلند حوصلگی کے ساتھ ضبط و اعتدال کی آمیزش عجیب و غریب طور پر ہوئی تھی جس سے یقین ہوگیا تھا کہ وہ انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے فطرۃً مامور ہوا ہے، علاوہ ازیں اسکی علمیت و مہارت تحریر اس پائے کی تھی کہ کوئی دوسرا متھوڈسٹ اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا تھا۔ اس تحریک کی ابتدا

کے وقت اسکی عمر اپنے تمام رفیقوں سے زیادہ تھی اور وہ ان سب کے بعد تک زندہ رہا۔ اس کی زندگی تقریباً اس پوری صدی پر حاوی تھی اور جب اٹھاسی برس کی عمر میں وہ قبر میں گیا ہے اس وقت جماعت میتھوڈسٹ اپنی تاریخ کے ہرایک دور سے گزر چکی تھی۔ ویزلی اگر اپنے پیرووں کی شرکت کے جوش کے ساتھ اُن کی حماقتوں اور فضولیوں میں بھی اس کا شریک نہ ہوتا تو جسطرح اس نے اپنے اقتدار سے کام لیا وہ ناممکن ہو جاتا۔ اس نے تمام عمر ایک راہب کے سے زہد وورع کے ساتھ زندگی بسر کی، بارہا وہ صرف روٹی کھاکر رہ جاتا تھا اور اکثر کھرّے تختے پر سو رہتا تھا۔ وہ عجائبات و خدائی انکشافات و واردات کے عالم میں زندگی بسر کرتا تھا، اگر بارش رُک جاتی اور اسے سفر کا موقع ملجاتا تو اسے وہ ایک معجزہ سمجھتا، کوئی قصبہ اگر اس کے وعظ کیطرف متوجہ نہ ہوتا اور وہاں ژالہ باری ہوجاتی تو اسے وہ خدا کا قہر قرار دیتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک دن جبکہ میں تھک گیا تھا اور میرا گھوڑا لنگ کرنے لگا تھا میرے ذہن میں یہ آیا کہ کیا خدا کسی سبب سے یا بغیر کسی سبب ہی کے انسان یا جانور کو تندرست نہیں کرسکتا، اس خیال کے ساتھ ہی معاً میرا درد سر رفع ہوگیا اور میرے گھوڑے کا لنگڑانا جاتا رہا۔" اپنے جوش مذہبی میں وہ اس سے بھی زیادہ طفلانہ حرکت یہ کرتا تھا کہ اپنی زندگی کے چھوٹے بڑے سب کاموں

۱۷۰۳-۱۷۹۱

کے لیئے قرعہ ڈالتا یا کتاب مقدس میں فال دیکھتا تھا لیکن ان تمام لغویات و توہمات کے باوجود ویزلی کی طبیعت بالکل عملی، منتظم و قدامت پسند واقع ہوی تھی۔ ویزلی کے سوا کبھی کوئی شخص جس کی افتاد طبیعت انقلاب کے اسدرجہ خلاف ہو کسی بڑے انقلاب کا سرگروہ نہیں ہوا ہے۔ اوائل عمر میں کلیسا کے متعلق وہ اسقدر تنگ خیال و غیر روادار تھا کہ اساقفہ مجبوراً اسے ملامت کیا کرتے تھے۔ جب وہائٹ فیلڈ نے میدانوں میں وعظ کہنا شروع کیا تو ویزلی اول اول اس نئے طریقے پر اپنے دل کو رضامند نہ کرسکا۔ وہ طبقۂ مذہبی سے باہر کے لوگوں کو واعظ بنانے کے سخت خلاف تھا اور اسے اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ مگر جب خود اسے وعظ کہنے کے لیئے ان لوگوں کے سوا اور اشخاص نہ مل سکے اسوقت اس کی رائے پلٹی۔ وہ آخر تک نہایت جوش کے ساتھ کلیسائے انگلستان کے ساتھ وابستہ رہا اور اپنی قائم شدہ جماعت کو وہ محض طبقۂ مذہبی سے باہر کے لوگوں کی ایک انجمن سمجھتا تھا جسے کلیسا سے پورا اتفاق تھا۔ اس تحریک کے سب سے پہلے حامی موریوین فرقے کے لوگ تھے۔ مگر جب یہ لوگ شعایر مذہبی کی تبدیل کرکے اس تحریک کی محفوظ روش کو خطرے میں ڈالنے کا باعث ہوئے تو ویزلی نے ان لوگوں سے ترکِ تعلق کرلیا۔ وہائٹ فیلڈ کا سا واعظ جب طریق کیلون کے مبالغوں میں پڑگیا، تو ویزلی اس سے بھی

الگ ہوگیا لیکن جس عملی طبیعت کی وجہ سے وہ غیر معین و نامحدود امور کو مسترد کرتا رہتا تھا اور نئی باتوں کو سب سے آخر میں اختیار کرتا تھا، اسی طبیعت نے اسے اس قابل بنادیا کہ جن جدّتوں کو اس نے اختیار کیا تھا ان پر قابو حاصل کرکے انھیں منتظم صورت میں لے آئے۔ میدان کے وعظ کہنے والوں میں وہ خود سب سے زیادہ مستعد واعظ بنگیا، اور اس کا نصف صدی کا روزنامچہ صرف نئے سفروں اور نئے وعظوں کی یادداشتوں سے بھرا ہوا ہے اپنی تبلیغِ مذہب کے کام میں جب اس نے بدرجۂ مجبوری طبقۂ مذہبی سے باہر کے لوگوں کو ایک مرتبہ داخل کرلیا تو پھر اپنے طور پر ان کے کاموں میں ایک جدّت و دلاویزی پیدا کردی۔ اس کے ابتدائی زمانے کی رہبانیت کا صرف اتنا اثر اس پر باقی رہ گیا تھا کہ وہ تمدنی دلچسپیوں سے خائف اور زندگی کے شاندار و فرحت افزا پہلو سے کارہ رہتا تھا۔ اور اسی نے ''متھوڈسٹ'' تحریک کو پیوریٹنی تحریک کے مماثل بنا دیا تھا۔ جب پختگی عمر کے ساتھ اس کے توہّمات کا جوش فرو ہوگیا تو اس نے اپنی معاملہ فہمی کیوجہ سے اپنے پیرودں کو اسی قسم کے جوش کی طرف پھیر دیا جو اس تحریک کے ابتدائی زمانے میں ظاہر ہوا تھا اور اپنی تمام تر طاقت اس امر میں صرف کردی کہ ایک وسیع مذہبی سوسائٹی قائم ہوجائے جس سے یہ نیا جوش ایک پائیدار و عملی صورت

اختیار کرلے۔ متھوڈسٹوں کے مختلف گروہ بنائے گئے، جو آپس کی لطف و محبت کی دعوتوں میں جمع ہوتے تھے، نالائق ارکان کو خارج کرکے جماعت کو پاک و صاف کردیا تھا کبھی کوئی مستقل پادری ان کے درمیان قیام کرتا اور کبھی گشتی واعظ ان میں آتے جاتے رہتے۔ کل جماعت پادریوں کی ایک کانفرنس کی قطعی حکومت کے تحت میں تھی لیکن جب تک ویزلی زندہ رہا اس نئی مذہبی سوسائٹی کی سربراہی تنہا اسی کے ہاتھ میں رہی۔ اس نے اپنے معترضوں کو بہت دلچسپ سادگی سے یہ جواب دیا تھا کہ "اختیارِ مطلق سے اگر تمھارا منشا یہ ہے کہ میں بغیر کسی شریک کار کے تنہا اپنے اختیار سے کام لیتا ہوں تو یہ قطعاً صحیح ہے مگر اس میں مجھے کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی"۔ ویزلی کے انتقال کے وقت اس کی قائم کردہ جماعتِ عظیم کے ارکان کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اور اب تو انگلستان اور امریکہ میں ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہوگئی ہے۔ لیکن اس متھوڈسٹ (ضابطہ) تجدید سے جو نتائج برآمد ہوئے ان میں خود متھوڈسٹوں کا پیدا ہوجانا تو بہت ہی ادنیٰ درجے کی بات ہے، کلیسا پر اس کا اثر یہ ہوا کہ پادریوں کی سستی و کاہلی رفع ہوگئی۔ اس سے "ایونجلک" (اہلِ انجیل کی) تحریک کا آغاز ہوا اور خود قائم شدہ کلیسا کے اندر نیوٹن و سیسل کے مثل لوگ پیدا ہوگئے اور بالآخر یہ غیر ممکن ہوگیا کہ دیہات کے

نئی حب انسانی

پادری لومڑی کا شکار کھیلتے پھریں اور رکٹر (منتظم کلیسا) اپنے حدود سے غائب رہیں۔ والپول کے زمانے میں انگلستان کے پادری دنیا بھر میں سب سے زیادہ کاہل اور سب سے زیادہ بیحس تھے، مگر اب اس زمانے میں پاکبازی، حب انسانی اور عام وقعت کے لحاظ سے کوئی ان پر فوق نہیں لیجا سکتا۔ عام قوم میں بھی ایک نئی اخلاقی سرگرمی پیدا ہوگئی اور اگرچہ اس سرگرمی میں اکثر ایک طرح کی درشتی اور تصنّع کی شان نظر آتی تھی تاہم معاشرتی حالات پر اس نے بہت صحت بخش اثر ڈالا چنانچہ اعلیٰ طبقے سے فضولخرچی و لغویات بالکل غائب ہوگئیں اور رجعت شاہی کے بعد سے ادبیّات میں جو گندگی پیدا ہوگئی تھی وہ رفع ہوگئی۔ اس مذہبی تجدید کا ایک اس سے بھی بہتر نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت سے برابر یہ کوشش ہورہی ہے کہ آوارہ و غریب باشندوں کی خطا کاری، جہالت، جسمانی مصائب اور معاشرتی ذلّت کا مداوا کرنا چاہئے۔ حب انسانی کی یہ تحریک اسوقت تک نہیں شروع ہوسکی جب تک کہ ویزلی کے پیروؤں نے اپنے جوش میں اس کام کو کرکے نہ دکھا دیا۔ اس صدی کے اختتام کے قریب مسٹر ریکس (ساکن گلوسٹر) نے اتوار کے جو مدرسے قائم کئے تھے انھیں سے تعلیم عامّہ کی ابتدا ہوئی۔ ہینامور نے اپنی تحریروں اور اپنی شخصی مثال سے انگلستان کی ہمدردی کو زرعی مزدوروں کی غربت و جرائم

کیطرف مائل کردیا۔ غلط کاروں اور مصیبت زدوں کے ساتھ
ہمدردی انسانی کے ہیجانِ جوش نے یہ اثر دکھایا کہ جا بجا
شفا خانے قائم ہوگئے، خیرات خانوں کے لیئے اوقاف عطا
ہونے لگے، نئے گرجے بننے لگے، کافروں کی رہنمائی کے لیئے
مبلّغ بھیجے جانے لگے، ہندوستانیوں کی حمایت کے معاملے
میں برک کی تائید کی گئی، غلاموں کے متعلق کلارکسن اور
ولبرفورس نے جو جدوجہد جاری رکھی تھی اس کی اعانت
کی گئی۔ محبانِ انسان کے اتنے بڑے گروہ کے اندر جس وجہ
سے ہمارا خیال سب سے زیادہ جان ہاورڈ کے کام اور اسکے
حسن خلق کیطرف مائل ہوتا ہے اس کا باعث غالباً اس کی
اخلاقی ہمت و جرأت ہے، تمام لوگ عام بنی نوعِ انسان
کے متعلق جس قدر ہمدردی کا احساس کر رہے تھے، اس نے
سب سے زیادہ بدتر اور سب سے زیادہ بے بس آدمیوں
کے مصائب کی نسبت اسی قسم کی ہمدردی کا اظہار کیا۔ وہ
حیرت انگیز جوش و استقلال کے ساتھ قرضداروں، مجرموں اور
قاتلوں کے معاملے میں ہمہ تن منہمک ہوگیا۔ ۱۷۷۴ء میں وہ
بڈفرڈ کا شیرف اعلیٰ (ناظم صوبہ) مقرر ہوا اور اس طرح وہاں
کے قیدخانے اس کی نگرانی میں آگئے۔ اس سے وہ قیدخانوں
کی حالت کیطرف متوجہ ہوا۔ اور اسیوقت سے دیہات کا یہ باوقار
شریف النفس شخص جس کا ابتک صرف یہ کام تھا کہ کتاب مقدس
پڑھا کرے اور اپنے مقیاس الحرارت کا معائنہ کیا کرے۔

جان ہاورڈ

سب سے زیادہ مستعد کار اور پرجوش مصلح بنگیا۔ ایک برس بھی نہیں گزرا تھا کہ اس نے انگلستان کے تقریباً تمام ہی قیدخانوں کو جاکر خود دیکھا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ کم وبیش تمام ہی قیدخانوں میں خوفناک ابتریاں پھیلی ہوی ہیں جن کا علم تو نصف صدی پیشتر ہوچکا تھا مگر ہنوز پارلیمنٹ نے انھیں رفع نہیں کیا تھا۔ قیدخانوں کے محافظوں کو عہدے بقیمت ملتے تھے اور انکا معاوضہ قیدیوں سے دلایا جاتا تھا، محافظوں سے جس قدر ہوسکتا وہ وصول کرتے تھے، اس کی کوئی روک تھام نہیں تھی۔ قید سے رہا ہونے کے بعد بھی بعض اشخاص محافظوں کی رقم کے واسطے دوبارہ قیدخانوں کی کوٹھڑیوں میں بند کئے جاتے تھے۔ قرضدار اور جرائم پیشہ سب ایک ساتھ قیدخانوں میں بھر دیئے جاتے تھے اور ہاورڈ نے یہ بھی دیکھا کہ اس زمانے کے ظالمانہ قوانین کے باعث قیدخانوں میں بڑی ہی کشمکش رہتی تھی۔ مردوں اور عورتوں کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ جگہیں نہیں تھیں، نہ مجرموں کے لیئے کسی قسم کی تادیب و انضباط کا کوئی بندوبست تھا۔ ہر قیدخانے میں ظلم و ستم اور بدترین بدکاریوں کا ہنگامہ برپا تھا اور قیدی کی نجات صرف اس میں تھی کہ یا تو وہ بالکل بھوکا رہے یا اسے بخار آئے اور بخار نے بھی ان آلام و مصائب کے مقامات کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا تھا۔ ہاورڈ نے ہر چیز کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا اور اس الم و مصیبت کو خود اپنے اوپر آزمایا۔ ایک قیدخانے میں

اسے ایک کوٹھری ایسی تنگ اور ایسی تکلیف دہ نظر آئی کہ
جو مصیبت زدہ شخص اس میں رہتا تھا اس نے بطور رحم
کے یہ درخواست کی کہ اسے پھانسی دیدی جائے۔ ہاورڈ
خود اس کوٹھری میں بند ہوکر بیٹھا اور اس کی تاریکی و گندگی
کو اسوقت تک برداشت کیا کہ اس سے زیادہ برداشت
کرنا حدِّ امکان سے خارج تھا۔ اس کے یہی کام اور انہیں
کاموں کے ہو بہو بیانات تھے جن سے اسے حصول اصلاح
میں کامیابی نصیب ہوئی۔ اس نے اپنے مصیبت ناک تجربوں
کو ایک کتاب کی صورت میں درج کیا ہے اور اس میں
مجرموں کے اصلاح کی تجاویز بھی پیش کئے ہیں۔ اس کتاب
نے اسے انگلستان میں قیدخانے کے انضباط کا بانی اول
بنا دیا ہے، لیکن اس کی محنت صرف انگلستان تک محدود
نہیں تھی۔ اس نے ہالینڈ اور جرمنی کے قیدخانوں کو دیکھنے
کے لئے متواتر سفر کئے یہانتک کہ اسکے دل میں یہ تمنا
پیدا ہوی کہ طاعون کی مہلک ترقی کے روکنے کا کوئی
ذریعہ نکالنا چاہئے؛ اور اسی خیال سے وہ یورپ و مشرق
کے امراض متعدیہ کے شفاخانوں اور قرنطینوں کو دیکھنے کیلئے
گیا۔ وہ اسی نیک کام میں مشغول تھا کہ جنوبی روس میں بمقام
خرسون وہ شدید بخار میں مبتلا ہوکر انتقال کرگیا اور
اپنے حسب خواہش خاموشی کے ساتھ وہیں سپرد خاک کردیا گیا۔

کارٹرائٹ

ویزلی کے سے لوگونکی تجدید مذہبی سے اگرچہ

اہل انگلستان کے دل حرکت میں آ گئے تھے مگر ملک کے
سیاسی تعطل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، والپول کے
زوال سے انگلستان کی اندرونی یا بیرونی حکمت عملی میں کوئی
تغیر نہیں پیدا ہوا تھا، اس کی وزارت کے جن افراد نے
آخر زمانے میں اس کی مخالفت کی تھی ان میں سے اکثر پھر
اپنی جگھوں پر آ گئے۔ انہوں نے صرف اتنا کیا کہ فریق مخالف
کے بعض زیادہ ممتاز ارکان کو بھی وزارت میں شامل کر لیا
اور غیر ملکی معاملات کی نگرانی لارڈ کارٹرٹ کے سپرد کر دی۔
کارٹرٹ بڑے زور کا شخص اور براعظم کے معاملات میں
خوب ماہر تھا، مگر وہ بھی فی الجملہ اپنے پیشرو کے طریق
عمل پر کاربند رہا۔ اس نے یہ دیکھا کہ فرانس نے اپنے
دست نگر چارلس (شاہ بیویریا) کو شہنشاہ منتخب کرا کے جرمنی
پر جو قابو حاصل کر لیا ہے اس کا توڑ صرف اسی طرح ہو سکتا
ہے کہ آسٹریا اور پروشیا کو متحد کر دیا جائے۔ پس انگلستان
کے دباؤ اور مقام خوتوزٹز (Chotusitz) میں فریڈرک
کی فتح نے میریا تھریزا کو مجبور کر دیا کہ وہ (بمقام بریزلاؤ)
والپول کی تجویز کے موافق سلیسیا کی حوالگی کی شرط پر وشیا
سے صلح کرے۔ اس صلح سے آسٹروی افواج کو یہ موقع
مل گیا کہ انہوں نے ۱۷۴۲ء کے ختم ہوتے ہوتے فرانسیسیوں کو
بوہیمیا سے نکال دیا۔ ایک انگریزی بیڑے نے قادسیہ کا
محاصرہ کر لیا، اور دوسرے بیڑے نے خلیج نیپلز میں لنگر انداز

ہو کر ڈون کارلوس کو اس کے پایہ تخت پر گولہ باری کر نیکی دھمکی دی جس سے مجبور ہو کر اسے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی انگریزوں نے روپئے کی مدد سے سارڈینیا کو فرانس کے اتحاد سے توڑلیا۔ لیکن بدقسمتی سے کارٹرٹ اور دربار وائنا نے اب یہ عزم کیا کہ نہ صرف شہنشاہ کے "فرمان وراثت" کی (Pragmatic Sanction) تعمیل کی جائے بلکہ ۱۷۳۶ء میں فرانسیسیوں نے جو ناجائز دراندازی کی تھی اسے بھی پلٹ دیا جائے یعنی نیپلز و سسلی شاہ اسپین سے اور السا س ولورین، فرانس سے واپس لیے لئے جائیں اور شہنشاہی کا منصب خاندان آسٹریا کو واپس دلا دیا جائے۔ ان تجاویز کو پورا کرنے کی غرض سے ایک آسٹروی فوج نے ۱۷۴۳ء کے موسم بہار میں شہنشاہ کو بیویریا سے نکال دیا۔ اور جارج دوم نے (جو کارٹرٹ کی حکمت عملی کا بہت پُرزور مؤید تھا) بنفس نفیس چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ ندرلینڈ سے مین کیطرف کوچ کردیا۔ یہ فوج زیادہ تر انگریزوں اور اہالیان، ہینوور پر مشتمل تھی مگر ڈیوک نوائی اس سے بھی بڑی فوج لئے ہوئے یکایک دریا کے جنوبی کنارے پر آگیا اور جارج کو نہ صرف آگے بڑھنے سے روک دیا بلکہ پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اور اپنی اکتیس ہزار سپاہ دریا پار اتار دی جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ مبادا بادشاہ اطاعت پر

ڈٹنگن ۱۷۴۳ء ۲۷ جون

مجبور نہ ہو جائے ۔لیکن مقام ڈٹنگن میں جو جنگ ہوی اسمیں فرانسیسی سواروں کی تعجیل کاری اور انگریزوں کی با استقلال پامردی سے حلیفوں کی فوج نہ صرف ہلاکت سے بچ گئی بلکہ غنیم کو مجبوراً پھر دریا کے پار چلا جانا پڑا۔ یہ فتح اگرچہ ایک چھوٹی سی فتح تھی مگر اس سے حیرت انگیز نتائج پیدا ہوئے‘ فرانسیسیوں نے جرمنی کو بالکل خالی کردیا۔ انگریزی و آسٹروی فوجیں رائن تک بڑھ گئیں اور یہ معلوم ہونے لگا کہ نتائج حاصلہ کے استقلال کے لئے صرف اتنی ضرورت ہے کہ ملکۂ ہنگری اور انگلستان و پروشیا کے مابین ایک اتحاد قائم ہو جائے؛

ٹیٹنوا

لیکن خاندانِ آسٹریا کی حرص و ہوس نے امن کی امیدوں کو غارت کردیا۔ ۱۷۴۴ء کے موسم بہار میں ایک آسٹروی فوج اس غرض سے نیپلز کے طرف روانہ ہوگئی کہ اسے فتح کرکے شہنشاہ بیویریا کو دیدے اور اس کے معاوضے میں شہنشاہ کے موروثی مقبوضات واقعہ بیویریا‘ میرا تھیزا کی طرف منتقل ہو جائیں۔ فریڈرک اگرچہ سلیسیا کے ملجانے سے جنگ سے علحدہ ہوگیا تھا لیکن حدود جرمنی کے اندر خاندانِ آسٹریا کی اس وسعت کا وہ روادار نہیں تھا اور اس لئے پھر ہتیار اٹھانے کا ارادہ کرچکا تھا۔ وہ دفعتہً فرانس سے متحد ہوگیا مگر جنگ کا رخ پھیر دینے میں اسے اول اول کامیابی نہیں ہوئی اس نے اگرچہ پراگ پر قبضہ کرلیا اور

دریائے رائن سے آسٹروی فوج کو ہٹا دیا مگر خود اس کو بوہمیا سے نکلنا پڑا اور اس کے ساتھ ہی شہنشاہ کی موت نے بیویریا کو مجبور کر دیا کہ وہ ہتیار ڈال دے اور میریا تھریزا کے ساتھ متحد ہو جائے۔ ملکہ کی امیدیں اسوقت اسدرجہ بڑھی ہوی تھیں کہ اس نے پروشیا کی بادشاہت کے تقسیم کر لینے کے لئے روس سے خفیہ معاہدہ کر لیا۔ مگر ۱۷۴۵ء میں ہوا کا رخ بدل گیا اور کارٹرٹ کی اس کمزوری کا کہ اس نے مدافعانہ جنگ کے بجائے جارحانہ جنگ کو منظور کر لیا تھا۔ مہلک نتیجہ اب ظاہر ہوا۔ لیوئش پانزدہم شاہ فرانس نے اپنی فوجیں ندرلینڈز میں داخل کردیں، ہالینڈ نے اس کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر دیا اور اسوجہ سے اس ملک کی حفاظت کا سارا بار انگریزوں کے سر پر آپڑا۔ جنگ کے اسقدر وسیع کر دینے سے ایک عام غصہ پیدا ہو گیا، اور کارٹرٹ کے لئے (جو اب ارل گرنویل ہو گیا تھا) یہ امر نہایت مضر ثابت ہوا۔ اس کے مغرورانہ انداز کے باعث اس کے رفقا اس سے بیزار ہو گئے تھے اور آخر ڈیوک نیوکاسل اور اس کے بھائی ہنری پہلیم نے کارٹرٹ کو عہدے سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد وزارت کی ترتیب جدید میں ہنری پلہیم وزارت کا سرگروہ ہو گیا۔ وہ بالطبع آشتی کیطرف مائل تھا اور اپنی لاپرواہانہ طبیعت کا بھی اسے احساس تھا۔ اس نے

صلح آمیز طرز عمل اختیار کیا جس سے وہگ پھر متحد ہوگئے۔ چسٹرفیلڈ اور دوسرے مخالف وہگوں کو جنمیں پٹ اور دیگر "اطفال" بھی شامل تھے سب کو اس نئے انتظام میں جگہ ملگئی۔ یہانتک کہ بعض ٹوریوں کو بھی داخل کرلیا تھا وہگ فریق کے بیشتر افراد والپول کی حکمت عملی پر قائم تھے، اور پلہم برادران نے جس بنا پر کارٹرٹ کو استعفا دینے پر مجبور کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ فریڈرک سے سازگاری پیدا ہو جائے اور جنگ کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر انہیں اولاً جنگ فلینڈرز کیطرف توجہ کرنا تھی جہاں مارشل ساکس نے ڈیوک کیمبرلینڈ کو شکست دیکر فرانسیسی فوج کا سکہ جما دیا تھا۔ اہل ہالینڈ کو بالآخر کسی نہ کسی طرح جنگ میں شامل کرلیا اور ۳۱ مئی ۱۷۴۵ کو ڈیوک انگریزی ہینوودی اور ہالینڈی فوجوں کو لئے ہوئے ٹورنے کی خلاصی کے لئے آگے بڑھا۔ یہاں فرانسیسی فوج قلعہ بند دہانوں اور دمدموں کے عقب میں صف آرا تھی۔ صرف فانٹینوا کے چھوٹے سے گاؤں کے قریب ایک تنگ جگہ چھٹی ہوئی تھی۔ پس باوجود مہلک آتشباری کے انگریز سپاہیوں نے اسی تنگ راستے سے باہم ملکر استقلال کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کیا مگر عین اسوقت جبکہ فتح بالکل آنکھوں کے سامنے تھی تمام فرانسیسی توپیں عجلت کے ساتھ صفِ اول میں جمع کرلی گئیں اور انکی گولہ باری نے انگریزی صفوں کو توڑ دیا۔ انہیں پیچھے

پلہم کی وزارت ۱۷۴۵

ہٹنا پڑا لیکن وہ ترتیب کے ساتھ ہٹے۔ اس شکست کے بعد ہی ماہ جون میں، فریڈرک کو بمقام ہوہنفریڈبرگ ایک فتح حاصل ہوگئی جس سے اہل آسٹریا کو سیلیسیا سے نکل جانا پڑا اور ماہ جولائی کے اختتام تک خاندان اسٹوارٹ کا ایک رکن ساحل اسکاٹلینڈ پر آکر اتر پڑا۔

چارلس اڈورڈ اسٹوارٹ

فرانس کی جنگ کے ساتھ ہی حامیان جیمز کی امیدیں ازسرنو تازہ ہوگئی تھیں اور ۱۷۴۴ء میں حکومت فرانس نے جیمز ثانی کے پوتے چارلس اڈورڈ کو بہت ہی خطرناک سامان جنگ سے آراستہ کردیا۔ لیکن اسکاٹلینڈ پر اسکی یورش کی تجویز اسوجہ سے ناکام رہی کہ طوفان سے اسکے جہازات تباہ ہوگئے، اور جو فرانسیسی فوج ان جہازوں میں تھی وہ فلینڈرز کی جنگ میں چلی گئی۔ لیکن ۱۷۴۵ء میں یہ منچلا نوجوان صرف اپنے ساٹھ دوستوں کے ہمراہ ایک مختصر سے جہاز میں روانہ ہوگیا اور جزائر ہیبریڈیز کے جزیروں میں ایک چھوٹے سے جزیرے میں آکر اترا، تین ہفتے تک وہ تقریباً بالکل تنہا رہا۔ لیکن ۱۹۔ اگسٹ کو کچھ قبائل بمقام گلنفنین اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے اور وہ پندرہ سو آدمیوں کا سردار بنگیا۔ جب وہ بلیرانیھول سے ہوکر پرتھ کی طرف بڑھا تو اس کی طاقت ایک فوج کی حد کو پہنچ گئی تھی۔ وہ شان وشوکت کے ساتھ اڈنبرا میں داخل ہوا اور ٹاون کراس میں "جیمز ہشتم" کے لقب سے

مشتہر کیا گیا۔ اس کے مقابلے کے لئے دو ہزار انگریزی سپاہ سرجان کوپ کے تحت میں بڑھی مگر ۲۱۔ دسمبر کو اہل قبائل نے انہیں پرسٹن پینز میں ایک ہی حملے میں کاٹ کر رکھدیا۔ اس فتح سے فاتح کی قوت فوراً ہی دونی ہوگئی شہزادے کے تحت میں اب چھ ہزار آدمی جمع ہوگئے تھے۔ لیکن یہ سب کے سب ہائی لینڈز کے باشندے تھے، لولینڈز کے لوگ ابتک اس سے الگ رہے اور اس نے بڑی مشکلوں سے اپنے ہمراہیوں کو جنوب کی طرف چلنے پر راضی کیا تھا اپنی تدابیر، محنت و جفاکشی سے وہ ہر ایک مشکل پر غالب آگیا اور نیوکیسل میں جو فوج اس کے مقابلے کے لئے جمع ہوئی تھی اس سے ہوشیاری کے ساتھ بچتا ہوا، کترا کر لینکا شائر کے اندر سے گزر کر ۴ دسمبر کو ڈاربی تک پہنچ گیا۔ لیکن یہاں آکر کامیابی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔ جن اضلاع سے اسے اپنی حمایت کی بڑی توقع تھی جب وہ اس میں سے گزرا تو ایک شخص بھی اُس کی حمایت کے لئے نہ اٹھا، لوگ تماشے کے طور پر اس کے کوچ کے دیکھنے کے لئے جمع ہوجاتے تھے لینکا شایر میں کیتھولکوں اور ٹوریوں کی کمی نہیں تھی مگر صرف ایک اسکوائر (معزز اہل قصبہ) نے ہتیار اٹھایا۔ انگلستان کے شہروں میں مینچسٹر کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ سب سے زیادہ جیمز کا حامی ہے، مگر اس نے

جنگ پرسٹن پینز
۱۷۴۵

جو کچھ امداد کی وہ یہ تھی کہ چارلس کی آمد کی خوشی میں شہر میں روشنی کی اور دو ہزار پاؤنڈ اس کے سامنے پیش کئے۔ کارلائل سے ڈاربی تک بمشکل تمام دوسو آدمی اس کے ساتھ شریک ہوئے ہونگے۔ درحقیقت والپول کے طرز عمل نے انگلستان میں خاندانِ ہینوور کے قدم جما دیئے تھے۔ طویل امن، ملک کی خوشحالی اور حکومت کی نرمی نے اپنا کام کردکھایا اور حال ہی میں ٹوریوں کے وزارت میں داخل کر دیئے جانے سے یہ فریق بھی خالص جیکوبائٹ (حامیان جیمز) سے قطعی طور پر علحدہ ہوگیا تھا۔ حامیانِ جیمز کی جنگ جویانہ قوت مردہ ہوچکی تھی اور چارلس تک نے یہ سمجھ لیا کہ پانچ ہزار اہل ہالینڈ کی مدد سے انگلستان کے فتح کرنے کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ اسکو بہت جلد یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس سے دونی تعداد کی فوجیں دونوں جانب سے اسے دبائے چلی آرہی ہیں اور ایک تیسری فوج خود بادشاہ اور لارڈ ایٹیر کے تحت میں لندن کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔ اہل ہائلینڈز کے ملک سے چلے جانے کے بعد خود اسکاٹلینڈ نے لولینڈز کے تمام اضلاع میں دوبارہ خاندان ہینوور سے وفاداری کا اظہار شروع کردیا۔ ہائلینڈز تک میں قبائل میکلاؤڈ نے شاہ جارج کی حمایت میں ہتھیار اٹھائے اور مانٹروز میں ایک مختصر سی فرانسیسی فوج کے اترنے اور جوش دلانے کے باوجود قبائل گارڈن نے

حرکت تک نہ کی۔ اس حالت میں جنوب کی سمت میں زیادہ آگے بڑھنا غیر ممکن تھا اور چارلس بعجلت تمام گلاسگو کو پلٹ آیا۔ لیکن وہاں اسے مزید امداد ملگئی جس سے اس کی فوج کی تعداد نوہزار تک پہنچ گئی اور ۲۳۔ جنوری ۱۷۴۶ء کو اس نے دلیری کے ساتھ جنرل ہالی کی اس انگریزی فوج پر حملہ کردیا جو اس کے پیچھے پیچھے آکر فالکرک کے قریب خیمہ زن ہوگئی تھی۔ اس موقع پر اہل ہائلینڈرز کے دلیرانہ حملے نے پھر شہزادے کو کامیاب بنا دیا۔ مگر یہ کامیابی شکست سے کچھ کم مہلک نہیں ثابت ہوئی، اسکی فوج کا بیشتر حصہ مال غنیمت لیکر اپنے اپنے پہاڑوں میں منتشر ہوگیا، اور چارلس ڈیوک کمبرلینڈ کی فوج کے مقابلے میں بادل غمگین شمال کیطرف ہٹ گیا۔ ۱۶۔ اپریل کو انورنس سے چند میل مشرق کیطرف کلوڈن مور میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آگئیں۔ اہل ہائلینڈرز کی تعداد اب بھی چھ ہزار تھی مگر وہ فاقوں سے پریشان ہوگئے تھے اور ان میں بددلی پھیل گئی تھی علاوہ ازیں ڈیوک کی فوج بھی شہزادے کی فوج سے دُگنی تھی۔ ڈیوک کی توپوں نے جب اہلِ قبائل کے دھوئیں اڑانے شروع کئے تو وہ اپنے قدیم طرز پر انگریزی صفِ اول پر ٹوٹ پڑے مگر یہاں بندقوں کی مہیب آتشباری سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس پر بھی کچھ لوگ پہلی صف کو توڑ کر اندر داخل

کلوڈن مور

ہوگئے مگر وہاں انہیں دوسری صف سے مقابلہ پیش آیا چند منٹ میں سب باتوں کا خاتمہ ہوگیا اور شاہ اسٹوارٹ کی فوج نے ابتری کے ساتھ راہِ فرار اختیار کی اور انگریزی فوج ہر جانب ان لوگوں کا تعاقب کرتی پھرتی تھی۔ خود چارلس حیرت انگیز حوادث سے بچتا ہوا بھاگ کر فرانس پہنچا۔ انگلستان میں اس کے پیروؤں میں سے، پچاس شخصوں کو پھانسی دیدی گئی۔ اسکاٹلینڈز کے تین امرا لورٹ، بالمرینو اور کلمارناک قتل کردیئے گئے اور پارلیمنٹ کے حکم سے چالیس معزز اشخاص کی جایدادیں ضبط کرلی گئیں۔ لیکن ہائلینڈز میں زیادہ سخت انسدادی کارروائی کی ضرورت تھی۔ اراضی کے جاگیردارانہ قبضے منسوخ کردیئے گئے۔ سرداروں کے موروثی اختیارات خرید کر بادشاہ کیطرف منتقل کردیئے گئے۔ اہل ہائلینڈز کی خاص چارخانہ دار پوشش "ٹارٹن" قانوناً ممنوع قرار دی گئی۔ یہ کارروائیاں اور ان کے بعد نام معافی اپنے مقصد میں کارگر ثابت ہوئی۔ اہل قبائل کی دہشت رفع ہوگئی اور ہائلینڈز میں پشرف کے احکام ویسے ہی بے دغدغہ جاری ہوگئے جیسے اڈنبرا کی سڑکوں پر جاری تھے۔

صلح اکس لاشاپیل

بیرونِ ملک کی شکست اور اندرون ملک کے خطرے کا نتیجہ صرف ہوا کہ پلہم برادران نے پروشیا کی جنگ کو جلد سے جلد انجام کو پہنچانے کا عزم کرلیا،

جرمنی کی سب سے اہم پروٹسٹنٹ سلطنت کے کمزور کرنے کے لئے یہ وقت موزوں نہیں تھا جبکہ انگلستان کو ایک کیتھولک "مدعی سلطنت" کیطرف سے خطرہ درپیش تھا، پس جب میریاتھریزا نے عام صلح میں شریک ہونے سے انکار کردیا تو انگلستان نے معاہدہ ہینوور کے ذریعے سے

۱۷۴۵ پروشیا سے صلح کرلی اور جہانتک جرمنی کا تعلق تھا جنگ سے علحدہ ہوگیا۔ لیکن اور مقامات پر مخاصمت جاری رہی۔ ایک طرف میریاتھریزا کو اطالیہ میں فتوحات حاصل ہوئے تو دوسری طرف ندرلینڈز میں فرانس کی کامیابی نے دونوں پلے برابر کردیئے۔ کیونکہ مارشل ساکس نے روکو' اور لاؤفلڈ میں انگریزوں اور ہالینڈیوں کو نئی شکست دیدی تھی آخر ہالینڈ کے خطرے اور فرانس کے مالی انتشار نے

۱۷۴۸ صلح ایکلا شاپیل کے بروئے کار آنے کی صورت پیدا کردی۔ اس صلحنامے کی رو سے انگلستان نے اپنے بحری مفاد اور فرانس نے اپنے بری فتوحات سے دست برداری کی۔ مگر اس صلح کا مقصود محض دم لینا تھا، دونوں فریق اس خیال میں تھے کہ آئندہ ایک وسیع تر جنگ وجدال کے لیئے نئی قوت حاصل کریں۔ درحقیقت جنگ کی وسعت جرمنی بلکہ یورپ کے حدود سے بھی تجاوز کر کے ایک عالمگیر مخاصمت کی صورت اختیار کرتی جاتی تھی جو بنی نوعِ انسان کی قسمتوں کا فیصلہ کرنیوالی تھی؛ فرانس

پہلے ہی سے دریائے اوہیو اور مسیسپی کی وادیوں کا دعویدار تھا اور اس سخت فکر میں پڑا ہوا تھا کہ نئی دنیا کی قسمت کے ڈھالنے والے فرانیسی ہوں گے یا انگریز۔ فرانس کے بلند حوصلہ تاجر انگریز سوداگروں کو مدراس سے نکالنے کی کوشش شروع کرچکے تھے اور اپنے یقین کے موافق وہ ایک ایسی قوت کی بنا ڈال رہے تھے جس سے ہندوستان، فرانس کی مملکت میں شامل ہوجاتا۔

کلائیو، انگلستان کو اول اول ہندوستان سے جس قسم کا تعلق ہوا اس سے یہ گمان نہیں ہوسکتا تھا کہ آئندہ اس ملک میں اس کے لیئے ایسی عظیم الشان کامیابیاں مقدر ہیں۔ واسکوڈاگاما کے راس امید سے چکر لگاکر ہندوستان پہنچنے اور ساحل گوا پر ایک پرتگالی آبادی قائم کرنے کے سوا سو برس بعد الیزبتھ کے عہد کے اختتام کے قریب لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوی تھی۔ یہ تجارت اگرچہ نفع بخش تھی مگر بہت دنوں تک اسے کچھ زیادہ وسعت نہیں حاصل ہوی، اور کمپنی کی تینوں کوٹھیاں بعد کی صدی میں قائم ہوئیں۔ ان میں پہلی کوٹھی مدراس کی تھی اور اسکی بساط کل اتنی تھی کہ قلعہ سنٹ جارج کے نیچے ملاحوں کے چھ مکان تھے۔ بمبی کا علاقہ اہل پرتگال نے کیترین (براگانزا) کے جہیز کے طور پر دیا تھا، اور فورٹ ولیم کی ابتدا جارج سوم کے زمانے میں ہوی تھی۔ اس قلعے کے

گرد ایک ذلیل سا گاؤں تھا وہی بڑھتے بڑھتے کلکتہ بنگیا۔ یہ قلعے صرف کمپنی کے مال خانوں کی حفاظت کے لئے بنائے گئے تھے اور ہندوستان ہی کے چند سپاہی انکی حفاظت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک قیام گاہ کے محرر و تاجر ایک پریسیڈنٹ (صدر) اور کاونسل (مجلس) کے تابع تھے۔ انہیں محرروں میں اٹھارویں صدی کے وسط میں ایک شخص رابرٹ کلائیو بھی تھا۔ وہ شراپشائر میں مارکٹ ڈریٹن کے قریب رہنے والے ایک معمولی صاحب جائداد شخص کا لڑکا تھا بچپن میں وہ نہایت سست و فسادی تھا، اور اس کے دوستوں نے اس سے اپنی جان چھڑانے کے لئے اسے کمپنی کی ملازمت میں داخل کرا کے مدراس بھجوا دیا تھا۔ یہاں اس نے اپنا ابتدائی زمانہ بداطواری و مایوسی کی حالت میں بسر کیا، غربت کے ساتھ اس میں نخوت بھی تھی اسوجہ سے وہ اپنے ساتھیوں سے الگ رہا کرتا تھا وہ لکھنے کے کام سے بیزار اور وطن جانے کے شوق میں پریشان تھا۔ اس نے دو مرتبہ خودکشی کی کوشش کی، جب دوسری مرتبہ اسے خودکشی میں ناکامی ہوئی تو اس نے پستول کو پھینکدیا اور اس تحیر میں پڑگیا کہ یقیناً اس کی زندگی کسی اعلیٰ کام کے لیئے ہے۔

ڈیوپلے

آخرالامر جنگ و قید کی حالت میں کلائیو کے اندر ایک تغیر نمودار ہوا۔ (۱) آسٹروی جانشینی" کی جنگ کے شروع ہوتے

ہی فرانسیسیوں نے اپنے اثر و طاقت کے زعم میں یہ تہیہ کیا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیں۔ ماریشیش کی فرانسیسی نوآبادی کے حکمراں لابورڈونے نے مدراس کا محاصرہ کرلیا، اور اسے مسمار کرکے زمین کے برابر کردیا اور وہاں کے محرروں اور سوداگروں کو قید کرکے پانڈیچری میں لیگیا۔ کلائیو بھی انہیں قیدیوں میں تھا مگر وہ بھیس بدل کر بھاگ نکلا اور اپنے مستقر میں پہنچکر محرری کی خدمت ترک کردی اور اس فوج میں نشان بردار کی خدمت قبول کرلی، جسکی تیاری میں کمپنی اسوقت منہمک تھی۔ مدراس کے قبضے سے صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ فرانس کی فوجی طاقت کی شہرت ہوگئی بلکہ پانڈیچری کا حکمراں ڈیوپلے، ہندوستان میں فرانس کی شہنشاہی قائم کرنے کے منصوبے سوچنے لگا۔ جب انگریزی سوداگر الیزبیتھ کے زمانے میں اپنا مال سورت میں لاتے تھے اسوقت جنوب کے سوا باقی تمام ہندوستان پر اولاد اکبر کی عظیم الشان شہنشاہی قائم تھی مگر این کے عہد میں اورنگ زیب کے انتقال کے بعد سلطنت مغلیہ بہت جلد جلد زوال پذیر ہونے لگی راجپوتانہ میں بہت سے جاگیردار شہزادوں نے علم خود مختاری بلند کردیا تھا۔ شہنشاہ کے نائبوں نے لکھنو، حیدرآباد، کارناٹک اور بنگال میں علحدہ علحدہ بادشاہتیں قائم کرلی تھیں۔ بالائے سندھ کے میدانوں پر ایک متعصب فرقے نے جسے سکھ کہتے ہیں قبضہ کرلیا تھا۔ ایلٹی اور اتفاق

حملہ آور دریائے سندھ کو عبور کر کے مغلوں کے پایہ تخت دہلی تک کو غارت کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیٹروں کے قبائل نے جو مرہٹوں کے نام سے مشہور تھے اور درحقیقت ملک کے اصلی باشندے تھے جنہیں اسلامی فتوحات نے دبا رکھا تھا انھوں نے اپنا باقاعدہ انتظام قائم کر لیا تھا اور مغربی ساحل کے کوہستانوں سے جوق درجوق اتر نے لگے تھے؛ ان کی غارت گری کلکتہ اور تانجور تک پہنچ گئی تھی اور آخر میں انہوں نے پونا و گوالیار میں خودمختار ریاستیں قائم کرلیں۔ پس ڈیوپلے نے اپنے گرد و پیش کی اس ابتری سے بہت ہوشیاری کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔ اس نے ان باغیوں اور حملہ آوروں کے مقابلے میں جنہوں نے شہنشاہ کو کھلونا بنا دیا تھا۔ اپنی خدمات شہنشاہ کے روبرو پیش کیں، اور شہنشاہ کے ہی نام سے اس نے وسطی و جنوبی ہند کے مناقشوں میں مداخلت کی اور عملاً دربار حیدرآباد کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا، اور اپنے ایک جانبدار کو کرناٹک کے تخت پر بٹھا دیا۔ صرف ایک شہر ٹرچناپلی کارناٹک کے اس نواب کے مقابلے پر قائم رہا اور ۱۷۵۱ء میں جس وقت کلائیو نے اس کی خلاصی کے لیئے دلیرانہ تجویز عمل میں لانا چاہی ہے، اسوقت قریب تھا کہ وہ بھی اطاعت قبول کرے۔ کلائیو کئی سو انگریز اور ہندوستانی سپاہیوں کو لیکر باد و باراں کے اندر یکایک نواب دارالصدر ارکاٹ پر

ارکاٹ

پہنچ گیا اور اس پر قبضہ کرکے خود اس وسیع قلعے میں محفوظ ہوکر بیٹھ گیا، اور ہزاروں حملہ آوروں کے مقابلے میں پچاس دن تک اس پر قابض رہا۔ مرہٹوں کو یہ یقین نہیں تھا کہ انگریز اسطرح لڑینگے، کلائیو کی بہادری کو دیکھکر وہ اس محاصرے کے توڑنے کے لئے بڑھے۔ محاصرے سے نکلکر میدان میں بھی کلائیو نے ایسی ہی بہادری دکھائی۔ اس کے نئے بھرتی کئے ہوئے سپاہی ایسے تھے کہ توپ کی پہلی ہی آواز پر فرار ہو جاتے تھے اور آتشباری کے وقت پرانے سپاہی بھی روپوش ہوجاتے تھے مگر انہیں لوگوں کو لیکر اس نے دو مرتبہ ڈیوپلے اور اسکے ہندوستانی رفیقوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی اور فرانسیسی حکمراں نے اپنے ابتدائی فتوحات کے اعزاز میں جو شاندار ستون تعمیر کیا تھا اسے بھی زمین کے برابر کردیا۔

اپنی خرابی صحت کے باعث کلائیو کو انگلستان جانا پڑا امریکہ کی اور ہندوستان میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کچھ زمانے کے لئے نوآبادیاں ملتوی ہوگیا۔ لیکن جس زمانے میں کہ فرانس، مشرق کی شہنشاہی کے لئے جدوجہد کررہا تھا، اسی زمانے میں وہ مغرب میں نئی دنیا پر حاوی ہو جانے کی کوشش میں بھی سرگرم تھا، اور بظاہر وہاں اس کی کامیابی زیادہ متیقن معلوم ہوتی تھی۔ انگلستان کے مقبوضات امریکہ کی آبادی اگرچہ بہت بڑھ گئی تھی مگر یہ مقبوضات زیادہ تر بحر اوقیانوس کے کنارے

ہی کنارے واقع تھے کیونکہ جنگ ہفت سالہ کے قبل صرف تحقیقات کنندوں کی چند جماعتیں ایلگنی کے کوہستانوں کے اندر داخل ہوئی تھیں ورنہ جھیلوں کے گرد اصلی باشندگان ملک کے قبائل بے روک ٹوک پڑے پھرتے تھے۔ صلح ایکسلا شاپیل کے وقت تک انگلستان کے نوآبادوں اور مدبّروں کی نگاہیں اس امر پر نہیں پڑی تھیں کہ فرانس اس مغربی براعظم کے اندرونی حدود میں داخل ہوگیا ہے۔ لوئیزیانا اور کناڈا میں مضبوطی سے جم جانے کے بعد فرانس نے علانیہ دعویٰ کردیا کہ کوہستان ایلگنی کے مغرب کا تمام ملک اسکا ہے اور فرانسیسی حکمرانوں نے اب یہ حکم دیدیا کہ اوہیو اور مسیسپی کی وادیوں سے تمام انگریز خارج کردیئے جائیں حالانکہ ۱۷۴۸ ابھی تک یہ مقامات ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں تھے۔ پلہم کا سا تامستعد شخص بھی ان کے ان دعووں پر آگ کی طرح بھڑک اٹھا، اکیڈیا یعنی نوااسکوٹیا سے ابتدائی فرانسیسی نوآباد نکال دیئے گئے اور ہلیفیکس کے نام سے ایک انگریزی نوآبادی قائم کردیگئی۔ ایک "اوہیو کمپنی" قائم کی گئی اور اسکے گماشتے اوہیو اور کنٹکی دونوں دریاؤں کی وادیوں کے اندر داخل ہوگئے، اور ورجنایا اور پنسلوینیا کے ایلچیوں نے اپنی نوآبادیوں اور پہاڑ کے دوسری جانب کے اصلی باشندوں کے قبائل کے درمیان اتحاد کو زیادہ مستحکم کرلیا۔ فرانس نے بھی اس صلائے جنگ کے قبول کرنے

میں سستی نہیں دکھائی۔ اکیڈیا میں جنگ شروع ہوگئی۔ ایک جنگی جہاز اونٹیریو میں آگیا اور نیاگرا کی قلعہ بندی کردی گئی۔ بارہ سو آدمیوں کا ایک دستہ ایری کو روانہ کیا گیا، اور اوہیو کے سرے پر انگریزوں نے جو ایک چھوٹی سی نوآبادی قائم کرلی تھی انکو وہاں سے نکال کر ڈیوکین کے نام سے وہاں ایک قلعہ بنا لیا۔ یہ قلعہ اس مقام پر واقع تھا جہاں بعد میں پٹسبرگ آباد ہوا۔ نوآبادوں نے ورجینیا کے ایک نوعمر شخص جارج واشنگٹن کے تحت میں ایک حملہ کیا مگر یہ حملہ بیکار گیا اور انہیں مجبور ہوکر پہاڑوں پر ہٹ جانا پڑا جس سے تمام مغربی علاقہ فرانسیسیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ کناڈا سے میسیسپی تک اصلی باشندوں کے قبائل کا بیشتر حصہ فرانسیسوں کا شریک ہوگیا، اور انکی امداد کی قدر اسوقت معلوم ہوی جب جنرل بریڈک ۱۷۵۵ء میں انگریز سپاہیوں اور امریکی رضاکاروں کی ایک فوج لیکر قلعہ ڈیوکین پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ فوج بالکل تباہ کردیگئی اور بریڈک قتل ہوگیا۔ مارکوئس

بریڈک کی تباہی

مانٹکام جو ۱۷۵۶ء میں کناڈا کی فرانسیسی فوجونکا افسر اعلی تھا، وہ انتظامی قوت کا ایک خاص جوہر رکھتا تھا، اس نے اپنے پیشرو سے بھی زیادہ مستعدی کے ساتھ الحاق کی تجاویز پر عمل کرنا شروع کردیا۔ اور دریائے اوہیو قلعہ ڈیوکین، دریائے نیاگرا کے قلعہ سینٹ لارنس، خلیج شاملین کے قلعہ ٹیکنڈروگا کو چھوٹے چھوٹے قلعوں کے سلسلے سے باہم ملادیا جس سے

نوآباد انگریزوں کا مغرب کی طرف بڑھنا بالکل مسدود ہوگیا۔ بریڈک کی شکست نے انگلستان کو اس خطرے کیطرف سے پہلے ہی متنبہ کردیا تھا کہ امریکہ کی جنگ کے ساتھ ہی یورپ میں بھی جنگ کا ہوجانا ضروری ہے۔ وزرا کا خیال یہ تھا کہ فرانس کے روکنے کی صرف یہی صورت ہے کہ پروشیا سے اتحاد کرلیا جائے مگر فریڈرک تو ہوشیاری کے ساتھ اس سے بچ نکلا اور انگلستان کو پروشیا کیطرف ہاتھ بڑھانے کا صلہ یہ ملا کہ میریاتھریزا اس سے کشیدہ ہوگئی کیونکہ اس کی قطعی خواہش یہ تھی کہ سلیسیا کو پھر واپس لیلے۔ خاندان بوربن کی دونوں سلطنتیں ابتک "ارتباط خاندانی" کے سلسلے سے وابستہ تھیں، اور اوائل ۱۷۵۲ء میں میریاتھریزا نے اپنی حکمت عملی کے تغیر سے سکوییرت میں ڈالدیا اور ان دونوں سلطنتوں سے اتحاد قائم کرلیا۔ شمال جرمن میں ایک زبردست طاقت کی ترقی سے روس کو حسد پیدا ہورہا تھا اور اسوجہ سے زارینہ الزبیتھ نے ملکہ ہنگری کی تجاویز میں مدد دینے کا وعدہ کرلیا، اور ۱۷۵۵ء میں سیکسنی اور چاروں طاقتوں کا اتحاد عملاً مکمل ہوگیا۔ یہ تمام گفت و شنود ایسے رازدارانہ طورپر ہوی تھی کہ نہ ہنری پلہم کو اس کی خبر ہوئی نہ اس کے بھائی ڈیوک نیوکیسل کو (جو اس کے انتقال کے بعد ۱۷۵۴ء میں وزارت کا صدر ہوگیا تھا) اس کا پتہ چلا۔ لیکن فریڈرک کی تیز نگاہوں نے اول ہی سے اس کا سراغ لگا لیا تھا

کہ وہ پیرس سے لیکر سینٹ پیٹرسبرگ تک دشمنوں کے ایک سلسلے میں گھرا ہوا ہے ؛

جنگ ہفت سالہ

انگلستان کو بھی اس مخالفے سے کچھ کم خطرہ نہیں تھا کیونکہ فرانس پھر اس قوت و نخوت کے ساتھ منظر عام پر آیا تھا کہ لوئس چہاردہم کے زمانے کی یاد تازہ ہوگئی تھی۔ فرانسیسی حکومت کی اندرونی کمزوری و ابتری کچھ مدت تک اس کے تجاویز کی بے باکی و وسعت کے باعث پردۂ خفا میں رہی اور ان تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے اسے جیسے اعلیٰ کارکن ملگئے تھے ان کی قابلیت بھی اس پردہ پوشی کا سبب بن گئی تھی۔ اس کے برخلاف انگلستان میں تمام کام بے سروپا اور غیر منفصل حالت میں تھے۔ اختتام سال تک یہ نہوسکا کہ شاہ پروشیا سے معاہدہ مکمل ہوجاتا انگلستان اور فریڈرک کے معاہدے کے ساتھ ہی جنگ ہفت سالہ شروع ہوگئی دنیا کی تاریخ میں اس جنگ سے زیادہ نتیجہ خیز کوئی اور جنگ ثابت نہیں ہوی ہے، نہ اس جنگ سے زیادہ کسی جنگ میں انگلستان کو ظفرمندی حاصل ہوی ہے' لیکن ابتدا میں اس جنگ نے جیسی تباہی برپاکی ایسی تباہی بھی بہت کم لڑائیوں میں پیش آئی ہے۔ نیوکیسل اسقدر کمزور و بے خبر تھا کہ وہ دوسروں کی مدد کے بغیر حکومت نہیں کرسکتا تھا مگر اس کے ساتھ وہ اپنے غلبے کا اسدرجہ حریص تھا کہ زیادہ قابل آدمیوں کو اپنے ساتھ شریک کرکے

۱۷۵۵

ان سے مدد بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔ جو مہیب کشمکش آنکھوں کے سامنے تھی اس کے لئے اس نے صرف یہ تیاری کی کہ اوائل ۱۷۵۶ء انگلستان میں کلہم تین رجمنٹیں کام کے لایق موجود تھیں۔ اس کے خلاف میں فرانس نے حملہ کرنے میں بڑی تیزی دکھائی۔ منورکا بحر متوسط کی کنجی تھا، ڈیوک رشلیو نے اس کے بندرگاہ ماہون کا محاصرہ کرلیا اور اسے اطاعت پر مجبور کردیا۔ انگلستان کی اس ذلت کی تکمیل مزید اسطرح ہوئی کہ اس بندرگاہ کی مدد کے لئے ایڈمرل بنگ کے تحت میں جو بیڑہ روانہ کیا گیا تھا وہ فرانسیسی بیڑے کے سامنے سے ہٹ آیا۔ جرمنی میں فریڈرک نے جنگ شروع ہوتے ہی ڈرسڈن پر قبضہ کرلیا، سیکسنی کی فوج کو اطاعت پر مجبور کردیا اور ۱۷۵۷ء میں پراگ کی فتح سے کچھ دنوں کے لئے وہ بیویریا کا بھی مالک ہوگیا۔ لیکن اس کی یہ کامیابی محض عارضی تھی اور کولن کی شکست نے اسے سیکسنی میں واپس جانے پر مجبور کردیا۔ اسی سال ڈیوک کمبرلینڈ جو ہینوور کی حفاظت کے لئے پچاس ہزار کی ایک فوج لئے ہوئے دریائے ویزر پر خیمہ زن تھا فرانسیسی فوج کے مقابلے سے ہٹ کر دریائے ایلب کے دہانے پر آرہا اور کلوسٹر سیون کے عہد کے موافق اس نے اپنی فوج کے منتشر کردینے کا وعدہ کرلیا۔ امریکہ میں صورت معاملات جرمنی سے بھی زیادہ بدتر تھی۔ مانٹکام کی تدابیر و

مستعدی کے مقابلے میں انگریزی سپہ سالاروں کی سستی تعجب خیز معلوم ہوتی ہے۔ بریڈک کی شکست سے فرانسیسی اوہیو کے تو مالک ہی ہوچکے تھے اب انہوں نے خلیج اونٹےریو اور خلیج شاپیلین کے سامنے والے قلعوں سے بھی انگریزی فوجوں کو نکال دیا اور ان کی شہنشاہی لوئی زیانا سے سنٹ لارنس تک ایک سلسلے میں وسیع ہوگئی۔ انگلستان کے نہایت پرسکون مدبروں تک پر ایسی غمناکی چھاگئی کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملسکتی۔ چسٹرفیلڈ کے سے افسردہ مزاج شخص کی زبان سے عالم مایوسی میں یہ کلمے نکل گئے کہ "اب ہماری حیثیت ایک قوم کی سی نہیں رہی" ۱۷۵۶

ولیم پٹ

لیکن چسٹرفیلڈ جس قوم کی طرف سے مایوس ہوگیا تھا وہی قوم اب اپنی سب سے بڑی ظفرمندیاں حاصل کرنے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ ڈیوک نیوکیسل کی مصیبت انگیز ناقابلیت کا نیتجہ صرف یہ ہوا کہ ولیم پٹ جیسے قابل شخص کو تقدم حاصل ہوگیا۔ پٹ، مدراس کے ایک دولتمند صوبہ دار کا پوتا تھا اور ۱۷۳۵ء میں اپنے باپ کے زیر اثر قصبات میں سے ایک قصبے کے رکن کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں داخل ہوگیا تھا جن نوعمر "محبان وطن" نے والپول پر اعتراضات کئے تھے، پٹ انکا سرگروہ تھا۔ انہیں اعتراضات کے باعث والپول نے اسے فوج سے موقوف کردیا تھا اور اس لئے اب وہ ہمہ تن سیاسیات کیطرف متوجہ ہوگیا تھا۔ والپول کے زوال کے بعد

جو "وسیع انتظام" قائم ہوا پٹ بھی اس میں داخل کرلیا گیا تھا۔ اس لئے اس کی شرر فشانی دبی رہی۔ مگر ہنری پلہم کے انتقال کے بعد نیوکیسل کی رقابت کے باعث اس نے مخالفانہ انداز اختیار کیا اور اپنے عہدے سے بھی برطرف کردیا گیا۔ جب آخرالامر پیہم تباہیوں نے نیوکیسل کو نومبر ۱۷۵۶ء میں وزارت سے ہٹادیا تو پٹ وزیر خارجہ مقرر ہوگیا۔ لیکن چارہی ماہ کے اندر بادشاہ اور نیوکیسل کے طرفداروں کی دشمنی نے اسے استعفا دینے پر مجبور کردیا مگر جولائی ۱۷۵۷ء میں اس کا واپس بلانا ناگزیر ہوگیا۔ نیوکیسل کو جب نظم ونسق کی ترتیب میں تنہا کامیابی نہیں ہوئی تو بدرجۂ مجبوری اس نے اپنے رقیب سے مدارا کرنا مناسب سمجھا اور ملک کی خوش قسمتی تھی کہ ان دونوں مدبّروں کی طبیعت ایسی واقع ہوی تھی کہ ان میں مصالحت آسانی کے ساتھ نبھ سکتی تھی۔ پٹ کو جن کاموں کی تمنا تھی یعنی معاملات عامّہ کی عام سربراہی، ملکی حکمتِ عملی کی نگرانی، جنگ کا انتظام ان میں سے نہ کسی کام کی نیوکیسل میں قابلیت تھی نہ اُس کا میلان ہی اس طرف تھا۔ دوسری طرف پارلیمنٹ کو قابو میں رکھنے میں کوئی اس کا مدِمقابل نہیں تھا، اگر وہ اور کچھ نہیں جانتا تھا تو اس ایک کام کو اپنے وقت کے تمام لوگوں میں بہتر جانتا تھا کہ ہر ایک رکن پارلیمنٹ کی قیمت کیا ہے اور ہر ایک حلقے میں کیا کیا سازشیں ہوتی ہیں۔ اسے

نیوکیسل وپٹ

جس امر کی فکر تھی وہ معاملات ملکی پر قابو حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ مربیانہ انعامات اور رشوتوں کو اپنے ہاتھ میں رکھنا تھا اور پٹ کو انھیں باتوں سے حد کی نفرت تھی۔ہاریس والپول لکھتا ہے کہ "کام تمام پٹ انجام دیتا ہے اور صلے ڈیوک عطا کرتا ہے۔جب تک وہ دونوں اس تقسیم عمل پر متفق رہینگے وہ جو چاہیں کرسکتے ہیں" ان دو متضاد طبیعت کے سرگروہوں کے اس عجیب و غریب اتفاق سے ایک سب سے بڑی اور سب سے آخری خالص وہگ وزارت قائم ہوگئی۔لیکن اول سے آخر تک اس کی حقیقی طاقت پٹ ہی کے ہاتھ میں تھی۔پٹ ایک غریب شخص تھا، اس کی آمدنی دو سو پاؤنڈ سالانہ سے کچھ زائد تھی۔اور وہ ایک ایسے خاندان کا شخص تھا جسکی کوئی سیاسی اہمیت بھی نہیں تھی۔اور جب وہ رسالے میں ایک معمولی افسر تھا تو والپول اس کی نوعمری اور اس کی ناتجربہ کاری پر حقارت سے ہنستا تھا مگر بایں ہمہ اس نے محض اپنی ذاتی قابلیت سے اس طاقت پر قبضہ کرلیا جسے انقلاب کے وقت سے وہگ خاندانوں نے بڑی سختی سے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔وہ اپنی بلند حوصلگی کے باعث حقیر امور کی طرف نظر نہیں ڈالتا تھا۔اپنے عہدے پر فائز ہونے کے وقت اس نے یہ کہا تھا کہ "میں انگلستان کو اس کمزور حالت سے نکالنا چاہتا ہوں کہ فرانس کے بیس ہزار

آدمی جب چاہیں اسے متنزلزل کر دیں" اسکی یہ تمنا بہت جلد پوری ہو گئی، جسطرح اس نے ان لوگوں میں جو اسکی خدمت میں تھے اپنی عظمت و وقار کا ایک اثر پیدا کر دیا اسیطرح اس نے اس ملک میں جسکی وہ خود خدمت کیا کرتا تھا فوراً اپنی ہی سی بلند حوصلگی کی روح پھونک دی۔ اسوقت کے ایک سپاہی نے یہ کہا تھا کہ "یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص مسٹر پٹ کے کمرے میں جائے اور جب وہاں سے نکلے تو اپنے کو اس سے زیادہ دلیر نہ پائے جتنا کہ جاتے وقت تھا" اگرچہ اس کی ابتدائی مہمات کی ترتیب ناقص تھی، بہت سی غلطیاں اس سے سرزد ہوئیں مگر اس نے عام فوج میں ایک ایسا جوش پیدا کر دیا جس سے انجام کار میں شکست کا ہونا ناممکن ہو گیا۔ فریڈرک پر جب یہ ثابت ہو گیا کہ ایک اور شخص اسکے مانند صاحب عظمت ظاہر ہوا ہے تو وہ بیساختہ کہہ اٹھا کہ "سلطنت انگلستان مدت سے دردِ زہ میں مبتلا تھی، آخر اس کے ایک فرزند پیدا ہی ہو گیا"

پٹ اور اسکا زمانہ

جب ہم پیچھے مڑ کر پٹ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی اس ذاتی و متفرّد عظمت کا اثر ہمارے دل پر پڑتا ہے۔ اس کی تقریر اور اس کے کام کا انداز ہمارے اس زمانے کے انداز سے بالکل مختلف تھا نکتہ چینی، وضعداری، حد سے بڑھی ہوی سادہ لوحی، خشک مذاق وظرافت، دل

و دماغ کی بیحسی، نیک کرداری و گرمجوشی، بدگمانی اور سب سے بڑھکر خود اپنے سے بدظنی، یہ سب اس زمانے کی سوسائٹی کے خاص صفات تھے مگر پٹ ان تمام باتوں سے بالکل الگ نظر آتا ہے، اس کا اپنے تیقّنات پر قوی العزم ہوتا، اپنے خیال کے موافق اعلیٰ و صحیح چیزوں سے اس کی پرجوش محبت، اس کی پرزور سرگرمی، اس کا شاعرانہ تخیّل، اس کا نقشہ کھینچ دینے والا انداز کلام اور پُراز فصاحت بیان، اس کی پرغرور خود اعتمادی، اس کی شان وشوکت اور اس کی فضولخرچی، اس کے تمام ہمعصروں کے تحیّر کا باعث تھیں۔ یہی حال اس کے دوسرے کمالات کا تھا۔ وہ جس اعتماد کے ساتھ انسان کے اعلیٰ جذبات کو برانگیختہ کرتا تھا، جس حقارت کے ساتھ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے کمال سیاسی یعنی رشوت دہی و رشوتخواری کا ذکر کرتا تھا، اپنی ذات، اپنے کام کی عظمت اور اپنی قوتِ عمل پر اسے جیسا بےشک وشبہ اعتماد تھا، سب اسے حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وزارت میں شامل ہوتے وقت اس نے ڈیوک ڈیونشائر سے کہا تھا کہ "میں جانتا ہونکہ میں ملک کو بچا سکتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے سوا کسی دوسرے سے یہ کام نہیں ہوسکتا"۔ پٹ کے اخلاق کی تمامتر بنا ایک زوردار و پرجوش غرور پر تھی اور یہی غرور تھا جسکی وجہ سے وہ ان لوگوں

کی سطح پر نہیں آتا تھا جنہوں نے ابتک انگلستان کو اپنے پنجے میں پھنسا رکھا تھا۔ رجعت شاہی کے بعد سے وہ پہلا مدبر تھا جس نے خالص ملکی جوش کی ایک مثال قائم کردی تھی، اگرچہ وہ اختیار و قوت کا دلدادہ تھا مگر اس کا بار بار عہدے کے قبول کرنے سے انکار کرنا اور عہدہ قبول کرنے کے بعد اپنے اصول کو اس سختی سے نگاہ رکھنا ایک ایسا فعل تھا کہ اس کی نظیر کسی اور شخص میں نہیں ملتی۔ جب ایک مرتبہ ایک عہدہ اسے پیش کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ "میں اسوقت تک دربار میں نہیں جاؤنگا جب تک کہ نظام سلطنت بھی میرے ساتھ نہو (یعنی بادشاہ بھی نظام سلطنت کی پابندی کرے)" اس کے ہر جانب رشوت کا جو بازار گرم تھا وہ اسے سخت حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس نے جگھوں کی خرید اور ارکان کی قیمت دینے کا کام نیوکیسل کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تھا۔ ابتداءً پلہم نے اسے سب سے زیادہ نفع بخش عہدے پر مقرر کیا تھا یعنی اسے افواج کا میر بخشی بنا دیا تھا۔ لیکن یہ نفع ناجائز طریقے کا تھا اور پٹ اگرچہ غریب تھا مگر اس نے اپنی تنخواہ سے زائد ایک حبہ لینا بھی پسند نہیں کیا۔ اس نے عام قوم کے متعلق جو انداز اختیار کیا اس سے زیادہ کسی اور امر سے اس کے اخلاق کی عظمت و شرافت کا اظہار نہیں ہوسکتا۔ پٹ کو لوگ "نمائندہ اعظم" کہتے تھے

پٹ کا قومی جوش

اور کسی کو اس نمائندۂ اعظم سے زیادہ قبول عام حاصل نہیں تھا، مگر اس نے اپنا انداز ہمیشہ یہ رکھا کہ وہ اس قبول عام کا متبوع ہے، تابع نہیں ہے۔ عوام الناس کے حسیات سے نیازمندانہ فائدہ اٹھانیکی طرف وہ کبھی مائل نہیں ہوا۔ جسوقت عوام کا مجمع گلا پھاڑ پھاڑ کر "ولکس اور آزادی" کے لئے شور مچا رہا تھا پٹ نے علانیہ ولکس کو ایک نا اہل بد اطوار قرار دیا، اور جب تمام انگلستان اہل اسکاٹلینڈ کی منافرت میں دیوانہ ہو رہا تھا، پٹ نے پر غرور طور پر بالاعلان یہ کہدیا کہ وہ اس قوم کی ہمت و جرأت کی قدر کرتا ہے جسے اس نے پہلی مرتبہ وفادار بنایا تھا۔ اس کی شاندار صورت، اس کے چھوٹے سے نازک چہرے پر عقاب کی سی چمکتی ہوئی آنکھیں، اس کی پر شوکت آواز، اور اس کی فصاحت کے جوش و خروش نے اسے دارالعوام پر ایسا حاوی بنا دیا تھا کہ کسی دوسرے وزیر کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اپنے مخالفوں کو ایک نظر حقارت سے خاموش اور تمام دارالعوام کو ایک لفظ سے ساکت کر دیتا تھا۔ بااین ہمہ وہ کبھی ان تدابیر کیطرف مائل نہیں ہوا جن سے لوگ سیاسی فرقہ بندیاں قائم کرتے ہیں اور جسوقت اسکی طاقت اپنے انتہائے کمال کو پہنچی ہوئی تھی اسوقت بھی اس کے ذاتی پیرو بشکل چھ سات آدمی رہے ہونگے۔

درحقیقت اس کی اصلی قوت کا سرچشمہ پارلیمنٹ نہیں نمائندۂ اعظم

بلکہ قوم تھی۔ اس کے نمائندۂ اعظم کے لقب سے ایک خاص سیاسی انقلاب کا پتہ چلتا ہے۔ جب مجلس وزارت کے امرا نے اس کی رائے کی مخالفت کی تو اس نے ایک پُرغرور انداز سے یہ کہا کہ "قوم نے مجھے یہاں بھیجا ہے" وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ محسوس کیا کہ عوام الناس کی طبیعتوں کا مدتِ دراز کا جمود ختم ہوگیا ہے، اور تجارت و حرفت کی ترقی نے ایک بہت بڑا متوسط طبقہ پیدا کردیا ہے، جسکے نمائندے مجلسِ قانون سازی میں موجود نہیں ہیں۔ جب پٹ نے دارالعوام کی حیات کو برانگیختہ کرکے بنگ کو بچانا چاہا تو جارج دوم نے یہ کہا کہ "تمہیں نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ میں اپنی رعایا کی رائے معلوم کرنے کے لئے دارالعوام کو چھوڑ کر اور مقامات پر نظر ڈالوں" اسی طبقے نے جس کی نمائندگی نہیں ہوتی تھی پٹ کو قوت پہنچائی تھی۔ جب نیوکیسل سے اس کی کشمکش ہوئی تو بڑے بڑے شہروں نے اسے اپنی شہرونکی آزادی عطا کرکے اور محضر نامے پیش کرکے اس پر اپنا اعتماد ثابت کردیا۔ ہارس والپول نے مزاحاً یہ کہا تھا کہ "ہفتوں تک سونے کے صندوقوں کی بارش ہوتی رہی" لندن اچھی بُری دونوں حالتوں میں اس کی طرفداری میں ثابت قدم رہا۔ اور انگریزی تاجروں میں سب سے زیادہ دولتمند تاجر آلڈرمین بکفرڈ اس امر پر فخر کرتا تھا کہ وہ اس کے سیاسی مددگاروں میں ہے۔ حقیقت

یہ ہے کہ پٹ کی طبیعت اس زمانے کے ان تجارت پسند انگریزوں کی طبیعت کے بالکل ہی موافق تھی جو اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی جفاکشی، ان کی خود اعتمادی ان کا غرور، ان کی حب الوطنی، ان کی ایمانداری، ان کی اخلاقی صداقت، سب پٹ کے اخلاق کے مثل تھی۔ تاجر وسوداگر بالطبع اپنے زمانے کے اس یکتا مدّبر کی طرف مائل تھے جسکے اغراض خود غرضی سے مبرّا، جس کے ہاتھ رشوت ستانی سے صاف، اور جس کی زندگی پاکیزہ اور اپنے بچوں کی محبت سے خوشوقت تھی۔ مگر ان کی اس پرجوش وقعت کے لئے ان کے علاوہ کچھ اور گہرے وجوہ بھی تھے، اور اسوقت سے ابتک ملک میں پٹ کی جو عظمت و وقعت قائم ہے اسکا راز بھی انہیں وجوہ میں مخفی ہے۔ اسے انگلستان سے نہایت گہری محبت تھی، اور اس محبت نے ذاتی حیثیت پیدا کرلی تھی۔ وہ اپنے ملک کی طاقت، اسکی عظمت اور اس کی عام نیک کرداری پر یقین رکھتا تھا یہانتک کہ خود انگلستان نے اپنے اوپر یقین کرنا سیکھ لیا۔ وہ انگلستان کی فتوحات کو اپنی فتوحات اور شکستوں کو اپنی شکست سمجھتا تھا۔ ملک کے خطرے کے وقت وہ فریقانہ و ذاتی امور کے خیال سے بالاتر ہو جاتا تھا۔ اسے نقصان پہنچانے کے لئے جب فرقہ بندیاں شروع ہوئیں تو اس نے یہ کہا کہ "ایک قوم بنجاؤ مفاد عامہ کے سوا اور ہر شے کو بھول جاؤ

اسکی ہمہ دلعزیزی

میں تمہارے سامنے اپنی مثال پیش کرتا ہوں" اس کی اسی تابناک حب الوطنی کا جادو تھا جس نے درحقیقت انگلستان کو مسحور کر رکھا تھا بلکہ اس کے اخلاق جن خرابیوں سے داغدار تھے وہ بھی متوسط طبقوں پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہتے تھے۔ اس کے قبل کے وہگ مدبر اپنی شان بےنیازی کے اظہار کے طور پر ہر بات میں سادگی برتتے اور طمطراق سے الگ تھے، برخلاف اس کے پٹ بالکل ایک ایکٹر معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجلس وزارت، دارالعوام، بلکہ اپنے دفتر تک میں ایک تصویر سا بنا رہتا تھا۔ وہ اپنے محرروں کے ساتھ کام کرتے وقت بھی پورا لباس زیب تن کرتا تھا۔ اسے اپنے گھروالوں سے اگرچہ سچی محبت تھی مگر وہ ان لوگوں کو جو خط لکھتا تھا ان کے الفاظ بہت پرشکوہ ہوتے تھے اور ان کا انداز خلاف عادت معلوم ہوتا تھا۔ اس کا تصنّع، اسکا شاندار انداز، اور بڑے بڑے مباحثوں کے موقعوں پر اسکا فلالین کا گھیردار لباس پہنے ہوئے اور بغل میں بیساکھی دبائے ہوئے، اس زمانے کے ظریف الطبع لوگوں کے لئے مذاق کا اچھا ذریعہ بن گیا تھا۔ اس کے ابتدائی زمانے میں والپول اسکے اس فعل پر حقارت سے ہنستا اور کہا کرتا تھا کہ "وہ دارالعوام میں تھیٹر کے انداز و اطوار اور وہیں کے سے خیالات لیکر آتا ہے۔" لیکن جو لوگ پٹ کے مخاطب صحیح تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ مذاق طبیعت کی ان لغزشوں سے آزردہ ہوجاتے،

انھیں اس مدبر پر ہنسنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی تھی جو وجع مفاصل کی شدت تک میں دوسروں کے سہارے سے رائے دینے کے کمرے میں آتا تھا اور جو قومی ذلت کے خلاف اعتراض کرنے کے لئے اس نازک حالت میں دارالامرا میں پہنچا کہ اس اعتراض کے ہی دوران میں اس نے آخری سانس لی اور اسکا خاتمہ ہوگیا؛

پٹ کی فصیح البیانی

پٹ کی سب سے بڑی قوت اس کی لاجواب فصاحت تھی طویل العہد پارلیمنٹ کے طوفاں خیز مباحث کے دوران میں سیاسی تقریروں کا زور ظاہر ہونے لگا تھا مگر اس زمانے میں قانونی و مذہبی معلومات کے اظہار کا جو شوق پھیلا ہوا تھا اس نے ان تقریروں کو ایک تنگ دائرے کے اندر محدود کردیا تھا۔ دور انقلاب میں اظہار علمیت کا تو خاتمہ ہوگیا تھا مگر سامرس اور اس کے رقیبوں کی فصاحت سے ذہانت کے بجائے قابلیت کا اظہار زیادہ ہوتا تھا۔ وسعت معلومات، صفائی بیان، صحت خیال، ایک وکیل یا کاروباری شخص کی سی شستگی کلام، یہ سب باتیں ان لوگوں کی تقریروں میں تھیں مگر خود مقرر کے جوش طبیعت کی کمی تھی۔ صفائی بیان پٹ میں برائے نام تھی بلکہ بالکل ہی نہیں تھی۔ نہ وہ والپول کا سا حاضر جواب مناظر تھا، اور نہ وہ چسٹرفیلڈ کی سی جچی تلی تقریر کرتا تھا بلکہ جن تقریروں کو وہ پہلے سے تیار کرکے لاتا تھا وہ اس کی تقریروں میں سب سے بدتر ہوتی تھیں،

کیونکہ ان تقریروں میں اس کے مذاق صحیح کی کمی، اُسکا تصنع کا شوق، فرسودہ اقتباسات، اور دوراز کار استعارات کی کثرت بہت نمایاں ہوجاتی تھیں۔لیکن باوجود ان نقائص کے اسکا اپنے وقت کے تمام فصیح البیان مقرروں پر فوق لیجانا محض اسی وجہ سے تھا کہ وہ جو کچھ کہتا تھا اس پر پوری طرح اعتماد رکھتا تھا اور اس کی صحت و صداقت کیطرف سے وہ بالکل مطمئن ہوتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے کان میں کہا کہ "مجھے خاموش رہنا چاہئے کیونکہ جب میں ایک مرتبہ کھڑا ہوجاتا ہوں تو جو کچھ میرے دلمیں ہوتا ہے سب کہہ گزرتا ہوں" اس کی حقیقی فصیح البیانی کو اس کی وسعت خیالات، اور اس کے تابناک جذبات نے بہت بلند کردیا تھا جس سے وہ نہ صرف اپنے وقت کے سب لوگوں پر فوق لیگیا بلکہ اس کا شمار دنیا کے فصیحوں کی صفِ اول میں ہونے لگا۔ اس نے اپنے زمانے کی بےکیف بحث، اظہار ذہانت، اور عامیانہ مباحث کے بجائے ایک طرح کی شاندار بیباکی، جذبات عامہ سے ہمدردی، پائدار شان و شوکت، اعلیٰ و ارفع قوت، اور جملہ انسانی حیات کو زیر بحث لانے کا طریقہ اختیار کیا۔ وہ اکثر باوقار سنجیدہ بیانات کو چھوڑکر نہایت دلخوش کن تمسخر کا پہلو اختیار کرلیتا اور اسے اس خوبی سے بنھاتا تھا کہ سلسلۂ کلام منقطع نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کبھی سخت طعن و تشنیع سے گزرکر نہایت دلگیر بیانات کیطرف

متوجہ ہو جاتا تھا۔ اس کی باوقار خود اعتمادی کیوجہ سے اسکا ایک ایک لفظ دل میں پیوست ہو جاتا تھا۔ اس کی تقریروں میں ہمیشہ انداز تحکّم نمایاں ہوتا تھا۔ وہ پہلا انگریز مقرر تھا جس کے الفاظ میں اثر پیدا کرنے کی قوت تھی اور یہ اثر صرف پارلیمنٹ تک محدود نہیں تھا بلکہ تمام قوم پر حاوی تھا۔ اسوقت تک پارلیمنٹ کی روئداد کے لکھنے کا طریقہ رائج نہیں ہوا تھا، اور پٹ کی آواز صرف متفرق جملوں اور لوگوں کی قوت حافظہ کے ذریعے سے سینٹ اسٹیون کی دیواروں سے باہر پہنچتی تھی، مگر درحقیقت انہیں بیساختہ اظہار خیالات اور پرجوش مختصر جملوں میں پٹ کی فصاحت کا راز پوشیدہ ہوتا تھا۔ اس کے وہ متفرق جملے جو اسوقت تک موجود ہیں ان کا اثر لوگوں کے دلوں پر اب بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسا خود پٹ کے زمانے میں ہوتا تھا۔ لیکن باوجود اس جوش و خروش کے اس کی فصیح البیانی ایک مدبّر کی فصیح البیانی تھی، کسی خطیب و واعظ کی فصیح البیانی نہیں تھی۔ اس نے جن معظمات امور میں جدو جہد کی، زمانے نے تقریباً ان سب کو بجا اور ثابت کر دکھایا، عام احکام کے رد سے بے روک ٹوک لوگوں کو قید کر دینے کے خلاف رعایا کے حقوق کی حفاظت، لارڈ مینسفیلڈ کے مقابلے میں مطابع کی آزادی کی حمایت، دارالعوام کے خلاف حلقہائے انتخاب کے حقوق کی محافظت، خود انگلستان کے مقابلے میں امریکہ کے حقوق آئینی کی جانبداری

اسکا تدبّر ملکی

یہ سب باتیں حق بجانب ثابت ہوچکی ہیں۔ اس کی خارجی حکمتِ عملی کا مدارِ کار اس پر تھا کہ پروشیا کو محفوظ رکھنا چاہیئے چنانچہ پروشیا نے جرمنی کو مستحکم و متحد کرکے اس کی اس پیش بینی کو بجا کر دکھایا ہے۔ ہندوستان کو براہ راست تاج کے تابع کردینے کے متعلق اس کی تجاویز اب قبول کی گئی ہیں حالانکہ جسوقت اس نے یہ تجویز پیش کی تھی اس زمانے میں لوگ اسے دیوانگی سمجھتے تھے۔ وہی پہلا شخص تھا جس نے کلیسائے انگلستان کی آزادانہ نوعیت کو سمجھا، اور اسی نے سب سے پہلے پارلیمنٹ کی اصلاح کا آوازہ بلند کیا۔ اسکے ابتدائی کاموں میں ایک کام ایسا تھا جس سے اسکی طبیعت کی فیاضی وندرت پوری طرح ثابت ہوتی ہے، وہ کام یہ تھا کہ اس نے اسکاٹلینڈ کے حامیان جیمز کو خود ان کے ملک میں خدمات ملکی پر مامور کرکے اور ہائلینڈز کے قبائل کے اندر وہیں کے فوجی دستے قائم کرکے اسکاٹلینڈ کو خاموش کردیا۔ ولف اور امہرسٹ کے ایسے سپہ سالاروں کو مقرر کرکے اس نے یہ ثابت کردیا کہ وہ حق تقدم کو ناپسند کرتا تھا اور اس میں مردم شناسی کی خلقی قابلیت موجود تھی۔

جنگ پلاسی

لیکن پٹ کو اپنی وزارت کے ابتدائی زمانے میں جیسی پیہم کامیابیاں نصیب ہوئیں انھیں اس کی عقل و تدبیر سے زیادہ اس کی خوش قسمتی کیطرف منسوب کرنا چاہیئے۔ مشرق میں ایک محرر کی جرأت و ہمت نے انگریز تاجروں کو بنگال کا

مالک بنا دیا، اور فتوحات کا وہ حیرت انگیز سلسلہ قائم کردیا جس نے جزیرہ نمائے ہند کو لنکا سے لیکر ہمالیہ تک تاج برطانیہ کے زیر نگیں کردیا۔ کلائیو اپنی خرابی صحت کی وجہ سے انگلستان چلا گیا تھا۔ جنگ ہفت سالہ، کے شروع ہوتے ہی وہ واپس آگیا اور اس کی فتوحات سے انگلستان کو کرناٹک میں جیسی قوت حاصل ہوگئی تھی اب اس کی جدید کارروائیوں سے اور اطراف میں اس سے بدرجہا زیادہ غلبہ حاصل ہوگیا وہ ابھی چند مہینے ہی مدراس میں رہا تھا کہ بنگال میں وہ واقعہ پیش آیا جس کی یاد سے ابتک انگریزوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جسکی وجہ سے کلائیو کو بنگال جانا پڑا۔ بنگال جسے دریائے گنگا سیراب کرتا ہے، ہندوستان کے صوبوں میں سب سے زیادہ دولتمند اور زرخیز صوبہ تھا۔ یہاں کا چاول، شکر، ریشم، اور سوتی کپڑا یورپ کے بازاروں میں مشہور تھا۔ شہنشاہ ہند کے اور نائبوں کیطرح یہاں کے والیوں نے بھی عملاً خود مختاری کی شان پیدا کرلی تھی، اور انہوں نے بنگال کے ساتھ اڑیسہ اور بہار کے صوبوں کو بھی ملا لیا تھا۔ اس وسیع مملکت کا مالک سراج الدولہ مدت سے انگریز تاجروں کے دولت واثر کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس موقع پر فرانسیسوں نے اسے اور بھڑکا دیا اور اس نے فورٹ ولیم پر پہنچکر وہاں کے تمام لوگوں کو گرفتار کرلیا اور ان میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں

کو ایک چھوٹے سے قید خانے میں بند کردیا جسے اب کلکتہ کا بلیک ہول (کال کوٹھری) کہتے ہیں۔ ہندوستان کے موسم گرما کی تپش نے فرشتۂ اجل کا کام کیا اور بدبخت قیدیوں نے پیاس کی شدت میں ایک دوسرے کو روند ڈالا اور صبح تک صرف تیس آدمی زندہ بچے۔ کلائیو اس خبر کے سنتے ہی ایک ہزار انگریز اور دو ہزار ہندوستانی سپاہیوں کو لیکر انتقام لینےکو روانہ ہوگیا۔ وہ اب ہم ارکاٹ کے زمانے کا نوعمر سپاہی نہیں تھا بلکہ سراج الدولہ نے جنگ سے بچنے کے لئے جب مراسلت شروع کی تو اس نے (کلائیو) ایشیائیوں کے مانند دغا و فریب سے کام لینے میں خوب ہی مہارت دکھائی۔ مگر وہ اپنے عزم پر مستقل رہا جب میدان پلاسی میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو ان کی تعداد میں اتنا وسیع تفاوت تھا کہ لڑائی سے قبل ایک مجلس جنگ منعقد ہوی اور اس نے پیچھے ہٹ جانے کی صلاح دی۔ کلائیو قریب کے ایک باغ میں چلا گیا اور ایک گھنٹے تک اکیلا وہاں سونچتا رہا اور آخر اس نے لڑنے ہی کا فیصلہ کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ صرف ہمت ہی کی ضرورت تھی۔ ۲۲۔ جون ۱۷۵۷ء کو طلوع آفتاب کے وقت سراج الدولہ کی جانب پچاس ہزار پیادے اور چودہ ہزار سوار میدان میں صف آرا تھے مگر ذراسی دیر میں انگریزی توپوں نے ان میں ابتری ڈال دی اور انگریزوں کے حملے کے

سامنے تمام صفیں درہم برہم ہوگئیں سراج الدولہ کی موت کے باعث کمپنی کو موقع ملگیا کہ وہ اپنے حسب مرضی ایک شخص کو تخت بنگال پر بٹھا دے مگر بہت جلد اس شخص کی حکومت برائے نام رہ گئی۔ درحقیقت فتح پلاسی ہی کی ساعت سے مشرق میں انگریزی شہنشاہی کی ابتدا ہو گئی تھی۔؛

پٹ اور فریڈرک

جس سال پلاسی کی جنگ ہوئی ہے اسی سال مغرب میں بھی ایک فتح حاصل ہوئی جس کی اہمیت کسی طرح پلاسی سے کم نہیں تھی۔ پٹ کی وزارت کے ابتدائی زمانے میں جس قسم کی فوجی مہمیں انجام پارہی تھیں ان سے ملک کا اعتماد حاصل ہونا بعید تھا کیونکہ فرانسیسی ساحلوں پر غارتگرانہ حملے میں محض روپیہ اور جان کا اتلاف ہورہا تھا اور دشمن کو اس سے بہت کم نقصان پہنچتا تھا۔ لیکن اس قسم کے واقعات سے اس وزیر کی عام حکمت عملی پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا تھا، اس کی عظمت کا راز یہ تھا کہ اس نے فریڈرک اعظم کی قابلیت کو سمجھا اور اسے پرزور مدد دینے کا تہیہ کرلیا۔ اپنے عہدے پر نصب ہونے کے بعد ہی اس نے معاہدۂ کلوسٹرسیون کی تصدیق کرنے سے انکار کردیا کیونکہ اس معاہدے کی روسے فریڈرک کا ملک فرانسیسی حملے کے لئے کھل گیا تھا اور فریڈرک پر مایوسی طاری ہوگئی تھی پٹ نے دریائے ایلب پر ایک انگریزی وہینوری فوج جمع کرکے شاہ پروشیا کے بازو کی محافظت کی اور اس کے حسب

خواہش اسی کے بہترین سپہ سالار پرنس برنسوک کو اس فوج کا افسر اعلیٰ بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی فریڈرک کے خالی خزانے کو انگلستان سے برابر مدد دیکاتی رہی پٹ کے اس اعتماد کا نتیجہ یہ نکلا کہ فریڈرک نے ایسی شاندار فوجی قابلیت کا اظہار کیا کہ زمانۂ جدیدہ میں اس کی نظیر نہیں ملسکتی کولن سے پسپا ہونے کے دوہی مہینے کے بعد اس نے ایک فرانسیسی فوج پر جو وسط جرمنی میں داخل ہوگئی تھی، یکایک حملہ کردیا اور روس باخ کی فتح میں اسکا بالکل خاتمہ کردیا۔ ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ وہ بعجلت تمام دریائے زالے سے گزر کر دریائے اوڈر پر پہنچ گیا اور مقام لوئی تن میں اس سے بھی زیادہ نمایاں فتح پائی اور سلیبیا کو آسٹریوں سے بالکل صاف کردیا۔ اسکا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے ایلب کی فرانسیسی فوج کو مجبور ہوکر دریائے رائن کیطرف ہٹنا پڑا یہاں فرڈیننڈ والیِ برنسوک نے جسے بیس ہزار انگریزی سپاہیوں سے بھی کمک پہنچ گئی تھی موسم گرما تک فرانسیسی فوج کو روکے رکھا۔ اس اثنا میں فریڈرک نے موریویا کے حملے میں ناکام ہوکر روسیوں کو جنگ زورن ڈورف میں پولینڈ کیطرف پسپا کردیا لیکن مقام ہوخ کرش میں آسٹروی سپہ سالار ڈاؤن کے مقابلے میں اس کا شکست کھا جانا خوفناک مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور ۱۷۵۹ء میں اسکا ستارۂ اقبال انتہائے پستی کو پہنچ گیا۔ روسی فوج نے دوبارہ بڑھنا

جنگ روس باخ
نومبر ۱۷۵۷ء

شروع کیا اور اسے مجبوراً ماہ اگسٹ میں بمقام کونرزڈورف اس پر حملہ کرنا پڑا۔ اس حملے میں فریڈرک کی پسپائی اسکی فوج کی انتہائی ہزیمت ثابت ہوئی۔ اسوقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ بالکل خاتمہ ہوگیا ہے کیونکہ برلن تک کا راستہ فاتح کے لئے کھلا ہوا تھا۔ چند دنوں بعد ڈرسڈن کی حوالگی سے سیکسنی پر آسٹریا کا قبضہ ہوگیا، اور اختتام سال کے قریب اہل آسٹریا پر بمقام پلاؤٹن حملہ کرنے میں فریڈرک کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن ہر شکست سے اس کے عزم و استقلال میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا اور موسم سرما میں وہ مثل سابق پھر سیلیسیا اور (جنرل ڈاؤن کی لشکرگاہ کے سوا) تمام سیکسنی کا مالک ہوگیا۔ جس سال فریڈرک کا ستارہ اقبال انتہائی پستی کو پہنچ گیا تھا اسی سال پٹ کو اپنی زندگی میں سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوئی منڈن، کوئی بیرن اور کوٹے بیک اسی سال فتح ہوئے۔ فرانس نے ایک ساتھ انگلستان پر حملہ کرنے اور ہینوور کو فتح کرنیکی کوششیں کیں، ایک طرف برسٹ میں بحری جنگ کا سامان جمع کیا گیا، دوسری طرف کونتاد اور بروگلی کے تحت میں دریائے ویزر پر پچاس ہزار آدمی جمع کردیئے۔ فرڈیننڈ چالیس ہزار سے کم آدمیوں کے ساتھ میدان منڈن میں ان کے مقابل ہوا۔ فرانسیسی حملے کرنے کی غرض سے دریائے ویزر کے کنارے کنارے بڑھے، خود اس دریا اور ایک نالے کے ذریعے سے

جنگ میڈن
یکم اگست ۱۷۵۹ء

جو اس دریا میں گرا تھا ان کے دونوں بازو محفوظ تھے۔ اور دس ہزار سوار جو قلب میں متعیّن تھے وہ بھی انکی حفاظت کر رہے تھے فرڈینینڈ کی فوج کی چھ انگریزی رجمنٹیں فرانسیسی سواروں کے سامنے تھیں اور انہوں نے اپنے سپہ سالار کے حکم کو غلط سمجھکر فوراً ہی ایک قطار میں آگے بڑھنا شروع کردیا اور اپنے بازو کے توپخانے کا کچھ خیال نہ کیا متواتر حملوں کو انہوں نے قرابینوں سے روکا اور ایک گھنٹے کے اندر اندر فرانسیسی فوج کا قلب بالکل درہم برہم ہوگیا۔ کونتاد نے کہا کہ "دیدئے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے امکان کا خیال بھی ذہن میں نہیں آتا تھا کہ پیادوں کی ایک صف سواروں کی تین صفوں کو جو جنگی ترتیب سے کھڑی ہوں، اسطرح توڑدے اور انہیں بالکل تباہ کردے" اگر لارڈ جان سیکویل اپنے ماتحت سواروں کے حملہ آور ہونے سے انکار نہ کردیتا تو فرانسیسوں کے بالکلیہ تباہ ہو جانے میں کوئی شک باقی نہیں رہا تھا۔ محض اسیوجہ سے انہیں موقع ملگیا اور وہ شکستہ حالت میں فرینکفرٹ اور رائن کیطرف پسپا ہوگئے۔ حملہ انگلستان کے منصوبے کا مقابلہ بھی ایسی ہی کامیابی کے ساتھ ہوا۔ اٹھارہ ہزار آدمی فرانسیسی جہازوں پر سوار ہونے کے لیئے تیار تھے کہ یکایک امیرالبحر ہاک خلیج کوئی بیرن کے دہانے پر پہنچ گیا۔ سمندر کی موجیں بہت بلند ہو رہی تھیں اور جس

جنگ کوئی بیرن ۲۰ نومبر

ساحل کے پاس فرانسیسی جہاز کھڑے تھے وہ اپنی کم آبی اور سنگ سماق کی چٹانوں کی وجہ سے اسقدر خطرناک تھا کہ رہنمائے جہازات نے انگریزی ایمرالبحر کے حملے کی تجویز سے مخالفت کی۔ مگر ہاک نے اسے یہ جواب دیا کہ "اس اعتراض سے تم نے اپنا فرض ادا کردیا بس اب مجھے فرانسیسی ایمرالبحر کے برابر پہنچا دو" کم آبی کیوجہ سے دو جہاز بیکار ہو گئے مگر فرانسیسی بیڑہ بھی بالکل غارت ہوگیا اور بنگ کی پسپائی کی ذلت مٹ گئی۔

کناڈا کی فتح

جس سال منڈن اور کوئی بیرن کی فتوحات حاصل ہوئی ہیں اس سال صرف پرانی ہی دنیا میں انگریزی تلوار نے کارنمایاں نہیں دکھائے تھے بلکہ نئی دنیا میں بھی اس کے جوہر ظاہر ہوگئے تھے۔ پٹ نے دانائی یہ کی تھی کہ یورپ میں اس نے اپنی کوششوں کو پروشیا کی تائید تک محدود رکھا تھا مگر بحر اوقیانوس کے دوسرے جانب اس کے لئے میدان کھلا ہوا تھا، اس کے وزارت پر فائز ہوتے ہی وہ بے ترتیب یورشیں جن سے ابتک فرانسیسی پیشقدمی کے روکنے کا کام لیا جارہا تھا بند کردیگئیں اور ان کے بجائے ایک وسیع وبا ترتیب تجویز قرار دیگئی۔ نوآبادیوں کی ہمدردی اسطرح حاصل کی گئی کہ میدان جنگ میں ان کے مقامی شاہی افسروں کے ہمرتبہ قرار دیئے گئے۔ پٹ کی درخواست پر نوآبادیوں نے

بیس ہزار کی جمعیت تیار کی اور اس کے قیام کے لیئے
خود اپنے اوپر بہت سخت محصول لگایا تین مہمیں ایک
ساتھ فرانسیسی سرحد کیطرف روانہ کیگئیں۔ ایک مہم وادی اوہیو
کی طرف دوسری خلیج شاہپلین کے قلعہ ٹکونڈروگا کے مقابلے
میں اور تیسری سپہ سالار ایمہرسٹ اور امیرالبحر باسکوان کے
۱۷۵۸ تحت میں بذریعہ جہازات دریائے سینٹ لارنس کے دہانے
کی جانب بڑہی۔ لوئس برگ میں پانچ ہزار قلعہ گیر فوج موجود تھی
مگر اس قلعے اور اس کی بندرگاہ کو جہازوں نے قابو میں کرلیا
اور اسطرح راس بریٹن کے پورے صوبے پر قبضہ ہوگیا۔ قلعوں
کی پر زور مہم میں امریکہ کی محافظ ملک فوج نے برطانوی فوجوں
کی ہرطرح پر مدد کی اور اگرچہ مانٹکام نے نسبتہً بہت کم فوج
کے ذریعے سے سپہ سالار ایبرکرامبی کو قلعہ ٹکونڈروگا سے پسپا
کردیا مگر فلیڈلفیا اور ورجینیا کی ایک فوج جارج واشنگٹن کی رہبری
اور ہمت افزائی سے ڈیوکین پر قابض ہوگئی۔ اس مقام کا
نام پٹسبرگ رکھا جاتا ابتک یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب جلیل القدر
وزیر نے نوآبادی کے باشندون کے لئے مغرب کا دروازہ
کھول دیا تھا اس کے متعلق ان کا جوش عقیدت کس حد
تک بڑھا ہوا تھا۔ دوسرے سال ایمہرسٹ کے بڑھنے پر
ٹکونڈروگا بھی خالی ہوگیا اور قلعہ نیاگرا پر بھی قبضہ ہوگیا،
اور اصلی باشندون کی جو فوج اس کی خلاصی کے لیئے
۱۷۵۹ بڑھی تھی اسے بھی شکست ہوگئی۔ لیکن پٹ صرف مانٹکام کی

حوصلہ مندیوں کے روکے ہی کا نہیں بلکہ امریکہ سے فرانسیسی حکومت کے کلیتہً خارج کر دینے کا عزم کر چکا تھا، پس ادھر ایمہرسٹ قلعوں کے سلسلے کو توڑ رہا تھا ادھر سپہ سالار ولف کے تحت میں ایک مہم دریائے سنٹ لارنس کی طرف سے بڑھکر کوئے بیک کے نیچے لنگر انداز ہو گئی۔

ولف

ولف اس کے قبل ڈٹنگن، فونٹے نوا اور لافیلڈ میں لڑ چکا تھا اور لوئی برگ کی تسخیر میں سب سے زیادہ کار نمایاں اسی نے کیا تھا۔ اس تینتیس برس کی عمر کے نوجوان سپاہی کے بے سلیقہ آداب و اطوار اور گاہ بگاہ کے اظہار مشیخت کی تہ میں جو ہمت و لیاقت پوشیدہ تھی پٹ نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اس نے اس جنگ کے سب سے زیادہ نازک و اہم کام کے لیئے اسی کو منتخب کیا مگر ابتداً یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی فراست و دوربینی سب بیکار رہی، کیونکہ دریا کے کنارے پر پہاڑیوں کا جو ناقابل گزر طولانی سلسلہ قائم تھا، مانٹکام کو وہاں سے ہٹانے میں کوئی کوشش بھی کارگر نہ ہوی اور ولف چھ ہفتے تک یہ دیکھتا رہا کہ بیکاری میں اس کے سپاہی ضایع ہو رہے ہیں اور وہ خود بیماری و مایوسی سے صاحب فراش ہو گیا ہے۔ آخر اس نے ایک عزم قرار دے لیا، اور کشتیوں کے ایک وسیع سلسلے میں اس کی فوج دریائے لارنس کے نیچے کوہ ابراہام کی بلندیوں کے

پائین میں اس نقطے پر اترنا شروع ہوئی جہاں سے ایک تنگ راستہ پہاڑی کی چوٹی پر جاتا ہوا معلوم ہوگیا تھا۔ رات کی خاموشی میں خود ولف کی آواز کے سوا ایک آواز بھی نہیں سنائی دی۔ وہ آہستہ آہستہ گرے کا "وہ مرثیہ" پڑھتا ہوا بڑھا جس میں ایک دیہات کے قبرستان کا ذکر ہے۔ جب اس نے اس مرثیے کو ختم کیا تو یہ کہا کہ "میرے نزدیک کوئے بیک پر قبضہ کرنے سے یہ بہتر تھا کہ میں اس نظم کا مصنف ہوتا" لیکن جس قدر اس کے دلمیں سوز دگداز تھا اسی قدر اس کی ہمت بھی بلند تھی سب سے پہلے اسی نے کنارے پر قدم رکھا اور اس تنگ راستے پر چڑھنا شروع کیا جس پر دو شخص ایک ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ اسکے سپاہی بھی اس کے پیچھے پیچھے برابر بڑھے جارہے تھے اور جھاڑیوں اور چٹانوں کا سہارا پکڑتے ہوئے اوپر تک پہنچ گئے۔ ۱۲۔ ستمبر کو جس وقت آفتاب طلوع ہوا ہے ولف کی پوری فوج باقاعدہ ترتیب کے ساتھ کوئے بیک کے سامنے موجود تھی۔ مانٹکام کی فوج میں اگرچہ زیادہ تر نئے سپاہی تھے اور انگریزی فوج کی قواعد دانی کے مقابلے میں ان کا درجہ بہت پست تھا مگر اسی نے حملے میں سبقت کی۔ مسلسل آتشباری نے اس حملے کا جواب دیا اور انگریزوں کی پہلی ہی پیشقدمی

جنگ کوئے بیک

میں اس کے سپاہیوں نے راہ فرار اختیار کی۔ جس حملے نے فرانسیسی صف کو توڑا ہے ولف خود اس کا پیشرو تھا مگر عین فتح کے موقع پر اسے گولی لگی اور سینے سے پار ہوگئی۔ مرتے دم جو افسر اسے اپنے بازو کا سہارا دیئے ہوئے تھا اس نے چلاکر کہا کہ "وہ لوگ بھاگ رہے ہیں، یقیناً بھاگ رہے ہیں" ولف نے اپنے حواس درست کرکے پوچھا کہ "کون لوگ بھاگ رہے ہیں" جواب ملا کہ "فرانسیسی" اس پر اس کی زبان سے یہ نکلا "تو پھر میں اطمینان سے جان دیتا ہوں" فرانسیسی شکست کے وقت مانٹکام بھی کام آگیا اور انگریزوں کی فتح مکمل ہوگئی اور جب ۱۷۶۰ء میں ایمہرسٹ نے مونٹریال کو مسخر کر لیا اور کناڈا نے اطاعت قبول کر لی تو امریکہ میں فرانسیسی شہنشاہی قائم کرنے کا خیال ہوا ہوگیا۔

جزو دوم

امریکہ کی خود مختاری

۱۷۶۱ — ۱۷۸۲

اسناد۔ لارڈ اسٹینہوب "تاریخ انگلستان من ابتدائے صلح یوٹرخٹ"
(History of England from the Peace of Utrecht

اور مسٹر بینکرافٹ کی "تاریخ ممالک متحدہ" (History of the United States)
دونوں مصنفوں نے ایک ہی سی صفائی و صداقت کے ساتھ امریکہ کے تنازعہ کے دونوں پہلو دکھائے ہیں اگرچہ ان کی طبیعتوں کا میلان ایک دوسرے سے بہت ہی مغائر واقع ہوا ہے۔ موخر الذکر میں جزئیات کے بیان و تصویر نگاری کا شوق بہت غالب ہے، اور مقدم الذکر نے واقعات کو زیادہ سادگی اور بے لوثی سے بیان کیا ہے۔ انگلستان کے متعلق کتب ذیل کا دیکھنا سود مند ہے۔

(۱) "تاریخ انگلستان من ابتدائے جلوس جارج سوم" "History of England from the accession of George the Third"

مصنفہ مسٹر میسی (۲) "تذکرۂ اوائل حکومت جارج سوم" ......

Memoirs of the Early Reign of George the Third"

مرتبۂ والپول (۳) تذکرہ راکنگھم (۴) کاغذات گرنول (۵) مراسلات بڈفرڈ۔ (۶) مکاتیب جارج سوم و لارڈ نارتھ۔ (۷) خطوط جونیس۔ (۸) سوانح و خطوط چارلس جیمس فاکس" مرتبہ لارڈ رسل اس زمانے کے اصلی حالات کی واقفیت کے لئے برک کی تقریریں اور اس کے رسالے اور خاص کر اس کے خیالات در بارۂ اسباب اضطراب موجودہ

(Thoughts on the causes of Present Discontents)

کا دیکھنا لازمی ہے۔ مسٹر ہیلم کے خیالات سے محروم ہوجانے کی تلافی سر ارسکن مے کی تاریخ آئینی اور اسکی وسعت بیان اور بے لوثی سے ہوجاتی ہے (مسٹر لیکی کی "اٹھارھویں صدی کی تاریخ انگلستان"

History of England in the Eighteenth Century

اس کتاب کے لکھے جانے کے بعد شایع ہوئی)۔

سنہ ۱۷۵۹ میں انگلستان نے بنی نوع انسان کی تاریخ میں جسقدر جنگ ہفت سالہ اہم حصہ لیا ایسا کبھی اس کے قبل نہیں ہوا تھا۔ اس سال دنیا کے ہر حصے میں اسے فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ستمبر میں جنگ منڈن کی کامیابی اور لاگوس کے قرب میں ایک فتح کی خبر موصول ہوئی۔ اکتوبر میں کوئے بیک کی تسخیر کی خبر آئی۔ نومبر میں یہ اطلاع ملی کہ خلیج کوئی بیرن میں فرانسیسوں کو شکست ہوگئی ہے۔ ہارلیس والپول نے ایک ظریفانہ فقرہ یہ کہا تھا کہ "اس خیال سے کہ شاید کسی فتح کی اطلاع ہمیں نہ ملے، ہر صبح کو یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ آج کس فتح کی خبر آئی ہے"۔ لیکن جنگ "ہفت سالہ" جس وجہ سے اپنی آپ نظیر ہے وہ اس کے فتوحات کی تعداد نہیں بلکہ ان فتوحات کی اہمیت ہے۔ اس میں مطلق

مبالغہ نہیں ہے کہ اس جنگ کی تین فتحوں نے آئندہ کے لئے بنی نوع انسان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ جنگِ روسباخ کے وقت سے جرمنی کی نئی زندگی اس کی سیاسی و آئینی تجدید اور پروشیا اور پروشیا کے بادشاہوں کی سرکردگی میں اس کے اتحاد کی طویل کارروائی کا آغاز ہوا۔ سکندر کے بعد جنگ پلاسی ہی وہ پہلی جنگ تھی جس نے مشرق کی اقوام پر یورپ کا اثر قائم کیا۔ برک کے شاندار الفاظ نہایت صحیح ہیں کہ "دنیا نے دیکھ لیا کہ شمال مغرب کی ایک قوم نے ایشیا کے قلب میں نئے عادات واطوار نئے خیالات اور نئے انتظامات کی بنیاد قائم کر دی ہے"۔ کوہ ابراہام کی بلندیوں پر ولف کے فتوحات نے ممالک متحدہ امریکہ کی تاریخ کی ابتدا کر دی۔ جس دشمن کے خوف سے نوآبادی کے باشندے مادرِ وطن کے ساتھ وابستہ تھے اسے ہٹا دینے اور اس سد کے توڑ دینے سے جس کے ذریعے سے فرانس نے ان آبادکاروں کو وادی مسیسپی کی طرف بڑھنے سے روک دیا تھا۔ پٹ نے درحقیقت مغرب کی عظیم الشان جمہوریہ کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ان فتوحات کا اثر خود برطانیہ پر بھی کچھ کم نہیں پڑا۔ اس جنگ ہفت سالہ سے جس طرح دنیا کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اسی طرح انگلستان کی تاریخ میں بھی وہ ایک انقلاب جدید کا پیش خیمہ ہے۔ اس وقت یورپین طاقتوں کا باہمی توازن ان کے یورپ ہی کے مقبوضات کی کمی وبیشی پر مبنی تھا، لیکن اس جنگ کے اختتام کے بعد سے اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہا کہ انگلستان

اپنے گردوپیش کی سلطنتوں میں کم درجہ رکھتا ہے یا زیادہ، وہ اب محض یورپ کی ایک طاقت نہیں رہا تھا، نہ وہ اب محض جرمنی، روس یا فرانس کا رقیب تھا، بلکہ وہ تمام شمالی امریکہ کا مالک تھا۔ ہندوستان بھی آئندہ اس کے قبضے میں آنیوالا تھا، وہ اپنے کو سمندروں کا شہنشاہ سمجھتا تھا، پس اس طرح وہ دفعتہً ان سلطنتوں سے بہت بلند رتبے پر پہنچ گیا تھا جو صرف ایک برّاعظم کے اندر محدود رہنے کے باعث دنیا کی تاریخ مابعد میں نسبتہً بے حقیقت ہوگئی تھیں۔ درحقیقت جنگ ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ انگریزی قوم کو آئندہ کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوگیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ انگلستان کے جہازراں بڑی بے صبری کے ساتھ دور دراز سمندروں میں راستہ نکالنے لگے۔ بحر اوقیانوس تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ شہنشاہی برطانیہ کی ایک آبنائے بن گیا ہے لیکن ابھی اس سے آگے مغرب میں ایسے سمندر واقع تھے جہاں برطانوی جھنڈے کا گزر بالکل نہیں ہوا تھا۔ صلح پیرس کے دوسرے سال دو انگریزی جہاز آبنائے میگالن کے دریافت کرنے کے لیئے روانہ کیئے گئے۔ اس سے تین سال بعد کپتان والس تاہیٹی کے مونگے کے جزیروں میں پہنچ گیا۔ اور ۱۷۶۸ء میں کپتان کک نے بحر الکاہل میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیا، اور جس جس ساحل پر اس نے قدم رکھا سب کو تاج برطانیہ کا مقبوضہ قرار دیتا گیا اور اس طرح نیوزیلینڈ اور

برطانیہ اور انکی شہنشاہی

۱۷۶۴

آسٹریلیا وغیرہ کی ایک نئی دنیا انگریزی قوم کی وسعت پذیری کے لئے کھل گئی۔ اربابِ حکومت اور قوم دونوں نے یکساں طور پر اپنے ملک کے اس تغیر کو محسوس کیا اور بالفاظ برک، ''برطانیہ کی پارلیمنٹ شہنشاہی حیثیت کی دعویدار بن گئی گویا وہ اپنے آسمانی تخت سے نیچے کی تمام قانونی جماعتوں کی نگرانی کررہی ہے اور ان میں سے کسی کو فنا کئے بغیر سب کی ہدایت ورہبری کا کام انجام دیتی ہے'' اہل ملک جو اپنے زمانے کے تجارتی خیالات میں سرمست تھے، ان وسیع مقبوضات کی ترقی کے یہ معنے سمجھتے تھے کہ ان ملکوں کی تجارت پر انگلستان کا خاص اجارہ قائم ہوجائیگا اور اس سے بے حد وشمار دولت ان کے پاس جمع ہو جائیگی۔ ۱۷۷۲ء میں انگلستان کی تجارت صرف امریکہ کے ساتھ اتنی تھی جتنی صدی کی ابتداء میں تمام دنیا کے ساتھ تھی۔ اسوقت سے نہ صرف برطانیہ کے مدبّروں نے ایسی وسیع و نفع بخش مملکت کے قائم رکھنے کو اپنا نصب العین بنالیا بلکہ برطانوی قوم بھی اس خیال پر راسخ ہوگئی۔

{امریکہ کی نوآبادیاں} جس زمانے میں پیورٹینوں کے ترکِ وطن سے میریلینڈ اور ورجینیا میں نیوانگلینڈ کی چار سلطنتوں (یعنے میسچوسٹس، نیوہمشائر، کونکٹیکٹ، اور جزیرۂ رڈوز) کا اضافہ ہوا'' اسی زمانے سے شمالی امریکہ میں انگریزی نوآبادیوں کی رفتارِ ترقی سُست پڑگئی تھی۔ مگر کسی وقت میں بھی کلیتہً بند نہیں ہوتی تھی۔ نئے آنیوالے آبادکاروں کی تعداد اگرچہ کم تھی مگر اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا اور

ورجینیا کے جنوب میں دو جدید نوآبادیاں چارلس دوم کے وقت میں قائم ہوئی تھیں اور چارلس نے انہیں کیرولینا کا نام عطا کیا۔ جنگ ہالینڈ کے بعد ہڈسن سے لیکر اندرون ملک کی جھیلوں تک وہ تمام ملک جس پر اہل ہالینڈ کا دعویٰ تھا برطانیہ کے قبضے میں آگیا۔ چارلس نے یہ ملک اپنے بھائی کو دیدیا تھا اور اسی وجہ سے اسے نیویارک کا نام عطا ہوا۔ اس وسیع حصۂ ملک میں سے بہت جلد قطعات الگ الگ ہوکر نیوجرزی اور ڈیلاویر کی نوآبادیاں قائم ہوگئیں۔ ۱۶۸۲ء میں کویکروں کی ایک جماعت نے ولیم پن کے ہمراہ ڈیلاویر کے پار قدیم جنگلوں کے اندر داخل ہوکر اپنی ایک علیحدہ نوآبادی قائم کرلی، اور اس کے بانی اور اس جنگل کی وجہ سے اس کا نام پنسلیونیا رکھا۔ پھر ایک مدت گزرنے کے بعد ایک اور نئی آبادی قائم ہوئی، جسے بادشاہِ وقت جارج دوم نے جارجیا کا لقب دیا، اس آبادی کو سپہ سالار اُوگل تھارپ نے دریائے سوانا پر قائم کیا تھا، اور اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ انگلستان کے مقروض اور جرمنی کے ستم رسیدہ پروٹسٹنٹ وہاں آکر پناہ لیں۔ نوآبادیوں کی یہ رفتار اگرچہ سست معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت نوآبادیاں تعداد و دولت میں بہت جلد جلد ترقی کرتی جارہی تھیں۔ اٹھارھویں صدی کے وسط میں ان کی کل آبادی بارہ لاکھ سفید رنگ باشندوں اور ڈھائی لاکھ حبشیوں کی تعداد کے نوآبادیوں کی ترقی قریب پہنچ گئی تھی اور یہ تعداد ملک مادری کی ایک چوتھائی آبادی

کے قریب تھی۔ ان آباد کاروں کی دولت ان کی تعداد سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ ترقی کرتی جاتی تھی۔ اس وقت تک جنوبی نوآبادیاں زیادہ نفع بخش تھیں۔ ورجینیا کو اپنے تمباکو کی کاشت پر فخر تھا، جارجیا ہر دو کیرولینا اپنے جوار، چاول اور تیل پر نازاں تھے۔ نیویارک، پنسلوینیا اور ان کے ساتھ نیو انگلینڈ کی نوآبادیوں نے وہیل اور روہو مچھلی کے شکار کو اپنے لئے مخصوص کرلیا تھا، اس کے علاوہ ان کے غلّے کی پیداوار اور شہتیر کی تجارت بھی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن درحقیقت جنوبی و شمالی نوآبادیوں کا فرق محض حرفتی فرق سے کچھ زیادہ تھا، جنوبی ممالک میں غلامی کے رواج سے ایک طرح کا رئیسانہ انداز پیدا ہوگیا تھا اور وہاں بڑی بڑی جائدادیں قائم ہوگئی تھیں بلکہ ورجینیا کے دولتمند زمینداروں میں جائداد کو ناقابل تقسیم بنادینے کا طریقہ بھی رائج ہوگیا تھا اور وہاں بہت قدیمی انگریزی خاندانوں نے مستقل جاگیری حیثیت پیدا کرلی تھی جس کی مثال فیرفیکس اور واشنگٹن وغیرہ کے خاندان سے ملتی ہے۔ اس کے برخلاف تمام نیو انگلینڈ میں پیورٹنوں کے خصوصیات علیٰ حالہا برقرار تھے۔ ان کی پاکبازی، ان کی مذہبی سخت گیری، ان کی سادگی معاشرت، ان کی حب مساوات اور ان کے جمہوری انتظامات کے میلان میں مطلق فرق نہیں آیا تھا۔ تعلیم اور سیاسی مستعدی میں بھی نیو انگلینڈ دوسری نوآبادیوں کے مقابلے میں بہت آگے بڑھا ہوا تھا کیونکہ پیورٹنوں کے آباد ہونے کے ساتھ ہی ساتھ

مقامی مدرسوں کا ایک نظام قائم ہوگیا تھا جو اب تک امریکہ کے لیئے باعثِ فخر وناز ہے۔ان لوگوں نے یہ قانون بنادیا تھا کہ "جس قصبے میں خدا کے فضل سے پچاس گھرانے آباد ہوجائیں وہاں کے رہنے والے اپنے میں سے ایک شخص کو تمام بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانے کے لیئے متعین کریں گے اور جب کسی قصبے میں سو خاندان آباد ہوجائیں تو وہ لوگ ایک ابتدائی مدرسہ قائم کردیں۔"

انگلستان اور اسکی نوآبادیاں

یہ فرق اگرچہ بہت اہم تھے، اور ان کا بہت بڑا اثر امریکہ کی آئندہ تاریخ پر پڑنے والا تھا مگر اس زمانے تک ان کا احساس کچھ زیادہ نہیں ہوا تھا۔اپنے ظاہری نظم ونسق میں تمام نوآبادیاں بالکل ایک سی معلوم ہوتی تھیں۔مذہبی وملکی دونوں معاملات میں وہ انگلستان سے بالکل مغائر تھیں۔مختلف مذہبی عقائد کے اسطرح مخلوط ہوجانے سے کہ اس کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی، مذہبی رواداری از خود پیدا ہوگئی تھی۔ نیوانگلینڈ اس وقت تک پیورٹنیوں کا، ملجا وماوی تھا، جنوب کی تمام نوآبادیوں میں اسقفی کلیسا قانوناً قائم تھا اور آبادکاروں کا بیشتر حصہ اسی کا پیرو تھا، مگر میریلینڈ کی آبادی کا ایک کثیر حصہ رومن کیتھولک تھا، پنسلوینیا کویکروں کی سلطنت تھی۔ پرسبٹیرین اور بیپٹسٹ (اصطباغی) داروگیر اور امتیاز مذہبی کے خوف سے بھاگ کر نیوجرسی میں آکر آباد ہوئے تھے۔کیرولینا اور جارجیا کے آبادکاروں میں جرمنی کے پیروان لوتھر اور موریوین فرقے کے لوگوں کی کثرت تھی۔پس

ایسی ہما ہمی میں مذہبی تشدد ناممکن تھا۔ سلطنتوں کے سیاسی میلان اور نظم و نسق میں بھی اِس قسم کا ظاہری اختلاف اور باطنی اتحاد موجود تھا۔ مختلف نوآبادیوں میں عمومی، اعتدالی یا عدیدی کوئی سا رنگ بھی غالب ہو مگر حکومت کی ہیئت تقریباً سب جگہ ایک ہی سی تھی۔ ابتدائی آبادی کے مالک، مجوّز اور آباد کار کے قدیمی حقوق پنسلونیا اور میری لینڈ کے سوا ہر جگہ یا تو ساقط کردیئے گئے یا ازخود متروک ہوگئے تھے۔ ہر نوآبادی میں حکمرانی کی صورت یہ تھی کہ ایک دارالمبعوثین ہوتا تھا جسے عام قوم منتخب کرتی تھی، اس کے ساتھ ایک مجلس خاص ہوتی تھی جو کہیں منتخب شدہ ہوتی تھی اور کہیں گورنر (والی) اس کے ارکان کو نامزد کرتا تھا۔ خود گورنر (والی) یا تو منتخب شدہ ہوتا تھا یا بادشاہ کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔ اِن گورنروں کے مقرر کردینے کے بعد عملاً حکومت انگلستان کی جملہ عملی مداخلت ختم ہوجاتی تھی۔ نوآبادیوں کی خوش قسمتی تھی کہ بوجہ غفلت وہ اپنی حالت پر چھوڑ دی گئی تھیں۔ زمانۂ مابعد میں مزاحاً یہ کہا جاتا تھا کہ "مسٹر گرنیویل، امریکہ کو اس وجہ سے کھو بیٹھے کہ وہ امریکہ کے اِن مراسلوں کو پڑھتے تھے جنہیں ان کے پیشرودوں نے کبھی دیکھا تک نہیں تھا"۔ درحقیقت نوآبادیوں کے حدود کے اندر مداخلت کا بہت ہی کم موقع تھا، ان کے حقوق خاص شاہی فرامین کے ذریعے سے محفوظ تھے۔ صرف انہیں کی مجالس ملکی ان پر محصول لگانے کا حق رکھتی تھیں اور اس حق کو

وہ بہت کم استعمال کرتی تھیں۔ پٹ کے قبل والپول نے بھی امریکہ کی ملکی تجارت پر محصول لگانے کی بحث کو یکقلم خارج کردیا تھا، اس لئے کہا تھا کہ " اس کارروائی سے میں نے انگلستان قدیم کو اپنا مخالف بنالیا ہے، تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں انگلستان جدید (نیو انگلینڈ) کو بھی اپنا مخالف بنا لونگا؟" تجارت کے معاملے میں بھی ملک مادری کی فوقیت تکلیف دہ نہیں تھی۔ درآمد پر کچھ محصول عاید کیا جاتا تھا مگر یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ خفیہ طریقے پر مال کی درآمد ہوتی ہے اور مقررہ محصول ادا نہیں کیا جاتا۔ نوآبادیوں کی تجارت کو صرف برطانیہ کے ساتھ محدود کرنے کا معاوضہ کافی سے زیادہ اس طرح ہوجاتا تھا کہ اہل امریکہ برطانوی رعایا کے تجارتی حقوق سے مستفید ہوتے تھے۔ پس اس وقت تک کوئی وجہ اس امر کی نہیں تھی کہ اپنے قدیمی وطن کے ساتھ آبادکاروں کے جو عمدہ تعلقات قائم تھے وہ توڑ دیئے جائیں، بلکہ فرانسیسی مداخلت کے خوف سے ان تعلقات میں اور زیادہ ارتباط پیدا ہوجاتا تھا۔ لیکن اختتام جنگ کے قریب برطانیہ کے ساتھ اہل امریکہ کی وابستگی اگرچہ بظاہر اسباب بہت مستحکم معلوم ہوتی تھی مگر غایر نظر مبصروں نے اسی وقت یہ سمجھ لیا تھا کہ پٹ کی اس کامل فتح میں آئندہ اتحاد کے نہ قائم رہنے کا خطرہ مضمر ہے۔ کناڈا میں فرانسیسیوں کی موجودگی اور مغرب میں ان کے منصوبوں کے باعث امریکہ کو انگلستان کی محافظت کی ضرورت درپیش رہتی تھی

لیکن کناڈا کے فتح ہوجانے سے اس حفاظت کی ضرورت بالکل رفع ہوگئی۔ ادھر خود انگلستان نے اپنے ان دور دراز ماتحت ملکوں کے متعلق یہ انداز اختیار کیا کہ گویا وہ اس کے خالص مقبوضات ہیں اور دونوں ملکوں کے اختلافِ طبائع نے یکایک نئی اہمیت پیدا کردی۔ اب تک اتحاد کی ضرورت نے اس اختلاف کو پسِ پشت ڈال رکھا تھا مگر اب اس کی حاجت نہیں رہی تھی۔ تجارت و محصول کے سوالات نے جہاں شکایات ومباحثات کے دروازے کھول دیئے تھے وہیں ان شکایات کی تہ میں یہ اضطراب واندیشہ بھی پوشیدہ تھا کہ نوآبادی کی حکومت اور وہاں کے باشندوں نے عمومی انداز اختیار کرلیا ہے اور "معتدل اصول" (یعنی طریق مساوات) وہاں رائج ہوگیا ہے۔

جارج سوم

۱۷۶۰ء میں جو نوجوان بادشاہ اپنے دادا کے انتقال کے بعد تختِ سلطنت پر متمکن ہوا اسے خصوصیت سے یہ مدنظر تھا کہ اِس جمہورانہ خیال کی ترقی کو روکے، علیحدگی کے خیال کو نسیاً نسیا کردے اور شہنشاہی برطانیہ کے اتحاد کو پختہ ومستحکم بنادے۔ خاندانِ ہینوور کی تخت نشینی کے بعد سے یہ پہلا موقع اور نیز آخری موقع تھا کہ انگلستان نے دیکھا کہ اس کا بادشاہ بذاتِ خاص انگریزی سیاسیات میں حصہ لینے پر آمادہ ہے، اور اس میں شک نہیں کہ جارج سوم نے اس معاملے میں جو کچھ کیا وہ ہمیشہ یادگار رہیگا۔ دس برس کی مدت میں اس نے وزرا کی حکومت کو محض ایک سایہ بنادیا اور

رعایائے انگلستان کی وفاداری کو نفرت سے بدل دیا۔ تیس برس کے اندر اس نے امریکہ کی نوآبادیوں کو سرکشی و خودمختاری پر آمادہ کردیا، اور بہ حالت ظاہر خود انگلستان کو تباہی کے قریب پہنچا دیا۔ اس قسم کے افعال کہیں کہیں بہت بڑے آدمیوں سے بھی سرزد ہوجاتے ہیں مگر اکثر شریر و بدنفس آدمی ہی اس کے زیادہ تر مرتکب ہوتے ہیں۔ مگر جارج نہ تو بدنفس تھا اور نہ کوئی بڑا شخص تھا۔ اس کے قبل جیمز دوم کے سوا انگلستان میں جتنے بادشاہ ہوئے ہیں وہ سب سے زیادہ دل کا کمزور تھا اس کی تعلیم بھی بہت ناقص تھی اور اس کے فطرتی قویٰ بھی کمزور تھے، اس میں یہ بھی اہلیت نہیں تھی کہ وہ اپنے سے اعلیٰ قابلیت کے لوگوں سے کام لے سکتا جیسا کہ اکثر بادشاہ خود اپنی فطری ناقابلیت پر پردہ ڈالنے کے لئے کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس اعلیٰ قابلیت کے لوگوں کی نسبت اس کے دل میں کوئی خیال تھا تو وہ حسد و نفرت کا خیال تھا وہ اس وقت کی آرزو کیا کرتا تھا جب "کمزوری یا موت" پٹ کا خاتمہ کردے، اور جب واقعی موت نے اسے اس "نقارۂ غدّاری" کے بجنے سے مامون کردیا، اس وقت بھی اس نے اس مدبّرِ اعظم کی عام یادگار قائم کرنے کی تجویز کو اس بنا پر ناپسند کیا کہ "اس سے میری ذاتی توہین ہوتی ہے" لیکن اس کی طبیعت اگرچہ سستی و خفیف الحرکتی کیطرف مائل تھی مگر وہ اپنے مقصد کو بہت صاف طور پر سمجھتا تھا اور

سختی کے ساتھ اس کے حصول کے درپے رہا کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود حکومت کرے۔ اس کی ماں شہزادی ویلز لڑکپن ہی میں اس سے برابر یہ کہا کرتی تھی "جارج! بادشاہ بنا سیکھو"، وہ خود اپنے کو "زمانہ انقلاب کا وہگ" کہا کرتا تھا اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ انقلاب نے جو کام انجام دیئے ہیں اُنہیں پلٹ دے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی خیال کرتا تھا کہ اس کے دو پیشرو جس طرح اپنی وزرا کی مرضی کے تابع رہے ہیں وہ حقیقتہً انقلاب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ انقلاب نے جو اختیارات بادشاہ کو دیئے تھے، یہ ان کا غصب کرلینا تھا۔ اس لیئے اس نے یہ عزم کرلیا تھا کہ وہ اب اس غصب کا روادار نہ ہوگا بس اس کا عزم یہ تھا کہ وہ خود حکومت کرے، وہ محض حکومت کرنا چاہتا تھا، قانون کی خلاف ورزی کرنا نہیں چاہتا تھا یعنے وہ اپنے وزرا اور ان کے فریقوں کے تحکّم سے آزاد رہنا چاہتا تھا اور اسکی خواہش یہ تھی کہ عملاً وہ خود اپنی سلطنت کا وزیر اول ہو۔ ظاہر ہے کہ اس خیال میں اور ملک کے اس پارلیمنٹی نظامِ حکومت میں کس قدر بُعد تھا جس کی آخری ہیئت سنڈرلینڈ کے ہاتھ سے اتمام کو پہنچی تھی، مگر جارج اس خیال کے پورا کرنے پر تلا ہوا تھا اور اس معاملے میں اسے اس زمانے کے حالات سے بھی مدد مل گئی۔ چارلس اڈورڈ کی شکست سے حامیانِ جیمز کا خوف رفع ہوگیا تھا اور پادری ومتوسط الحال اشخاص جو اب

بھی کسی قدر چارلس اڈورڈ کے طرفدار تھے وہ بھی اس کے آخری زمانے کی ذلیل حرکتوں کے باعث اس سے برگشتہ ہوگئے تھے۔ یہ لوگ اب پھر ملک کے سیاسی معاملات میں حصہ لینے کیلئے آمادہ ہوگئے اور ان کی تمنا ایک ایسے بادشاہ کی ذات سے پوری ہوگئی جو اپنے دو پیشروؤں کے مانند انگریزوں کے لئے اجنبی نہیں تھا بلکہ انگلستان میں ہی پیدا ہوا تھا اور انگریزی ہی زبان بولتا تھا۔اس دورِ حکومت کے شروع ہوتے ہی ٹوری پھر آہستہ آہستہ دربار میں حاضر ہونے لگے۔ مگر بہ حیثیت مجموعی یہ لوگ حکومت کی مستقل امداد کے لیئے بہت دیر میں آمادہ ہوئے، لیکن جب آمادہ ہوگئے تو اس کا اثر فوراً ہی انگریزی سیاسیات سے ظاہر ہونے لگا۔معاملاتِ عامّہ سے کنارہ کش ہوجانے کے باعث وہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد سیاسی خیات سے بالکل ناواقف تھے اور جب انہوں نے دوبارہ سیاسی زندگی میں قدم رکھا تو انہوں نے اس نئے بادشاہ کو اس تمام عزت واحترام کا مستحق بنادیا جو وہ شاہان اسٹوارٹ کے لیئے کیا کرتے تھے۔پس اس طرح ایک "شاہی فریق" بنا بنایا موجود تھا۔جارج میں یہ قابلیت تھی کہ بادشاہ کا جو کچھ اقتدار واثر باقی رہ گیا تھا اس پر زور دے کر وہ اس فریق کو مضبوط کردے، کلیسا کے تمام مدارج، فوج کی تمام ترقیاں اور ملکی ودرباری عہدوں کی ایک بہت بڑی تعداد کا تقرر اب بھی بادشاہ کے ہاتھ میں تھا۔جارج کے پیشرو بادشاہوں

ٹوریوں کی واپسی

"بادشاہ کے دوست"

کے وزرا نے اگرچہ سرپرستی کے یہ تمام اختیارات عملاً غصب کرلئے تھے مگر جارج اس کے واپس لینے اور انہیں مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں رکھنے پر قادر تھا اور ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں کہ دارالعوام کی حالت یہ تھی کہ اس پر قابو رکھنے کے لئے یہ سرپرستی بہت ہی کارآمد تھی۔ والپول نے جن ذرائع سے کام لیا تھا اس میں سے ایک یہ ذریعہ جارج کے ہاتھ آگیا تھا اور اس نے اس ذریعے سے اس فریق کو شکست دینے میں بڑی مستعدی سے کام لیا جسے والپول نے اتنی مدت تک باہم مربوط کر رکھا تھا۔ اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہگ آپس کی فرقہ بندیوں سے کمزور ہوگئے ہیں اور مدت تک عہدے پر قائم رہنے سے اس قسم کی فرقہ بندیوں کا پیدا ہوجانا ایک لازمی امر تھا۔ اسکے علاوہ ان کے نمائندوں کی خودغرضی اور رشوت خواری سے عوام میں ان کی نسبت جو نفرت بڑھتی جاتی تھی اس نے بھی انہیں کمزور کردیا تھا۔ تیس برس سے بھی پہلے گے نے عام تھیٹروں میں یہ دکھایا تھا کہ اس وقت کے بڑے بڑے سرگروہ مدبر رہزن اور جیب کترے تھے اس خوش طبع ڈراما نویس نے لکھا تھا کہ "اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ آیا یہ مہذب جنٹلمین سڑکوں کے جنٹلمین (رہزن) کی نقل زیادہ عمدگی سے کرسکتے ہیں، یا سڑکوں کے جنٹلمین ان مہذب جنٹلمینوں کی نقل زیادہ خوبی سے انجام دےسکتے ہیں" اور اب کہ نیوکیسل کے ایسے ریش سفید مفت خوار ان "مہذب جنٹلمینوں" کی نمائندگی کرنے لگے تھے تو عوام

کی نفرت کا حد سے زیادہ بڑھ جانا لازمی تھا، اور لوگ حریفانہ سازشوں اور خرابیوں سے تنگ آکر ایک ایسے بادشاہ کی طرف متوجہ ہوئے جو بولنگبروک کے ایجاد کردہ انداز میں اپنے کو ایک مربی وسرپرست بادشاہ ثابت کرنا چاہتا تھا۔

پٹ کا مستعفی ہونا

اگر پٹ اور نیوکیسل باہم متحد رہتے تو جارج کی تمام کوششیں بیکار ہوجاتیں۔ کیونکہ ان میں سے ایک کو تجارتی طبقات کی مدد حاصل تھی اور دوسرے کو اپنے وسیع پارلیمنٹی اقتدار اور وہگ امرا کی تائید سے تقویت تھی۔ وہگ والپول کے روایات پر قائم اور امن کے دلدادہ اور اپنی جماعت کے حکمراں ہونے کے غرور میں سرشار تھے اس لیئے وہ اندر ہی اندر نمائندہ اعظم کی جنگی کارروائیوں اور اس کے غلبے سے برگشتہ تھے۔ فرانس کے ساتھ صلح کی تجویز کو نامنظور کردینا ان کی مرضی کے بالکل خلاف تھا، اگر انگلستان، پروشیا کا ساتھ چھوڑ کر صلح کرلیتا تو اس کے تمام فتوحات مستحکم ہوجاتے محض پٹ کی مستقل تائید کی بناپر فریڈرک اس وقت تک اس غیر مساوی مقابلے کے خوفناک نقصانات کے سامنے سینہ سپر تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ۱۷۶۱ع کی مہم فریڈرک کی قابلیت کا سب سے بڑا کارنمایاں تھا، ڈرسڈن کی تسخیر کی کوشش میں ناکام رہ کر اسنے لیگ نٹز کی فتح سے دوبارہ سلیسیا کو بچا لیا، اور تورگئو پر فتح حاصل کرکے ڈاون کا آگے بڑھنا روک دیا۔ اس کے ساتھ ہی فرڈینیڈ (والیِ برنشوک) بدستور دریائے ویزر پر اپنی جگہ قائم رہا۔ لیکن

باوجود فتوحات کے فریڈرک کے وسائل کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اسکے پاس روپے اور آدمی دونوں کی کمی ہوگئی۔ اس کے لیئے اب یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی اور بڑی ضرب لگا سکے اور دشمنوں کا حلقہ پھر اسے باہستگی گھیرتا جاتا تھا۔ صرف پٹ کی مستقل تائید پر اس کی فوج کا دارومدار تھا، اور پٹ اپنے زوال کے قریب آگیا تھا۔ اس کی علانیہ فوقیت کو اس کے رقیب پہلے ہی حسد ونفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ اب انہیں اس نوجوان بادشاہ کی تائید بھی حاصل ہوگئی۔ ارل بیوٹ جو محض ایک درباری ندیم تھا اور جس کی قابلیت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ وہ شاہی باذجواں مقرر کیا جائے، مجلس وزرا میں بزور داخل کردیا گیا۔ چونکہ یہ معلوم تھا کہ وہ اپنے آقا کا نفس ناطقہ ہے اس لیئے ایک فریق صلح کا حامی بن گیا لیکن پٹ نے دبنے کی کوئی علامت نہیں ظاہر کی۔ ۱۷۶۱ء میں اس نے جنگ کو اور زیادہ وسیع کرنے کی تجویز پیش کی۔ اسے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ پیرس اور میڈرڈ کے درباروں میں "خاندانی ارتباط" کے ایک معاہدے پر دستخط ہوگئے ہیں اور ایک خاص قرارداد یہ بھی ہوگئی ہے کہ سال کے ختم ہونے پر میڈرڈ انگلستان کے خلاف اعلان جنگ کردیگا۔ پٹ نے یہ تجویز کی کہ اس ضرب سے پہلے ہی اسکا تدارک اس طرح کرنا چاہئے کہ امریکہ سے خزانے کے جو جہازات قادسیہ کو آرہے ہیں ہم انہیں فوراً گرفتار کرلیں، خاکنائے پناما پر قبضہ کرلیں اور نئی دنیا میں اسپین کے ممالک پر حملہ کریں، لیکن اسکے

رفقا ایسی وسیع اور دلیرانہ تجویز کے عمل میں لانے سے رک گئے اور اس مخالفت میں فریق وگ کے بیشتر حصے نے نیوکیسل کا ساتھ دیا۔ بادشاہ نے علانیہ اس کی تائید کی پٹ نے یہ ظاہر کر کے کہ وہ قوم کا ذمہ دار ہے استعفے کی دھمکی دی مگر یہ دھمکی بھی بیکار رہی اور اکتوبر میں اس کے مستعفی ہوجانے سے بساط یورپ کا تمام نقشہ بدل گیا۔

جنگ ہفت سالہ کا اختتام

فرانس کے ایک فلسفی نے لکھا تھا کہ "پٹ کا ذلیل ہونا ہمارے لئے دو فتحوں کے برابر ہے۔" فریڈرک پر بالکل مایوسی طاری ہوگئی جارج نے اپنے اس زبردست وزیر کے ہٹ جانے سے یہ سمجھا کہ اس کی مدت دراز کی آرزوئیں پورے ہونے کے لئے راستہ کھل گیا مگر قوم نے پٹ کی درخواست کو سنا۔ جب وہ گلڈہال کو روانہ ہوا تو اہل لندن اس کی گاڑی کے پہیوں میں لپٹ گئے۔ اس کے ہمراہی پیادوں کو بغل میں دبا لیا اور اس کے گھوڑوں تک کو بوسہ دیا۔ وگوں کا پٹ سے قطع تعلق کرنا درحقیقت ان کے لئے صدائے موت تھی۔ نیوکیسل کو بھی معلوم ہوگیا کہ اس نے خود کو اس مدبر اعظم سے صرف اس لئے آزاد کیا ہے کہ اس کا نوجوان آقا اسے اس طرح ذلیل کرتا جائے کہ آخر مجبور ہوکر وہ خود عہدے سے کنارہ کش ہوجائے۔ نیوکیسل کے بعد اس کے دوسرے ذی اثر رفقا نے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی ۔ جارج نے اب دیکھا کہ جن دو طاقتوں نے بادشاہ کے ارادانہ عمل کو روک رکھا تھا، وہ اُن دونوں پر

غالب آگیا ہے جن میں سے بقول برک "ایک طاقت عام ہر دلعزیزی سے پیدا ہوئی تھی اور سیاسی تعلقات پر قائم تھی"۔ لارڈ بیوٹ کے وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہونے سے بادشاہ کی شوکت وسطوت انتہا کو پہنچ گئی۔ اس نے محض بادشاہ کی مرضی پر چلنے والے کی حیثیت سے عہدے کو قبول کیا تھا اور بادشاہ کی مرضی یہ تھی کہ جنگ کا خاتمہ کیا جائے۔ فریڈرک اب تک قسمت کے خلاف سختی کے ساتھ اپنی جگہ پر جما ہوا تھا۔ ۱۷۶۲ء میں انگلستان کی رقوم امدادی کے بند ہوجانے سے وہ تباہی کے قریب پہنچ گیا، مگر محض اپنے عزم بالجزم اور اپنی دشمن زارینہ الیزبتھ کے انتقال کے بعد روس کی حکمت عملی کے دفعتہً بدل جانے سے وہ معاہدہ ہیوبرٹسبرگ کے ذریعے سے اپنے ملک کی ایک انچ زمین کا نقصان اٹھائے بغیر اس کشمکش سے نکل آیا۔ لیکن جارج اور بیوٹ اس سے پہلے ہی کچھ اور ہی طرح کی صلح کر چکے تھے۔ انہوں نے نہ صرف بیحیائی کے ساتھ قومی عزت کو پس پشت ڈال کر فریڈرک کا ساتھ چھوڑ دیا تھا بلکہ اس کی طرف سے اس بنیاد پر صلح کی سلسلہ جنبانی بھی کرنا چاہیئے تھی کہ سلیسیا، میریاتھریسا کو اور مشرقی پروشیا زارینہ کو دیدی جائے۔ لیکن جنگ اسپین کے نتیجے نے انگلستان کو اس ذلت سے بچالیا۔ پٹ کے زوال کے تین ہی ہفتے بعد اسپین نے اعلان جنگ کردیا جس نے پٹ کی اس رائے کو بجا ثابت کردیا کہ خود اقدام کرکے اسپین پر فوراً ہی حملہ کردینا چاہیئے تھا۔ ۱۷۶۲ء میں

پیوٹ کی مختار

کچھ ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں جس سے اس نئی جنگ کے نتیجے کے متعلق بھی اس کا خیال صحیح نکلا جزائر غرب الہند کے فرانسیسی مقبوضات میں مارٹینکوب سب سے زیادہ مستحکم اور سب سے زیادہ دولتمند تھا، وہ شروع سال ہی میں فتح ہوگیا، اور اس کے بعد گراناڈا، سنٹ لوسیا اور سنٹ ونسنٹ بھی فتح ہوگئے۔انھیں نقصانات کے باعث صلح پیرس گل میں آئی۔ بیوٹ جنگ کو ختم کرنے کے لیئے اس قدر بیتاب تھا کہ اس نے یورپ میں صرف مینورکا کے واپس لے لینے پر قناعت کی اور فرانس کو مارٹینیکو اور اسپین کو کیوبا اور فلیپائن واپس کردیا۔برطانیہ کو اصلی نفع ہندوستان وامریکہ میں حاصل ہوا۔ ہندوستان میں فرانسیسوں نے ہر طرح فوجی انتظام وقیام کے حق سے دست برداری کی اور امریکہ سے وہ بالکل کنارہ کش ہوگئے۔کناڈا، نوااسکوٹیا اور دریائے مسیسپی تک کا حصہ لوئی زیانا انگلستان کے حوالہ کردیا۔اور اس صوبے کا باقی حصہ اسپین کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا جس کے عوض میں اسپین نے فلوریڈا تاج برطانیہ کو دیدیا۔

صلح پیرس فروری ۱۷۶۳ء

نوجوان بادشاہ کا ممالک غیر میں صلح حاصل کرنے کا یہ اضطراب زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ اسے یہ یقین تھا کہ اندرون ملک میں حصول قوت کی کشمکش میں کامیاب ہونے کے لیئے بیرونی صلح ضروری ہے۔جب تک جنگ جاری رہتی ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا کہ پٹ اپنے عہدے پر واپس آجائے گا اور اس کے زیر اثر وہگ پھر متحد ہوجائیں گے۔مگر صلح سے بادشاہ کو آزادی مل گئی۔ اسے وہگوں کے اختلافات باہمی، ٹوریوں کی نئی وفاداری اور

دارالعوام

عطائے منصب و اعزاز کے اثر پر (جسے اس نے اپنے اختیار میں کرلیا تھا) بھروسہ تھا۔ مگر جس چیز پر اسے سب سے زیادہ اعتماد تھا وہ دارالعوام کا انداز تھا۔ دارالعوام جس زمانے میں سلطنت کا سب سے زیادہ طاقتور جزو بن گیا تھا، اسی زمانے میں وہ اصلی و حقیقی معنی میں قوم کی نمائندگی کے درجے سے ساقط ہوگیا تھا۔ آبادی اور دولت و ثروت کے طبعی انتقالِ مقامی کی وجہ سے حلقہائے انتخاب کی اس تقسیم میں جو اڈورڈ اول کے عہد میں قائم ہوی تھی ترمیم کی ضرورت خانہ جنگی ہی کے دوران میں محسوس ہوچکی تھی۔ مگر "طویل العہد پارلیمنٹ" کے اصلاحات رجعت شاہی کے بعد منسوخ کردیئے گئے تھے چارلس دوم کے وقت سے جارج سوم کے وقت تک پارلیمنٹ کے طریق عمل کی روز افزوں خرابیوں کے روکنے کی ایک مرتبہ بھی کوشش نہیں کی گئی۔ منچسٹر اور برمنگھم کے سے بڑے بڑے شہروں کا کوئی نمائندہ نہیں تھا اور اولڈ سیرم کے سے قصبوں کی طرف سے (جن کا کہیں نشان بھی روئے زمین پر باقی نہیں رہا تھا، ارکان مجلس پارلیمنٹ میں شریک ہوتے تھے شاہانِ ٹیوڈر نے دارالعوام میں ایک درباری فریق پیدا کرنے کے لئے بہت سے قصبے قائم کردیئے تھے جس میں سے اکثر و بیشتر ایسے تھے جو شاہی املاک میں محض دیہات کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرب و جوار کے زمینداروں نے ان جگہوں کو اپنے قبضے میں کرلیا اور ان جگہوں کی خرید و فروخت بالکل ایک جائداد کی خرید و فروخت کی طرح کرنے لگے۔ جن قصبات کو واقعی

نیابت کا دعوےٰ تھا ان کی بھی یہ حالت تھی کہ چودھویں صدی سے بلدی حقوق گھٹتے گھٹتے باشندوں کے ایک قلیل حصّے کے اندر محدود رہ گئے تھے اور اکثر صورتوں میں اس انتخابی حقوق کا حصر بھی صرف حکمران جماعت کے اندر ہوگیا تھا اور اس لیئے انکی نیابت محض برائے نام رہ گئی تھی۔ اس قسم کی جگہوں کے انتخاب کا دار و مدار محض مدبّروں کی حیثیت یا اثر پر تھا۔ بعض "شاہی قصبے" تھے، بعض نہایت اطاعت کے ساتھ موجودالوقت وزارت کے نامزد کردہ امیدواروں کا انتخاب کردیتے تھے۔ بعض "مقفل قصبے" تھے جو ڈیوک نیوکیسل کے سے عیار طبع لوگوں کے ہاتھوں میں تھے، ایک وقت تھا کہ قصبات کے ارکان میں سے ایک ثلث تعداد ڈیوک کی رائے سے منتخب ہوتی تھی۔ صرف صوبہ جات اور بڑے بڑے تجارتی شہروں کی نسبت یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ واقعی طور پر حقِ انتخاب کو کام میں لاتے ہیں، مگر اس قسم کے حلقوں میں بھی انتخاب کے کثیر اخراجات کے باعث ان کے انتخابات صاحبِ دولت مقامی امرا کے ہاتھوں میں آگئے تھے۔ صوبوں تک کا حق انتخاب مضحکہ خیز طور پر محدود و نامساوی ہوگیا تھا۔ اسّی لاکھ کی آبادی میں سے صرف ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمی رائے دینے کا حق رکھتے تھے۔ اس قسم کا دارالعوام اہلِ انگلستان کی اصلی رائے کی نمائندگی کس حد تک کرسکتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پٹ کی ہردلعزیزی جس زمانے میں، بہت بڑھی ہوئی تھی اس زمانے میں بھی اسے بڑی دقت سے دارالعوام میں جگہ

ملی تھی۔ جگہ خرید کر پارلیمنٹ میں داخل ہونے کے ذریعے کو یوماً فیوماً ترقی ہوتی جاتی تھی اور یہ خرید و فروخت علانیہ ہوتی تھی، جس کی قیمت کبھی کبھی چار ہزار پاؤنڈ تک پہنچ جاتی تھی۔ پس اس امر پر متعجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی مصلح جب اس قسم کا الزام دیتا تھا کہ "یہ ایوان برطانیہ عظمی کے باشندوں کا قائم مقام نہیں ہے۔ یہ برائے نام حقوق، ویران شدہ شہروں، امرا کے خاندانوں، دولتمندوں، اور غیر ملک کے حکمرانوں کا قائم مقام ہے" تو اس الزام سے انکار کیا جاتا تھا۔ پس اس جماعت میں جو ایسے حلقوں کی طرف سے منتخب ہوتی ہو، اور پارلیمنٹ کی کارروائیوں کی رازداری کے باعث عام رائے کے اثر سے علیحدہ اور اس کے ساتھ ہی بالکل غیر محدود اختیارات رکھتی ہو، جیسے کچھ ذلیل خیالات نہ پیدا ہو جائیں وہ کم ہیں۔ والپول اور نیوکیسل نے رشوت دہی اور قصبوں سے معاملہ کرنے کو اپنی طاقت کی بنیاد بنالیا تھا۔ جارج سوم نے اپنی باری میں تاج کو تقویت دینے کے لئے انہیں اختیارات کو اپنے قبضے میں کرلیا، شاہی آمدنی جگہوں کے خریدنے اور رایوں کے حاصل کرنے میں صرف کی جانے لگی۔ جارج کی یہ عادت روز بروز بڑھتی جاتی تھی کہ وہ خود ایوانہائے پارلیمنٹ کی رایوں کی فہرست کو نظرِ غور سے دیکھتا تھا اور ارکان نے اس کی مرضی کے موافق و مخالف جس طرح رائے دی ہوتی اسی طرح وہ انہیں اس کا انعام اور اس کی سزا بھی دیتا۔ خدمات ملکی میں ترقی کلیسا کے اوقاف میں ترجیح، فوج کے مدارج

سب " بادشاہ کے دوستوں" کے لئے مخصوص تھے۔ وظیفوں اور دربار کے عہدوں سے مباحث پر اثر ڈالا جاتا تھا۔ رشوت کا بازار ہمیشہ سے زیادہ گرم تھا۔ بیوٹ کے دوران وزارت میں خزانے کے اندر ایک دفتر ارکان کی خریداری کے لئے کھولا گیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ ایک دن میں پچیس ہزار پاؤنڈ صرف ہوگئے تھے۔

بیوٹ کا زوال

ان کارروائیوں کا نتیجہ بہت جلد پارلیمنٹ کے انداز سے ظاہر ہوگیا۔ اس وقت تک وہ پٹ کی عظمت کے سامنے سر جھکائے ہوئی تھی، مگر اب باوجود پٹ کی مخالفت کے اس نے معاہدہ پیرس کو ایک کے مقابلے میں پانچ کی کثرت رائے سے منظور کرلیا۔ اس پر بادشاہ کی ماں نے کہا کہ " اب البتہ میرا لڑکا بادشاہ ہوا ہے"۔ لیکن اس کامیابی کے بعد ہی بادشاہ و وزیر دونوں کو ایسی عام بددلی سے سابقہ پڑا کہ شاہانِ اسٹوارٹ کے زوال کے بعد سے کسی بادشاہ کے خلاف کبھی یہ صورت پیش نہیں آئی تھی۔ یہ طوفان اگرچہ بہت ہی سخت اور بڑا ہی ہنگامہ خیز تھا مگر اس سے یہ عیاں ہوگیا کہ رائے عامہ میں ایک نئی بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ پارلیمنٹ کو اعلیٰ قوت حاصل ہوگئی تھی اور اصولاً پارلیمنٹ کل انگریزی قوم کی قائم مقام تھی۔ مگر واقعتاً انگریزی قوم کا بیشتر حصہ ایسی حالت میں تھا کہ اس کا کوئی اثر انگریزی حکومت کی روش پر نہیں پڑتا تھا۔ انگلستان کی تاریخ میں یہی پہلا اور یہی آخری موقع تھا کہ پارلیمنٹ کی طرف سے بددلی اور اس کے مخالفوں کی ہر دلعزیزی مسلّم ہوگئی تھی۔ دارالعوام میں خرابی د

رشوت خواری حد سے بڑھ گئی تھی اور وہ بالکل بادشاہ کا غلام بن گیا تھا۔ بادشاہ اب تک اپنے کو وہگ کہتا تھا لیکن وہ مطلق العنانی کے ایک ایسے طریقے کو از سر نو زندہ کر رہا تھا جسے فرقہ وہگ نے مدت سے غیر ممکن بنا دیا تھا۔ اس کا وزیر محض اس کا ایک ندیم تھا اور اہل انگلستان اسے غیر ملکی سمجھتے تھے۔ عوام یہ سب کچھ دیکھتے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان باتوں کی اصلاح کیونکر کریں۔ جس حکومت سے انہیں اس درجے نفرت تھی اس پر اثر ڈالنے کے لئے ان کے پاس سوائے شور و ہنگامے کے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پس وہ اپنے قدیم قومی و مذہبی تعصب، ہینوور ی دربار سے اپنی مدتوں کی ناپسندیدگی، اپنی ہنگامہ آرائی و فرقہ بندی کی پرانی عادت اور پارلیمنٹ سے اپنی زمانہ دراز کی نفرت، ان سب جذبات کو دل میں لئے ہوئے آگے بڑھے مگر سوائے ہنگامے اور شورش کے اس کے اظہار کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بیوٹ نے دیکھا کہ ہر طرف سے یکایک ایک عام تنفر پیدا ہوگیا ہے، اور اس عام غصے کے طوفان کو فرو کرنے کے خیال سے وہ ۱۷۶۳ء میں اپنے عہدے سے ہٹ گیا۔ لیکن بادشاہ کی طبیعت کی سختی وزیر کی طبیعت سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے اگرچہ اپنے اس ندیم کو مستعفی ہونے کی اجازت دیدی مگر وہ اپنے کو بدستور تمام انتظامات کا محور سمجھتا رہا کیونکہ بیوٹ اپنے بعد جن وزرا کو چھوڑ گیا تھا وہ اس سے بھی زیادہ دربار کے غلام تھے۔ جارج گرنویل برائے نام وزارت کا سرگروہ تھا مگر اس کی کارروائیوں کی رہبری

جارج گرنویل

خفیہ طور پر اسی ندیم (بیوٹ) کے ہاتھ میں تھی فریق وہگ کے دو قابل ترین افراد چارلس ٹاؤنشنڈ اور ڈیوک بڈفرڈ یہ جو نیوکیسل کی برطرفی کے بعد بیوٹ کے ساتھ شامل رہے تھے اب شرکت وزارت سے انکار کردیا اور وزارت میں صرف ایک قابل شخص لارڈ شلبرن رہ گیا جو آئرلینڈ کا ایک نو عمر امیر تھا۔ درحقیقت اس وزارت کے قائم ہونے کا سبب صرف یہ تھا کہ مخالفوں میں نااتفاقی برپا ہوگئی تھی ٹاؤنشنڈ اور بڈفرڈ وہگوں کی عام جماعت سے علیحدہ رہے اور پھر یہ دونوں حصے پٹ سے الگ رہے۔ جارج نے اس قسم کی وزارت کے قائم کرنے میں فریق مخالف کی ان تفریقوں کا اندازہ کرلیا تھا مگر گرنویل بادشاہ یا بیوٹ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہنا نہیں چاہتا تھا۔ پس اس کے اور بادشاہ کے مناقشات بہت جلد اس حد کو پہنچ گئے کہ جارج نے مایوس ہوکر پٹ سے یہ خواہش کی کہ وہ ایک وزارت مرتب کرے۔ پٹ کی شریفانہ حب الوطنی اور اس کے ضبط نفس کی عظمت کبھی اس سے زیادہ نہیں ظاہر ہوئی جیسی اس درخواست کے قبول کرلینے سے ظاہر ہوئی۔ اسے عہدے سے خارج ہونے کے متعلق نیوکیسل اور وہگوں سے جو شکایت تھی اس نے ان سب کو فراموش کردیا اور اپنے تمام پرانے رفیقوں کو ساتھ لئے ہوئے عہدے پر واپس آیا، صرف ایک بڈفرڈ اس سے مستثنیٰ تھا۔ اور یہ اس نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ لیکن جارج نے ان شرائط کے قبول کرنے سے انکار کردیا جس سے اس کے منصوبے شکست ہوجاتے نتیجہ یہ ہوا کہ گرنویل اپنی جگہ پر رہ گیا اور پہلے

اگست ۱۷۶۳ء

وہ جس قدر کمزور تھا اب اسی قدر قوی ہوگیا۔ بیوٹ نے کسی قسم کا سیاسی اثر ڈالنا ترک کردیا اور بڈفرڈ اپنے تمام فریق کے ساتھ گرنویل کا شریک ہوگیا اور اس طرح وزارت کو قوت و استحکام حاصل ہوگیا۔

مطابع سے مناقشہ

گرنویل کا ایک ہی مقصد تھا کہ پارلیمنٹ کی فوقیت جسطرح بادشاہ پر مسلّم ہوگئی ہے اسی طرح رعایا پر بھی مستحکم ہو جائے۔ اس لئے اس نے رائے عامّہ کی اس نئی قوت پر بڑا کاری وار کیا جس نے بیوٹ کو معزول کرا کے اپنی طاقت کا اظہار کیا تھا۔ ملک نے جب یہ دیکھا کہ پارلیمنٹ میں کماحقہٗ اس کی نمائندگی نہیں ہوتی تو اسنے مطابع کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔ انقلاب کے بعد احتساب کے اٹھ جانے کے باوجود بھی پریس نے سیاسی اثر پیدا کرنے میں بہت ہی سُست رفتاری سے کام لیا۔ خاندانِ ہینوور کے پہلے دو بادشاہوں کے زمانے میں اس کی ترقی اس وجہ سے رکی رہی کہ بحث کے لئے اہم مسائل موجود نہ تھے، لکھنے والوں میں قابلیت نہ تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانے میں ایک عام سُستی پھیلی ہوئی تھی حقیقت یہ ہے کہ جارج سوم کی تخت نشینی کے بعد جب پٹ نے قومی جوش کو متحرک کیا اور سیاسیات میں زیادہ عمیق دلچسپی پیدا ہوئی اس وقت میں مطابع کو بھی سیاسی قوت حاصل ہوئی۔ عام قوم نے مطابع کو ایوانہائے پارلیمنٹ کے خلاف ایک عدالتِ مرافعہ بنالیا اور اخبارات اس عام نفرت کے آلۂ اظہار بن گئے جس کی وجہ سے لارڈ بیوٹ کو اپنے عہدے سے ہٹنا پڑا۔ رسالہ

ولکس

"نارتھ برٹن" میں وزارت و "صلح" کے متعلق جان ولکس کی لعن طعن

کی سختی سب سے بڑھ گئی بلکہ اس نے تو یہاں تک جرأت کی کہ اس نفرت زدہ وزیر کا نام لے کر اس پر اعتراض کئے۔ ولکس ایک نالائق و اوباش شخص تھا مگر اس میں ایک عجیب و غریب ملکہ یہ تھا کہ وہ عام ہمدردی کو اپنی طرف مائل کرلیتا تھا اور یہ بھی قسمت کی ایک عجیب نیرنگی ہے کہ انگلستان کے نظامِ سلطنت میں جو تین سب سے زیادہ اہم تغیرات عمل میں آتے ہیں وہ اسی کے وسیلے سے انجام پائے۔ اسی نے دار العوام کی مطلق العنانی کے مقابلے میں طلقہائے انتخاب کے حقوق کی حمایت کر کے پارلیمنٹ کی اصلاح کی ضرورت کا احساس قطعی پیدا کر دیا، اسی نے اس جد و جہد میں پیش قدمی کی جس سے پارلیمنٹ کی کارروائیوں کا راز میں رہنا موقوف ہوا۔ وہی پہلا شخص تھا جس نے یہ ثابت کیا کہ مطابع کو معاملات عامہ پر بحث کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن لارڈ بیوٹ کی وزارت پر حملہ کرنے میں وہ محض عام بددلی کے اظہار کا آلہ تھا تاہم بیوٹ کا اپنے عہدے سے علیحدہ ہونا سب سے زیادہ اسی کے حملہ کی وجہ سے ہوا۔ مگر گرنویل کی طبیعت اس درباری ندیم سے زیادہ سخت واقع ہوئی تھی اس کا نظم و نسق ابھی پوری طرح درست بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے پارلیمنٹ کے اس ترقی پذیر مخالفت کے سرگروہ پر ایک ضربِ شدید لگادی ۱۷۶۳ء نارتھ برٹن'' کے پینتالیسویں نمبر'' میں ولکس نے افتتاح پارلیمنٹ کی شاہی تقریر کی مذمت کی تھی اور وزیر نے اس '' باغیانہ اہانت کے لکھنے والے، چھاپنے والے اور شائع کرنیوالے سب کے

خلاف ایک عام حکم گرفتاری جاری کردیا" اس حکم کے بموجب
اُنچاس آدمی ایک وقت میں گرفتار ہوئے اور اگرچہ ولکس کو
رکن پارلیمنٹ ہونے کا امتیازی حق حاصل تھا پھر بھی وہ ٹاور میں
بھیجدیا گیا۔ یہ گرفتاری اس قدر خلافِ قانون تھی کہ عدالتِ عام
نے اسے فوراً رہا کردیا مگر اس کے بعد ہی اس پر اہانت کا مقدمہ
قائم کردیا گیا۔ جس پرچہ پر اس مقدمے کی بنا تھی وہ ابھی عدالت
میں زیرِ بحث ہی تھا کہ دارالعوام نے اسے "غلط، لغو، باغیانہ،
واہانت آمیز قرار دیدیا" اس دوران میں دارالامرا نے ولکس کے
کاغذات میں سے ایک رسالے کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ
اس میں خدا کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور اس پر مقدمہ
دائر کرنے کی صلاح دی۔ ولکس، فرانس کو بھاگ گیا اور ۱۷۶۴ء
میں وہ دارالعوام سے خارج کردیا گیا۔ لیکن دونوں ایوانوں کے

ولکس کا اخراج

اس طرح خود رائی کے ساتھ عدالتی اختیارات کو اپنے ہاتھ
میں لے لینے، اور اخبارات کے نام گرنویل کے دو سو احکامِ
امتناعی جاری کرکے مطابع کے لئے ایک خوفناک حالت پیدا
کردینے سے تمام ملک میں غصے کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ہر سڑک
"ولکس و آزادی" کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ بہت جلد یہ عیاں
ہوگیا کہ ولکس پر اس طرح ضرب لگانے سے رائے عامہ میں
سکون پیدا ہونے کے بجائے اور ناگواری پیدا ہوگئی ہے
اس کے چھ برس بعد ایک نامعلوم الاسم اخبار نویس "جونیس"
کے خلاف اس علت میں مقدمہ چلایا گیا کہ اسنے "بادشاہ کے

نام ایک خط“ شائع کیا تھا، اس مقدمے میں ناکامی ہوئی اور اس سے نہ صرف وزرا اور پارلیمنٹ کے اعمال وافعال کے متعلق مطالع کو نکتہ چینی کا حق حاصل ہوگیا بلکہ خود بادشاہ کی ذات کے متعلق بھی یہ حق پیدا ہوگیا۔

قانونِ اسٹامپ

گرنویل نے امریکہ کی نوآبادیوں کے ساتھ ایک اس سے بھی زیادہ صعب تر کشمکش پیدا کردی، اور اس کشمکش میں بھی اس نے اسی قسم کی تنگ نظری، اسی قسم کی صداقت غرض اور اسی قسم کی ضد وخودرائی سے کام لیا۔ پٹ نے جنگ میں بیدریغ روپیہ خرچ کردیا تھا اور اس نے اس خرچ کو بڑے بڑے قرضوں سے پورا کیا تھا۔ صلح پیرس کے وقت سرکاری قرضہ چودہ کروڑ پاؤنڈ تک پہنچ گیا تھا، اس لئے صلح کے بعد بیوٹ کو سب سے پہلی فکر یہ لاحق ہوئی کہ قوم کے اس نئے بار کا کچھ انتظام کرنا چاہئے۔ اور چونکہ ایک حد تک یہ بار امریکہ کی نوآبادیوں کی حمایت کی وجہ سے بھی عاید ہوا تھا اس لئے انگریزوں کی عام رائے یہ تھی کہ ان نوآبادیوں کو بھی اس میں شرکت کرنا چاہئے۔ اس رائے سے بادشاہ اور بیوٹ دونوں متفق تھے۔ مگر ان کے تجاویز محض اجرائے محصول سے کچھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ نئے وزیر نے بالاعلان یہ کہدیا تھا کہ اسکی یہ رائے مصمم ہے کہ قانونِ جہازرانی کو پوری سختی کے ساتھ عمل میں لانا چاہئے جس سے کہ امریکہ کی تجارت صرف انگلستان کے لئے مختص ہوجائے اور ادائے قرض کے لئے

نوآبادیوں پر محصول لگایا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ امر
آباد کاروں کے ذہن نشین کردینا چاہئیے کہ وہ برطانیہ کے تابع ہیں۔
اس وقت تک امریکہ اور فرانس و اسپین کے جزائر غرب الہند
کے درمیان براہ راست تجارت کو گراں محصولوں کے ذریعے
سے روکا گیا تھا مگر خفیہ طور پر مال کے لانے کا عام طریقہ رائج
تھا اور اس گرانبار محصول سے لوگ بہ آسانی بچ جاتے تھے۔
اب محصول میں تو تخفیف کردی گئی مگر اس تخفیف شدہ محصول
کی تحصیل کے متعلق پوری سختی برتی جانے لگی اور ایک وسیع
بحری قوت امریکہ کے ساحلوں پر متعین کردی گئی تاکہ غیر ملکوں
کی خفیہ تجارت کو بالکل روک دے۔ امید تھی کہ اس طرح پر
معقول آمدنی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ تجویز سوچی گئی تھی
کہ اندرون ملک میں ایک محصول "کاغذاتِ عدالت" پر لگادیا
جائے یعنی جس قدر قانونی کاغذات نوآبادیوں میں جاری ہوں
ان سب پر کچھ نہ کچھ محصول عاید کیا جائے۔ بیوٹ کے عہدے
سے کنارہ کش ہونے کے بعد اس کی اور تمام تجویزیں تو طاق
میں لگئیں مگر اس کی مالی تجاویز سے گرنویل کو پورا اتفاق تھا۔
اور جب اس نے دیکھا کہ اس کا انتظام مضبوطی کے ساتھ
جم گیا ہے تو اس نے داخلی و خارجی محصول کے وصول کئے

گرنویل کا طرز عمل

جانے کی تجاویز کو عمل میں لاتے کی کارروائی شروع کردی جس
کا پہلا قدم یہ تھا کہ اس نے قانون جہازرانی کے سخت نفاذ
سے اس ناجائز تجارت کو روکنا چاہا جو امریکہ کے بندرگاہوں

اور قریب کے اسپینی جزیروں کے درمیان رائج تھی۔ یہ کارروائیاں اگرچہ تکلیف دہ اور غیر دانشمندانہ معلوم ہوتی تھیں مگر مستعمرین ان کا قانون کے موافق ہونا تسلیم کرتے تھے اور انہوں نے اپنی نفرت کا اظہار صرف اس قرارداد سے کیا کہ جب تک ان پابندیوں میں نرمی نہ اختیار کی جائے گی وہ برطانیہ کا بنا ہوا مال نہ استعمال کریں گے۔ لیکن وزیر کی دوسری تجویز کہ خود نوآبادیوں کے حدود کے اندر عدالتی کاغذات پر محصول لگا کر آمدنی کی صورت نکالی جائے (جس سے والپول نے غایت دانائی سے رد کردیا تھا) دوسری ہی نوعیت رکھتی تھی اور ناجائز تجارت کے روکنے کی تجاویز سے اسے کوئی مناسبت نہیں تھی اس کی نوعیت قوانینِ جہازرانی سے جداگانہ تھی، یہ انگلستان اور نوآبادیوں کے عملی تعلقات میں ایک نہایت ہی وسیع تغیر تھا۔ اس لئے مستعمرین نے اس کا مقابلہ دوسری ہی انداز سے کیا۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اجرائے محصول اور نمائندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور امریکہ کا کوئی نمائندہ برطانوی پارلیمنٹ میں نہیں ہے۔ آبادکاروں کے نمائندے خود اپنی ہی نوآبادیوں کی مجلسوں میں جمع ہوتے تھے اور اہل پنسلوینیا کے سوا تمام آبادکاروں نے اپنے اس حقِ خوداختیاری میں پارلیمنٹ کی مداخلت کے خلاف سختی کے ساتھ اعتراض کیا۔ میسیچوسٹس نے اس حیثیت کو بہت صحیح طور پر ظاہر کردیا کہ "اگرچہ تجارت کی بندش بھی عقل و انصاف کے خلاف ہے مگر محصول عاید کرنیکا

حق برطانوی آزادی کا سب سے قوی تر حصار ہے اگر یہ حصار ایک مرتبہ ٹوٹ گیا تو پھر سب کچھ جاتا رہیگا" اس رائے کو ہر ایک نوآبادی کی مجلسِ ملکی نے قبول کرلیا۔ اور انھوں نے بنجمن فرینکلن کو (جو کسی زمانے میں فلیڈلفیا میں چھاپے کا کام کرتا تھا اور اب بڑے نام ونمود کا علمی محقق وموجد ہوگیا تھا) اپنے اعتراضات دیکر بطور اپنے وکیل کے انگلستان روانہ کیا لیکن انگلستان میں فرینکلن کو بہت کم ایسے اشخاص ملے جو نوآبادی والوں کے قائم کردہ امتیاز کو تسلیم کرتے ہوں۔ گرنویل اپنے تجاویز کے بدلنے پر اس وقت تک آمادہ نہیں ہوتا تھا جب تک کہ فرینکلن یہ یقین نہ دلائے کہ سب نوآبادیاں متحد ہوکر اپنے اوپر محصول لگائیں گی اور فرینکلن اس قسم کا اطمینان دلانے سے قاصر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "کاغذات عدالتی" پر محصول لگانے کا یہ قانون اس طرح بے تأمل دونوں ایوانوں سے منظور ہوگیا کہ کسی راستے میں ایک چکردار دروازہ لگانے کی تجویز اگر پیش ہوتی تو اس پر بھی اس سے زیادہ بحث ہوتی۔

راکنگھم کی وزارت

"قانون اسٹامپ" ابھی منظور ہی ہوا تھا کہ بادشاہ و وزارت کے درمیان مناقشہ پیدا ہوگیا۔ کشیدگی تو مدت سے بڑھتی جارہی تھی مگر اختلافات کے معاً اس حد کو پہنچ جانے کا فوری باعث یہ ہوا کہ قانون تولیت میں بادشاہ کی ماں کا نام نہیں رکھا گیا اللہ یہ امر گویا اس کی اہانت کا باعث ہوا۔ جارج نے پھر ولیم پٹ سے وزارت قبول کرنے کی خواہش کی، مگر پٹ بالکل تنہا تھا،

صرف اس کا برادرِ نسبتی لارڈ ٹمپل اس کا دوست رہ گیا تھا، اور اس نے بھی وزارت کے قائم کرنے کی کوشش میں مدد دینے سے انکار کر دیا۔ پس اس طرح سب کے الگ ہو جانے سے پٹ نے یہ سمجھ لیا کہ وہ کسی نوع سے بھی کوئی ایسی وزارت نہیں مرتب کر سکتا کہ وِہگوں کے مقابلے میں اپنے کو قائم رکھ سکے۔ پس اب بادشاہ اپنی مدد کے لئے وِہگوں کی اس جماعت عامہ کی طرف متوجہ ہوا، جس کا سرگروہ مارکوئس راکنگھم تھا۔ راکنگھم نے جولائی ۱۷۶۵ء میں جو وزارت قائم کی اس کی کمزوری اس سے عیاں تھی کہ امریکہ کے معاملات میں انہوں نے نہایت درجے سستی اختیار کی۔ جب یہ ناگوار قوانین منظور ہو گئے تو فرینکلین کو اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ نوآبادیاں اس کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیں۔ مگر نوآبادی کے باشندوں کو خواب میں بھی اطاعت کا خیال نہیں آتا تھا۔ مہر شدہ کاغذوں کی آمد کی خبر سن کر نیو انگلینڈ میں ہر جگہ شورشیں برپا ہو گئیں اور محصول جمع کرنے والوں نے خوف زدہ ہو کر اپنی ملازمتوں سے استعفے دیدیئے اس نئے خطرے نے جنوبی و شمالی سلطنتوں کو ایک دوسرے سے متحد کر دیا۔ سب سے پہلے ورجینیا کی مجلس ملکی نے اس امر سے باضابطہ انکار کیا کہ برطانوی پارلیمنٹ کو نوآبادیوں کے اندرونی مداخل میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کا حق حاصل ہے اور اس کے ساتھ ہی ان قوانین کی منسوخی کا مطالبہ کیا۔ میساچوسٹس نے نہ صرف اس انکار و مطالبے

ہی کو اپنی جانب سے بھی قبول کیا، بلکہ اس تجویز کا اور اضافہ کر دیا کہ مشترکہ و متحدہ کارروائی کے لیئے تمام نوآبادیوں سے مجالس ملکی کے وکلا ایک کانگرس میں جمع ہوں۔ چنانچہ اکتوبر ۱۷۶۵ء میں یہ کانگرس ورجینیا کے اعتراض و درخواست کو مکرر پیش کرنے کے لیئے جمع ہوئی۔ اس مجلس کی خبر سال کے اختتام پر انگلستان پہنچی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۷۶۶ء کے موسم بہار میں جب ایوانہائے پارلیمنٹ کا اجتماع ہوا تو پٹ فوراً ہی سب سے پیش پیش نظر آنے لگا۔ نوآبادیوں پر محصول لگانے کی اس قسم کی ایک تجویز کو مدت ہوئی وہ اپنے دوران وزارت میں مسترد کر چکا تھا، جب قانون اسٹامپ منظور ہوا ہے وہ اس زمانے میں بیمار اور پارلیمنٹ سے غیر حاضر تھا۔ مگر اس نے امریکہ کے آئینی دعوے کو تمامہ قبول کر لیا تھا۔ جس مقاومت کو پارلیمنٹ بغاوت قرار دیتی تھی وہ اسے قابل وقعت و عظمت سمجھتا تھا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ "میری رائے میں اس ملک کو نوآبادیوں پر محصول لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ امریکہ نے سختی سے کام لیا ہے بلکہ بالکل ہی صاف صاف بغاوت کر دی ہے مگر میں اس کے اس طرح مقاومت کرنے سے خوش ہوں۔ اگر تیس لاکھ آدمیوں کی آزادی کا احساس اس درجہ مردہ ہو جاتا کہ وہ برضا و رغبت غلام بننے کے لیئے تیار ہو جاتے تو پھر اور تمام لوگوں کو بھی غلام بنا لینے کے لیئے یہ ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آجاتا"

قانون اسٹامپ کی تنسیخ

نظر بحالات ایک عام خواہش یہ پیدا ہوگئی کہ پٹ

عہدۂ وزارت پر واپس آجائے مگر وہگوں کے ساتھ اتحاد کی گفت وشنود بیکار گئی۔ پٹ اور دوسرے وہگوں کی حکمتِ عملی میں جو حقیقی فرق تھا اسے اب ان وہگوں کی جانب سے اس زمانے کے سب سے بڑے سیاسی مبصّر اڈمنڈ برک نے پیش کیا۔ برک ۱۷۵۰ء میں ایک غریب وغیر معروف شخص کی حیثیت سے تلاشِ روزگار میں، آئرلینڈ سے لندن آیا تھا۔ اس کی علمیت نے اسے فوراً جانسن کی دوستی کا شرف بخشا اور اس کی قوتِ تخیل نے اسے اس قابل کردیا کہ وہ اپنی علمیت کو زندہ لباس میں ظاہر کرسکے۔ اس سے یہ توقع پیدا ہوگئی کہ وہ فلسفیانہ وعالمانہ وضع میں داخل ہو جائے گا۔ مگر اس کے میلان نظری نے اسے سیاسیات کی طرف پھیر دیا اور وہ لارڈ راکنگھم کا سکرٹیری (معتمد) ہوگیا اور ۱۷۶۵ء میں راکنگھم ہی کی سرپرستی سے پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ قانونِ اسٹامپ کے متعلق اس کی تقریروں نے اسے فوراً ہی بامِ شہرت پر پہنچا دیا۔ اس کا کوبکروں کا سا بھاری ڈیل ڈول، اس کے بکھرے ہوئے مصنوعی بال اس کی کاغذوں سے بھری ہوئی جیب کو دیکھکر بہت کم یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ وہ کوئی بڑا مقرر بن جائے گا اور اس کی کم فصیح البیانی کی خصوصیات کی طرف تو ذہن اور بھی کم منتقل ہوتا تھا۔ جذبات کا پُرزور اظہار، شاعرانہ تخیل حیرت انگیز وسعتِ معلومات، اس کے خصوصیات میں داخل تھے۔ اس کی تقریریں، طنز رقیق القلبی، طعن وتشنیع، نرم دلی،

اڈمنڈ برک

الفاظ کی شوکت اور بحث کی سنجیدگی سب ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ درحقیقت انگریزوں کے روبرو ایک بالکل ہی نئی قسم کی فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا تھا۔ والپول کی صفائی بیان اور پٹ کی جذبات انگیزی کی جگہ اب سیاسیات کے خالص فلسفہ کے پرجوش بیان نے لے لی تھی۔ کچھ زمانے بعد فاکس نے اس کی تعریف کے جوش میں یہ کہا تھا کہ "میں نے جس قدر کتابیں پڑھی ہیں ان سے میں نے اتنا نہیں سیکھا جتنا میں نے برک سے سیکھا ہے" برک کے دلائل کے فلسفیانہ انداز میں فلسفیوں کی سی افسردگی مطلق نہیں تھی۔ اس کے خیالات اگر ایک طرف دلائل سے بھرے ہوئے تھے تو دوسری طرف اعلیٰ تخیل کی شان و عظمت میں بھی رنگے ہوئے تھے۔ وہ قوم کو ایک زندہ سوسائٹی (نظم معاشرت) سمجھتا تھا جس کے تعلقات باہمی اس قدر پیچ در پیچ اور تنظیمات گزشتہ کے شاندار واقعات میں اس طرح ملے ہوئے تھے کہ نادانستہ طور پر اس کے متعلق بحث کرنا ایک مقدس شے کی اہانت کرنا تھا۔ اس کا نظام کار، حکومت کی کوئی مصنوعی تجویز نہیں، بلکہ معاشرتی قوتوں کا ایک معین توازن تھا اور یہ توازن بجائے خود سوسائٹی کی تاریخ ونشو ونما کا طبعی نتیجہ تھا۔ پس اس لحاظ سے اس کی طبیعت قدامت پسند واقع ہوئی تھی۔ مگر یہ قدامت پسندی کام کے عدم رغبت کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ نظام معاشرتی کی قدر و منزلت کے سمجھنے اور تمام موجودالوقت اشیا کی نسبت

ایک خیالی عظمت پر مبنی تھی۔ وہ جس ژرف نگاہی سے ہر ایک تنظیم کے گزشتہ تعلقات، اور گردوپیش کے موجودالوقت حالات سے ان کے پُرپیچ وسائط کا پتہ چلا لیتا تھا اس وجہ سے اس کی نظر میں ہر ایک تنظیم کو تقدس حاصل ہوگیا تھا۔ خلاف معمول ایک کام بھی برک کے نزدیک ایسا تھا گویا صدیوں کے بنائے ہوئے پیچیدہ قومی نظم کو برباد کردیا جائے اس کا قول یہ تھا کہ "نظام سلطنت کے توازن میں کچھ ایسی نزاکت ہے کہ ادنی سی بے ترتیبی سے بھی اس کا غارت ہوجانا ممکن ہے۔" اس پیچیدہ کل میں ہاتھ لگانا بھی مشکل وخطرناک ہے۔"

برک اور سیاسیات

شاید اس نظریئے کا سب سے زیادہ قوی رویہ تھا کہ سیاسیات کے متعلق خود برک کے عملی کاموں پر اس کا کیا اثر پڑا۔ جس وقت وہ پارلیمنٹ میں داخل ہوا ہے اس وقت جو اہم مسائل پیش تھے ان میں اس نظریئے نے اسے خوب کام دیا۔ جن طبعی قوتوں سے قوموں کی بنیاد پڑتی ہے اور جو قوموں کو باہم ملاکر شہنشاہی قائم کردیتی ہیں، ان کی اندرونی کیفیتوں پر برک سے زیادہ کسی اور شخص نے غور نہ کیا ہوگا اور امریکہ کی نوآبادیوں کے حالات حاضرہ میں اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہی قوتیں کام کررہی ہیں جن میں خلل ڈالنا صرف دیوانوں یا خودبینوں کا کام ہوسکتا ہے۔ لیکن برک کا نظریہ انگلستان کے سیاسی حالات کے اس درجہ مناسب حال نہیں تھا وہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب کو یہ سمجھا تھا کہ اس نے انگلستان کے

تنظیمات کو اختتامی و آخری طور پر قائم کردیا ہے۔ اس کا مطمح نظر یہ تھا کہ انقلاب نے انگلستان کی جو حالت قائم کردی تھی وہ اسی حالت میں اور انہیں امرائے عظام کے تحت میں رہے جو انقلاب کے زمانے میں وفادار ثابت ہوئے ہیں، وہ دِگوں کے سکوت سے پُرجوش طور پر متفق تھا اور لارڈ راکنگھم کو نمونۂ کمال سمجھا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ راکنگھم ایک سچا آدمی تھا گر فریقی سرگروہوں میں سب سے زیادہ کمزور تھا۔ اس نے یہ کوشش کی تھی کہ اخراجاتِ شاہی کو گھٹا کر پارلیمنٹ کی رشوت خواری کو کم کرے مگر خود پارلیمنٹ کی اصلاح کی تمام تجاویز کو شکست دینے میں وہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ انگلستان کے ان معدودے چند آدمیوں میں سے تھا جو آزادانہ صنعت وحرفت کی قدرشناسی میں پٹ کے ہم خیال تھے مگر جب اس نوجوان وزیر نے آئرلینڈ کو تجارت کی آزادی دینے اور فرانس سے تجارتی معاہدہ کرنے کی تجویز پیش کی تو برک ہی نے سب سے زیادہ سختی کے ساتھ اس تجویز کی مخالفت کی۔ اس کا کام یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہگ جس ضعیفانہ قناعت پسندی کی حکمتِ عملی کو سر رابرٹ والپول کا ورثہ سمجھتے تھے، وہ اس پر شاندار لفاظی وخیال آرائی کا نقاب ڈال دے، اور چونکہ وہ بہت سختی کے ساتھ یہ یقین رکھتا تھا کہ قوموں کی ترقی طبعی ہوتی ہے اس وجہ سے وہ ان فوائد کے سمجھنے سے قاصر تھا جو مخصوص قوانین اور خاص خاص اصلاحات

سے پیدا ہوتے ہیں۔پس اس موقع پر برک کا رویہ بھی فریق وہگ کے عام رویئے کے موافق تھا۔ راکنگھم اور اس کے شریک کار، ورزا طوعاً و کرہاً پٹ کی حکمتِ عملی کے قبول کرنے پر مجبور ہوگئے تھے مگر اس کے ساتھ ہی اس عزم پر بھی جمے ہوئے تھے کہ قوانینِ اسٹامپ کی ترمیم کے ساتھ ساتھ نوآبادیوں کی آزادی کے اس اصول کو بھی مسترد کردیا جائے جسے پٹ نے قائم کیا تھا۔پس ایک اعلامی قانون اس غرض سے پیش کیا گیا کہ پارلیمنٹ کو نوآبادیوں کے وہر قسم کے معاملات پر، اعلیٰ اقتدار حاصل ہے۔اس قانون کے منظور ہوجانے کے بعد ایک تحریک، قوانینِ اسٹامپ کی منسوخی کے لئے پیش ہوئی اور بادشاہ کے دوستوں کے اختلاف کے باوجود (جسکا خود جارج نے اشارہ کردیا تھا) یہ مسودہ بہت بڑی کثرت رائے سے منظور ہوکر قانون بن گیا۔

فروری ۱۷۶۶ء

پیٹھم کی وزارت

اس وقت سے وزارت کو یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اس عام خیال کا مقابلہ نہیں کرسکتی کہ جو شخص ملک میں سب سے مقدم حیثیت رکھتا ہو وہی اس کا اصلی حکمراں ہو۔بادشاہ اگرچہ پٹ سے سخت متنفر تھا مگر اس احساسِ عام سے مجبور ہوکر پھر اسی کو عہدے پر نصب کرنا پڑا۔ پٹ کی خواہش اب تک یہی تھی کہ تمام فریق کو متحد کرلے اور اگرچہ لارڈ ٹیمپل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا پھر بھی ایک بڑی حد تک اسے ۱۷۶۶ء کی وزارت کے مرتب کرلینے میں کامیابی ہوگئی۔ راکنگھم

نے سرد مہری اختیار کی مگر اس کے بعض بعض رفقائے وزارت نے نئی وزارت میں عہدے قبول کرلیئے اور اب تک جو چند اشخاص پٹ کی دوستی پر ثابت قدم تھے ان سے اور تقویت حاصل ہوگئی بلکہ پٹ نے یہاں تک کیا کہ " بادشاہ کے دوستوں " میں سے بھی چند شخصوں کو اپنے اس انتظام میں شامل کرکے پارلیمنٹ کی تائید کو مستحکم کرلیا۔ لیکن وزارت کی روحِ رواں خود پٹ ہی تھا، اسی کی وسیع ہردلعزیزی اور دارالعوام پر اس کی فصیح البیانی کے اثر نے وزارت میں جان ڈال دی تھی۔ ارل چیٹھم کا لقب قبول کرلینے سے ۱۷۶۶ اسے دارالامرا میں جانا پڑا اور کچھ دنوں کے لیئے وہ اعتماد جاتا رہا جو اس کی بے غرضی کی شہرت کے باعث اسے حاصل ہوگیا تھا گر پٹ نے اپنے " نمائندۂ اعظم " ہونے کے خطاب کو کسی ذلیل غرض سے علیحدہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی طاقت کے انحطاط سے واقف تھا اور اسی وجہ سے وہ مباحثوں کے طوفان سے ڈرتا تھا اور چند مہینوں میں یہ اندیشہ یقین سے بدل گیا۔ اعصابی کمزوری نے اسے اس درجہ تکلیف و پریشانی میں مبتلا کردیا تھا کہ وہ معاملات عامہ ۱۷۶۷ سے علیحدہ ہوگیا، اور اس کی علیحدگی سے اس کے رفقا کی قوت اور ان کا اتحاد سب ٹوٹ گیا۔ چیٹھم کی یہ تجویزیں کہ آئرلینڈ میں بہتر صورت حکومت کی قائم کی جائے؛ ہندوستان کو کمپنی کے اختیار سے نکال کر بادشاہ کے تحت میں کردیا جائے؛ پروشیا اور روس سے اتحاد کرکے شاہانِ بوربون کے خاندانی اتفاق کا مقابلہ کیا جائے، سب نقش برآب ہوگئیں۔ جو وزارت اسکے

نام سے قائم تھی اور جو اس کی کنارہ کشی کے زمانے میں ڈیوک گریفٹن کو اپنا حقیقی سرگروہ سمجھی تھی اس کا مقصد بس یہی تھا کہ وہ کسی طرح سے اپنی ہستی کو قائم رکھے لیکن قائم رکھنا بھی دشوار تھا۔گریفٹن کو مجبور ہو کر اس جماعت سے اتحاد کرنا پڑا جو ڈیوک بڈفرڈ کے تحت میں جمع ہوگئی تھی اور سکریٹری آف اسٹیٹ کا ایک عہدہ ایک ٹوری امیر کے حوالے کرنا پڑا۔

ولکس اور پارلیمنٹ

پٹ جس رائے عامّہ پر اعتماد رکھتا تھا وہ فوراً ہی اس وزارت کے خلاف ہوگئی جو اپنی سابقہ حیثیت پر نہ رہی تھی۔ نئی پارلیمنٹ کے انتخاب میں ایسے ناجائز وناروا طریقے اختیار کئے گئے اور رشوت کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ سابق میں اسکی کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ملک میں جس قدر سخت غصہ پیدا ہوگیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ولکس کی ازسرِ نو تائید ہونے لگی۔ انتخابات کے ہیجان کو دیکھ کر وہ فرانس سے واپس آگیا اور مڈل سکس کی طرف سے اس کا انتخاب ہوگیا۔ اس صوبے کے رائے دہندوں کی کثرتِ تعداد سے یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ انتخاب رائے عامّہ کا واقعی حقیقی اظہار ہے۔درحقیقت ولکس کا منتخب ہونا یہ معنیٰ رکھتا تھا کہ اہلِ ملک نے دارالعوام اور طریقۂ وزارت کو قابل نفرت وملامت قرار دیدیا ہے۔ بایں ہمہ وزارت و دارالعوام دونوں اس شورش انگیز شخص سے دوبارہ مخاصمت کرنے سے جھجکتے تھے۔مگر بادشاہ اس کے لئے بیچین تھا۔دس برس کی کشمکش اور ناامیدیوں کے بعد جارج اپنے مقصد کے بالکل قریب

پہنچ گیا تھا۔ جن دو طاقتوں نے اب تک اسے پریشان کر رکھا تھا وہ دونوں اب بیکار ہوگئی تھیں۔ دہگ فریق میں سخت ناچاقی پیدا ہوگئی تھی اور پٹ سے مخالفت کرنے کے باعث اہلِ ملک کی نظروں میں بھی ان کی قدر باقی نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف خود پٹ دفعتہً اس منظر سے غائب ہوگیا تھا، وزارت کو ملک کی تائید حاصل نہیں تھی اور پارلیمنٹی تائید کے لئے اسے مجبور ہوکر یوماً فیوماً ان لوگوں پر زیادہ بھروسہ کرنا پڑا تھا جن کی نگاہیں بادشاہ کی ہدایت کی طرف لگی رہتی تھیں۔ اب بادشاہ کے لئے صرف ایک مخالف عنصر باقی رہ گیا تھا اور وہ عام بددلی تھی۔ بس اس مخالفت پر اس نے اب ایک بڑا وار کیا۔ اس نے لارڈ نارتھ کو لکھا کہ "میں تمہیں اس امر سے مطلع کردینا نہایت مناسب سمجھتا ہوں کہ مسٹر ولکس کا اخراج بسا ضروری ہے، اور قطعاً عمل میں آنا چاہیئے"۔ وزرا اور دارالعوام دونوں نے اس کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا۔ ولکس پر جب ازالۂ حیثیت عرفی کا الزام لگایا گیا تھا اور وہ عدالت میں حاضر نہیں ہوا تو وہ از خود خارج الذمہ قرار پاگیا تھا اور اب اسی بنا پر وہ قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ لیکن حکومت کے اس فعل سے لندن اور تمام ملک میں خطرناک شورشیں برپا ہوگئیں۔ اختلافات نے وزارت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ لارڈ شلبرن کے ارادۂ علیحدگی کے اعلان کے بعد خود چیٹھم نے بھی استعفا دیدیا۔ وزارت اب تک اس کے نام سے فائدہ اٹھا رہی تھی مگر اب اس کی علیحدگی کے باعث وہ بالکل بادشاہ کی مرضی کے تابع ہوگئی۔ ۱۷۶۸ء میں ولکس ازالۂ حیثیتِ عرفی کے الزام پر

چیٹھم کا استعفا ۱۷۶۸

دارالعوام کی عدالت کے روبرو حاضر کیا گیا، حالانکہ اس جرم کے متعلق کارروائی معمولی عدالتوں میں ہوسکتی تھی۔ وہ پارلیمنٹ سے خارج کردیا گیا لیکن ضلع مڈلسکس نے فوراً ہی اسے پھر منتخب کیا۔ دارالعوام کا یہ فعل اگرچہ ہنگامہ خیز اور تکلیف دہ تھا مگر ابھی تک وہ اپنے حدِ اختیار کے اندر تھا، کیونکہ کسی کو اس امر پر اعتراض نہیں تھا کہ دارالعوام کو اخراج کا اختیار حاصل ہے لیکن مڈلسکس کے تمرّد نے اسے بہت آگے بڑھا دیا، اور پارلیمنٹ نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ "چونکہ ولکس پارلیمنٹ کے اسی میعاد کے اجلاس میں دارالعوام سے خارج کردیا گیا ہے اس لئے وہ اس موجودہ پارلیمنٹ کا رکن منتخب نہیں ہوسکتا۔" اس کے ساتھ ہی پارلیمنٹ نے نئے انتخاب کا حکم جاری کردیا۔ مڈلسکس نے انتخاب کنندوں کی آزادانہ مرضی کے روکنے کے ناگوار حکم کا جواب یہ دیا کہ "ولکس ہی کو پھر منتخب کیا۔" دارالعوام نے غصے میں آکر ایک اس سے بھی زیادہ اہانت آمیز و غاصبانہ کارروائی اختیار کی۔ اس نے پھر مڈلسکس کے نمائندے کو خارج کردیا اور اس کے تیسری مرتبہ بہت بڑی کثرتِ رائے کے ساتھ واپس آنے پر پارلیمنٹ نے یہ رائے دی کہ ولکس کے مقابلے میں جس امیدوار کو شکست ہوئی ہے یعنی کرنل لٹرل اسے پارلیمنٹ میں آنا چاہیئے اور قانوناً وہی مڈلسکس کا قائم مقام ہے۔ دارالعوام نے اپنی خود مختارانہ رائے سے نہ صرف اس حلقے کی آزادیٔ انتخاب کو محدود کردیا تھا بلکہ مڈلسکس کے اہل الرائے کے علی الرغم (جنہوں نے بالقصد ولکس کو

ولکس کا اخراج

منتخب کیا تھا) لٹرل کو دارالعوام میں شامل کر کے گویا انتخاب کا حق خود اپنی طرف منتقل کرلیا تھا۔ آئینی قانون کی اس خلاف ورزی سے تمام ملک غصّے میں آکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ولکس، لندن کا آلڈرمین، منتخب کیا گیا، اور لندن کے میئر (صدر بلدہ) آلڈرمین اور ارکانِ بلدیہ نے پارلیمنٹ کے موقوف کردینے کے لئے بادشاہ کے حضور میں درخواست پیش کی۔ لندن اور وسٹ منسٹر کے ایک عذرنامے میں دلیری کے ساتھ یہ کہا گیا تھا کہ "کبھی کبھی ایسا وقت بھی آجایا کرتا ہے جب منتخب شدہ اشخاص قوم کے اصلی نمائندے نہیں رہتے اور وہ وقت اب آگیا ہے حقیقت یہ ہے کہ دارالعوام قوم کی نمائندگی نہیں کرتا" اس اثنا میں ایک لکھنے والے نے جونیس کے نام سے خطوط شائع کرنا اور حکومت پر حملے کرنا شروع کردیا۔ ان خطوط کا انداز اگرچہ نفرت انگیز اور بے باکانہ تھا مگر ان کے بیانات کی صفائی و برجستگی ان کے طرز ادا کا کمال، اور ان کے لعن وطعن کا زور ایسا تھا کہ ان سے مطابع کے ادبیات میں ایک نئی قوت پیدا ہوگئی۔

پارلیمنٹ کی اصلاحات

باایں ہمہ بادشاہ کی ضد اور ہٹ پر اس طوفان کا اثر بہت کم پڑا۔ خطوط کے چھاپنے والے پر مقدمہ قائم کیا، اور لندن کی درخواستوں اور احتجاجوں کو نخوت وغرور کے ساتھ مسترد کردیا۔ چیتھم جس بیماری کی وجہ سے مدت سے صاحبِ فراش تھا، اس میں کچھ تخفیف ہوجانے سے وہ اوائل ۱۷۷۰ء میں دارالامرا میں آنے کے قابل ہوگیا۔ اس نے فوراً ہی دارالعوام کے ان

مغصوبہ اختیارات کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا اور انہیں خلافِ قانون قرار دینے کے لئے ایک مسودہ پیش کیا۔ لیکن اپنی دور رسی سے اس نے پہلے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ ان خرابیوں کے رفع کرنے کے لئے اس قسم کی تدابیر کافی نہیں ہیں کیونکہ ان خرابیوں کی اصلی بنا یہ تھی کہ دارالعوام اب انگلستان کے باشندوں کا قائم مقام نہیں رہا تھا اور اس لئے اس نے یہ تجویز سوچی کہ صوبوں کے ارکان کی تعداد بڑھا کر اس کی اصلاح کرنا چاہیئے کیونکہ اس وقت پارلیمنٹ میں یہی طبقہ سب سے زیادہ آزاد خیال تھا۔ وہ ان تجاویز میں تقریباً بالکل تنہا ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ٹوریوں اور بادشاہ کے دوستوں سے یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کسی ایسی تجویز کو پسند کریں گے جس سے بادشاہ کا اثر گھٹتا ہو۔ لارڈ راکنگھم کی پیروی کرنیوالے وہگوں کو بھی پارلیمنٹ کی اصلاح سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں تھی اور وہ پُرغرور نفرت کے ساتھ رائے عامہ کے اس ہیجان عام سے گھبراتے تھے جنکی زیادتیوں پر اگرچہ چیتھم ملامت کرتا تھا مگر فی نفسہ خود اس رائے عامہ کو اور زیادہ بھڑکاتا تھا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ انگلستان کی سیاسیات پر عام جلسوں کا اثر ولکس اور دارالعوام کے اس جھگڑے کے وقت سے پڑنا شروع ہوا۔ ولکس کی تائید میں مڈلسکس کے انتخاب کنندوں کا جمع ہونا یارکشائر کے صاحبانِ املاک کے ان عظیم الشان جلسوں کی تمہید تھی جن میں پارلیمنٹ کے اصلاح کے سوال کو خاص اہمیّت دی گئی۔ اور اس اصلاح کی تحریک اور اسے ترقی دینے کے لئے تمام ملک میں مجلسوں

کے قائم ہونے سے اول اول سیاسی تحریک و اضطراب کی قوت محسوس ہونے لگی۔ رائے عامّہ کے ترقی دینے اور اسے منظم کرنے میں سیاسی مجلسوں اور سیاسی صحبتوں نے بڑا کام کیا۔ ان مباحث کی اشاعت، نیز ہر ایک سیاسی تحریک میں اس قدر کثیر التعداد آدمیوں کے جمع ہونے کے اثر سے یہ قطعی ہوگیا تھا کہ پارلیمنٹ کو بہت جلد عام قوم کے حسیّات کا لحاظ کرنا پڑیگا۔

مطابع کی طاقت

لیکن پارلیمنٹ پر رائے عامّہ کے اثر ڈالنے کے لئے اس عام ہیجان سے بھی زیادہ قوی و موثّر ایک اور آلہ تیار ہو رہا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ دارالعوام کی خرابیوں کا کس قدر زیادہ حصہ پارلیمنٹ کی کارروائیوں کے راز میں رہنے سے پیدا ہوا تھا لیکن اب کہ قوم اپنے معاملات میں دلچسپی لینے کے لئے زیادہ آمادہ و بیدار ہو چلی تھی اس رازداری کا قائم رکھنا بہت مشکل ہوگیا تھا۔ جارج اول ہی کی تخت نشینی کے وقت سے پارلیمنٹ کے زیادہ اہم مباحث کی نامکمل روئیدادیں "للی پٹ کی سینات" کے نام سے شائع ہونا شروع ہوگئی تھیں اور مقرر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرضی نام یا نام کے ابتدائی حروف لکھدیئے جاتے تھے۔ چونکہ یہ حالات چوری سے حاصل ہوتے اور اکثر محض حافظے کی بنا پر لکھے جاتے تھے اس لئے ان میں لازماً غلطی ہوتی تھی اور انہیں غلطیوں کو ان قواعد کے نفاذ کے لئے عذر قرار دیا جاتا تھا جو پارلیمنٹ کی کارروائیوں کی رازداری کے لئے بنے تھے۔ سنہ ۱۷۷۱ء میں دارالعوام نے ایک اعلان کے ذریعے سے

مباحثوں کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا۔ اور جن اہل مطابع نے ان قواعد کی خلاف ورزی کی تھی انہیں دارالعوام کی عدالت کے روبرو طلب کیا، ان میں سے ایک شخص نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ اسے پارلیمنٹ نے قاصد کے ذریعے سے گرفتار کرالیا، مگر اس گرفتاری سے معاً دارالعوام اور لندن کے حکام میں مخاصمت شروع ہوگئی۔ حکام نے یہ کہدیا کہ یہ اعلان کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا صاحبانِ مطابع رہا کردیئے گئے اور خود پارلیمنٹ کا قاصد خلافِ قانون گرفتاری کے جرم میں قیدخانے میں ڈال دیا گیا۔ دارالعوام نے لارڈ میر کو ٹاور میں بھیجدیا مگر راستہ بھر جو مجمع اس کے ساتھ رہا، اس کے شور تحسین و آفرین نے یہ ظاہر کردیا کہ عام رائے پھر مطابع کے ساتھ ہوگئی ہے، اور پارلیمنٹ کے دوسرے التوا کے موقع پر جب میئر کو رہائی مل گئی تو پارلیمنٹ کی کارروائیوں کی اشاعت میں جو دقتیں پیدا کی جارہی تھیں وہ بھی خاموشی کے ساتھ ترک کردی گئیں اس ہیئت کے بہت کم تغیرات ایسے ہوئے ہوں گے جو اس خاموشی کے ساتھ عمل میں آگئے ہوں۔ ان کارروائیوں کی اشاعت سے نہ صرف یہ ہوا کہ اپنے انتخاب کنندوں کے ساتھ ارکان کی ذمہ داری میں پائیداری و قوت آگئی بلکہ خود قوم اپنے نمائندوں کے بحث مباحثے میں مدد دینے کے لئے آمادہ ہوگئی۔ عام قوم میں اپنے معاملات کے متعلق ایک تازہ و وسیع دلچسپی پیدا ہوگئی اور ایوانہائے پارلیمنٹ اور مطابع میں

قومی اہمیت کے ہر مسئلے پر بحث ہونے سے ایک نئی سیاسی تعلیم کا دروازہ کھل گیا۔ اس زمانے کے اخباروں نے جس طرح پر ہر قسم کی عام رایوں کو جمع کرنا اور شایع کرنا شروع کیا اس سے معاملات کے انصرام میں ایک قوت پیدا ہوگئی، پارلیمنٹ کے مباحث پر اس کا اثر پڑنے لگا اور یہ رائے عامّہ خود پارلیمنٹ سے زیادہ قوی و مسلسل طور پر حکومت کے افعال کی نگران بن گئی۔ مطابع کی اس نئی حیثیت نے اسے ایسی اہمیت دیدی کہ کبھی پہلے اس سے یہ اہمیت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ انگلستان کے تمام جلیل القدر اخبارات کی ابتدا اسی زمانے سے ہوئی ہے۔ مارننگ کرانکل، مارننگ پوسٹ، مارننگ ہیرلڈ، اور ٹائمز، سب کے سب امریکہ کی لڑائی اور انقلاب فرانس کی جنگ کے شروع ہونے کے درمیان جاری ہوئے تھے۔ اسی کے پہلو بہ پہلو خود اخبار نویسی میں بھی احساس ذمہ داری ولیاقت کا نیا انداز شروع ہوگیا۔ "گرب اسٹریٹ" کے مبتذل گروہ کے بجائے اب اخلاقی قوت اور علمی قابلیت کے صاحبانِ اشاعت پیدا ہوگئے۔ اور کولرج ایسے فلسفی اور کیننگ ایسے مدبر اخبار کے ذریعے سے عام رائے پر اثر ڈالنے لگے۔

جارج سوم وامریکہ

لیکن ابھی یہ اثرات بہت خفیف طور پر محسوس ہونا شروع ہوئے تھے، اور جارج سوم کو اتنی قوت حاصل تھی کہ وہ چیتھم کی حکمتِ عملی کو حقارت کے ساتھ ترک کرکے ایک ایسے تنازع میں پڑ گیا جو مطابع کے مناقشے سے بھی زیادہ تباہی ڈالنے والا تھا۔

گزشتہ چند سال کی کارروائیوں میں اس کے لئے سب سے زیادہ ناگوار کارروائی یہ تھی کہ انگلستان اور اس کے نوآبادیوں میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بادشاہ کے خیال میں اہلِ امریکہ "باغی" ہوچکے تھے اور جس مدبرِ اعظم نے اپنی فصیح البیانی سے ان کے حقوق کو ناقابلِ استرداد ثابت کردیا تھا اسے وہ "صور بغاوت" سمجھتا تھا جارج اپنے وزرا کے نام جو خطوط لکھتا ان میں قانون کاغذات عدالتی کے منسوخ ہونے پر افسوس کیا کرتا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ "تمام لوگ اس امر کو محسوس کرتے ہیں کہ ۱۷۶۶ء کی بیجا رعایت نے اہلِ امریکہ کے ادعائے خودمختاری مطلق کو ترقی دیدی ہے"۔ لیکن خود امریکہ میں اس قانون کی منسوخی کی خبر سے عام مسرت پیدا ہوگئی تھی اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اب ہر قسم کے مناقشے کا خاتمہ ہوگیا ہے پھر بھی ایک طرح کی نخوت وسرگرانی دونوں جانب باقی رہ گئی تھی اس کا مٹانا بڑی دانشمندی کا کام تھا مگر انگلستان کے موجودہ حالاتِ سیاسی میں دانشمندی کا کہیں ذکر بھی نہیں تھا چند ہی مہینے گزرے تھے کہ پھر جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا ۱۷۶۷ء میں جب لارڈ چیتھم بیماری کی وجہ سے کام سے کنارہ کش ہوگیا تو جن نااہل اشخاص نے اس کے نام سے ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا انھوں نے نیویارک کی جمعیتِ ملکی کو اس بنا پر معطل کردیا کہ اس نے انگریزی فوجوں کے لئے قیام کی جگہ مہیا کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی ارادہ کیا کہ امریکہ کے بندرگاہوں پر ایک قلیل مقدار کا محصول درآمد لگاکر

برطانیہ کے حقِ شاہی کو ثابت کرے۔ گورنر سے ایک خفیف سا اختلاف ہوجانے سے میسچوسٹس کی مجلسِ قومی برطرف کردی گئی، اور بوسٹن پر کچھ مدت کے لیئے برطانوی سپاہیوں نے قبضہ کرلیا۔ مگر میسچوسٹس اور ورجینیا کی قانون ساز مجالس کے تعرضات اور اس کے ساتھ ہی آمدنی کی کمی نے وزرا کو ان کی خطرناک روش سے متنبہ کردیا اور ۱۷۶۹ء میں فوجیں واپس بلالی گئیں اور ایک کے سوا باقی تمام محصول برطرف کردیئے گئے۔ مگر بادشاہ کو اصرار تھا کہ چائے کا محصول ضرور قائم رہے، اور اس کا قائم رہنا ہی اس امر کے لیئے کافی تھا کہ دلوں میں پوری صفائی نہ ہو۔ قریب قریب ہر ایک نوآبادی میں تاج کے مقرر کردہ گورنروں اور عام مجالسِ ملکی کے درمیان معمولی اختلاف کا سلسلہ جاری تھا اور نوآبادی کے باشندے اپنی اس قرارداد پر مصر تھے کہ وہ برطانیہ کا مال اپنے ملک میں نہ آنے دیں گے۔ تاہم اس وقت تک سخت مخاصمت کے آثار ہویدا نہیں ہوئے تھے۔ امریکہ میں جارج واشنگٹن کے اثر نے ورجینیا کے برہمی کو فرو کردیا تھا۔ میسچوسٹس صرف اپنے گورنر سے مخالفت کرنے اور تاقیامِ محصول چائے کی خریداری سے انکار کرنے پر قانع تھی۔ انگلستان میں گرنویل اگرچہ محصول زیرِ بحث کے قائم رکھنے کا مؤید تھا مگر مزید محصول لگانے کا خیال اس نے بھی ترک کردیا تھا

بادشاہ کی وزارت

لیکن اب بادشاہ سب پر غالب آگیا تھا۔ ۱۷۷۰ء میں چیتھم کے حملے سے وزارت بالکل ہی تباہ ہوچکی تھی چیتھم کے رفقا میں سے جو لوگ اب تک وزارت کا ساتھ دے رہے تھے

وہ بھی اب اس سے الگ ہوگئے تھے۔ اور انکے بعد ڈیوک گریفٹن
نے بھی وزارت کا ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف بڈفرڈ کے ساتھی اور بادشاہ
کے فرماں بردار اشخاص باقی رہ گئے تھے۔ انہیں لوگوں کو سابق
وزیر خزانہ لارڈ نارتھ کے تحت میں جمع کرکے ایک وزارت مرتب
کی گئی مگر یہ وزارت درحقیقت ایک ٹٹی تھی جس کے اوٹ میں
جارج خود ہی تمام معاملاتِ ملکی کو سرانجام دینا چاہتا تھا۔ ایک
باخبر مبصر نے ہمیں بتاتا ہے کہ "بادشاہ نہ صرف تمام اندرونی و بیرونی
اہم معاملات میں وزیر کو ہدایت کرتا تھا بلکہ پارلیمنٹ کے مباحث
کے انتظام کے بھی متعلق اسے ہدایت دیتا، اور یہ بتاتا تھا کہ کس
تحریک کی تائید اور کس تحریک کی مخالفت کی جائے۔ اور کارروائیوں
کو کیونکر انجام کو پہنچایا جائے۔ اس نے ہر قسم کی سرپرستی عطائے خطابات کو
اپنے لئے مخصوص کرلیا تھا، وزرائے سلطنت، عمالِ قانونی،
محلِ شاہی کے ارکان سب کے دعاوی اور تعلقاتِ باہمی کا
وہ خود تصفیہ کرتا تھا، وہ خود ہی انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے ججوں کو
نامزد کرتا اور انہیں ترقی دیتا تھا، اساقفہ و منتظمانِ کلیسا کو نصب کرتا اور
کلیسا کی اور جگہوں پہ بھی خود ہی تقرر عمل میں لاتا تھا۔ وہ جسے چاہتا
خطاب، اعزاز، وظیفہ دیتا اور جسے چاہتا نہ دیتا"۔ اس تمام وسیع سرپرستی
سے برابر یہ کام لیا جارہا تھا کہ ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ میں ایک
ایسی کثرت موجود رہے جسکی باگ خود بادشاہ کے ہاتھ میں ہو، اور
اس قسم کے غلبے کا وزن و اثر ان کاموں سے ظاہر ہوگیا جو برابر اس
سے لیا جاتا رہا۔ لارڈ نارتھ کی برائے نام وزارت جس درجے مطیع و منقاد

ہوگئی تھی اس سے بادشاہ کا اثر اور بھی زیادہ صاف طور پر نظر آتا تھا۔ درحقیقت ۱۷۷۰ء سے لیکر جنگِ امریکہ کے اختتام تک اس وزارت کے بارہ برس کے قیام میں جارج خود ہی اپنا وزیر تھا اور انگلستان کی تاریخ کے نازک ترین زمانے کا الزام اسی کے سر ہے۔

بوسٹن کی شورش ہنگامے

جارج کا مصمم عزم تھا کہ موقع ملتے ہی "۱۷۶۶ء کی مہلک رعایت" کو پلٹ دے۔ وہ جس حیلے کی تلاش میں تھا وہ ایک خفیف سی شورش سے ہاتھ آگیا۔ دسمبر ۱۷۷۳ء میں چائے سے بھرے ہوئے چند انگریزی جہازوں کے آنے سے بوسٹن میں بھی برہمی پیدا ہوگئی کیونکہ وہاں عدمِ درآمد کی قرارداد پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا تھا۔ امریکہ کے قدیمی باشندوں کا بھیس بدل کر ایک غول جہازوں پر چڑھ گیا اور تمام مال نکال کر سمندر میں پھینک دیا۔ اس زیادتی پر انگلستان کے ان لوگوں نے بھی افسوس کیا جو امریکہ کے دوست تھے، اور خود امریکہ کے سربرآوردہ مدبروں نے بھی اظہارِ تاسف کیا، اور واشنگٹن اور چیتھم دونوں اس امر پر تیار تھے کہ تلافی کے مطالبہ میں حکومت کی تائید کریں۔ لیکن بادشاہ کا خیال تلافی کا نہیں بلکہ تدارک کا تھا اور اس نے لارڈ نارتھ اور اس کے شریک کار وزرا کی مصالحت آمیز تجویزوں کو یکقلم خارج کردیا۔ میسچوسٹس کی مجلس ملکی نے دو سرکاری عہدہ داروں کی برطرفی کی درخواست دی تھی جنہوں نے بذریعۂ خطوط انگلستان

کو یہ مشورہ دیا تھا کہ نوآبادیوں کے آزادانہ انتظامات واپس لے لیئے جائیں۔وزرائے انگلستان اس درخواست کو مہمل وگستاخانہ قرار دیکر پہلے ہی خارج کرچکے تھے اب اس شورش سے انہیں سخت کارروائیاں اختیار کرنے کا ایک حیلہ ہاتھ آگیا۔ اوائل ۱۷۷۴ء میں پارلیمنٹ میں ایک مسودۂ قانون پیش ہوا کہ بوسٹن کے بندرگاہ کو ہر قسم کی تجارت کے لئے بند کرکے اسے سزا دی جائے۔ دوسرے قانون کی روسے سلطنت میسیچوسٹس کو یہ سزا دی گئی کہ اس کی وہ آزادی واپس لے لی گئی "جو آبائے زائرین" کے اس زمین پر قدم رکھنے کے وقت سے اسے حاصل تھی۔ اس کا فرمانِ شاہی بدل دیا گیا۔اس کی مجلس کا انتخاب رعایا کے ہاتھ سے نکال کر بادشاہ کو دیدیا گیا اور اس کے ججوں کا تقرر گورنر کو تفویض کردیا گیا۔ ان سب سے زیادہ اشتعال انگیز کارروائی یہ کی گئی کہ گورنر کو یہ اختیار دیا گیا کہ جن لوگوں پر گزشتہ ہنگاموں کی شرکت کا الزام ہے ان سب کو بغرض تحقیقات انگلستان روانہ کرے۔ ان جابرانہ احکام کی تعمیل کے لئے فوجیں امریکہ کو روانہ کی گئیں اور امریکہ کا سپہ سالار اعظم جنرل گیج، میسیچوسٹس کا گورنر مقرر کردیا گیا۔اپنے توقعات کے پورے ہونے کے خیال سے بادشاہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ اس نے بڑی شان سے اپنے وزیر کو لکھا تھا کہ "اب پانسہ پڑگیا ہے، نوآبادیاں یا غالب آجائیں گی یا مطیع ہوجائینگی"

اہلِ امریکہ کے حواس درست کرنے کے لیے چار رجمنٹیں کافی خیال کی گئی تھیں۔ بادشاہ کے فیصلہ کن الفاظ یہ تھے کہ "جب تک ہم بکرے بنے رہیں گے وہ شیر بنے ہوے ہیں، اگر ہم عزم و استقلال سے کام لیں تو پھر کوئی شک نہیں کہ وہ حلیم بنجائیں گے" مگر بدقسمتی سے میسچوسٹس نے اس وار کو روکنے میں حلم و بزدلی سے ذرا بھی کام نہیں لیا۔ مختلف ریاستوں کی باہمی رقابتوں کو اس احساس نے بالکل فنا کردیا کہ سب کی آزادیاں معرضِ خطر میں آیا چاہتی ہیں اگر برطانوی پارلیمنٹ میسچوسٹس کی سندشاہی کو منسوخ اور بوسٹن کی تجارت کو برباد کرسکتی ہے تو پھر وہ ہر ایک نوآبادی کی سندشاہی کو منسوخ اور سنٹ لارنس سے جارجیا تک کے ہر ایک بندرگاہ کی تجارت کو تباہ و برباد کرسکتی ہے اس لئے سب نے میسچوسٹس کے معاملے کو اپنا سمجھا اور جارجیا کے علاوہ باقی تمام نوآبادیوں نے اپنے نمایندے اس کانگرس میں روانہ کئے جو فلڈلفیا میں ۴ ستمبر کو جمع ہوئی۔ میسچوسٹس نے اس سے بھی زیادہ دلیرانہ کارروائی یہ کی کہ اس کا کوئی باشندہ جدید قوانین کی تائید نہ کرے۔ گورنر کے علی الرغم اس کی مجلس ملکی نے اپنا اجلاس منعقد کرکے ملک کی فوجِ محافظ کو طلب کیا اور اس کے لئے ہتیار و سامان مہیا کئے۔ لیکن اب بھی مصالحتِ باہمی کا

موقع حاصل تھا، کانگرس، کی تجویزیں حدِ اعتدال کے اندر تھیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ جن ریاستوں نے اپنے نمائندے بھیجے تھے ان میں ورجینیا سب سے زیادہ دولت مند اور سب سے زیادہ صاحبِ اثر ریاست تھی اور وہ اگرچہ نئی حکومت کی کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے آمادہ تھی مگر وہ اب بھی برطانیہ سے تعلق قائم رکھنے پر مصر تھی۔ خود انگلستان میں لندن و برسٹل کے سوداگروں نے بڑے زور شور کے ساتھ مصالحت پر زور دیا اور جنوری ۱۷۷۵ء میں چیتھم پھر ایک مرتبہ اس جنگ وجدل کے ٹالنے کے لئے پارلیمنٹ میں نمودار ہوا۔ اس نے اپنی طبعی وسیع النظری سے تمام ادھوری کارروائیوں اور مصالحت کی ناکمل تجویزوں کو پس پشت ڈال کر اس امر پر اصرار کیا کہ "ایک ٹکڑے کاغذ کے منسوخ کردینے سے تم امریکہ کو اپنا نہیں بناسکتے، بلکہ تمہیں چاہئے کہ تم اس کے اندیشوں اور اس کی نفرتوں کا پورا پورا پاس ولحاظ کرو۔" فرینکلن کی رفاقت سے اس نے جو مسودۂ قانون پیش کیا اس میں تجویز کی گئی تھی کہ پچھلے قوانین منسوخ کردیئے جائیں، نوآبادیوں کو ان کی شاہی سندوں کی طرف سے مطمئن کردیا جائے، محصول عاید کرنے کے حقوق کو ترک کیا جائے اور فوجیں واپس بلالی جائیں۔ سرکاری قرضے میں امریکہ کی شرکت اور اس کی ادائی کے انتظام کے لئے نوآبادی کی ایک مجلسِ ملکی کا اجتماع تجویز ہوا تھا۔

امریکہ کی خود مختاری

دارالامرا نے پیٹھم کی تجویز کو حقارت کے ساتھ مسترد کردیا۔ برک نے ایک اسی قسم کی تجویز دارالعوام میں پیش کی تھی اُسکا بھی یہی حشر ہوا باشندگانِ لندن نے نوآبادیوں کی حمایت میں بادشاہ کے حضور میں درخواست دی اسے بادشاہ نے نامنظور کردیا۔ مصالحت کی ان کوششوں کے اس طرح بیکار ہو جانے کے بعد اُس عظیم جدوجہد کا آغاز ہوا جسکا انجام آٹھ برس بعد یہ ہوا کہ امریکہ کی نوآبادیاں تاجِ برطانیہ سے علٰحدہ ہوگئیں نوآبادیوں کی قانون ساز مجالس کے نمائندوں نے ایک کانگرس میں جمع ہوکر فوراً ہی عام محافظت کی تجویزیں قرار دیں، فوج کے بھرتی کئے جانے کا حکم دیا اور جارج واشنگٹن کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ کبھی کسی قوم کے موت وحیات کی کشمکش کے موقع پر

جارج واشنگٹن

واشنگٹن سے زیادہ شریف الطبع شخص کو ایسا تقدم حاصل نہیں ہوا تھا۔ وہ سنجیدگی و اخلاق کے ساتھ گفتگو کرتا تھا، اس کے عادات واطلاق سادے اور تصنّع سے پاک تھے، اس کی خاموشی اور باوقار سکوت سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی طبیعت پر پورا قابو رکھتا ہے مگر اسکی ظاہری حالت سے اس باطنی عظمت کا کچھ بھی پتہ نہیں چلتا تھا جسنے اسے اپنے گرد پیش کے ادنیٰ خیالات اور ذلیل جذبات سے اعلیٰ و ارفع بنا دیا تھا اور اس میں قدما کا سا جلال و وقار پیدا کردیا تھا۔ فوج کی سپہ سالاری کے لیئے جس وجہ سے اسپر نظریں پڑیں وہ صرف یہ تھی کہ ورجینیا کے زمینداروں میں اسکا پایہ بہت بلند تھا، اور فرانسیسوں اور قدیم باشندگانِ امریکہ کی سرحدی لڑائیوں میں اسے جنگ کا بھی تجربہ حاصل ہوگیا تھا،

قلعۂ ڈیوکین کے خلاف بریڈک کی ناکام مہم میں بھی اسنے حصّہ لیا تھا۔ نوآبادکاروں کو اپنے اس سرگروہ کے اوصاف اس عاجز کردینے والی جنگ کے دوران میں آہستہ آہستہ کرکے معلوم ہوے اُسکی عظمت، اسکی اصابت رائے، اسکی دلیرانہ برداشت شدائد، خطرے وشکست کے وقت اسکا سکون و وقار انتظار کے موقع پر اسکا صبر، حملے کے وقت اسکی تیزی و تندی، اپنے فرض کا اعلیٰ باوقعت احساس جس پر نفرت وحسد کسی کا اثر نہ پڑتا ہو اور جو جنگ وصلح کسی زمانے میں بھی ذلیل خواہشات سے مغلوب نہوتا ہو اور جسکی کوئی اورغرض اسکے سوا نہو کہ اہلِ ملک کی آزادی کی حفاظت وحمایت کیجائے اور جب یہ آزادی حاصل ہوجائے تو وہ اپنے گھر کو واپس چلا جائے۔ یہ سب واشنگٹن کے وہ اوصاف تھے جنکا علم دورانِ جنگ میں ہوا۔ واشنگٹن پر اسکے اہلِ ملک کو جو اعتماد ویقین پیدا ہوگیا تھا، بہت کم کسی پر ایسا اعتماد ہوا ہوگا اور اسوقت تک اسکی عظمت کی یاد ہمارے دلوں سے دوسروں کی عظمت کا خیال مٹادیتی ہے۔ مگر واشنگٹن کے ساتھ اس کے اہلِ ملک کی یہ وابستگی بالکل غیرارادی طور پر پیدا ہوگئی تھی۔ درحقیقت امریکہ نے بھی اس شخص کی اصلی عظمت کو "جو جنگ میں سب سے اول، صلح میں سب سے اول، اور اپنے اہلِ ملک کے دلوں میں سب سے اول تھا" اسوقت تک کما حقہ نہیں سمجھا تھا جبتک کہ موت نے اسے ہمیشہ کے لیے ان سے جدا نہیں کردیا۔ ورجینیا کے زمیندار اپنے وطنِ اصلی (انگلستان) سے رابطہ قائم رکھنے کے

جس درجہ مشتاق تھے اس میں واشنگٹن سب سے بڑھا ہوا تھا اسلئے اسکے سپہ سالاری کے قبول کر لینے نے یہ ثابت کردیا کہ اب نہایت ہی اعتدال پسند لوگوں کے دلوں میں بھی ہتیار اُٹھانے کے سوا اور کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس جنگ کی ابتدا مقام لکسنگٹن میں انگریزی فوج کی ایک جماعت اور فوج محافظ کے ایک دستے کے درمیان ایک خفیف سی جھڑپ ہوی، اور چند روز کے اندر بیس ہزار آبادکار بوسٹن کے سامنے جمع ہو گئے۔ کانگرس پھر جمع ہوی اور جن ریاستوں کی وہ نمائندگی کرتی انھیں "نوآبادیات متحدہ امریکہ" قرار دیکر حکومت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس اثنا میں دس ہزار اور نئی (انگریزی) فوج بوسٹن میں اتری مگر ریاست کی فوج محافظ نے زمین کے اس تنگ حصّے پر قبضہ کرلیا جو شہر کو اصل سرزمین سے ملاتا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ بنکرزہل سے (جسکا اثر شہر پر پڑتا تھا) ہٹا دیئے گئے مگر انھوں نے اس جانبازی و پامردی سے مقابلہ کیا کہ نوآبادی والوں پر بزدلی کا جو الزام لگایا جاتا تھا وہ مٹ گیا۔ جسوقت حملہ آور حیران و ششدر ہوکر پہاڑی سے ہٹے ہیں تو ان لوگوں نے شور مچانا شروع کیا کہ "کیوں امریکہ والے بزدل ہیں"۔ لیکن ان کی ہمّت وجرأت کا زیادہ صحیح اظہار اسوقت ہوا جب واشنگٹن کے نئے سپاہیوں نے جنکی تعداد سولہ ہزار سے گھٹ کر دس ہزار رہگئی تھی اور جنکے پاس نہ کھانے کا کافی سامان تھا اور نہ ہتیار درست تھے یہانتک کہ ہر شخص کے پاس صرف پینتالیس فیروں کے لائق گولی بارود تھی، دس ہزار آزمودہ کار سپاہیوں کی فوج کو جاڑے بھر بوسٹن کے

جنگ کی ابتدا، اپریل ۱۷۷۵ء

۱۷ جون

سامنے روکے رکھا اور ۱۷۷۶ء کے موسم بہار میں اس فوج کو بوسٹن سے نیویارک کیطرف ہٹنے پر مجبور کردیا، جہاں سپہ سالار ہو کے تحت میں تمام برطانوی فوج مجتمع تھی اور جسمیں جرمنی کے اجیر سپاہیونکی بھی بہت بڑی تعداد شامل ہوگئی تھی۔اسی اثنا میں امریکی سپہ سالار آرنلڈ کی ایک یورش نے برطانوی فوج کو کناڈا سے تقریباً بالکل ہی خارج کردیا تھا اور اگرچہ کوئے بیک کے سامنے پہنچکر اسکی سعی بیکار ہوگئی مگر اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ مصالحت کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہوگیا ہے۔جنوب کی نوآبادیاں سب سے آخر میں اس اتحاد میں شریک ہوی تھیں مگر انھوں نے بھی ۱۷۷۵ء کے ختم ہوتے ہوتے اپنے گورنروں کو نکال دیا۔دوسرے سال کے شروع ہوتے ہی میسیچوسٹس نے اپنے نمائندوں کو یہ ہدایت کی کہ نوآبادیوں اور شاہی حکومت کے درمیان کامل قطع تعلقات کی تائید کریں اور اسکے ساتھ ہی قوانین جہازرانی کے برخلاف امریکہ کی بندرگاہ تمام دنیا کی تجارت کے لئے کھول دیگئی۔ان قطعی کارروائیوں کے بعد وہ عظیم الشان کام عمل میں آیا جس سے امریکہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے یعنی ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کو نمائندوں نے کانگرس کے اجلاس میں "اعلانِ خود مختاری" کا تصفیہ کردیا۔اس اعلان کے وقیع الفاظ یہ تھے کہ ہم "ہم نمائندگانِ ممالکِ متحدہ امریکہ جو اس کانگرس میں جمع ہوئے ہیں دنیا کے انصاف کرنیوالے خدائے عزوجل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ارادوں میں، صداقت و استقامت عطا فرمائے۔ اسکے بعد ہم باقاعدہ یہ اعلان

و اعلام کرتے ہیں کہ یہ متحدہ نوآبادیاں آزاد و خودمختار ممالک ہیں اور انہیں اسکا حق حاصل ہے"

چیٹھم کی موت

نوآبادی والونکی اس ابتدائی کامیابی کے بعد انھیں بہت جلد مصیبتوں اور شکستوں سے سامنا پڑا، ہو ایک متعد سپہ سالار تھا اور ایک شائستہ فوج اسکے ساتھ تھی، اپنے اگست میں بروکلن کی فتح سے لانگ ائیلینڈ کو صاف کرد۔ واشنگٹن کی فوج متواتر بازگشت اور شکست سے کمزور ہوکر جس ریاست میں خیمہ زن تھی وہاں کے وفادارانہ انداز سے بددل ہوگئی تھی اسی لئے مجبوراً اسے نیویارک اور نیوجرزی کو خالی کردینا پڑا۔ وہ پہلے ہڈسن اور بعد ازاں ڈیلاویر کی طرف ہٹی۔ کانگرس، فلاڈلفیا سے فرار ہونے پر تیار ہوگئی، اور عام مایوسی میں ہر طرف صلح کا شور مچ گیا۔ مگر واشنگٹن نے پورے انتظام کے ساتھ ایک اچانک حملہ کردیا، اور بڑی بہادری کے ساتھ ہو کی فوج کے پیچھے پیچھے چل نکلا۔ اسکی اس کارروائی سے اس کے سپاہیوں کی ہمتیں پھر بلند ہوگئیں اور اب انگریزی سپہ سالار کو اپنی باری میں نیویارک کی طرف ہٹنا پڑا۔ ۱۷۷۷ء کی مہم کا آغاز اس متفقہ کوشش کے ساتھ ہوا تھا کہ یہ بغاوت بالکل فرو کردیجائے، سپہ سالار برگوائن کے تحت میں جو فوج کناڈا میں جمع ہوئی تھی وہ جھیلوں کے راستے سے بڑھی تاکہ ہڈسن کے راستے پر قبضہ کرلے اور نیویارک کی فوج سے ملکر نیوانگلینڈ کو دوسرے صوبوں سے منقطع کردے۔ اس اثنا میں ہو بذریعۂ جہازات چیساپیک سے روانہ ہوا اور فلیڈلفیا کیطرف بڑھا جو ممالک متحدہ کا عارضی دارالصدر

اور کانگرس کا مستقر تھا۔ واشنگٹن نے اپنی سات ہزار کی مختصر فوج
کے برانڈی وائن میں منہزم ہوجانے سے مجبور ہوکر فلیڈلفیا کو
چھوڑ دیا اور فاتحوں پر ایک دلیرانہ مگر ناکام حملہ کرنے کے بعد
دریائے شوئلکل کے کناروں پر اپنے سرمائی لشکرگاہ میں چلا گیا۔
یہاں پہنچکر اس نے اپنی اس شکست خوردہ اور فاقہ کش فوج میں
ایسی روح پھونک دی کہ اسنے فاتحانہ عزم کے ساتھ ہو کی فوج
کا اس کے قیام گاہ ویلی فورج میں مقابلہ کیا۔ واشنگٹن کے کارناموں میں
یہ سب سے درخشندہ کارنامہ ہے۔ مگر شمال میں جنگ نے کچھ اور
ہی رنگ اختیار کیا تھا۔ برگوائن جب بالائی ہڈسن پر پہنچا، تو اسنے
دیکھا کہ امریکہ کی فوج جنرل گیٹس کے تحت میں آلبنی کی سڑک
کو روکے ہوئے ہے۔ جنگ جب نیوانگلینڈ کی سرحد سے دور ہوگئی
تو وہاں کے لوگوں میں سستی پیدا ہوگئی تھی۔ مگر اب اس حملے کی
خبر اور امریکہ کے ان باشندوں کی زیادتیوں سے جنہیں برگوائن
نے اپنی فوج میں شامل کرلیا تھا، نیوانگلینڈ کا جوش پھر تازہ ہوگیا۔
اسکی فوجِ محافظ کے لوگ اپنے قصبوں اور دیہاتوں سے نکل نکل
لشکرگاہ میں پہنچنے لگے اور امریکہ کی صفوں پر ایک ہلکا حملہ کرنیکے
بعد برگوائن خود سارا ٹوگا کی بلندیوں پر گھر گیا اور ۱۷ اکتوبر کو اسے سارا ٹوگا
مجبور ہوکر اطاعت قبول کرلینا پڑی۔ عین اس زمانے میں چیتھم صلح کیلئے
زور دے رہا تھا۔ اب اس مصیبتناک خبر نے اس کے الفاظ میں اور جان ڈالدی
لوگ جس وقت ہو کی کامیابیوں کا راگ گا رہے تھے اسی زمانے میں
اسنے کہدیا تھا کہ "تم امریکہ کو فتح نہیں کرسکتے۔ اگر میں انگریز ہونیکے

بجائے امریکی ہوتا اور کوئی غیر ملکی فوج میرے ملک میں وارد ہوجاتی تو یہ قطعاً محال تھا کہ میں ہتھیار رکھدیتا، ایسا ہونا کیطرح ممکن ہی نہیں تھا۔" اس کے بعد اپنے غضب وجوش میں آکر گرجتی ہوئی آواز میں اس امر پر اعتراض کیا کہ امریکہ کے قدیمی باشندوں کو انگلستان کا رفیق بناکر ان کے چہروں سے انگلستان کے بچوں کو ذبح کیا جارہا ہے چیتھم نے جو تجویزیں پیش کیں وہ اگر اسی کے ہاتھ سے انجام پاتیں تو امریکہ اور انگلستان ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہجاتے۔ اسکی تجویز یہ تھی کہ پوری صفائی ہوکر برطانیہ عظمی اور نوآبادیوں کے درمیان ایک ایسا اتفاقِ باہمی قائم ہونا چاہیئے جس سے نوآبادیوں کو اپنی حکومت کے تمام اندرونی معاملات میں کامل آزادی حاصل ہو اور صرف محبت و وفاداری کے رشتے سے وہ عام شہنشاہی کے ساتھ وابستہ رہیں۔ لیکن اس تجویز کا بھی وہی حشر ہوا جو اس کی اگلی تجویزوں کا ہوچکا تھا۔ اسکے مسترد ہونیکے بعد ہی سارا ٹوگا کے واقعہ کی خبر آئی اور اس سے بھی زیادہ اس خبر سے پریشانی ہوگئی کہ اس تباہی نے شاہانِ بوربن کو اس امر پر آمادہ کردیا ہے کہ وہ جنگ ہفت سالہ کی ذلت کا انتقام لیں۔ فروری ۱۷۷۸ء میں فرانس نے ممالک امریکہ سے اتحاد کرلیا۔ لارڈ نارتھ نے اس کا توڑ یہ کرنا چاہا کہ مصالحت کے لیئے جدید شرطیں پیش کیں اور یہ اقرار کیا کہ نوآبادیوں پر براہِ راست محصول لگانے کا حق ہمیشہ کے لیئے ترک کردیا جائے گا۔ مگر اسے جلد معلوم ہوگیا کہ اب مصالحت کا وقت گزر گیا ہے اور اسکے ساتھ ہی امریکہ کو

چیتھم کے تجاویز

بزور شمشیر مطیع کرنے کی بھی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ البتہ جارج جنگ کے لئے بدستور مصر تھا اور فرانس کے حملے سے مشتعل ہوکر ملک بھی بادشاہ کا ہمخیال ہوگیا تھا، مگر جارج سوم کے برخلاف ملک میں بالطبع یہ بھی احساس موجود تھا کہ نوآبادیوں کی دوستی کے اب بھی قائم رکھنے اور شاہانِ بوربن کی کوششوں کو ناکام رکھنے کی توقع اگر کسی سے ہوسکتی ہے تو وہ لارڈ چیتھم ہے، اور بادشاہ کی مخالفت کے باوجود تمام ملک کی متفقہ آواز نے اسے پھر صاحب اقتدار کردیا۔ لیکن عہدے پر آنے کے بعد ہی اسکی موت نے اس آخری موقع کا خاتمہ کردیا۔ ارل بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے اسقدر کمزور ہوگیا تھا کہ لوگ اسے اٹھاکر دارالامرا میں لے گئے اور اسنے امریکہ کے چھوڑدینے کی تجویز کے خلاف چند منتشر جملوں میں اعتراض کیا۔ اسنے آہستہ آہستہ یہ کہا کہ "مجھے حسرت ہے کہ میں اس قدیم و موقر سلطنت کے ٹکرے ٹکرے کرنے کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کے لیئے اسوقت تک زندہ ہوں اعلیحضرت ایک شہنشاہی کے وارث ہوے تھے جو اپنی بے داغ شہرت کی طرح اپنی وسعت میں بھی بے مثل تھی۔ ستره برس قبل اس قوم سے تمام دنیا لرزتی تھی" اس نے ڈیوک رچمنڈ کے جواب کو بےصبری کے ساتھ سنا اور پھر خود جواب دینے کے لیئے کھڑا ہوا، مگر وہ ابھی پوری طرح کھڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ اسنے اپنے ہاتھ سے اپنے دل کو پکڑلیا اور غش کھاکر گرپڑا۔ لوگ اسے اٹھاکر گھر لے گئے اور اسکے بعد ہی اسکا انتقال ہوگیا۔

۷۔ اپریل

رفتار جنگ

چیتھم کے انتقال کے بعد ہی انگلستان ایسی کشمکش میں پھنس گیا

کہ اسکے دشمنوں کا حلقہ یوماً فیوماً بڑھتا گیا یہانتک کہ وہ دنیا میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ ۱۷۷۸ء کے اختتام کے قریب اسپین بھی اسکے خلاف فرانس و امریکہ کا شریک ہوگیا، اور دوسرے سال ان دونوں طاقتوں کا متحدہ بیڑہ رودبارِ انگلستان کا مالک بن گیا یہانتک کہ خود انگلستان کے ساحل پر حملے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ لیکن چیتھم اگرچہ انتقال کرگیا تھا مگر اسکی آواز نے انگلستان میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اسکی زبان سے آخری الفاظ یہ نکلے تھے کہ "کیا ہم شاہانِ بوربن کے سامنے سربسجود ہوجائینگے"۔ امریکہ کی مخاصمت کے دوران میں قوم میں جو تفریق پیدا ہوگئی تھی وہ خود اپنی ہستی کو خطرے میں دیکھکر بالکل مٹ گئی اور قوم کی آمادگی و مستعدی نے وزارت کی کمزوری کی تلافی کردی۔ ۱۷۷۹ء سے ۱۷۸۲ء تک تین برس جنرل الیٹ نے گولہ باری و قحط کے مقابلے میں جبرالٹر کے کوہی قلعہ کو محفوظ رکھا، حق تلاشی کے متعلق اختلافات پیدا ہوجانے سے ہالینڈ اور شمال کی سلطنتوں نے انگلستان کے متعلق مسلح غیر جانبداری کی روش اختیار کرلی، اور اس طرح حملہ آوروں میں ہالینڈ کے بیڑے کا بھی اضافہ ہوگیا مگر بااین ہمہ انگلستان نے سمندر پر اپنی حیثیت کو برقرار رکھا۔ خود امریکہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کی حالت پلٹا کھایا چاہتی ہے۔ برگوائن کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد انگریزی سپہ سالار پنسلوینیا سے ہٹ آئے، اور انھوں نے اپنی تمام کوششوں کا رخ شمال کی طرف پھیر دیا جہاں اب بھی ایک زبردست شاہی فریق موجود تھا۔ مگر سپہ سالار گرین کی شدید مقاومت کے سامنے چارلس ٹاون کی تسخیر اور لارڈ کارنوالس کی

سنہ ۱۷۸۰ء کی کامیابیاں سب بیکار ہوگئیں لیکن اسکے ساتھ ہی مالی دقتوں نے ریاستوں کو بھی کمزور کردیا تھا اور فرانس کی امداد کی توقعات نے ان میں سستی پیدا کردی تھی۔اس اثنا میں مشرق میں انگلستان نئے فتوحات حاصل کرتا جارہا تھا۔

انگلستان و ہندوستان

جنگ پلاسی کے وقت سے ہندوستان روز بروز اس تجارتی کمپنی کے ہاتھ میں آتا جاتا تھا۔جسکے پاس اس جنگ کے قبل اس ملک کے ساحل پر صرف چند معمولی کوٹھیاں تھیں۔ سنہ ۱۷۵۷ء کی فتح نے بنگال کو کلائیو کے قدموں کے نیچے ڈالدیا تھا، اسکے بعد سنہ ۱۷۶۰ء میں وانڈیواش میں سپہ سالار کوٹ نے پانڈیچری کے فرانسیسی گورنر لالی کو شکست دیکر جنوبی ہند پر برطانیہ کی فوقیت قائم کردی۔فتح کے بعد بہت جلد انتظام کا کام بھی شروع ہوگیا، کیونکہ ان قلم سے کام لینے والے تاجروں کے اسطرح بر سر حکومت آجانے سے صوبۂ بنگال جلد جلد تباہ ہوتا جارہا تھا۔اور اگرچہ فتح کی غنیمتوں سے خود کلائیو نے سب سے فائدہ اُٹھایا تھا مگر اسنے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ حرص وطمع کو چھوڑ کر حکومت کی ذمہ داریوں کا خیال کیا جائے۔سنہ ۱۷۶۵ء میں وہ ہندوستان کو واپس آیا اور اس کی دو برس کی حکومت کا زمانہ اُسکی زندگی کا سب سے زیادہ تابناک زمانہ ہے۔تمام اہلِ دفتر کی مخالفت اور تمام فوج کی بغاوت کے باوجود اسنے کمپنی کے ملازموں کی ذاتی تجارت کو بند کردیا، اور انھیں باشندگان ملک سے تحائف کے قبول کرنے کی ممانعت کردی۔ کلائیو نے جس شخص کو

بنگال کا حکمراں بنا دیا تھا اسنے کلائیو کے لئے جو کچھ وصیت کی تھی، کلائیو نے اسے عوام کے فائدے کے لیئے وقف کردیا اور اس طرح اسنے بے غرضی کی ایک مثال قائم کردی وہ جس حالت سے گیا تھا اس سے بدتر حالت کے ساتھ انگلستان کو واپس آیا اور یہاں آکر اسے ان لوگوں کے طوفانِ مخالفت سے سابقہ پڑا جو ہندوستان کی ان خرابیوں سے نفع حاصل کررہے تھے لیکن اس نے حکومتِ بنگال کی ابتریوں کی ایسی صاف وصریح مذمت کی کہ لارڈ نارتھ ایسا شخص بھی مداخلت پر آمادہ ہوگیا، اور جب کمپنی کی مالی مشکلات نے اسے حکومت سے طلبِ امداد پرمجبور کیا تو یہ مدد اسے اس شرط سے دیگئی کہ انتظام میں اصلاحات کئے جائیں ۱۷۷۳ء قانون نظم وترتیب Regulating Act کی روسے ہندوستان کے تمام برطانوی مقبوضات کے لیئے ایک گورنر جنرل اور ایک عدالتِ عالیہ قائم کی گئی۔ کاؤنسل (مجلس حکومت) کے ارکین اور جج تجارت سے روک دیئے گئے اور انھیں باشندگانِ ملک سے تحفوں کے قبول کرنے کی بھی ممانعت کردیگئی، اس کے ساتھ ہی یہ حکم دیا گیا کہ ڈائرکٹروں کی ہر کارروائی کی اطلاع حکومت کو دیجائے اور حکومت کو اسے منظور یا نامنظور کرنے کا اختیار ہو رعایائے ہند کے متعلق جو نئی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس ملک کے انتظام کے جملہ معاملات کی تحقیقات کے لیئے دارالعوام کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی، خود کلائیو کے ابتدائی کاموں کی بھی بلارو و رعایت جانچ کی گئی ۔ اسنے دارالعوام میں بہت

ناگواری کے ساتھ یہ شکایت کی کہ بیرن پلاسی ہوکر اسکے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جیسے ایک چرواہے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے بھی ان تجویزوں کی منظوری پر اثر نہ پڑا جنیں ہندوستان کی اس زمانے کی رشوت خواری و دغابازی پر ملامت کیگئی تھی۔ لیکن اس حد پر پہنچکر دارالامرا کا انصاف ختم ہوگیا، حکومت ہند کی بداعمالیوں پر ملامت کرنے کے بعد جب خود کلائیو کی نوبت آئی تو ان الزام لگانے والوں کے دلوں میں اسکے عظیم الشان کاموں کی یاد تازہ ہوگئی اور دارالعوام نے باتفاق عام یہ تجویز منظور کی کہ "اسکے ساتھ ہی رابرٹ لارڈ کلائیو نے اپنے ملک کی بہت اہم و قابل قدر خدمات انجام دیئے ہیں"۔

وارن ہیسٹنگز

وارن ہیسٹنگز ۱۷۷۳ء کے قانون کے بموجب بنگال کا گورنر جنرل ہوا اور دوسرے صوبوں پر بھی اسے نگرانی کا اختیار دیا گیا۔ ہیسٹنگز ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوا تھا مگر یہ خاندان مدت سے فلاکت میں مبتلا تھا اور اس غریب کی وجہ سے ہیسٹنگز لڑکپن ہی میں کمپنی کا محرر ہوگیا تھا۔ کلائیو نے اپنی مردم شناسی سے اسکی قابلیت کو دیکھکر جنگ پلاسی کے بعد ہی اسے سیاسی کاموں میں لگالیا۔ اس جنگ کی ابتری کے زمانے میں اسنے جس انتظامی قابلیت کا ثبوت دیا، اس سے وہ قدم بقدم ترقی کرتا ہوا گورنر بنگال کے منصب تک پہنچ گیا۔ انگلستان کی حکومت نے کام کی وسعت واہمیت کو سمجھے بغیر جو نیا عہدہ قائم کردیا تھا اس کے لیئے کوئی شخص ہیسٹنگز سے زیادہ موزوں نہیں

ہوسکتا تھا۔ ہیسٹنگز میں فطرت نے نگرانی و انتظام کی عجیب و غریب قوت ودیعت کردی تھی۔ اسنے پہلا کام یہ کیا کہ بنگال کے نواب ناظم کی حکومت کو سلب کرکے اس صوبے پر کمپنی کی براہِ راست حکومت قائم کردی۔ نواب کی حکومت اگرچہ برائے نام رکھی گئی تھی مگر اس سے تمام انتظامی تجاویز بیکار ہوجاتی تھیں۔ نواب محض وظیفہ خوار رہ گیا اور کمپنی کے اس نئے صوبے کا ایک سرسری مگر باقاعدہ انتظام ہوگیا۔ ہیسٹنگز نے اپنے وہاں کے محرروں اور تاجروں سے کچھ آدمی منتخب کرکے سرکاری ملازموں کی ایک جماعت قائم کی جو اِسوقت بھی ہندوستان کی حکومتِ انگلشیہ کے بہترین نتائج میں شمار ہوتی ہے۔ قانون اور مال کا جو نظام اسنے قرار دیا وہ اگرچہ فی الجملہ عاجلانہ و ناکمل تھا مگر ہندوستان میں اس سے بہتر انتظام کبھی اس سے قبل نہیں ہوا تھا۔ رشوت خواری کو اسنے ایسی ہی سختی سے دبایا جیسے کلائیو نے دبایا تھا مگر اسنے جسطرح اہلِ ہند کے دل میں محبت پیدا کی اسیطرح اپنے نئے "ملازمانِ ملکی" کو بھی اپنا شیدا کرلیا۔ اسنے اگرچہ بنگال کی آمدنی کو بڑھا دیا اور ہر سال پانچ لاکھ پاونڈ بچاکر کمپنی کے لیئے انگلستان بھیجنے لگا مگر اہلِ ملک پر کوئی نیا بار نہیں ڈالا نہ انکی خوشنودی میں فرق آنے دیا۔ اسکی حکومت کا راز اہلِ ملک کی اصلی حالت کے جاننے اور ان سے ہمدردی کرنے میں مخفی تھا۔ جس زمانے میں ہندوستان کی زبان صرف تجارت وکاروبار کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے، اس زمانے میں بھی ہیسٹنگز کو اس ملک کی زبان میں مہارت حاصل تھی۔ وہ ہندوستانیوں کے رسم و رواج سے

واقف اور ان کے خیالات سے مانوس تھا۔ پس اگر وہ بنگالیوں میں اس درجہ ہر دلعزیز تھا کہ بعد کے کسی حکمراں کو یہ بات حاصل نہیں ہوی یا یہ کہ ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی ہندوستان کی مائیں ابتک اپنے بچوں کو ہیسٹنگز کے نام سے بہلاتی ہیں، تو ہمیں اسپر متعجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ہندوستان اور جنگ امریکہ

جنوبی ہند میں اگرچہ انگریزوں کا اثر غالب تھا مگر اس وقت تک صرف بنگال ہی براہِ راست انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ وارن ہیسٹنگز، برطانیہ کی قوت کے لیئے مرہٹوں کی طاقت کو ایک مہیب خطرہ سمجھا تھا۔ مرہٹے ہندو نسل کے لٹیرے تھے جن کے قبیلے مغربی ساحل سے نکلکر تمام ہندوستان میں لوٹ مار مچا رہے تھے، گجرات، مالوہ، تانجور میں انھوں نے اپنی سلطنتیں قائم کرلی تھیں۔ وہ برائے نام اس مرہٹہ سردار کی اطاعت کا دم بھرتے تھے جو پونا میں حکمراں تھا۔ ہیسٹنگز کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ مرہٹے تمام ہندوستان پر حاوی ہوکر وہ حیثیت نہ پیدا کرلیں جو مغل شہنشاہوں کی تھی۔ اسنے اودھ و برار کے ملکی حکمرانوں سے معاہدات و امداد کے ذریعے سے تعلق پیدا کرلیا، اور اپنے حلیف نواب وزیر اودھ کو تقویت دینے کے لیئے روہیلوں کو بیدریغ پامال کردیا، اور سکھوں تک کی بعید الوقوع طاقت کی ترقی کو ہمیشہ رقیبانہ نظر سے دیکھتا رہا۔ فرانس نے اپنی رقابت کی وجہ سے برطانیہ کی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیئے مرہٹوں کو ایک اچھا آلہ سمجھا اور فرانسیسی ایلچیوں نے ان کے "پیشوا" کے ذریعے سے مرہٹوں کی تمام ریاستوں کو انگریزی صوبوں کے خلاف

برانگیختہ کردیا۔ ہیسٹنگز نے اس خطرے کا مقابلہ حیرت انگیز عجلت واستقامت کے ساتھ کیا۔ اس کے مشکلات بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دو برس تک وہ اپنی کاؤنسل (مجلسِ حکومت) کی مخالفت کے باعث کچھ نہ کرسکا۔ اور جب اِس دقت سے اسے خلاصی نصیب ہوی تو کمپنی نے اسپر روپئے کے لیئے مسلسل زور دینا شروع کیا اور بادشاہ نے بار بار اسے واپس بلا لینے کی کوشش کی۔ خود اسکا سپہ سالار سر آئرکوٹ نہایت متزلزل العزم تھا، اور اسے بچوں کی طرح پھسلانا پڑتا تھا، ہر ڈاک سے اسکے پاس شکایتوں اور ملامتوں کا طومار پہنچتا رہتا تھا۔ مگر اسکی پُرسکون خودداری میں کسی وقت بھی فرق نہیں آیا۔ اسکے کام سے ان دقتوں کا اثر مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ مرہٹوں کی جنگ کو پوری استقامت کے ساتھ جاری رکھنے، اور اپنے ماتحتوں کی غلطیوں اور سپاہیوں کی ناقابلیتوں سے اسکے ارادے میں ذرا بھی تزلزل نہیں آیا۔ پیہم ناکامیابیوں کے بعد بمشکل فتح کا منہ دیکھنا نصیب ہوا تھا کہ جنوب کی طرف سے ایک نئے اور ہیبت ناک خطرے نے سر اٹھایا۔ ایک جانباز سپاہی حیدر علی نے پرانی ریاستوں کو مٹاکر میسور کی بلند زمین پر ایک مضبوط و مستحکم بادشاہت قایم کرلی تھی۔ وہ اگرچہ ایک مطلق العنان حکمراں تھا۔ مگر ملکی حکمرانوں میں کوئی اس سے زیادہ عادل و صاحبِ تدبیر نہیں تھا۔ اسنے اپنی دوربینی سے برطانیہ کی اصلی قوت کا ادراک کرلیا تھا، اور کاؤنسل مدراس کی نالائقیوں نے اس کے ذہن میں یہ بٹھا دیا تھا

حیدر علی

کہ انگریزوں سے دوستی رکھنا ان سے جنگ کرنے کی نسبت زیادہ خطرناک ہے۔ وہ اگرچہ بڈھا ہوگیا تھا مگر اسکی سپہگری کی قوت میں مطلق ضعف نہیں آیا تھا اور اس نے ۱۷۸۰ء میں میدانِ کرناٹک پر قواعدداں فوج کا ایک سیلاب بہادیا۔ سواروں کے پرے اور توپخانوں کی قطاریں فوج کو تقویت دیرہی تھیں۔ جس چھوٹی سی برطانوی فوج نے اسکا مقابلہ کیا وہ مدراس کیطرف بھگا دی گئی اور خود مدراس خطرے میں پڑگیا۔ یہ خبر ہیسٹنگز کو اسوقت پہنچی جب قریب تھا کہ وہ مرہٹوں پر فتح یاب ہوجائے مگر اس نے اس فتح کے خیال کو فوراً ترک کردیا اور کسی نہ کسی طرح مرہٹوں سے صلح کرکے جسقدر سپاہی مہیا ہوسکے سب کو بعجلت تمام مدراس روانہ کردیا۔ آئرکوٹ کے آجانے سے حیدر علی کی ترقی رک گئی اور چند مہینوں کی جنگ آزمائی کے بعد اسے میسور کے قلعوں میں بھاگنا پڑا۔ جنگِ امریکہ کے دوران میں تمام دنیا میں ہندوستان ہی وہ حصہ تھا جہاں برطانیہ کو نقصان نہیں اٹھانا پڑا۔ بنارس حکومتِ برطانیہ میں شامل کرلیا گیا، برطانیہ کا تسلط دریائے گنگا کے کنارے کنارے بڑھتا گیا، اودھ ایک اعتبار سے انگریزوں کی ماتحتی میں آگیا۔ انگریزی فوجیں وسطِ ہند میں داخل ہوگئیں، حیدر علی کو شکست ہوگئی۔ غرض کہ ہیسٹنگز کی لیاقت و کاروائی نے ہندوستان کی شہنشاہی کی بنیاد قائم کردی۔

۱۷۸۱

جنگ کا خاتمہ۔

لیکن جس زمانے میں انگلستان مشرق میں یہ کامیابیاں حاصل کررہا تھا اسی اثنا میں ایک مہیب مصیبت نے جنگِ امریکہ کی حالت بالکل بدل دی۔

اپنے شریک کار سر ہنری کلنٹن کے ساتھ چھوڑ دینے سے لارڈ کارنوالس، نارتھ کیرولینا پر حملہ کرنے سے رک گیا اور ۱۷۸۱ء میں ورجینیا کیطرف ہٹکر یارک ٹاؤن کے سامنے خندقوں کے حصار میں خیمہ زن ہوگیا۔ ادھر واشنگٹن کوچ کرکے دفعتہً انگریزی فوج کے مقابل جا پہنچا اور عین اسی وقت میں فرانسیسی بیڑے نے سمندر کا راستہ روک لیا۔ پس کارنوالس کی فوج کو فاقے سے تنگ آکر ساراٹوگا کی سی ذلت آمیز اطاعت قبول کرنا پڑی۔ اس خبر سے اس وزیر پر ایک بجلی سی گرپڑی جسنے اپنے آقا کے حکم کے سامنے خود اپنے اس خیال کو ترک کردیا تھا کہ اب زیادہ جنگ و جدل پیکار کی خونریزی ہے لارڈ نارتھ اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے دیوانہ وار اپنے کمرے میں چکر لگانے لگا اور اسکی زبان سے یہ نکلا "بس اب خاتمہ ہے" اسنے اسی وقت استعفا دیدیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان تباہی کے کنارے آلگا ہے۔ جنگ امریکہ کے نازک موقعے پر خود آئرلینڈ بھی اسکے خلاف ہوگیا۔ ۱۷۷۹ء میں چالیس ہزار رضاکاروں کی ایک فوج جزیرے کو فرانسیسی حملے سے محفوظ رکھنے کے لئے تیار کی گئی تھی۔ وہ پارلیمنٹی سرگروہ گریٹن اور فلڈ یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ پوائنگز والا قانون منسوخ کردیا جائے (جسکے روسے آئرلینڈ کی پارلیمنٹ سے یہ اختیار سلب کرلیا گیا تھا کہ قوانین ابتدائی صورت میں اس پارلیمنٹ میں پیش ہوسکیں) اور آئرلینڈ کے دارالامرا کو آخری عدالت مرافعہ قرار دیا جائے مسلح بغاوت کی دھمکیوں سے ان سرگروہوں کی فصیح البیانی کو اور تقویت پہنچ رہی تھی۔ یہ مطالبات درحقیقت قومی خود مختاری کا دعویٰ تھا کیونکہ ان رضاکاروں کے مقابلے کے لئے

مارچ ۱۷۸۲ء

انگلستان میں ایک سپاہی بھی موجود نہیں تھا۔لارڈ نارتھ کے زوال سے لارڈ راکنگھم کے پیرو وہگ برسر حکومت آگئے، اور راکنگھم پر دوہرا کام پڑ گیا۔ایک طرف آئرلینڈ کو مطمئن کرنا تھا، دوسری طرف جسطرح بھی ہوسکے ممالک متحدہ کی جنگ کو انجام تک پہنچانا تھا۔اس کام میں دونوں ذلت کے ساتھ سپر ڈالدینا لازمی ہوگیا تھا اور ضرورت کی ناگوار سختی نے ایوانہائے پارلیمنٹ کو راکنگھم کے مشورے کے مان لینے پر مجبور کردیا۔انگلستان کی پارلیمنٹ نے باضابطہ قانون کے روسے اپنے اس تمام عدالتی وقانونی تفوق کو ترک کردیا جو ابتک اسے آئرلینڈ کی پارلیمنٹ پر حاصل تھے، اور امریکہ اور اسکے حلیفوں کے ساتھ نامہ وپیام شروع کردیا۔انگلستان کو مشکلوں میں پھنسا دیکھکر اسکے دشمنوں کی امیدیں بڑھ گئی تھیں۔ اسپین نے اسوقت تک مخاصمت کے ختم کرنے سے انکار کردیا جبتک کہ جبرالٹر اسکے حوالہ نہ کردیا جائے۔ فرانس نے یہ تجویز کی کہ انگلستان، بنگال کے علاوہ ہندوستان میں اپنی تمام دوسری فتوحات سے دست بردار ہوجائے لیکن انگلستان کی عالمگیر طاقت کی اصلی بنیاد اس کی بحری قوت پر تھی، اور اس وقت سمندر پر ہر جانب پھر اسکا دوردورہ ہوگیا تھا۔انگلستان کے امیرالبحروں میں بلیک ونلسن کے بعد راڈنی سب سے بڑا شخص ہوا ہے۔ جنوری ۱۷۸۰ء میں راس سنٹ ونسنٹ کے قریب اسپینی بیڑے سے اسکا سامنا ہوا تو اسپین کے صرف چار جہاز بچکر قادسیہ تک پہنچ سکے۔ دوبرس بعد، فرانسیسی امیرالبحر دیوگراس کی کامیابی کی وجہ سے راڈنی کو جزائر غرب الہند کیطرف جانا پڑا اور ۱۷۸۲ء میں اسنے ایک خاص طرح کی نقل وحرکت سے (جسکو فن جنگ میں سب سے اول اس نے

۱۶ جنوری ۱۷۸۰ء

اختیار کیا تھا) اپنے مخالف کے حلقوں کو توڑ دیا، اور فرانسیسی بیڑے کو تباہ و برباد کر کے بحر اوقیانوس سے نکال دیا۔ستمبر میں، اسپین و فرانس دونوں نے اپنی متحدہ قوت سے جبرالٹر پر حملہ کیا مگر الیٹ نے اپنی غیر معمولی بہادری سے اس حملے کو پسپا کر دیا۔ امریکہ اب اپنے رفیقوں کے خوش کرنیکے لئے اس سے زیادہ انتظار نہیں کرسکتا تھا، نومبر میں اس کے مامورین نے مبادئ صلح پر دستخط کر دیئے، جسکے بموجب برطانیہ نے امریکہ کے براعظم میں صرف کناڈا اور جزیرہ نیوفاؤنڈلینڈ کو اپنے لئے مخصوص رکھا ریاستہائے متحدہ کی خود مختاری کو کسی شرط کے بغیر تسلیم کرلیا۔ امریکہ کا عہدنامہ صلح خاندان بوربن کی سلطنتوں کے صلحنامے کی تمہید تھی۔ جنگ کے ختم کرنے والے صلحناموں کے رو سے فرانس کو کچھ فائدہ نہیں ہوا اور اسپین کو صرف فلوریڈا اور منورکا ہاتھ آیا۔ برخلاف اسکے انگلستان نے ہندوستان میں بہت کچھ حاصل کرلیا۔ کناڈا اسکے پاس قائم رہا، اسکے غرب الہند کے جزیرے سب محفوظ رہے اور سمندروں پر اسکا سکہ بیٹھ گیا۔ لیکن اختتام جنگ کے بعد اُسکا خیال نہیں تھا کہ اسکے پاس کیا رہ گیا، خیال زیادہ تر یہ تھا کہ کیا جاتا رہا۔ امریکہ کی نوآبادیاں اسطرح ہاتھ سے نکل گئی تھیں کہ انکا واپس آنا ممکن نہیں تھا، پس کوئی تعجب نہیں کہ اس نقصان کے پہلے صدمے نے انگلستان میں یہ احساس پیدا کردیا ہو کہ وہ تباہی کے قریب آگیا ہے، یا یہ کہ شاہان بوربن نے یہ یقین کرلیا ہو ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے عملاً اسکا خاتمہ ہوگیا ہے۔ مگر چند برس بعد ثابت ہوگیا کہ یہ خیال کسقدر بے بنیاد تھا۔

عہدنامہائے صلح

جزو سوم

پٹ دوم

۱۷۸۳ـــــ۱۷۹۳

[**اسناد**۔ اس دور کے متعلق مسٹر میسی کے بیان میں کتب ذیل کا اضافہ ہوسکتا ہے۔

(۱) "سوانح عمری پٹ" مصنفہ لارڈ اسٹینہوپ (۲) تذکرہ فاکس مصنفہ لارڈ رسل (۳) لارڈ مامزبری، لارڈ آکلینڈ اور مسٹر روز کے مراسلات۔ غلاموں کی تجارت کے متعلق دلبرفورس کا تذکرہ دیکھنا چاہئیے جسے اس کے بیٹوں نے مرتب کیا ہے۔ برک کے حالات اس کی سوانح عمری مصنفہ میکنائٹ، مسٹر مارلے کے قابل قدر مضمون اور سب سے بڑھکر خود اس کے تصانیف سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ ۱۷۸۹ء کے غیر ملکی معاملات کی کیفیت سب سے بہتر فون سیبل کی "تاریخ انقلاب فرانس" (History of the French Revolution) سے واضح ہوسکتی ہے]

انگلستان و دیگر اقطاع عالم

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے کسی یورپین مدبر کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ممالک متحدۂ امریکہ کے قائم ہوجانے سے دنیا کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوگیا ہے۔ اس زمانے میں لوگوں کو سب سے زیادہ حیرت یہ تھی کہ اتنا بڑا نقصان اُٹھانے کے بعد انگلستان خود کیونکر تباہی سے بچ گیا۔ لیکن تباہ ہونا تو

درکنار، وہ اس شکست کے بعد اور زیادہ قوی اور طاقتور ہوگیا۔ انگلستان کی قوت کا اس سے زیادہ پرزور اظہار کبھی اس کے قبل نہیں ہوا تھا جیسا کہ امریکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے دس برس بعد فرانس کی مخالفت میں ظاہر ہوا، نہ اقوام عالم میں اسے کبھی یہ بلند رتبہ حاصل ہوا تھا جو جنگ واٹرلو کے دن اسے حاصل ہوا۔ لیکن اس کی اصلی عظمت کی بنیاد قدیم دنیا میں نہیں بلکہ جدید دنیا میں قائم ہونے والی تھی۔ اس زمانے میں اس نے امّ الاقوام کا درجہ حاصل کرلیا تھا، امریکہ میں اس نے ایک بہت بڑی قوم تیار کردی تھی اور اس کے جہازوں کا کام اب بھی یہی تھا کہ ٹیوٹن قوم کی نقل و حرکت کو جاری رکھیں۔ اور جس طرح اس قوم نے خود انگلستان کو آباد کیا تھا اسی طرح اب دوسرے ملکوں کو آباد کریں۔ نوآبادیوں کے قائم کرنے کو انگلستان نے اپنا خاص فرض قرار دے لیا تھا۔ یہاں کے لوگ اس کے آبادکار افریقہ میں کافر اور ہاٹنٹاٹ باشندوں کو خارج کرکے امریکہ کی ازدست رفتہ نوآبادیوں کے مانند وسیع نوآبادیاں قائم کرنے میں لگ گئے تھے۔ اس نے جن قوموں کی بنا ڈالی انھیں اس نے نہ صرف اپنے خون اور اپنی زبان کا ورثہ دیا بلکہ اپنی حاصل کردہ آزادی کا بھی انھیں وارث بنا دیا۔ داستان گذشتہ کے حقیر سے حقیر واقعات کی عظمت اس خیال کا پرتو ہے۔ فرانس کی تاریخ کا اثر خود فرانس سے باہر نام ہی نام کو ہے جرمنی یا اطالیہ اپنے

ممالک کے حدود سے باہر مطلق کوئی اثر نہیں رکھتے مگر جزیرۂ انگلستان
تاریخ انگلشیہ کا صرف ایک باب ہے، اس کے وسیع نتائج اس
ملک کے تنگ حدود کے اندر محصور نہیں ہیں بلکہ ان تمام قوموں
کی قسمتیں اس سے وابستہ ہوگئی تھیں جو اب وجود میں آنیوالی
تھیں اس چھوٹے سے جزیرے کے اندر گزشتہ زمانے میں
اس کے محبان وطن کی جدوجہد، اس کے مدبّروں کی دانائی
اس کی عام قوم کی آزادی و قانون کی الفت آئندہ کے لیئے
بنی نوع انسان کی قسمت کا فیصلہ کر رہی تھیں۔

راکنگھم کی وزارت

اس دوران میں خود انگلستان کے اندر، اس کے
صنائی کاروبار اور دولت کی روز افزوں ترقی ملک کی سیاسیات
پر گہرا اثر ڈال رہی تھی۔ٹوریوں اور بادشاہ کے دوستوں کی
مجموعی تعداد اگرچہ ڈیڑھ سو ارکان تک پہنچ گئی تھی مگر دہگ
اب بھی تعداد اور سیاسی اثر میں اپنے رقیبوں سے بڑھے
ہوئے تھے کیونکہ بسرکردگی لارڈ راکنگھم وہ وزارت کے فریق
تھے اور جنگ امریکہ سے مسلسل مخالفت کرنیکے دوران میں
بڈفرڈ کے طرفدار بھی اس عام جماعت کے ساتھ شریک
ہوگئے تھے اور اس سے پھر اس کی قدیم یکجہتی بہت کچھ
برقرار ہوگئی تھی۔مگر اس اتحاد کا اثر صرف یہ ہوا کہ انکے
متکبّرانہ وخودنمایانہ انداز کو اور تقویت حاصل ہوگئی جس سے
دہگوں کی عام جماعت اور اس فریق میں جو اب تک چیتھم
کے عام پسند خیالات پر ثابت قدم تھا پارلیمنٹ کی اصلاح وغیرہ کے

معاملات میں اختلاف و افتراق اور بڑھ گیا لارڈ شلبرن چیتھم کے پیرووں کا سرگروہ تھا اور اب خود چیتھم کے دوسرے بیٹے ولیم پٹ کے پارلیمنٹ میں داخل ہوجانے سے اسے قوت بڑھ گئی تھی۔ پٹ کی عمر ابھی پوری بائیس برس کی بھی نہیں تھی مگر وہ کالج سے مکمل تعلیم حاصل کرکے نکلا تھا اور اس کی برجستہ و بلند آواز تقریر میں اس کے باپ کی تعلیم نے پختگی پیدا کردی تھی۔ دارالعوام میں پٹ کی پہلی ہی تقریر کے بعد ایک رکن نے فرقہ وھگ کے سرگروہ چارلس فاکس سے یہ کہا کہ "وہ پارلیمنٹ کے اولین اشخاص میں ہوجائے گا"۔ فاکس نے جواب دیا کہ "وہ اس وقت بھی اولین اشخاص میں سے ہے"۔ اس نئے مدبر کی پرغرور خودداری اس کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتی تھی۔ اس کا لمبا قد، اس کا چھریرا بدن، اس کے چہرے کی درشتی، جس پر اس کے گہرے دوستوں کے سوائے کسی نے تبسم کی جھلک نہیں دیکھی تھی۔ اسکے بے کیف اور کھچے ہوے انداز کلام، اس کے برتاؤ کی دائمی متانت اور اس کی ہر وقت کی تحکمانہ روش یہ سب اس کی پراز رعونت خودداری پر شاہد تھے۔ مگر یہ خیال کسی کو نہیں تھا کہ اُس کی اس ظاہری نخوت کی تہ میں کیسی وسیع قابلیتیں موجود ہیں اور نہ کسی کو یہ گمان تھا کہ کس قدر جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ جس شخص کو اس کے رقیب مزاحاً "لڑکا" کہتے ہیں وہ اپنے ہر ایک مخالف کو زیر کرکے انگلستان کو اپنی مرضی کا

تابع بنا لیگا۔ راکنگھم کی وزارت میں اس نے کسی چھوٹی جگہ کے قبول کرنے سے انکار کردیا، اور یہ کہا کہ وہ صرف اس شرط سے کوئی عہدہ قبول کرسکتا ہے کہ معًا مجلس وزرا میں داخل کرلیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ راکنگھم کے تحت میں کوئی عہدہ قبول کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ چیٹھم کی طرح اس نے بھی جنگ سے یہ خاص نتیجہ اخذ کیا تھا کہ پارلیمنٹ کی ان خرابیوں کے دور کرنے کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے جارج سوم کو یہ موقع مل گیا کہ اس نے ملک کو اس غار میں گرادیا۔ اس کام کو نتیجہ خیز طور پر کرنے کی صرف یہی صورت تھی کہ دارالعوام میں ازسرتاپا اصلاح کی جائے اور پٹ نے اس غرض کے لیئے اپنے باپ کی تجاویز کے موافق ایک مسودۂ قانون پیش کیا۔ مگر اس اصلاح سے وہگوں کی دولت و قوت پر جو اثر پڑتا تھا اسے قبول کرنے کے لئے اس جماعت کا حصۂ کثیر ایثار سے کام لینے پر آمادہ نہیں تھا۔ پٹ کا مسودۂ قانون خارج کردیا گیا اور اس کے بجائے وزارت نے ان ناجائز اثرات کو روکنے کے لیئے جن سے بادشاہ نے اس وسعت سے کام لیا تھا دوسرے ذرائع اختیار کیئے انھوں نے ایسے لوگوں کو پارلیمنٹ کی شرکت کے ناقابل قرار دیا جن کے پاس سرکاری ٹھیکے ہوں۔ مال کے عہدہ دارونکو انتخاب میں رائے دینے سے محروم کردیا (جس سے شہر و قصبوں میں بادشاہ کا اثر گھٹ گیا) اور سب سے بڑھکر یہ کہ شاہی اخراجات، وظیفہ خواروں کی تعداد اور خفیہ خدمات کی رقم کو

اقتصادی اصلاح ۱۷۸۲

گھٹانے کے لئے ایک مسودۂ قانون تیار کیا جسے برک نے پیش کیا تھا۔ان کارروائیوں سے ایک بڑی حد تک بادشاہ کا اثر پارلیمنٹ پر گھٹ گیا اور یہ کارروائیاں اس وجہ سے قابل یادگار ہیں کہ اس زمانے سے ارکان پارلیمنٹ کو براہ راست رشوت دینا بالکل بند ہوگیا۔مگر اس معاملے میں ان تجویزوں کا کچھ بھی اثر نہوا کہ دارالعوام کو حقیقتاً قوم کا قائم مقام اور اس کا ذمہ دار بنادے وہگوں کے حصۂ کثیر کو جیٹھم کے فریق اوران کی تجاویز سے جوحسد تھا وہ جولائی میں لارڈ راکنگھم کے انتقال کرجانے کے بعد زیادہ صاف طور پر ظاہر ہوگیا شلبرن کے سرگروہ وزارت ہوتے ہی فاکس نے ذاتی وجوہ سے اور اس کے ساتھ راکنگھم کے اکثر دوسرے پیرووں نے بھی استعفے دیدئے دوسری طرف پٹ نے وزیر خزانہ کا عہدہ قبول کرلیا۔

وزارت متفقہ

شلبرن کی وزارت صرف اتنے ہی دنوں رہی کہ ممالک متحدہ امریکہ سے کامل طور پر صلح ہوگئی اوائل ۱۷۸۳ء میں ایک ایسے جرأت آمیز اتفاق نے اس وزارت کو الٹ دیا جس کی کوئی نظیر تاریخ انگلستان میں نہیں ملتی یعنے فاکس کے پیرو وہگوں نے ان ٹوریوں سے اتحاد کرلیا جو اب تک لارڈ نارتھ کے ساتھ شریک تھے۔طریق نیابت کی اصلاح کی ضرورت اس اتفاق سے زیادہ صاف اور عیاں کسی اور طریقے سے ظاہر نہیں ہوی۔اس اتفاق نے یہ ثابت کردیا کہ عام رائے کی قوت پارلیمنٹ کے اس حد سے بڑھے ہوے بے غیرت فریق کے

روکنے پر مطلق قادر نہیں ہے اور برک و راکنگھم کی جن کارروائیوں
نے شاہی اثر کو گھٹایا تھا اس کا فائدہ قوم کو نہیں پہنچا بلکہ
قصبات کی رکینت کے ان خرید و فروخت کرنے والوں کو پہنچا
جنھوں نے ان کی قائم مقامی کو غصب کرلیا تھا۔ پارلیمنٹ
کی اصلاح کے متعلق پٹ کی نئی تجویز ایک کے مقابلے میں
دو کی کثرت رائے سے نامنظور ہوگئی۔ نئے وزرا نے اپنی پارلیمنٹ
کثرت رائے کے بھروسے پر دارالعوام کی چار دیواری سے باہر
کی رائے عامہ سے بے نیاز ہوکر دلیری کے ساتھ ایک ایسے
وسیع کام کو ہاتھ میں لے لیا جس کا بار ابتک انگلستان کے
کسی قابل سے قابل مدبر پر بھی نہیں پڑا تھا۔ وارن ہیسٹنگز نے
جیسی وسیع مملکت قائم کردی تھی اس کا نظم و نسق محض تاجروں
کی ایک کمپنی کے ہاتھ میں چھوڑ دینا بالکل ناممکن تھا اسلئے
فاکس نے یہ تجویز پیش کی کہ سیاسی حکومت کمپنی کے
ڈائرکٹروں کے ہاتھ سے نکال کر سات کمشنروں کی ایک
مجلس کے سپرد کردیجائے۔ ان سات کمشنروں کا تقرر پہلی
مرتبہ پارلیمنٹ کی طرف سے ہوا اور اس کے بعد بادشاہ
کے طرف سے ہوا کرے ان کے عہدے کی معیاد پانچ برس
کی ہو۔ لیکن جب پارلیمنٹ کے کسی ایوان کی جانب سے
ان کے خلاف محضر پیش کیا جائے تو وہ اس سے قبل
ہی علیحدہ کردئے جائیں۔ اسی تجویز کی مخالفت میں فوراً ہی
ایک طوفان برپا ہوگیا۔ درحقیقت یہ تجویز قرین عقل نہیں تھی۔

مسودۂ قانون ہند

نئے کمشنروں کو کمپنی کے مقبوضات ہند سے کسی قسم کی عملی واقفیت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور چونکہ بادشاہ کے وزرا اور ان کمشنروں کے درمیان میں کوئی قوی تعلق بھی نہیں ہوتا اس وجہ سے پارلیمنٹ بھی ان کی کارروائیوں پر کوئی موثر نگرانی نہیں کرسکتی تھی۔لیکن اس مسودۂ قانون ہند کے خلاف جو شور برپا ہوا اس میں اسکے اصلی نقائص پر بہت کم خیال کیا گیا ہر ایک کو اپنی فکر تھی تاجروں کو یہ صدمہ تھا کہ ملک کی سب سے بڑی تجارتی جماعت پر یہ وار کیا جارہا ہے، مجالس بلدی اسی خوف سے کانپ رہی تھیں کہ جب اس طرح ایک شاہی فرمان منسوخ کیا جارہا ہے تو دوسرے فرامین بھی منسوخ ہوسکتے ہیں، بادشاہ نے اپنی جگہ پر یہ سمجھا کہ اس کارروائی سے مقصد صرف یہ ہے کہ ہندوستان کے مراعات و سرپرستی کو اس کے ہاتھ سے نکال کر دگوں کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ عام قوم وزارت مجوزہ کی حالت اخلاقی کو اس مسودے کے ناقص ہونے کے لئے کافی سمجھتی تھی۔ہندوستان کی حکومت اور اس کی سرپرستی موجودہ دارالعوام کو دیدینے کے یہ معنے نہ تھے کہ اس جماعت کو ایک اور نیا وسیع اختیار دیدیا جائے جس نے اپنے موجودہ اختیارات سے نہایت ہی برے طور پر کام لیا تھا۔اس عام خیال کے احساس نے بادشاہ کو یہ ہمت دلائی کہ دارالامرا میں اس کارروائی کے نامنظور ہوجانے کے متعلق اپنے ذاتی اثر سے کام لے اور جب اس تجویز کو شکست ہوجائے تو وہ فوراً ہی وزراء کو اپنی جگہوں سے ہٹ جانیکا

حکم دے۔ دسمبر ۱۷۸۳ء میں پٹ نے خزانے کے امیر اول کا عہدہ قبول کیا لیکن اگر ملک بدستور اپنے برائے نام قائم مقاموں کے ساتھ اپنا رہتا تو اسے ایک لمحے کے لئے بھی اس نئی جگہ کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ اسے دارالعوام میں پے در پے بہت بڑی کثرت رائے سے شکست ہوئی، مگر جب ہر چہار طرف سے اس کے پاس سپاس ناموں کی بارش ہونے لگی اور آکسفورڈ کے ٹوری دارالعوام اور لندن کی دھگ مجلس بلدی وغیرہ کے سپاس ناموں سے یہ ثابت ہوگیا کہ عام رائے دارالعوام کی نہیں بلکہ وزیر کے موافق تھی اور اس کی مخالفت میں رایوں کی کثرت گھٹنے لگی اپنی اس قوت عام کے بھروسے پر پٹ نے یہ کیا اور بجا کیا کہ باوجودیکہ اس کے عہدے سے ہٹائے جانے کے لئے دارالعوام کی طرف سے پے در پے محضر پیش ہوئے مگر اس نے پانچ ماہ تک پارلیمنٹ کی برطرفی کو ملتوی رکھا اور اس قومی احساس کو پختہ ہو جانے کا موقع دیا جس پر وہ اپنی کامیابی کو منحصر سمجھتا تھا جب ۱۷۸۴ء کے انتخاب کا وقت آیا تو فوراً ہی اس کشمکش کا خاتمہ ہوگیا۔ رائے عامہ میں اتنی قوت آگئی تھی کہ وہ ان لوگوں کے ناجائز اثرات سے موثر نہوی جو عام طور پر اس کی نیابت پر حاوی ہو گئے تھے۔ ہر ایک بڑے حلقے نے پٹ کی تائید کرنے والوں کا انتخاب کیا جن ارکان کی کثرت رائے سے اسے دارالعوام میں شکست ہوی تھی۔ ان میں سے ایک سو سات اشخاص اپنی جگہیں کھو بیٹھے

اور دھگ فریق کا صرف ایک حصہ بحال رہ سکا کہ وہ ان پر حاوی تھا جن کا نامزد کرنا بالکل اس کے اختیار میں تھا۔

ولیم پٹ

متفقہ وزارت کے شکست ہوجانے کے بعد جب یہ پچیس برس کا نوعمر وزیر انگلستان کا حکمراں ہوا، تو اس نے اس شان سے حکمرانی کی کہ اس سے قبل کسی کو یہ بات نصیب نہیں ہوی تھی۔ بادشاہ تک اس کے اثر میں آگیا تھا۔ بادشاہ پر یہ اثر کچھ تو اس وجہ سے پڑا کہ دھگوں کے خلاف کامیاب ہوجانے میں وہ اپنے وزیر کا زیر بار احسان تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اسے جلدتر دیوانگی کا مرض لاحق ہوا چاہتا ہے، مگر اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ بتدریج اس پر یہ منکشف ہوگیا تھا کہ پٹ کو اپنے سیاسی رقیبوں پر جو فتح حاصل ہوی ہے وہ تاج کے نفع کے لئے نہیں بلکہ عام قوم کے نفع کے لئے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دھگوں کی قوت شکست ہوگئی تھی ان کی ہردلعزیزی جاتی رہی تھی اور ان کی کوئی خاص حکمت عملی نہیں رہی تھی اور اسکے ساتھ ہی ٹوری فریق ہمہ تن اس وزیر کے ساتھ تھا جس نے "بادشاہ کو بچالیا تھا" لیکن اس نوعمر وزیر کی اصلی قوت کی بنا ایک دوسری ہی سیاسی طاقت پر تھی۔ انگلستان کی صنعت و حرفت کے دفعتہً اس درجہ ترقی کرجانے سے کارخانہ داروں کو غلبہ حاصل ہوگیا تھا، اور تجارتی طبقے کے لوگ چیٹھم کی جن خوبیوں کی وجہ سے اس سے الفت رکھتے تھے وہی خوبیاں وہ اس کے بیٹے

میں بھی پاتے تھے۔ شرافت طبعی اقتدار و قوت کا احساس، حب الوطنی، ایوان پارلیمنٹ سے باہر کی دنیا کے ساتھ ہمدردی، جیسی باپ میں تھی ویسی ہی بیٹے میں تھی۔ البتہ پٹ میں چیتھم کے بالمقابل بعض صفات کی کمی تھی اس میں نہ تو چیتھم کی سی شاعرانہ وتخیلانہ ذہانت تھی اور نہ وہ چیتھم کی سی سرعت کے ساتھ یہ معلوم کرلیتا تھا کہ کونسی شئے قرین انصاف ہے اور کونسا کام قابل العمل ہے، نہ اس میں قومی حکمت عملی کے متعلق چیتھم کے سے دور رس خیالات تھے اور نہ دنیا کے آئندہ حالات کے متعلق اسی سی غائر نظر تھی۔ پٹ کے عامیانہ انداز کے مسلسل دوران تقریر اس کے باپ کے منتشر جملوں کی فصاحت کے مقابلے میں (جسکی فصاحت کو ابتک انگریز ایک زندہ شے سمجھتے ہیں) بالکل ہیچ معلوم ہوتی تھی، مگر اس کے ساتھ ہی اس میں بھی چند ایسی مختص خوبیاں تھیں جو چیتھم میں بالکل مفقود تھیں۔ اس کا مزاج اگرچہ بالطبع پرجوش و ذی حس واقع ہوا تھا مگر اس کی تربیت ایسی ہوی تھی کہ اس میں ایک مغرورانہ خود اعتمادی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کی سادگی و خوش طبعی نے اسے اپنے باپ کی سی نمائش و تصنع سے آزاد کردیا تھا۔ اس کی تقریریں اگرچہ پرگوئی اور عامیانہ باتوں سے بھری معلوم ہوتی تھیں مگر جن متوسط درجے کے لوگوں کو وہ اپنا اصلی مخاطب سمجھتا تھا ان کے لئے یہ پرگوئی اور عام پسندی اسی قدر ضروری تھی جس قدر روانی وخوش فہمی۔ اپنی صلح پسندی، غیر معمولی جفاکشی، کاموںکی عاجلانہ

انجام دہی مباحثات کی قدرت و مہارت، اور مالیات کی واقفیت سے اس نے سر رابرٹ والپول کی یاد تازہ کر دی تھی۔ مگر ماسوا ان کے اس میں اور بہت سی ایسی خوبیاں تھیں جو والپول کو کبھی نصیب نہیں ہوئیں اور والپول میں جو نقائص تھے وہ ان سے بالکل پاک تھا وہ اپنے ذاتی نفع کی طرف سے بے پروا تھا، اپنے غرور کی وجہ سے وہ رشوت کے سہارے حکومت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنی بلند نظری کی وجہ سے وہ اپنے ماتحتوں کو رشک و حسد کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا نوجوانوں کی قابلیت کی قدر کرنے میں وہ بہت فیاضی دکھاتا تھا کیننگ اور لارڈ ویلزلی وغیرہ کے ایسے جن لڑکوں کو اس نے اپنے گرد جمع کر لیا تھا انھوں نے اس کی سرپرستی کا ایسا اچھا عوض دیا کہ موت سے بھی اس پر اثر نہ پڑ سکا۔ وہ والپول کی طرح ہر شئے کو بحال خود چھوڑ دینے کی حکمت عملی کو کبھی پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ اول سے مستعدانہ حکمت عملی کی روش پر قائم تھا۔ جن مالی، آئینی و مذہبی معاملات میں ہاتھ لگانے سے والپول جھجکتا تھا وہ ان میں سے ہر ایک معاملے کو زیر بحث لایا اور سب سے بڑھکر یہ کہ والپول کی طرح وہ کسی شخص کو بھی حقارت سے نہیں دیکھتا تھا۔ اس کی طبیعت کی سب سے شریف ترین خصوصیت اس کی وسیع انسانی ہمدردی تھی، انگلستان سے اسے ویسی ہی گہری اور ذاتی محبت تھی جیسی اس کے باپ کو تھی مگر انگریزوں کے جذبات و

تعصبات کے ساتھ اسے وہ ہمدردی مطلق نہ تھی جو اس کے باپ کی کمزوری و طاقت دونوں کا باعث تھی۔ فاکس نے جب اسے یہ طعنہ دیا کہ وہ اس امر کو بھول گیا ہے کہ چیتھم کو فرانس سے کیسی رقابت تھی اور اسے کس درجہ یہ یقین تھا کہ فرانس انگلستان کا طبعی دشمن ہے تو پٹ نے اس کا یہ شریفانہ جواب دیا کہ" یہ خیال کرنا کہ ایک قوم دوسری قوم کی ایسی دشمن ہو جائے کہ اس میں کبھی تغیر آہی نہ سکے ایک کمزور و طفلانہ خیال ہے" اس زمانے کا عام رجحان بنی نوع انسان کے ساتھ وسیع ہمدردی کی طرف مائل تھا اور یہ امر اٹھارویں صدی کی خصوصیات میں سے ہے کہ تیورگو اور جوزف ثانی وغیرہ کے سے مدبروں کے ایک نئے طبقے کو ہر جگہ تقدم حاصل ہوتا جاتا تھا اور یہ یقین پھیلتا جاتا تھا کہ جس طرح ہر فرد بشر کی خوش حالی کا انحصار اس قوم کی عام خوش حالی پر ہے جس کا وہ رکن ہے اسی طرح ہر ایک منفرد قوم کی بہبودی کا انحصار دنیا کی عام بہبودی پر ہے۔ انھیں مدبروں میں ایک پٹ ہی تھا۔ لیکن اپنی پختہ علمیت اور اپنے مقاصد کے پرزور طریق پر عمل میں لانے میں وہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔

انگریزی صنعت و حرفت

پٹ کی قوت اس کے مالی امور کی واقفیت پر مبنی تھی اور اسے ایسے وقت میں عروج حاصل ہوا تھا جب انگلستان کی بڑھتی دولت کی وجہ سے ہر ایک جلیل القدر وزیر کے لئے معاملات مالی سے واقف ہونا لازمی تھا۔ قوم کی اس وقت کی ترقی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ اٹھارویں صدی کے اندر آبادی

دو چند سے زائد ہوگئی تھی اور دولت، آبادی کے تناسب سے بھی
بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جنگ نے قومی قرضے میں دس کرور کا
اضافہ کردیا تھا مگر اس کا بار کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔
امریکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا اثر صرف یہ ہوا کہ اس
ملک کے ساتھ تجارت کو مزید ترقی ہوگئی اور صنعت و حرفت کا
وہ عظیم الشان دور شروع ہوگیا۔ جس نے برطانیہ کو ساری دنیا کا
کارخانہ بنا دیا۔ اگرچہ جارج سوم کی تخت نشینی ہی کے وقت
انگلستان کا شمار تجارتی ملکوں کی صف اول میں ہوتا تھا مگر
اندرون ملک میں کاروباری زندگی زیادہ تر زراعتی تھی۔ نارفک،
مصنوعات ویسٹ رائڈنگ واقع یارکشائر، اور جنوب مغرب کے صوبجات
میں اُن کی تجارت نے آہستہ آہستہ قدم جما لیا تھا۔ مگر روئی کا
کام ابھی تک بالکل مینچسٹر اور بولٹن میں محدود تھا، اور اسکی
اہمیت اس قدر کم تھی کہ اٹھارویں صدی کے وسط تک
روئی کی برآمد بمشکل پچاس ہزار پونڈ سالانہ تک پہنچتی تھی۔
بلفاسٹ و ڈنڈی کی کتان اور سپٹلفیلڈز کی ریشم کی تجارت
کی رفتار ترقی بھی ایسی ہی سست تھی۔ مال کی تیاری کے
طریقے ایسے بھدّے تھے کہ زیادہ مال کا تیار ہونا دشوار تھا۔
اُن کا کام کرنے والے اپنا کارخانہ صرف اسی جگہ قائم کرسکتے
تھے جہاں کسی چشمے کی طاقت سے وہ اپنی پن چکی چلا سکیں،
اور روئی کے تاگے ابھی تک جھونپڑوں کے اندر ہاتھ سے
کاتے جاتے تھے، اور گھروں میں کاتنے والی عورتیں اپنے

چرخے لیکر بننے والوں کے کرگھوں کے پاس بیٹھتی تھیں۔ لیکن اگر مال تیار ہوجانے کے طریقے زیادہ بہتر بھی ہوتے تو بھی وسائل باربرداری کی ارزانی و آسانی کے نہ ہونے سے وہ بیکار جاتے۔ قدیم زمانے کی شاہراہیں جو ازمنۂ وسطیٰ میں اچھی طرح کام دیتی رہی تھیں وہ بعد کے زمانے میں مال اور گاڑیوں کی کثرت آمد و رفت کی وجہ سے شکستہ ہوگئی تھیں۔ تجارت کی نئی راہیں زیادہ تر قصبات کے وہ راستے تھے جو گھوڑے کی دو پہیہ گاڑی سے زیادہ کے لیئے موزوں نہیں تھے اس لیئے ان کی تجارت کا زیادہ حصہ گھوڑوں کی پیٹھ پر بار ہوکر جاتا تھا، اور کوئلے وغیرہ کے ایسے زیادہ وزنی مال کے لیئے یہ طریق تقسیم تقریباً ناممکن سے تھا۔ ان کی روانگی صرف بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے کے مقامات یا ان اضلاع میں ہوسکتی تھی جن میں سمندر کی طرف سے گذر ممکن ہو۔ برنڈلی نے جب ۱۷۶۱ء میں اپنی مہارت ہندسی کے زور سے مینچسٹر کو ایک نہر کے ذریعے سے (جو ایک بلند آبگزر کی مدد سے دریائے آئرویل پر سے گزرتی تھی) بندرگاہ لورپول سے ملادیا، تو ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ اس تجربہ کی کامیابی سے ہر طرف آبی راستے جاری ہوگئے اور برطانیہ کے اندر تین ہزار میل کی ایسی نہریں بن گئیں جن میں کشتی چل سکتی تھی۔ اس زمانے میں اس کوئلے کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہوگئی جو انگلستان میں زمین کے اندر دبا پڑا تھا۔ شمالی صوبجات میں کوئلے کے پہلو بہ پہلو لوہے کا

سڑکیں اور نہریں

کوئلہ اور لوہا

جو ذخیرہ مدفون تھا وہ بھی لکڑی کی کمی کی وجہ سے بیکار پڑا ہوا تھا کیونکہ اس زمانے میں لوہے کے گلانے کے لئے لکڑی ہی کے ایندھن سے کام لیا جاتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں لوہے کو کوئلے کے ذریعے سے نکالنے کے طریقے میں کامیابی حاصل ہوگئی اور لوہے کی ہر قسم کی تجارت میں دفعتہً ایک انقلاب پیدا ہوگیا۔ اس نئے زمانے میں ہر شے میں لوہے سے کام لیا جانیوالا تھا۔ اور یورپ کی صنعت وحرفت کے میدان میں انگلستان کے گوئے سبقت لیجانے کا سب سے بڑا سبب یہی لوہے کی پیداوار ہے۔

دخانی انجن

۱۷۶۵ء میں جب واٹ نے دخانی انجن کو محض ایک کھلونے کے بجائے ایک ایسا حیرت انگیز آلہ بنادیا جس سے بڑھ کر کبھی کسی شے نے انسان کی صنعت وحرفت پر اثر نہیں ڈالا ہے، اس وقت یہ معلوم ہوا کہ کلوں کی قوت سے کام لینے میں کوئلہ کیا قدروقیمت رکھتا ہے۔ یہ عین اسوقت ہوا جب مال بنانے والوں کی ضرورت ہاتھ سے کام کرنیوالے مزدوروں سے پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ دخانی کرگھے کے ایجاد کے بارہ برس کے اندر یکے بعد دیگرے تین کثیر المنفعت ایجاد وقوع پذیر ہوئے۔ ۱۷۶۴ء میں ایک جولاہے ہارگریوز نے کاتنے کی پھرکی ایجاد کی، ۱۷۶۸ء میں ایک حجام آکرائیٹ نے کاتنے کی کل بنائی اور ۱۷۷۶ء میں ایک دوسرے جولاہے کرامپٹن نے میول (خچر جیسا کارآمد پرزہ) ایجاد کیا۔ لیکن اگر دخانی انجن نے ایک نئی اور غیر متناہی قوت نہ پیدا کردی ہوتی تو ان ایجادوں سے جس قدر نفع ہوا وہ نہوتا۔

اسی قوت اور اسی سے کام لینے کے ذرائع کے یکجا ہوجانے ہی کا یہ اثر تھا کہ فرانس و نپولین کے ساتھ عجیب کشمکش کے دوران میں برطانیہ اون و روئی کی تجارت کا تقریباً بلاشرکت غیرے مالک بن گیا، اور اسی اتحاد عمل نے برطانیہ کو دنیا کا سب سے بڑا صنعتی ملک بنادیا۔

ایڈم اسمتھ

اس ترقی سے عاقلانہ طور پر کام لینے کے لئے ایسے قوانین دولت کے جاننے کی ضرورت تھی جن کا علم اس سے پہلے ناممکن تھا، مگر پٹ کے زمانے میں اس کا امکان پیدا ہوگیا تھا۔ اگر کتابوں کی قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے کیا جائے کہ انہوں نے بنی نوع انسان کی قسمتوں پر کیا اثر ڈالا ہے تو "دولت اقوام" (Wealth of Nations) کو اہم ترین کتابوں میں جگہ دینا چاہئے۔ اس کا مصنف اکسفورڈ کا عالم اور گلاسگو کا پروفیسر آدم اسمتھ تھا۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ دولت کے پیدا کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ذریعہ محنت ہے۔ اور دولت عامہ کے ترقی کی بہترین صورت یہ ہے کہ کام کرنے والوں کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے اپنے طور پر کام کرسکیں۔ اس کی رائے یہ تھی کہ محنت کو کسی مصنوعی راستے پر لگانے، تجارت کو کسی خاص طریق پر چلانے کے لئے قانون بنانے، خاص خاص ملکوں میں صنعت و حرفت کی خاص خاص شاخوں کو ترقی دینے، اور مختلف ممالک کے فی مابین تجارت کی نوعیت کے مقرر کرنے کی جملہ کوششیں نہ صرف مزدوروں اور سوداگروں پر

ظلم کرتا ہے بلکہ درحقیقت ملک کی دولت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ کتاب ۱۷۷۶ء میں جنگ امریکہ کے شروع ہونے کے وقت شائع ہوئی تھی۔ اور پٹ نے اسے اپنی کیمبرج کی طالب علمی کے زمانے میں پڑھا تھا اس وقت سے وہ ایڈم اسمتھ کو بمنزلۂ استاد سمجھتا تھا۔ وزارت پر فائز ہوتے ہی اس نے "دولت اقوام" کے اصول کو اپنی حکمتِ عملی کا سنگِ بنیاد بنادیا اس کی حکمرانی کے ابتدائی دس برس میں انگلستان کے ملک داری کا ایک نیا دور پیدا ہوگیا۔ پٹ ہی انگلستان کا وہ پہلا وزیر تھا جس نے صحیح طور پر یہ سمجھا تھا کہ دنیا کی بہبودی میں صنعت وحرفت سے کیا کارہائے نمایاں انجام پانے والے ہیں۔ وہ والپول کی طرح صرف ایک صلح جو اور مالی معاملات کا سمجھنے والا ہی وزیر نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسا مدبر بھی تھا جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ صلح کی بہترین ضمانت یہ ہے کہ قوموں کے درمیان تجارتی ذرائع کو آزادی و وسعت حاصل ہو نیز یہ کہ سرکاری اخراجات میں کفایت کرنے سے نہ صرف ملک کا بار ہلکا ہوجاتا ہے بلکہ کاروبار کے لیئے مزید سرمایہ بچ رہتا ہے۔ علاوہ بریں اصول مالیات سے اس طرح سے کام لیا جاسکتا ہے کہ وہ محض روپیہ فراہم کرنے کا ذریعہ ہونے کے بجائے سیاسی و معاشرتی ترقی کی ایک زبردست کل بنجائے۔

پٹ و اصلاحات

ان اصولوں سے پٹ خود بہت کم کام لے سکا جس کا سبب ایک حد تک تو یہ تھا کہ اسے سخت جہالت و تعصب سے مقابلہ کرنا پڑا مگر زیادہ قوی باعث یہ ہوا کہ انقلاب فرانس کی وجہ سے اسکی تجویزیں

یکایک درہم و برہم ہوگئیں۔ اس کی طاقت کا انحصار سب سے زیادہ تجارتی طبقوں پر تھا، اور ان لوگوں کے ذہن میں اب تک یہ خیال جما ہوا تھا کہ دولت سونے اور چاندی کو کہتے ہیں اور تجارت کی ترقی کا بہترین ذریعہ اجارہ اور وہ بھی سخت قسم کا اجارہ ہے۔ دیہات کے متوسط الحال اشخاص اور سوداگروں کا جو گروہ کثیر دارالعوام میں اس کا موید تھا وہ اس کے مجوزہ تغیرات سے اتفاق کرنے میں صرف اسی حالت میں رضامند ہوسکتا تھا جب مدتوں ہوشیاری کے ساتھ انھیں ہموار کیا جاتا۔ لیکن گرد و پیش کے تعصبات کے مقابلے میں پٹ کی طاقت جس قدر کم تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس نے جو پہلی اہم تجویز پیش کی اسی کو شکست ہوگئی۔ پارلیمنٹ کی اصلاح کی بحث ویز جنگ امریکہ کے دوران میں ہونے لگی تھی اور اس مسئلے کی اہمیت برابر بڑھتی جاتی تھی چیتھم نے صوبوں کے ارکان کے اضافے پر زور دیا تھا کیونکہ اس زمانے میں دارالعوام کے اندر سب سے زیادہ آزاد طبقہ یہی تھا۔ ڈیوک رچمنڈ کہا کرتا تھا کہ حق انتخاب بلا تفریق ہر شخص کو دیدینا چاہیئے۔ تمام انتخابی حلقے برابر ہونا چاہئیں اور پارلیمنٹ ہر سال جمع ہونا چاہیئے۔ ڈنڈس کی رائے یہ تھی کہ جو قصبے ویران ہوگئے تھے ان کا حق انتخاب واپس لے لیا جائے اور ان کے بجائے زیادہ آباد اور دولتمند شہروں اور صوبوں سے ارکان منتخب کئے جائیں۔ اس کی یہ رائے گویا زمانۂ مابعد کے قانون اصلاح کی تمہید تھی۔ ولیم پٹ نے تو اس مسئلے کو گویا اپنا اوڑھنا بچھونا

بنا لیا تھا، اس نے دارالعوام میں داخل ہوتے ہی اصلاح کی تحریک پیش کردی تھی اور بحیثیت وزیر کے اس کے اولین کاموں میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے ۱۷۸۵ء میں ایک مسودۂ قانون یہ پیش کیا کہ تمام ویران شدہ قصبوں کے حق انتخاب کو رفتہ رفتہ ساقط کردیا جائے۔ چھتیس قصبوں کا حق انتخاب فوراً ہی لے لیا جائے اور ان جگہوں کو صوبوں کے ارکان میں تقسیم کردیا جائے اس نے بادشاہ کو اس کی مخالفت کرنے سے روک لیا اور کوشش یہ کی کہ قصبوں کے انتخاب کی خرید و فروخت کرنیوالوںکو اس طرح راضی کرلے کہ ان ویران قصبوں کی رکنیت کے فروخت سے عام طور پر انھیں جو کچھ ملتا تھا وہ انھیں دیدے۔ مگر اس قانون کی مخالفت میں خود اسی کے فریق کا حصۂ کثیر دہگوں کی عام جماعت کے ساتھ شریک ہوگیا اصل یہ ہے کہ خود دارالعوام کے اندر کی وہ شدید خرابیاں جنھوں نے چیتھم اور ڈلکس کو عملی کارروائی پر مجبور کردیا تھا مٹ گئی تھیں، ارکان کو رشوت دینے کا دستور بند ہوگیا تھا حال ہی میں برک کے اقتصادی اصلاح کے مسودے نے بایں طور بادشاہ کے اثر کو سخت صدمہ پہنچایا تھا کہ بہت سے بیکار عہدوں، درباری منصبوں، عدالتی و سفارتی مصارف کو بند کردیا تھا۔ یہی مصارف رشوت کا ذریعہ تھے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ جس رائے عامہ سے پٹ کو یہ طاقت حاصل ہوی تھی اسی رائے عامہ نے بہت کچھ اس خطرے کو بھی گھٹا دیا تھا جو شکایت قوم کی مخالفت کرکے

پارلیمنٹ نے پیدا کردیا تھا۔ بقول دلبر فورس پٹ کو اپنی اس تجویز
کے نامنظور ہونے سے نہایت مایوسی و صدمہ ہوا لیکن اس نے
دارالعوام اور قوم کے مزاج کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اگرچہ خود
اس کی رائے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر اس نے اس تجویز کو
پھر کبھی دوبارہ پیش نہیں کیا۔

پٹ کے انتظامات مالی

پٹ کے مالی انتظامات کی کامیابی نے اس آئینی
اصلاح کی ناکامی کی بیش از بیش تلافی کردی۔ جب وہ وزارت میں
داخل ہوا ہے تو حکومت کی ساکھ نہایت ہی پست تھی، جنگ امریکہ
کیوجہ سے قرضے کی مقدار دونی ہوگئی تھی، لیکن ہنوز بہت بڑی
رقوم کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں قرار پائی تھی۔ دوسری
طرف خفیہ درآمد کی وسعت نے ہر ایک ساحلی شہر کو قزاقوں کا
ملجا و ماوی بنادیا تھا اور سرکاری آمدنی بہت گھٹ گئی تھی
بروقت اس کمی کی تلافی نئے محصولوں سے کی گئی مگر جو وقت
اس طرح سے مل گیا اس میں ایسے تغیرات عمل میں آئے جن
سے معاملات عامہ کی تمام صورت ہی بدل گئی پٹ کی یہ
پہلی مالی تجویز کہ ادائی قرض کا ایک سرمایہ قائم کرکے سرکاری
قرضوں کو تبدریج ادا کردینا چاہیئے بلاشبہ غلط تھی مگر اس کا
اچھا اثر یہ پڑا کہ عام اعتماد پھر قائم ہوگیا۔ خفیہ درآمد کا اس نے
یہ تدارک کیا کہ میر بحری کی شرح گھٹادی جس سے خفیہ درآمد والو
کو اس کام میں کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ اس نے ملک کے
محصول آبکاری قائم کرنے کی والپول والی تجویز کو پھر زندہ کیا،

اسی اثنا میں سرکاری خرچ بھی گھٹائے گئے متواتر کمیشن اس غرض سے مقرر ہوا کہ خدمات ملکی کے ہر ایک صیغہ میں کفایت شعاری کو رائج کریں۔ اس میں شک نہیں کہ صنعت و حرفت کی جس ترقی کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس سے ان تجاویز کی کامیابی میں بڑی مدد ملی ساکھ پھر قائم ہو گئی۔ خفیہ درآمد بہت بڑی حد تک گھٹ گئی، دو برس میں دس لاکھ کی بچت ہوئی۔ اور اگرچہ یکے بعد دیگرے متعدد محصول ساقط کر دیئے گئے مگر آمدنی برابر بڑھتی ہی گئی۔ اسی اثنا میں پٹ نے نئے اصول مالیات کی سیاسی اہمیت کے اظہار کرنے کو ایک اور وسیع تر میدان تجویز کیا اس زمانے کی طرح اس وقت بھی آئرلینڈ، انگلستان کی مشکلات کا باعث تھا۔ جنگ بوائن کے وقت سے جس جابرانہ حکومت کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا اس کا طبعی نتیجہ ظاہر ہو رہا تھا، یہ فلاکت زدہ ملک سیاسی فرقہ بندیوں، مذہبی مناقشوں اور کاشت کاروں کی سازشوں سے پارہ پارہ ہو رہا تھا اور جو پروٹسٹنٹ فریق اس پر حکمراں تھا اس کا طرز عمل جنگ امریکہ کے وقت سے اس قدر اندیشہ ناک ہو گیا تھا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ کو مجبور ہو کر ڈبلن کی پارلیمنٹ پر سے اپنی نگرانی اٹھا لینا پڑی۔ پٹ نے یہ محسوس کیا کہ آئرلینڈ کی اس مصیبت و غداری کا ایک بہت بڑا سبب اس کی غربت ہے۔ آبادی میں بہت زیادہ ترقی ہو گئی تھی مگر کاشت ایک حالت پر قائم تھی اور تجارت بالکل تباہ ہو گئی تھی اس سے بڑھ کر یہ کہ فلاکت و غربت صریحًا بدیہًا نامنصفانہ قانون کا نتیجہ تھی

آئرلینڈ کا ملک مویشی پالنے کے لیئے بالطبع موزوں تھا مگر انگلستان کے مویشی پالنے والوں کے نفع کے خیال سے انگلستان نے وہاں سے مویشیوں کا لانا ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔ انگلستان کے بزازوں اور جولاہوں کے فائدہ کے لیئے آئرلینڈ کے مصنوعات پر سخت محصول لگادئے گئے تھے۔ آئرلینڈ کے متعلق پٹ کے مالی کاموں میں پہلی کوشش یہ تھی کہ اس ناانصافی کو رفع کرے، اور ۱۷۸۵ء میں اس نے جو مسودۂ قانون پیش کیا اس میں انگلستان اور آئرلینڈ کے درمیان تجارت کی ہر قسم کی دقت رفع کردی گئی تھی۔ اس تجویز کے متعلق اس کا خیال یہ تھا کہ اس متزلزل شہنشاہی میں جو کچھ باقی رہگیا ہے وہ مربوط و مستحکم ہو جائے گا اور ایک وفادار و آسودہ حال آئرلینڈ کے پیدا ہوجانے سے امریکہ کے نقصان کی ایک حد تک تلافی ہوجائے گی۔ اس معاملے میں اگرچہ وہ بالکل اکیلا تھا کیونکہ فرقہ وھگ اور مینچیسٹر کے سوداگر اس کے سخت مخالف تھے۔ پھر بھی اس نے کسی نہ کسی طرح کوشش کرکے اس قانون کو انگلستان کی پارلیمنٹ میں منظور کرادیا۔ مگر پارلیمنٹ نے اس میں زبردستی کچھ ایسی ترمیمیں داخل کردیں جس سے یہ یقینی ہوگیا تھا کہ آئرلینڈ کی پارلیمنٹ اسے نامنظور کردیگی۔ لیکن اس شکست سے پٹ میں اور جوش پیدا ہوگیا اور اس نے دوسرے پہلو سے اور زیادہ کوشش کرنے کا تہیہ کیا۔ فرانس، انگلستان کا خلقی دشمن سمجھا جاتا تھا مگر ۱۷۸۷ء میں پٹ نے فرانس سے ایک تجارتی معاہدہ کیا جس کی روسے دونوں ملکوں کی رعایا مجاز ہوگئی کہ وہ

بغیر اجازت نامہ یا پروانۂ راہداری کے ایک دوسرے کے ملک میں سفر اور بود و باش اختیار کر سکیں۔ اس عہد نامے کی رو سے تجارت کی تمام روک دونوں جانب سے اٹھادی گئی اور درآمد کے ہر ایک محصول میں تخفیف کردی گئی۔

ہیسٹنگز پر مقدمے کا قائم ہونا

پٹ کی کامیابیوں میں سے ایک کامیابی یہ بھی تھی کہ ہندوستان کو ایک ایسی حکومت عطا کی گئی جس کی ہیئت ہمارے اس زمانے تک قائم ہے اس نے ۱۷۸۴ء میں جو قانون حکومت ہند کا منظور کرایا اس میں بظاہر ڈائرکٹروں کے سیاسی و تجارتی اختیارات برقرار رکھے گئے تھے مگر اسکے ساتھ ہی پریوی کونسل (مجلس خاص) کے قضیئے ارکان کا ایک بورڈ آف کنٹرول (مجلس نگرانی) بھی قائم کردیا گیا تھا اور اسے ڈائرکٹروں کی کارروائیوں کے منظور و نامنظور کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ دوسرے طرف عملاً ڈائرکٹروں کے تمام اختیارات ان کے تین ارکان کی ایک خفیہ مجلس کو دیدئے گئے تھے۔ اس مجلس کا انتخاب ارکان خود ہی کرتے تھے اور از روئے قانون زیادہ اہم انتظامی معاملات کی انجام دہی اسی خفیہ مجلس کے تفویض ہوگئی تھی۔ دوسری طرف بورڈ آف کنٹرول کے اختیارات عملاً اس کے صدر کے ہاتھ میں تھے، یہ صدر فی الحقیقت صیغۂ ہند کے لیئے وزیر کے درجے پر تھا اور وزارت کا وہ ایک اہم رکن ہوتا تھا اور دیگر وزرا کی طرح وہ بھی اپنے کاموں کے لیئے پارلیمنٹ کا ذمہ دار تھا۔ اس طرح

ہندوستان کا نظم و نسق بھی حکومت انگلستان کے عام انتظام کا ایک جزو بن گیا اور یہ خفیہ مجلس اپنے تجربے سے ہندوستانی معاملات کے متعلق وزیر کے معلومات کی کمی پوری کرتی رہتی تھی۔ اس اثنا میں انگریزی قوم کے انداز طبیعت میں جو تغیر ہو رہا تھا اس کا اثر اس وسیع ماتحت ملک کے متعلق بھی ظاہر ہونے لگا۔ ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق متعدد تجاویز کے مباحثوں سے یہ عیاں ہوتا تھا کہ اس ملک کی عمدہ حکومت کی قومی ذمہ داری کے متعلق ایک احساس پیدا ہو گیا ہے، اور ایک عام عزم یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جس طرح غریب سے غریب انگریز ناانصافی و ظلم و ستم سے محفوظ ہے اسی طرح غریب سے غریب ہندوستانی کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہئے۔یہی عزم تھا جس کی وجہ سے وارن ہیسٹنگز پر مقدمہ چلایا گیا۔ہیسٹنگز جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان سے اس امید کے ساتھ آیا تھا کہ جیسے گرانبار صلے کلائیو کو ملے ہیں ایسے ہی صلے اسے بھی ملیں گے۔کلائیو نے جو کچھ حاصل کیا تھا ہیسٹنگز نے اسے محفوظ رکھا تھا اور اس پر اور اضافہ کر کے مشرق میں ایک وسیع شہنشاہی کی بنیاد قائم کر دی تھی۔اس نے انتظام ملکی میں دوربینی ہمت و اعتدال کی وہ نادر قابلیتیں ظاہر کیں تھیں جو ایک خلقی حکمراں میں ہونا چاہئے۔مگر اس کی حکمرانی کی دانشمندی و شان و شوکت، اس کی خوفناک بیرحمی پر پردہ نہیں ڈال سکتی تھیں اس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے ایک بہت بڑی رقم لیکر روہیلونکے

آزاد قبائل کو تباہ کرنے کے لیئے برطانوی فوجوں کی خدمتیں فروخت کردی تھیں۔ راجہ بنارس سے پانچ لاکھ پونڈ جبراً وصول کیئے تھے، اودھ کی بیگموں کو اذیت و فاقہ کشی میں مبتلا کرکے ان سے دس لاکھ پاؤنڈ سے زیادہ حاصل کئے تھے۔ اس پر یہ الزام لگایا تھا کہ اسی قسم کی بے باکانہ کارروائیوں سے اس نے اپنی قوت کو قائم رکھا تھا اور انگریزی قانون کے الفاظ کے غلط معنی لگاکر ایک ہندوستانی کو پھانسی دلادی تھی۔ بعد کو جن لوگوں نے زیادہ سکون طبعیت کے ساتھ غور کیا ہے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ قریب قریب یہ سب الزامات غلط تھے۔ اس میں شک نہیں کہ شخصی حیثیت سے اس نے برطانیہ کی اس نئی رعایا کے لیئے ایک منصفانہ و باامن حکومت کے قائم کرنے میں بڑی کوشش کی۔ اسکی حکمرانی میں جو فعل سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ بیرحمانہ معلوم ہوتا ہے وہ یہی تھا کہ اس نے ایک ایسے طریق نظم و نسق کو قائم رکھا۔ جو ہندوستان کے لیئے تو بالکل مانوس وطبعی تھا۔ مگر انگریزوں کی نئی حُبِ انسانی کے نزدیک یہ انتظام بالکل بیگانہ تھا، اور جب برک نے صداقت کے ساتھ پرجوش الفاظ میں اس پر مقدمہ چلانے کی تحریک کی تو بہت کم کسی کو اس کی حمایت کی جرأت ہوسکی یہ مقدمہ عظیم برسوں چلتا رہا اور آخر میں ہیسٹنگز کو رہائی مل گئی، مگر مقدمہ سے جو غرض تھی وہ درحقیقت حاصل ہوگئی تھی۔ انگریزوں کی توجہ اور انکی ہمدردی ان دور دراز مقامات کی قوموں تک وسیع ہوگئی جو ان کے لیئے

بالکل اجنبی تھیں۔ اور کارنوال اور کمبرلینڈ کے کسانوں میں یہ احساس پیدا ہوگیا کہ وہ بنگال کے کسانوں کی مصیبت کا حال سُن کر کانپ اٹھیں۔

غلاموں کی تجارت

ابھی یہ مقدمہ جاری ہی تھا کہ انگریزوں نے ایک اور طرح پر اپنی ہمدردئ انسانی کا اس سے زیادہ وسیع اظہار کیا۔ جس سال فرانس کے ساتھ آزادانہ تجارت کا معاملہ طے ہوا ہے اسی سال بنی نوع انسان کے ساتھ اس ہمدردی نے پیروان ویزلی کی اس مذہبی تحریک کا ساتھ دیا جو انھوں نے غلاموں کی تجارت کے خلاف جاری کر رکھی تھی۔ مارلبرا کی کامیابیوں سے انگلستان کو جو نفعے پہنچے اس میں سے ایک نفع یہ بھی تھا کہ افریقہ اور اسپینی ممالک کے درمیان غلاموں کی تجارت انگریزوں کا مخصوص حق قرار پاگئی تھی اور انگلستان ہی نے امریکہ کی نوآبادیوں اور جزائر غرب الہند میں اس تجارت کی بنیاد قائم کی تھی۔ مگر اس تجارت کے مصائب اور اس کا ظلم و جور اور اس کی وجہ سے افریقہ کی تباہی و بربادی اور خود حبشیوں کے مظالم اب اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ ان کا اثر نہایت وسیع اور گہرا پڑنے لگا تھا ولیم ولبرفورس نے جب اس معاملے کو اٹھایا تو اس کے ایونجلکل کلیسا کے رکن ہونے کے باعث اسے خاص اہمیت حاصل ہوگئی ۱۷۸۸ء میں ایک روز وادی کسٹن کے کھلے میدان میں ایک پرانے درخت کے نیچے اپنے نوجوان دوست ولیم پٹ سے گفتگو کرنے کے بعد وہ اس امر پر آمادہ ہوگیا کہ غلامی کی تجارت کو منسوخ

کرنے کے لئے ایک مسودۂ قانون پارلیمنٹ میں پیش کرے۔ مگر یہ مسودہ لورپول کے غلاموں کے سوداگروں کی مخالفت اور دارالعوام کی بے توجہی کے باعث ناکام رہا۔ درحقیقت پٹ کے کاموں میں انسانیت کی جو روح دائر و سائر تھی اسے اندرون ملک و بیرون ملک ہر جگہ مشکلات سے سابقہ پڑ رہا تھا۔ وہ آزادانہ راہ و رسم کے ذریعے قوموں کی باہمی عداوت کو مٹانے کی جو کوششیں کر رہا تھا اسے انگریزوں کے تعصب سے بھی ایک زیادہ صعب تر دشمن سے سابقہ پڑا یعنے جس تحریک میں خود پٹ شامل تھا وہ رودبار کے دوسرے جانب ایک ایسی انقلابی صورت اختیار کرتی جاتی تھی جس سے تمام روئے زمین کی حالت ہی بدل جانے والی تھی۔

انگلستان اور یورپ

جہاں تک انگلستان کا تعلق تھا سترہویں صدی کی پیوریٹینی کی مقاومت اس ملک میں مذہبی و سیاسی مطلق العنانی کے روکنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

۱۶۸۸ء کے انقلاب کے وقت سے ضمیر کی آزادی اور رعایا کا بوسیلۂ پارلیمنٹ خود اپنے قائم مقاموں کے ذریعے سے اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق عملی طور پر مسلم ہوگیا تھا معاشرتی مساوات کا بھی بہت دنوں سے آغاز ہوگیا تھا۔ اعلیٰ سے ادنیٰ تک ہر شخص ایک قانون کے تابع اور ایک قانون کے زیر حمایت تھا انگلستان کا طبقۂ امرا اگرچہ حکومت میں ایک زبردست عنصر تھا مگر معاشرتی امتیازات اسے بہت کم حاصل تھے۔ قانوناً و روایتہً امرا کے خاندانوں کے سب سے بڑے لڑکے کے سوا اور تمام ارکان خاندان

عام لوگوں کے مثل سمجھے جاتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنا ایک علیٰحدہ طبقہ نہ بنا سکے شرفا و روسا اور تجارتی طبقات میں کوئی ناقابل عبور تفریق قائم نہیں تھی اور نہ امرا کو ایسے امتیازات حاصل تھے جن سے وہ قوم کے نیچے کے طبقوں سے جدا ہو جاتے رائے عامہ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد انگریزی حکومت کا جزو غالب بن گئی تھی اور یہ رائے عامہ کیا تھی تعلیم یافتہ انگریزوں کا عام احساس و خیال تھا مگر یورپ کی اور تمام بڑی بڑی سلطنتوں میں مذہبی لڑائیوں کی وجہ سے صرف آزادی کا نام ہی نام باقی رہ گیا تھا۔حکومتوں میں بالکل مطلق العنانی کی شان پیدا ہوگئی تھی، مذہب، سیاست و معاشرت ہر جگہ امتیازات خاص کا غلبہ تھا۔خود نظام معاشرت میں طبقوں کی سخت تفریق قائم تھی جس سے عام قوم کو انصاف و کاروبار کے مساوی حقوق مطلق حاصل نہیں تھے۔مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ اٹھارویں صدی میں علمیت کی جو عام اشاعت ہو رہی تھی یہ خیالات اس کے کس قدر منافی تھے۔تقریباً ہر ملک میں کوئی نہ کوئی روشن خیال حکمراں اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ انتظامی اصلاحات کے ذریعے سے ایک حد تک اس عام بددلی کو فرو کرے تیوگو کے مدبّروں نے فرانس میں جو کوششیں کیں۔تقریباً ویسی ہی کوششیں پروشیا میں فریڈرک اعظم اور آسٹریا و نڈرلینڈ میں جوزف ثانی نے کیں۔لیکن حقوق عامہ کے لئے خیالات اور سوسائٹی کے واقعی حالات کے درمیان جو تخالف فرانس میں محسوس ہو رہا تھا وہ اور کہیں محسوس نہیں ہوتا تھا۔بادشاہ کا غلبہ یہاں سے زیادہ کامل

کسی اور جگہ نہیں تھا، طبقۂ امرا معاملات ملکی میں دخل دینے سے بالکل محروم کردیا گیا تھا مگر اسے معاشرتی امتیازات حاصل تھے محصول کا کوئی بار اس پر نہیں پڑتا تھا اور اس میں خدمت عامہ کا وہ احساس بھی نہیں تھا جو حکمراں طبقے میں ہر جگہ پیدا ہوجاتا ہے تجار کی مجلسوں اور اجاروں نے تاجروں اور سوداگروں کے کاروبار میں دقت ڈال رکھی تھی اور ان کو مزدوری پیشہ طبقے سے اسیطرح الگ کردیا تھا جس طرح خاندانی وقعت نے ان دونوں طبقوں کو امرا کے طبقے سے جدا کردیا تھا۔

فرانس کی حالت

لیکن اگر فرانس کی سیاسی حالت کا مقابلہ اس کے آس پاس کی سلطنتوں سے کیا جائے تو یقیناً اس کی حالت اکثر سلطنتوں سے بلند تھی۔ اس کی حکومت اور حکومتوں سے کم سخت گیر تھی، اس کی عام دولت دوسرے ملکوں سے بڑھی ہوی اور زیادہ مساوی طور پر منقسم تھی، عدالت کا انتظام اور امن کا اطمینان دوسرے جگہوں سے بہتر تھا۔ انگریزوں کی نظر میں اگرچہ وہاں کے کسان غریب معلوم ہوتے تھے۔ مگر جرمنی و اسپین کے کسانوں سے ان کی حالت بدرجہا بہتر تھی۔ اس کا متوسط طبقہ تمام یورپ میں سب سے زیادہ تیز فہم اور سب سے زیادہ ذہین تھا۔ لیوئس پنجدہم کے عہد میں عملی طور پر رائے کی آزادی حاصل تھی اور ایک علمی گروہ ایسا پیدا ہوگیا تھا جس نے حیرت انگیز خوبی و مستعدی سے معاشرتی و سیاسی معدلت کے ان خیالات کو عام بنانا شروع کردیا تھا جو اس نے انگریزی مصنفین سے حاصل

کئے تھے بلکہ مونٹیسکیو اور وولٹیر نے تو ذاتی طور پر انگریزی معاشرت کا ہی تجربہ حاصل کیا تھا۔ اس زمانے کے سیاسی خیالات، بنی نوع انسان کی محبت، عام اخوت انسانی کا احساس، ظلم و جور سے نفرت، خطاکاروں اور غریبوں پر رحم، طرز زندگی اور طریق کار کے لئے ایک اعلیٰ و ارفع معیار کی خواہش، یہ سب ایسے مباحث تھے جن کے متعلق لکھنے والے انبوہ در انبوہ پیدا ہوگئے تھے اور ان لوگوں نے اس جوش و فصاحت کے ساتھ ان خیالات کا اظہار کیا کہ وہ عوام کے دلوں میں اتر گئے۔ ان میں روسو کا درجہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ مگر ان نئی قوتوں کو جن سیاسی حالات سے سابقہ پڑا ان سے سخت کشمکش پیدا ہوگئی۔ اہل فلسفہ قسیسوں کے مظالم پر لعنت بھیجتے تھے، کسان اپنے آقا کے اس حق کے شاکی تھے کہ وہ اپنی عدالتوں میں کسانوں کے معاملات فیصلہ کریں اور ان سے بزور جاگیرانہ خدمات لیں۔ تاجر تجارت کی بندشوں اور محصولوں کی سختی کے گلہ مند تھے۔ دیہات کے شرفا اس امر سے برافروختہ تھے کہ معاملات عامہ اور ملک کی حکومت سے انھیں خارج رکھا جائے۔ خود اپنے ملک کے اندر کسی قسم کا تغیر پیدا کرنے کی بے بسی کو محسوس کرکے یہ تمام قوتیں اس جدو جہد کی ہمدرد بنگئیں جو دوسرے ممالک میں مظالم کے خلاف ہورہی تھیں۔ رائے عامہ نے فرانس کو مجبور کردیا کہ وہ امریکہ کی آزادی حاصل کرنے کی کوشش میں اس کا ساتھ دے۔ فرانس کے رضاکار مارکوئس لافایٹ کے ماتحت واشنگٹن کی فوج سے

جا ملے۔ امریکہ کی اس جنگ نے تمام قوم میں آزادی کی تمنا و آرزو کو بڑھا دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے حکومت کو ان مشکلات میں بھی پھنسا دیا جن سے نکلنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں تھی کہ تمام قوم سے امداد کی درخواست کی جائے۔ لیوئس شانزدہم نے یہ ارادہ کیا کہ اسٹیٹس جنرل[1] کو جو رشلیو کے وقت سے جمع نہیں ہوئی تھی، طلب کرے اور امرا سے یہ خواہش کرے کہ وہ محصول سے بری ہونے کے حق سے دست بردار ہوجائیں۔ اس کے اس ارادے کے شائع ہوتے ہی، قوم کے دلوں میں جن تحریکوں اور تمناؤں کی چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور مئی ۱۷۸۹ء میں اسٹیٹس جنرل کے مقام ورسیلز میں جمع ہوتے ہی مطلق العنانی اور امتیازات خاص کی عمارت متزلزل ہونا شروع ہوگئی۔ پیرس کی اس شورش میں باسٹیل[2] تباہ کردیا گیا اور اس قلعہ کے قبضہ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ فرانس اور کل یورپ کے لئے آزادی کا ایک نیا دور شروع ہوگیا ہے۔ اس قلعہ کے سقوط کی خبر سن کر انگلستان تک میں لوگوں کے دلوں میں ایک عجیب قسم کی مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ فاکس جوش مسرت میں چلا اٹھا کہ "واقعات عالم میں جس طرح یہ سب سے بڑا واقعہ ہے اسی طرح سب سے بہتر بھی ہے"۔

---

[1] فرانس کی پارلیمنٹ کو اسٹیٹس جنرل کہتے ہیں۔

[2] جس طرح لندن میں ٹاور ہے اسیطرح پیرس میں باسٹیل تھا جس سے قیدخانہ کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

پٹ اور روس

پٹ نے جب فرانس کو آزادی کے ان خیالات کی طرف قدم بڑھاتے دیکھا جن سے انگلستان مدت سے مانوس تھا، تو اس نے اوروں کی نسبت زیادہ سرد مہری کا انداز اختیار کیا۔ مگر اس سرد مہری میں بدگمانی کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ اصل یہ ہے کہ ۱۷۸۸ء میں بادشاہ کو جنون کا دورہ ہوجانے اور شہزادہ ویلز کے فوراً ہی اپنے حق تولیت پیش کر دینے سے اس وقت پٹ کی توجہ اس طرف منعطف ہوگئی تھی۔ شہزادہ فریق وھگ سے تعلق رکھتا تھا اور فاکس جو اس زمانے میں اطالیہ کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا شہزادہ کے حقوق کی تائید کے لئے بعجلت تمام انگلستان پہنچ گیا تھا اور اسے یہ پورا یقین تھا کہ شہزادہ کے متولی ہوجانے سے وہ خود برسر اقتدار آجائے گا۔

پٹ نے اس آئینی بنیاد پر کامیابی کیساتھ اس کا مقابلہ کیا کہ اس صورت میں پارلیمنٹ کو اختیار ہے کہ وہ جن قیود کے ساتھ چاہے کسی کو عارضی متولی تجویز کر دے، اس اصول کو تسلیم کرنیکے بعد ایک مسودۂ قانون شہزادہ کے متولی مقرر کئے جانے کے متعلق پیش ہی ہوا تھا کہ بادشاہ کو صحت ہوگئی اور از خود اس طویل بحث کا خاتمہ ہوگیا۔ علاوہ اس کے پٹ بیرونِ ملک کے بعض اور معاملات میں بھی منہمک تھا۔ کیتھراین دوم کے وقت میں روس کو بہت عظمت و وسعت حاصل ہوگئی تھی اور کیتھراین نے اول سے یہ عزم کر رکھا تھا کہ پولینڈ کو روس میں ملحق کرلے اور ترکوں کو یورپ سے خارج کرکے قسطنطنیہ کو روسی پایۂ تخت بنا دے

مقصد اول میں اسے فریڈرک اعظم نے نیچا دکھایا، ورنہ درحقیقت عملی طور پر وہ سارے پولینڈ کی مالک بن گئی تھی۔ اس کی فوجوں نے اس ملک پر قبضہ کرلیا تھا اور اس نے اپنی طرف سے ایک شخص کو پولینڈ کے تخت پر بٹھادیا تھا۔ لیکن فریڈرک نے عین اس وقت شہنشاہ جوزف ثانی سے اتحاد کرکے کیتھراین کو مجبور کیا کہ وہ اس غنیمت میں جرمنی کو بھی شریک کرے۔ اگر ۱۷۷۳ء میں پولینڈ کی تقسیم سے روسی سرحد دریائے ڈونیا و نیپر تک پہنچ گئی تو اس کے ساتھ ہی گلیشیا میریا تھرسیا کو اور مغربی پروشیا خود فریڈرک کو ملگیا۔ کیتھراین کو جب اپنے اس پہلے مقصد میں دشواری پیش آئی تو وہ اپنے دوسرے مقصد کے حصول کے لئے موقع کی منتظر رہی تاآنکہ جوزف نے بیویریا کو اپنی مملکت میں ملحق کرلینا چاہا اور فریڈرک نے اس منصوبے کی مخالفت کی جس سے ان دونوں جرمن سلطنتوں کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ اور اس کے بعد ہی فریڈرک کے انتقال کرجانے سے کیتھراین کو اپنے زیادہ باخبر دشمن سے نجات ملگئی۔ پس ۱۷۸۸ء میں شہنشاہ جوزف اور ملکہ روس ترکی شہنشاہی کے تقسیم کرلینے پر متفق ہوگئے۔ لیکن پروشیا کی نگاہ اب بھی کیتھراین کے کاموں کی طرف لگی ہوی تھی اور ۱۷۷۳ء کے مانند اس وقت انگلستان کو امریکہ کے مشکلات کا سامنا نہیں تھا، جیتھم نے انگلستان و پروشیا میں جو دوستانہ تعلقات قائم کردیئے تھے انھیں بیوٹ کے فریب نے ابتر اور شمالی طاقتوں کی غیر جانبداری کے اتحاد نے تو اسے بالکل تباہ ہی کردیا تھا۔

روس کے خلاف لیگ

مگر پٹ نے ہالینڈ کے اسٹاٹ ہولڈریٹ (عہدۂ رئیس جمہور) کو
بحال کرنے میں فریڈرک کے جانشین کی ہر طرح پر تائید کر کے
پروشیا سے پھر اتفاق پیدا کر لیا تھا۔ پس سلطنت ترکی کو محفوظ
رکھنے کے لئے ۱۷۸۹ء میں انگلستان، پروشیا اور ہالینڈ کے متحد
ہوجانے سے اس اتحاد کا سیاسی دباؤ محسوس ہونے لگا۔ یہ معلوم
ہوتا تھا کہ عنقریب یورپ میں ایک عظیم الشان کشمکش ہوا چاہتی
ہے۔ اس کشمکش میں فرانس کی ہمدردی و امداد بسا ضروری تھی۔
لیکن اس معاہدہ کے بعد ہی یہ خطرہ رفع ہوگیا۔ جوزف اپنی
تجویزوں کے ناکام رہنے اور اپنے نئے تجاویز کے خلاف ہالینڈ
کے بغاوت کر دینے سے ۱۷۹۰ء میں دل شکستہ ہو کر مر گیا اور
آسٹریا ترکوں سے جنگ آزمائی کرنے سے الگ ہوگیا۔

پٹ اور فرانس

اسی اثنا میں فرانس میں صورت معاملات بہت روانی
کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ اسٹیٹس جنرل میں مختلف طبقات
(امرا، قسیس، عوام) کی نمائندگی علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی۔ اب اس نے
ازخود اس طریقے کو توڑ کر نیشنل اسمبلی (مجلس قومی) کی ہیئت
اختیار کر لی تھی جس میں امرا، کلیسا، اور صوبہ دار پارلیمنٹوں کے
امتیازات برطرف کر دیئے گئے تھے۔ اکتوبر میں پیرس کے عوام الناس
نے ورسیلز پر دھاوا کر کے لیوئس شانزدہم کو مجبور کر دیا کہ وہ
ان کے ساتھ دار الصدر کو واپس چلا آئے اور اپنی سابق مطلق العنانی
کے بجائے ایک نظام سلطنت کو (جو بہت عجلت میں تیار کیا گیا تھا)
قبول کرے۔ پٹ کا خیال تھا کہ یہ اہم تغیرات جس شور و شر

و بے ترتیبی کے ساتھ انجام پائے ہیں وہ ایک عارضی حالت ہے۔ جنوری ۱۷۹۰ء تک اسے یہ یقین تھا کہ فرانس کے موجودہ اضطراب میں جلد یا بدیر ایک عام ہمرنگی اور ایک منتظم ترتیب پیدا ہوجائیگی اور جب اسے آزادی نصیب ہوجائے گی تو وہ یورپ کی ایک نہایت ہی شاندار طاقت بن جائے گا۔ مگر پٹ جس سکون و نیک نیتی سے اس انقلاب کو دیکھ رہا تھا عام قوم کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے۔ تمام ملک میں انگریزوں کا گروہ کثیر اپنے حزم و معاملہ فہمی، اپنی قانون و انتظام کی الفت، غیر معتدل تغیرات اور مجرد تخیلات کی نفرت، نیز اپنی قدامت پرستی کیوجہ سے ان انقلابی تغیرات کو جو رودبار کے دوسرے جانب اس سرعت سے وقوع پذیر ہورہے تھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اڈمنڈ برک کے تنبہات سے قوم کا سیاسی احساس اور اس کا سیاسی تعصب اور زیادہ ہوا جاتا تھا۔ باسٹیل کے سقوط سے اگرچہ فاکس کی طبیعت میں جوش پیدا ہوگیا تھا مگر برک کو اس سے اور بے اطمینانی ہوگئی تھی۔ اس نے اس واقعہ کے چند ہفتے بعد یہ لکھا تھا کہ "جب کبھی آزادی اور انصاف میں جدائی ہوجاتی ہے تو پھر ان میں سے کوئی ایک بھی محفوظ نہیں رہتا"۔ چوتھی اگست کی شب جس میں ہر ایک طبقے کے امتیازات خاص منسوخ کردیئے گئے تھے اسے وحشتناک نظر آتے تھے۔ اسی واقعہ سے اس نے اس نازک وقت کا اندازہ کرلیا تھا جو انقلاب کے حالات مابعد سے صحیح ثابت ہوئے اور اس نے فوراً ہی اپنا کام

شروع کردیا۔ جس وقت پٹ فرانس کے نئے نظام سلطنت کی شاندار مستقبل کی پیشگوئی کر رہا تھا اسی زمانے (یعنے جنوری) میں برک نے یہ کہدیا تھا کہ "فرانسیوں نے تباہی برپا کرنے میں اپنے کو سب سے زیادہ قابل ثابت کردکھایا ہے اور دنیا میں کوئی ان کا مدّمقابل نہیں ہے۔ تھوڑے ہی زمانے میں انھوں نے اپنی فوج، اپنے بیڑے، اپنے علوم و فنون اور اپنی صنعت وحرفت کو خاک میں ملادیا ہے" لیکن پارلیمنٹ کے اندر اس خیال میں برک بالکل تنہا تھا، دہگوں کو اگرچہ اطمینان نہیں تھا مگر وہ انقلاب کی مدح سرائی میں فاکس کے ہمنوا تھے۔ ٹوری اور بھی زیادہ غیر مطمئن تھے مگر وہ ہر حال میں پٹ کی پیروی کئے جاتے تھے۔ اور پٹ نے بہت پُرجوش طور پر اپنی ہمدردی اس آئینی حکومت سے ظاہر کی تھی جو اس وقت فرانس پر حکمراں تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ اسی موقع پر انقلاب پسند فریق نے انگلستان کی دوستی کا بہت ہی خاص ثبوت دیا تھا، کلیفورنیا میں نوٹکاساونڈ پر انگلستان کے اپنی آبادکاری کا سلسلہ جاری کردینے سے اسپین بہت ہی برافروختہ ہوگیا تھا، اور ارتباط خاندانی کے بموجب اس نے فرانس سے امداد کی درخواست کی، اور فرانسیسی وزارت نے یہ عزم کرلیا کہ انقلاب کی ترقی کو روکنے اور تاج کی طاقت کو بحال کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ جنگ جاری کردیجائے۔ اس وقت وزارت کی پشت پناہی وہ فریق کررہا تھا جسے

نوٹکاساونڈ

یہ یقین تھا کہ معاملات اپنی انتہائی حد کو پہنچ گئے ہیں۔ مگر انقلاب پسند فریق نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ ایک سخت کشمکش کے بعد بادشاہ کے ہاتھ سے یہ اختیار نکال لیا گیا کہ وہ بلا منظوری مجلس قومی کے جنگ کا اعلان کر سکے۔ اس سے جنگ کے تمام خطرے رفع ہوگئے پٹ نے یہ کہا کہ "فرانسیسی حکومت اس امر پر آمادہ ہے کہ برطانیہ سے انتہائی دوستی کا اظہار کرے" پس اس کے انقلابی تغیرات اس امر کے مانع نہیں ہوسکتے کہ برطانیہ فرانس کی اس دوستی کی قدر نہ کرے۔ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ مشرقی یورپ کے مشکلات کا روکنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ انگلستان و فرانس متحدہ کارروائی کریں۔ اس کی بروقت مداخلت نے دانتزگ اور تھارن کو فرانس سے نکال لینے میں پروشیا کی کوشش کو بیکار کر دیا۔ روس اگرچہ اب بھی ترکی پر سخت دباؤ ڈال رہا تھا مگر روس سے جنگ کرنا اہل انگلستان کو اس قدر ناپسند تھا کہ پٹ کو مجبور ہوکر اپنی تیاریاں ملتوی کرنا پڑیں۔ اس اثنا میں آسٹریا اور پروشیا میں جدید اتحاد ہو جانے سے ایک طرف یہ توقع پیدا ہوگئی کہ ترکی کی کشمکش کا خاتمہ ہو جائے گا، دوسری طرف یہ بھی اندیشہ دامنگیر ہوگیا کہ پولینڈ کی آزادی پر نیا حملہ ہو جائے گا۔

برک اور انقلاب فرانس

لیکن ایک طرف پٹ دونوں ملکوں میں دوستی پر زور دے رہا تھا، دوسری طرف برک اس امر پر تلا ہوا تھا کہ اس دوستی کو ناممکن العمل بنا دے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک مدت سے برک کا اثر دارالعوام پر باقی نہیں رہا تھا۔ برک قانون اسٹامپ کی

بحث میں جس قسم کی فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھائے اور جس طرح چیتھم کا مقابلہ کیا، اب ارکان پارلیمنٹ کا بیشتر حصہ اس قسم کی فصیح البیانی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی تقریروں کا تسلسل، اس کے دلائل کا پرعظمت و فلسفیانہ انداز، اس کی تمثیلوں کی درخشانی و تابانی اور خیالات کی بلند پردازی اس کے گرد و پیش کے متوسط الحال اشخاص اور سوداگروں کو حیران و پریشان کر دیتی تھی۔ وہ جب تقریر کرنے کے لئے اٹھتا تھا تو بنچیں اس قدر جلد خالی ہو جاتی تھیں کہ برک کے اٹھنے کو اصحاب ارالعوام کھانے کی گھنٹی کہنے لگے تھے۔ کچھ دنوں تک اس نے اپنی قوت ہیسٹنگز کے مقدمے میں صرف کی اور اس معاملے میں جس شان کے ساتھ اس نے انگلستان کو انصاف کی طرف متوجہ کیا اس سے اس کی گئی ہوی عظمت کی تلافی ہو گئی۔ مگر اس مقدمہ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی شہرت پر پھر زوال آگیا۔ اس کی عمر بھی اب ساٹھ برس کو پہنچ گئی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اکثر وہ یہ خیال کرتا تھا کہ جس مجلس میں اسے لوگ پسند نہیں کرتے اور وہ وہاں بالکل اکیلا ہو گیا ہے اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ آبنائے کے دوسرے جانب ایک ایسے انقلاب نے سر اٹھایا ہے جس میں وہ تمام باتیں مجسّم ہو کر نظر آ رہی تھیں جن سے اسے نفرت تھی تو پھر اس نے بڑھاپے، مایوسی اور تنہائی کے عام خیالات کو برطرف کر دیا وہ دیکھتا تھا کہ اس انقلاب کی بنیاد ہی اس پر

رکھی گئی ہے کہ ازمنۂ گزشتہ کی تمام باتوں سے نفرت برتی جائے اور جو زمانۂ گزشتہ میں جو معاشرتی عمارت تیار ہوی ہے اسے کلیتہً تباہ و برباد کردیا جائے۔ سیاسی مساوات کا ایک ایسا کلیتہ قائم کیا گیا تھا جس کے سامنے طبقات و درجات کی دیرینہ عمارت تمام پاش پاش ہوی جارہی تھی، ایک پوری سلطنت کو بہت بری طرح زیرو زبر کرکے نئی صورت میں ڈھالا جارہا تھا۔ کلیسا کا تمام نظم و نسق اور امرا کا سارا طبقہ ایک رات میں نیست و نابود کردیا گیا تھا۔ برک جس جوش و خروش کو بجا طور پر ایک نیا سیاسی مذہب سمجھتا تھا، اس کے مقابلے میں اس نے قدیم سیاسی خیالات کو ابھارنا چاہا۔ وہ جیسا بڑا مقرر تھا ویسا ہی بڑا لکھنے والا بھی تھا، اور جب دارالعوام نے اس کی آواز کی طرف سے اپنے کان بند کرلیئے تو اس نے ملک کو اپنے قلم سے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اکتوبر سنہ ۱۷۹۰ء میں اس نے اپنی کتاب "خیالات دوبارہ انقلاب فرانس" شائع کی۔ اس کتاب میں اس نے نہ صرف ان بدعنوانیوں اور زیادتیوں کی مذمت کی تھی جن سے اس عظیم الشان تغیر کے مقاصد غارت ہوگئے تھے بلکہ اس نے ان اصولوں پر بھی اعتراض کیا جن سے خود یہ تغیر پیدا ہوا تھا۔ برک کے دل میں معاشرتی تنظیم کی ضرورت، اور معاملات انسانی میں تسلسل کی قدرومنزلت کا احساس اس قدر قوی تھا کہ (اسکے خیال کے بموجب) اگر یہ نہو تو انسان محض موسم گرما کی مکھیوں کے مانند ہوجائے (کہ موسم کے ساتھ فنا ہوجاتی ہیں) اس خیال نے

اسے ایسا اندھا بنادیا تھا کہ فرانس کے تمام تغیر و تبدل میں
اسے سوائے بغاوت کے کچھ نظر نہیں آتا تھا اور نہایت سچے
انقلاب پسندوں کی حقیقی شرافت مقاصد و اغراض کو بھی وہ محض
احمقانہ جدت پسندی سمجھتا تھا زمانۂ گزشتہ کے زوال یافتہ حالات
میں اسے کسی قسم کی کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی اور زمانۂ مستقبل
میں معاشرت کی تباہی کے سوا اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔
جن لوگوں کو وہ مذہب و تہذیب کا دشمن سمجھتا تھا ان کے
خلاف اس نے جہاد کا وعظ شروع کردیا تھا اور یورپ کی
قوموں کو اسی امر پر اُکسایا تھا کہ وہ بزور اس انقلاب کو
فرو کریں جس کے اصول نے ہر ایک سلطنت کو معرض خطر
میں ڈال دیا تھا۔

پٹ اور انقلاب فرانس

اس جہاد میں سب سے بڑا خلل ڈالنے والا پٹ
تھا، اور برک نے اپنی کتاب میں ایک جگہ بڑے پُرزور
اظہار خیال کے ساتھ اس وزیر کی روش پر بہت ہی سخت
طنز سے کام لیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ "اب فروسیت کا
زمانہ گزر گیا ہے اور سوفسطائیوں، اقتصادیوں اور قمار بازوں کا
زمانہ آگیا، اور یورپ کی شان و شوکت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ
ہوگیا ہے"۔ مگر اس قسم کے طعن و تشنیع سے پٹ اپنی روش
سے ہٹنے والا نہیں تھا۔ جس وقت برک کی کتاب شائع ہوی
ہے اس نے فرانس کو دوبارہ یہ یقین دلایا کہ وہ انقلاب
کے خلاف کسی قسم کی کوشش سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

اس نے لکھا تھا کہ "اس ملک نے فرانس کے اندرونی اختلافات کے متعلق ابتک جس قسم کی غیر جانبداری برتی ہے وہ اس پر سختی کے ساتھ قائم رہنا چاہتا ہے اور اس وقت تک اس روش کو ترک نکرے گا جب تک کہ فرانس کے حالات انگلستان کو اپنی مدافعت کی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور نکردیں" پٹ اپنے گردوپیش کے انقلابی اضطراب سے اس درجہ بے پروا تھا کہ عین اسی زمانے میں اس نے فاکس کے پیش کردہ قانون ازالۂ حیثیت عرفی کی تائید کی، جس کا منشا یہ تھا کہ کسی شائع شدہ تحریر میں اگر کوئی امر قابل توہین سمجھا جائے تو اس کا فیصلہ کرنا جج کے بجائے جوری کے اختیار میں ہو۔ اس قانون کے منظور ہوجانے سے مطابع کی آزادی مکمّل ہوگئی۔ مزید برآں پٹ نے خود ایک قانون منظور کرایا جس پر اس زمانے کی طوفانی حالت میں بہت کم خیال کیا گیا، مگر وہ پٹ کے کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ ہے۔ جنگ امریکہ سے یہ خوف طاری ہوگیا تھا کہ نوآبادیوں کو سواراج دینے کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ وہ انگلستان سے الگ ہوجائیں۔ مگر پٹ نے اس اندیشہ کی مطلق پروا نہ کی اور دلیری کے ساتھ کناڈا کے دونوں حصوں میں مجلس ملکی اور مجلس خاص قائم کردی۔ فاکس اگرچہ کناڈا کے عطاشدہ نظام حکومت کی نوعیت میں پٹ سے مختلف الرائے تھا مگر اس نے بھی یہ کہا کہ "میرا یہ اعتقاد ہے کہ دور افتادہ نوآبادیوں کے تعلقات کو حسب دلخواہ قائم

کناڈا کو نظام حکومت کا عطا ہونا ۱۷۹۱ء

رکھنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ انھیں اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ خود اپنے اوپر حکومت کرسکیں" اور انگلستان کے ممالک ماتحت کی تاریخ مابعد نے ایک مدبّر کی حکمت عملی اور دوسرے کی دوراندیشی کو صحیح کردکھایا ہے، برک کو خود اپنے فریق کے اندر بھی کچھ زیادہ کامیابی نہیں حاصل ہوی، فاکس بدستور انقلاب کا پرجوش حامی بنا رہا، اور برک نے جب انقلاب پر تازہ حملہ کیا تو اس نے غیر معمولی سرگرمی سے اس کا جواب دیا۔ ان دونوں شخصوں میں اس وقت تک بہت گہری محبت قائم تھی مگر برک نے اپنے جنون میں اس کا بھی خاتمہ کردیا۔ فاکس کی آنکھوں سے یکایک آنسو نکل پڑے اور اس نے جوش کیساتھ یہ کہا کہ "اس سے ہماری دوستی منقطع نہیں ہوگئی ہے" برک نے جواب دیا کہ "ہوگئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے اپنی اس روش کا کیا تاوان دینا ہے، ہماری دوستی کا خاتمہ ہے" پارلیمنٹ کی دیواروں کے اندر برک بالکل اکیلا تھا، سنہ ۱۷۹۱ء میں جب اس نے اپنی کتاب "نئے دِگّوں کے ہاتھوں سے پرانے دِگّوں کے روبرو فریاد" شائع کی تو اس کا اتنا بھی اثر نہیں ہوا کہ ایک شخص بھی فاکس کی پیروی سے الگ ہوکر اس کا ہمخیال ہو جاتا۔ پٹ نے اسے بہت متانت سے یہ صلاح دی کہ وہ فرانسیسی نظام سلطنت کی برائیاں بیان کرنے کے بجائے انگریزی نظام سلطنت کی مدح سرائی کیا کرے۔ فرانس سے جو شہزادے بھاگ کر آئے تھے

اور کوبلتنز میں ہتھیار جمع کر رہے تھے انھیں برک نے لکھا تھا کہ "میں نے جو کچھ کیا اس سے میں نے بہتوں کو اپنا دشمن بنا لیا اور کسی کو اپنا دوست نہ بنا سکا" مگر قوم کی رائے رفتہ رفتہ اسکی طرف مائل ہوتی جاتی تھی۔ اس کے "خیالات" کی تیس ہزار جلدوں کے فروخت ہوجانے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انگریزوں کی عام حسیات کے عین موافق ہیں۔ درحقیقت اس وقت انگلستان کی کیفیت یہ تھی کہ رودبار کی دوسری جانب جو انقلاب برپا تھا وہ اسے کماحقہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ انگلستان پر اس وقت صنعت و حرفت کی ترقی کا خیال غالب تھا، جو لوگ محنت کے ساتھ کام کرتے تھے اور بہت تیزی کے ساتھ جلد جلد دولتمند ہوتے جاتے تھے اور ان میں کاروباری شخصوں کی سی محدود نظری اور عملی طبیعت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ ایک منتظم حالت کے درہم و برہم ہوجانے، بےچینی کے پھیلنے، قوتوں کے بیکار صرف ہونے، شاعرانہ انداز میں جذبات انسانی کو برانگیختہ کرنے، اور ناقابل العمل نظریات کے فروغ دینے کو غصہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انگلستان میں اس وقت سیاسی اطمینان اور معاشرتی خوشحالی کا دور دورہ تھا، اقتصادی ترقی برابر جاری تھی، اور مذہب میں زور کے ساتھ تجدید ہو رہی تھی۔ مگر ایک جزیرے کے اندر بند رہنے کیوجہ سے یہاں کے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس اطمینان و انتظام، اس پُرامن و خوش کن ترقی، اور اس معاشرتی و سیاسی سکون کیلئے جو امر شرط اول ہے اسی کی دوسرے ممالک میں کمی ہے۔ اول اول

دیہات میں برک کی کامیابی

انگریزوں میں انقلاب سے جو ہمدردی پیدا ہوگئی تھی اسے فرانس کے قانونی تغیرات کی ستم انگیزی اور طوائف الملوکی کی ترقی نے معدوم کردیا۔ بہت جلد وہ زمانہ آگیا کہ ہمدردی صرف معدودے چند اصلاح طلب لوگوں میں محدود ہوکر رہگئی جو کانسٹیٹیوشنل کلب (بزم آئینی) میں جمع ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے لاابالیانہ بیانات نے قوم کے بازگشت خیال میں اور زیادہ سرعت پیدا کردی۔ لیکن برک کی فریادوں اور فرانس کے فراری امرا کے شوروغل کے باوجود جن کی تمنا صرف یہ تھی کہ وہ فوجیں لیکر اپنے ملک کے خلاف روانہ ہوجائیں، یورپ جنگ سے رُکا رہا۔ پٹ اگرچہ اب بھی غیرجانبداری کی روش پر قائم تھا مگر وہ زیادہ کشیدگی کا اظہار کرنے لگا تھا۔

بلنٹز کی مجلس مستشار

درحقیقت پٹ معاملات مشرق میں اس قدر غرق تھا کہ فرانس کے جلاوطن امرا نے جب اپنے ملک کے ساحل پر تاخت کرنا چاہی تو اس نے ان کے منصوبے کو بیکار کردیا، اور وائنا میں باضابطہ یہ اعلان کردیا کہ اگر فرانس و شہنشاہ کے درمیان جنگ جاری ہوجائے گی تو انگلستان بالکل غیرجانبدار رہے گا۔ لیکن پٹ کی طرح خود شہنشاہ بھی فرانس کے ساتھ جنگ آزمائی کرنے سے بچنا چاہتا تھا چونکہ کیتھراین ٹرکی کیساتھ اپنی زور آزمائی ختم کرچکی تھی اس لئے اس کی تمنا اب یہ تھی کہ دونوں جرمن نژاد سلطنتوں کو فرانس کی جنگ میں پھنسا دے اور اس طرح اسے تن تنہا پولینڈ کو اپنی سلطنت میں ملحق

کرنے کا موقع ملجائے مگر نہ تو لیوپولڈ اپنے کو اس بلا میں پھنسانا چاہتا تھا اور نہ پروشیا آفت میں مبتلا ہونا چاہتی تھی جون ۱۷۹۱ء میں لیوئس شانزدہم کا پیرس سے فرار کرجانا کچھ دنوں تک یہ اندیشہ پیدا کررہا تھا کہ یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھینگے، مگر لیوئس کو راستے میں روک لیا گیا اور اسے پیرس میں واپس آنا پڑا۔اس خطرے کو محسوس کرکے فرانس کے انقلاب پسند بظاہر کچھ دنوں کے لئے زیادہ اعتدال کے طرف مائل ہوگئے۔ لیوئس نے نہ صرف آئینی حکومت کو قبول کرلیا بلکہ اس نے شہنشاہ پر یہ زور دیا کہ بزور اسلحہ کسی قسم کی مداخلت نکرے کیونکہ اس طرح اس کا (لیوئس کا) تخت خطرے میں پڑ جائیگا۔ اس لیئے جب اگست میں لیوپولڈ اور شاہ پروشیا بمقام پلنٹز باہم ملاقی ہوے تو انھوں نے اسی پر قناعت کی کہ ایک مبہم سا اعلان یہ شائع کردیا کہ یورپ کی سلطنتیں فرانس میں ایک عمدہ حکومت قائم کرنے کے بارے میں اتحاد عمل سے کام لیں۔ اور ان دونوں سلطنتوں نے انگلستان کی غیرجانبداری سے فائدہ اٹھاکر فرانسیسی شہزادوں کو فوجی امداد دینے سے انکار کردیا، اور صرف پولینڈ کے معاملات پر بحث کی مگر انھیں جس امن کی تمنا تھی اس کا قائم رہنا بہت جلد ناممکن ہوگیا۔

فرانس کے خلاف اتحاد

اعلان پلنٹز سے جو بےچینی پیدا ہوی اس سے فائدہ اٹھاکر فرانس کے آئین پسند شاہ پرستوں نے پھر جنگ کا شور برپا کردیا، کیونکہ انھیں یہ توقع تھی کہ جنگ سے تخت شاہی کو تقویت

حائل ہوجائیگی۔ دوسری طرف زیادہ تندمزاج انقلاب پسندوں نے بھی اپنے سرگروہ روبسپی ایر کی مخالفت کے باوجود یہ فیصلہ کردیا کہ بہرطور شہنشاہ سے جنگ کرنا چاہیے۔ یہ انقلاب پسند "جیکوبن" کہلاتے تھے اور "ژیروندی" (یعنے جنوب فرانس کے نمایندوں) کے زیراثر جن کا مقصد یہ تھا کہ شاہی کو برطرف کرکے جمہور قائم کردیجائے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر کوئی بڑی قومی جدوجہد شروع ہوگئی تو اس ذریعے سے وہ شاہی کو الٹ دیں گے۔ پس دونوں فریق نے متحداً یہ مطالبہ کیا کہ فراری شہزادوں نے رائن کے کنارے جو فوج تیار کی ہے وہ منتشر کردیجائے۔ اور اگرچہ لیوپولڈ نے اس مطالبہ کو منظور کرلیا تھا مگر اس پر بھی فرانس نے اپریل ۱۷۹۲ء میں لیوپولڈ کے جانشین فرانسس کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔

قیام امن کے لیے پٹ کی کوششیں۔

انگلستان کے انقلاب پسندی کے جوش کی وجہ سے فرانسیسی دھوکے میں پڑگئے تھے اور انھیں بالیقین یہ توقع تھی کہ انگلستان اس جنگ میں ان کا شریک ہوجائے گا اور جب انھیں پٹ کا یہ عزم معلوم ہوا کہ وہ اس مخاصمت سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے تو انھیں نہایت حیرت ہوی اور حیرت کے ساتھ غصہ بھی آیا۔ پٹ نے اس بےچینی کے فرو کرنیکے لیے اس مطالبہ پر قناعت کی کہ ہالینڈ سے کسی قسم کی چھیڑچھاڑ نہ ہو۔ اس نے یہانتک وعدہ کیا کہ اگر فرانسیسی فوج بلجیم پر قبضہ بھی کرلیگی تب بھی وہ اپنی غیرجانبداری کو قائم رکھے گا۔ اور اس نے ان اقراروں پر اعتماد دلانے کے لیے اپنی فوجی

۱۷۹۲ قوت بھی گھٹادی اور زمانۂ امن کا موازنۂ مالیہ پارلیمنٹ میں پیش کیا جس میں بہت سے محصول چھوڑ دیئے گئے تھے مگر ان باتوں کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ انقلاب پسندوں کو اس وقت تک قوی امید تھی کہ یورپ کو آزادی دلانے کے لیئے انگلستان ضرور مدد کرے گا مگر اب انھیں یہ یقین ہوگیا کہ قبل اس کے کہ انگلستان اس قسم کی مدد کرے خود انگلستان کو آزادی دلانا چاہیئے۔ اس لیئے انھوں نے اپنا پہلا کام یہ قرار دیا کہ انگلستان میں انقلاب پیدا کریں جس سے انگریزی قوم ان امیروں کے اثر سے آزاد ہوجائے جنھوں نے اس پر تسلّط کر رکھا ہے اور جنھوں نے انگلستان کے باہر بھی بڑی بڑی قوموں کو مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ پس انگلستان میں آزادی قائم کرنے کے لیئے پہلی کارروائی یہ سوچی گئی کہ ہندوستان اور آئرلینڈ کو برانگیختہ کیا جائے کہ وہ انگلستان کی حکومت کے جوے کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں اس وقت سے فرانس کے گماشتے دنیا کے ہر حصے میں انقلاب کا تخم بونے میں سرگرم ہوگئے۔ آئرلینڈ میں انھوں نے "متحدہ اہل آئرلینڈ" سے خط و کتابت شروع کردی، ہندوستان میں انھوں نے والیان ملک کے دربار میں حاضر ہوکر رسوخ پیدا کرنے کی فکر کی خود انگلستان میں "کانسٹیٹوشنل کلب" (دستوری کلب) کے ذریعے سے وہی روح پیدا کرنا چاہی جو فرانس میں پیدا ہوگئی تھی جب اس قسم کی خط و کتابت کو غدارانہ قرار دیا گیا تو فرانس کے ایلچی شوویس نے

اس اعلان کے خلاف بہت زور کے ساتھ اعتراض کیا گیا۔ انقلاب فرانس کے دوستوں تک پر ان انقلابی کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ فاکس نے یہ اعلان شائع کردیا کہ اس موقع پر پارلیمنٹ کی اصلاح تک کی گفتگو دانشمندی و دور اندیشی کے خلاف ہے۔

اس اثنار میں برک بھی یورپ میں خوف پھیلانے کے لئے نہایت سرگرم کوشش کررہا تھا، اس کے سچے جوش کے مقابلہ میں اس کی تحریروں کی گرانی، فراموش ہوگئی تھی۔ وہ اول ہی سے فراری شہزادوں کو ہتھیار اُٹھانے پر آمادہ کررہا تھا اور خود اپنے لڑکے کو اس غرض سے کوبلنتز بھیجا کہ وہ بھی اُن کے ساتھ شریک ہوجائے۔ اس نے لکھا تھا کہ "خود خوف کرو اور لوگوں میں خوف پھیلاؤ" مگر شاہی جانبداری کی جو ہیبت اس نے پیدا کردی تھی اس سے خود فرانس میں ایک انقلابی خوف برپا ہوگیا تھا۔ جنگ کی دھمکی سے دونوں جرمن دربار متحد ہوگئے تھے، اور فرانس کے ساتھ صلح قائم رہنے کی تمام امیدوں کو بادل ناخواستہ ترک کرکے ڈیوک برنسوک کے تحت میں دس ہزار آدمی جمع کردیئے اور اگست میں یہ فوج آہستہ آہستہ میوز کے طرف بڑھنا شروع ہوی۔ فرانس اگرچہ خود ہی اس جنگ کا بانی مبانی تھا مگر اس کی حالت بالکل ہی غیر محفوظ تھی۔ بلجیم میں اس کی فوجیں پہلے ہی حملہ میں نہایت ذلت کے ساتھ ہزیمت اٹھاکر پسپا ہوگئیں، اور جب یہ اضطراب فوج سے گذر کر عام قوم میں پھیل گیا تو اس کا اثر نہایت تشدد آمیز

فرانس کے خلاف اتحاد ۱۷۹۲

و دردناک صورتوں میں ظاہر ہوا۔ برنسوک کے بڑھنے کی خبر پاتے ہی، پیرس کے عوام الناس ۱۰ اگست کو توئی لری میں گھس گئے اور اپنے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے لیوئس کو (جس نے مجلس قومی کے اندر پناہ لی تھی) منصب شاہی سے معزول کر کے ٹمپل میں قید کر دیا۔ ستمبر میں ایکطرف سپہ سالار ڈیومورئیے نے اپنی جرأت اور اپنی مدبرانہ گفت و شنود سے متحدہ فوجوں کو آرگون کے تنگ راستوں میں روک دیا، دوسری طرف اجرتی قاتلوں نے ان شاہ پرست قیدیوں کو بری طرح قتل کر ڈالا جن سے پیرس کے قید خانے، بھرے ہوئے تھے۔ اس ہولناک خونریزی کا مقصد یہ تھا کہ جو عارضی مجلس ملکی اب جمع ہونیوالی ہے اس کے انتخاب پر اثر ڈالا جائے، اور شاہی کو منسوخ کر دیا جائے۔ بیماری کی وجہ سے اہل پروشیا کی فوج کی تعداد گھٹ گئی تھی اور پیرس تک اُس کا بڑھنا غیر ممکن ہوگیا تھا۔ پس اس کے واپس ہو جانے اور اس کے ساتھ ہی مقام ژیماپ میں ڈیومورئیے کو ایک شاندار فتح حاصل ہو جانے سے فرانسیسوں کا اضطراب ایک وحشت ناک خود اعتمادی کی صورت میں بدل گیا۔ اس فتح نے نذرلینڈز کو فرانس کے قدموں کے نیچے ڈال دیا۔ نومبر میں عارضی مجلس ملکی نے یہ اعلان کر دیا کہ فرانس ان تمام قوموں کے لئے اپنے سپاہیوں کی امداد پیش کرتا ہے جو آزادی کے لئے کوشش کرنا چاہتی ہیں۔ اس مجلس کے صدر نے یہ کہا کہ "تمام حکومتیں ہماری دشمن اور تمام قومیں ہماری حلیف ہیں" باوجودیکہ دو ہی برس قبل معاہدے ہو چکے تھے اور انگلستان نے اپنی غیر جانبداری کی یہی شرط قرار دیدی تھی کہ ہالینڈ پر حملہ نکیا جائے

مگر فرانسیسی حکومت نے اس کا کچھ لحاظ نہیں کیا اور ہالینڈ پر حملہ کرنیکا عزم مصمم کرلیا اور اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیدیا کہ بزور شمشیر شیلٹ کے راستے کو کھول دیں۔

فرانس کا اعلان جنگ انگلستان کے خلاف

یہ گویا انگلستان کو جنگ پر مجبور کرنا تھا، اور یوماً فیوماً پٹ پر رائے عامہ کا دباؤ سخت ہوتا جاتا تھا۔ ستمبر کے قتل عام کی ہولناکی اور پیرس کے عوام الناس کی نفرت انگیز مطلق العنانی نے انگلستان کو انقلاب کے طرف سے بدظن کرنے میں، برک کی تمام فصیح البیانی سے زیادہ کام دیا۔ بااین ہمہ جب بادشاہ کے قید کردئے جانے پر انگلستان کا سفیر پیرس سے واپس بلا لیا گیا، تب بھی پٹ اس امید میں لگا رہا کہ اب بھی صلح قائم رہے گی۔ اسے توقع یہ تھی کہ وہ انگلستان کی مداخلت سے جنگ کو موقوف کرکے فرانس کو بحال خود چھوڑ دیگا کہ وہ جس طرح چاہے اپنے اندرونی معاملات کو طے کرلے کیونکہ پٹ کے نزدیک سب سے بہتر صورت یہی تھی۔ پٹ کی تمام زندگی میں کوئی وقت اس سے زیادہ شاندار نظر نہیں آتا جب وہ بالکل اکیلا تھا اور پھر بھی اس نے جنگ کے لئے قوم کے روز افزوں مطالبے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کردیا۔ ستمبر کے قتل عام کی خبر سن کر بھی اس نے صرف اتنا ہی خیال ظاہر کیا کہ اسے امید ہے کہ فرانس فتوحات کے لئے جنگ نہ کرے گا اور معاشرتی تباہی سے بچ جائے گا۔ اکتوبر میں فرانس کے وکیل متعینہ انگلستان نے اپنی حکومت کو یہ اطلاع دی تھی کہ پٹ عنقریب سلطنت جمہوری کو تسلیم کرلے گا۔ نومبر کے آغاز تک میں

وہ ہالینڈ پر برابر یہی زور دیتا رہا کہ غیر جانبداری کو قائم رکھا جائے۔ پس جس صلح پر وہ اس شدت عزم کے ساتھ قائم رہنا چاہتا تھا اسے ترک کرنیوالا انگلستان نہیں بلکہ فرانس تھا۔ مجلس ملکی کے فیصلے اور ہالینڈ کے حملے کے بعد اس کے لیئے جنگ کے سوا کوئی دوسری صورت باقی نہیں رہگئی تھی کیونکہ انگلستان کے لیئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اینٹورپ میں فرانسیسی بیڑے کی موجودگی کو دیکھ سکے یا صوبجات متحدہ (ہالینڈ) کے ایسے رفیقوں کا ساتھ نہ دے۔ لیکن جب ڈسمبر میں اسے یہ خبر ملی کہ عنقریب پولینڈ کی تقسیم ہوجانے والی ہے اس وقت اس نے اپنی آخری کوشش اس امر پر صرف کردی کہ صلح قائم رہجائے اس نے بیویریا پر قبضہ کرلینے کے لیئے اسی شرط کے ساتھ آسٹریا کی مدد کا وعدہ کیا کہ وہ فرانس سے اپنے معاملات طے کرلے اور فرانس سے یہ اقرار کیا گیا کہ اگر وہ اپنے قرب وجوار کے ملکوں کی آزادی میں دست اندازی کرنا چھوڑ دیگا تو انگلستان اس سے جنگ نہ کرے گا۔ لیکن رود بار کے دوسرے جانب اس کے اس اعتدال کو خوف پر محمول کیا جاتا تھا، اور خود انگلستان میں شاہ فرانس کے قتل کا عام سوگ منایا گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ مخالفت کا جوش کس قدر بڑھ گیا ہے۔ پس ان آخری تجاویز کے نامنظور ہوجانے سے اس کیلئے جنگ کے سوا چارہ کار باقی نہ رہا۔ دونوں طرف سے سفارتی مراسلات بند ہوگئے اور فروری ۱۷۹۳ء میں فرانس نے انگلستان کے خلاف اعلان جنگ شائع کردیا۔

اسناد۔ جن کتابوں کا سابق میں ذکر ہو چکا ہے ان میں کتب ذیل کا اضافہ ہوسکتا ہے۔

(۱) سوانح عمری شیریڈن مصنفۂ مور (۲) سوانح عمری لارڈ کاسلری و لارڈ ایلڈن و لارڈ سڈماوتھ (۳) تذکرات رالی (۴) لارڈ کارنوالس کے مراسلات (۵) لارڈ مامزبری لارڈ کولچسٹر، اور لارڈ آکلینڈ کے روز نامچے و مراسلات اس زمانے کے انگلستان کی عام تاریخ کے لئے ایلیسن کی تاریخ یورپ دیکھنا چاہئے اور جنگی تاریخ کے لئے سرولیم نیپیر کی تاریخ جنگ جزیرہ نما

(History of the Peninsular war)

کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

پٹ اور جنگ فرانس

جس وقت سے فرانس نے انگلستان کے خلاف اعلان جنگ کیا، اسی وقت سے پٹ کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا وہ اپنے غرور اپنے غیر متزلزل عزم و استقلال اور قوم کے عام اعتماد کی وجہ سے اب بھی سرکردۂ حکومت بنا رہا مگر وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں

کرسکتا تھا کہ اس عام خیال کی رو میں بہتا چلا جائے جسے وہ کما ینبغی سمجھتا بھی نہیں تھا۔ اس کے اعلیٰ صفات اخلاقی نے اسے جنگ کے ناقابل بنادیا تھا، وہ ایک امن دوست وزیر تھا جسے عام جوش وہیجان نے جبراً و قہراً جنگ میں پھنسا دیا تھا مگر خود اس کی ذات میں یہ جوش و ہیجان بہت کم تھا اس میں اپنے باپ کی یہ خوبی بھی نہیں تھی کہ اپنے گرد و پیش کے خیالات کے ساتھ دفعتہً پلٹا کھا جایا کرے اور پھر خود اپنے خیالات و جذبات سے دوسروں کو موثر کردے اس کے گرد و پیش ملک میں یکایک ایسا ہیجان و اضطراب پیدا ہوگیا تھا کہ انگلستان جوش و خروش میں سمندر کی دوسری جانب کے ملک کی (فرانس) ہمسری کرنے لگا تھا۔ فرانس نے انگلستان کی رائے کے متعلق دھوکا کھاکر کچھ ایسا اعتماد ظاہر کیا تھا کہ خود اہل انگلستان اس سے بروقت دھوکے میں پڑ گئے جمہوریت کے ہوا خواہ درحقیقت صرف تھوڑے سے لوگ تھے جن کا شغل یہ تھا کہ وہ کانونشن (مجلس ملکی) کا انعقاد کیا کرتے اور اپنے کو "شہری" اور "محب وطن" کہا کرتے تھے مگر درحقیقت وہ بچوں کی طرح ان کارروائیوں کی نقل کرتے تھے جو رودبار کی دوسری جانب عمل میں آرہی تھیں۔ عام انگریزوں میں اس وقت انقلاب کی ہیبت نے ایک خوف طاری کردیا تھا۔ فاکس نے جب اس پر بھی فرانس و انقلاب کے متعلق اپنا اعتماد ظاہر کیا تو وھگ فریق تک کے بڑے گروہ نے اس کا ساتھ چھوڑدیا یہ لوگ پرانے وھگ کا نام اختیار کرکے ڈیوک پورٹلینڈ اور ارل اسپنسر، ارل ونڈہیم اور مسٹر ونڈھم کی سرکردگی میں

انگلستان کا اضطراب

حکومت کا ساتھ دینے کے لیے برک کے شریک ہو گئے
پٹ پر اگرچہ اپنے گرد وپیش کے اس سیاسی بازگشت خیال کا بہت کم
اثر پڑا تھا مگر اسے معاشرتی خطرے کا وہم پیدا ہوگیا تھا، اور
اسے یہ اندیشہ تھا کہ "ملک میں ہزاروں بدمعاش" ایسے موجود
ہیں جو تخت کے الٹ دینے، زمینداروں کو لوٹ لینے اور
لندن کو غارت کردینے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اس کی بھتیجی نے
جب اسے پین کی کتاب "حقوقِ انسان" میں سے (جس میں اس
مصنف نے انقلاب کے اصولوں کی تائید کی تھی)، ایک ٹکڑا پڑھکر
سُنایا تو اس نے کہا کہ "پین کوئی بیوقوف نہیں ہے۔ غالباً
اس کا خیال صحیح ہے، لیکن جو کچھ وہ چاہتا ہے اگر میں ایسا ہی
کردوں تو کل ہی ہزاروں بدمعاش مجھ پر ٹوٹ پڑیں اور لندن
کو جلاکر خاک کردیں"۔ صرف یہی معاشرتی خطرہ تھا جس کی وجہ
سے وہ جنگ پر رضامند ہوگیا۔ اسے جس کشمکش میں پھنسنا پڑا
وہ اگرچہ اسے سخت ناگوار تھی مگر اس نے اس جنگ کو مزید
کراہیت کے بغیر اس اعتماد سے منظور کرلیا تھا کہ اس سے
خود انگلستان میں "فرانسیسی اصولوں" کی ترقی رک جائے گی

اضطراب کے نتائج

اس اضطراب کا بدترین نتیجہ وہ مسلسل قانونی کارروائیاں تھیں
جو اسی ضرورت سے اختیار کرنا پڑیں۔ "قانون احضار ملزم" معلق
کردیا گیا، باغیانہ مجلسوں کے خلاف ایک قانون بنایا گیا جس سے
تمام جلسوں کی آزادی محدود ہوگئی اور غداری کے "قوانین" میں
زیادہ وسعت دیدی گئی۔ مطابع کے خلاف پیہم مقدمات چلائے جانے

لگے فرقۂ منحرفین کے بعض پادریوں کے وعظ باغیانہ قرار دیئے گئے اور فرانس سے ہمدردی کرنے والوں کی "مجالس ملکی" بری طرح درہم و برہم کردی گئیں۔ اس اضطراب کی بدترین زیادتیوں کا مشاہدہ اسکاٹلینڈ میں ہوا، جہاں نوجوان دھگوں کو محض اس قصور پر جلاوطنی کی سزا دی گئی کہ وہ پارلیمنٹ کی اصلاح کے لیئے زور دیتے تھے اور ایک ظالم جج نے علانیہ یہ کہا کہ "مجھے افسوس ہے کہ واقعات باغیانہ میں جسمانی عقوبت و اذیت کا دستور متروک ہوگیا ہے"۔ لیکن یہ اضطراب بہت جلد فرو ہوگیا کیونکہ اس کے قائم رہنے کے لئے کوئی سامان باقی نہیں رہا تھا۔ "کارسپانڈنگ سوسائٹی" "مجلس مراسلاتی" کے نام سے ایک جماعت علانیہ فرانس سے ہمدردی کرتی تھی ۱۷۹۴ء میں اس کے سرگروہوں پر بغاوت کا الزام قائم کیا گیا، مگر ان کے چھوٹ جانے سے یہ ثابت ہوگیا کہ خوف و دہشت کا عمل باقی نہیں رہا ہے۔ اس جنگ کے بیس برس کے زمانے میں کبھی کبھی فسادات ہوجانے کے سوا اور کسی قسم کی معاشرتی ابتری سے انگلستان کو پریشان نہیں ہونا پڑا۔ یہ فسادات بھی محض اس وجہ سے ہوتے تھے کہ غربا فاقوں سے تنگ آجاتے تھے لیکن اس اضطراب کی وجہ سے ہر قسم کی اصلاحات کی طرف سے جس طرح سے آنکھ بند کرلی گئی تھی اس کا سلسلہ اضطراب کے فرو ہوجانے کے بعد بھی قائم رہا۔ کم و بیش ایک چوتھائی صدی تک یہ کیفیت رہی کہ کسی ایسی تجویز کو کوئی

سنتا ہی نہیں تھا جس سے موجودالوقت تنظیم میں تغیر پیدا ہوتا ہو خواہ وہ تجویز کیسی ہی مفید و کارآمد کیوں نہ ہو۔ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کی تحریک جو اس زمانے کی نہایت شریفانہ خصوصیت تھی اس میں بھی انقلاب نے خلل ڈالدیا۔

فرانس کی مخالفت

درحقیقت اول اول یہ معلوم ہوتا تھا کہ فرانس ہر طرف ناکامیاب رہے گا۔ وہ دشمنوں کے ایک حلقے میں گھرا ہوا تھا، شہنشاہی، آسٹریا، پروشیا، سارڈینیا، اسپین اور انگلستان سب اس کی مخالفت میں کمربستہ تھے اور فرانس کی خانہ جنگی نے ان دشمنوں کی کوششوں کو اور مدد پہنچادی تھی۔ پواٹو اور برٹنی کے کاشتکاروں نے پیرس کی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کردی تھی، اور جن سرگروہوں نے دارالصدر پر غلبہ حاصل کرلیا تھا ان کی چیرہ دستی کی وجہ سے مارسیلز و لائنز بھی برسرِفساد تھے۔ ۱۷۹۳ء میں جب ڈیوک یارک کے تحت میں دس ہزار انگریزی سپاہ فلینڈرز میں آسٹریوں سے جا ملی تو فرانسیسی فوجوں کو ندرلینڈز سے پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ لیکن آسٹریا و پروشیا کی حرص و طمع کے باعث انقلاب کو کلیتہً پامال کردینے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ پٹ نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ اس موقع سے مشرق میں اپنی تجویزوں کو عمل میں لانے کی آزادی مل جائے گی، پس توازن قوت کے خیال سے آسٹریا و پروشیا مجبور تھے کہ روس کے الحاقات میں حصہ لینے کے لئے پولینڈ کی تقسیم میں شریک ہوجائیں لیکن اگر فرانس میں شاہی کو

بحال کردیا جاتا اور یورپ کے اندر فرانس اپنے سابقہ مرتبے پر پھر قائم ہوجاتا اور پٹ اس کے ساتھ جس قسم کا اتحاد کرنا چاہتا تھا اسے وہ قبول کرلیتا، تو پولینڈ کی یہ نئی تقسیم ناممکن ہوجاتی۔ اسلیئے جرمن درباروں کی حکمت عملی ہی یہ تھی کہ جہانتک ہوسکے اس طوائف الملوکی کی حالت کو طول دیا جائے تاکہ انہیں پولینڈ کو تباہ کرنے کے لیئے پوری آزادی ملجائے۔ پس حلیفوں کی وہ فوجیں جو پیرس کی طرف کوچ کرسکتی تھیں انہیں بالقصد نیدرلینڈز اور رائن کے محاصروں میں اُلجھا دیا گیا۔ اس حکمت عملی سے فرانس کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی تباہیوں کے صدمات سے بحال ہوجائے۔ فرانس کے سرگروہوں کے ظلم اور ان کے جور و ستم جو کچھ بھی ہوئے ہوں مگر فرانس انقلاب کی قدر و قیمت کو سمجھتا تھا اور اس کی تائید کے لیئے وہ جوشش کے ساتھ آمادہ ہوگیا۔ مغرب و جنوب کی بغاوتیں فرو کردی گئیں۔ اسپینی حملہ آور کوہ پرینیز کے دامن میں روک لیئے گئے اور اہل پیڈمانٹ، نیس و سیوائے سے نکال دیئے گئے۔ ٹولون کا عظیم بندرگاہ جس نے حکومت پیرس کے خلاف غیر ملکی امداد طلب کی تھی اور انگریزی فوج کو اپنی دیواروں کے اندر داخل کرلیا تھا، اسے کارسیکا کے ایک نوجوان افسر توپخانہ یعنی نپولین بوناپارٹ کی کارروائیوں سے اطاعت قبول کرنا پڑی۔ اوائل ۱۷۹۴ء میں فلیوریوس میں ایک فتح حاصل کرنے سے فرانس پھر نیدرلینڈز پر حاوی ہوگیا،

اور اس سے یہ پتہ چل گیا کہ حالت بدل گئی ہے اور عہدِ ہول و تخویف اور "جیکوبن" کے ظلموں کے ختم ہونیکے بعد فرانس اندرونی طور پر متحد ہوگیا تھا اور اس کے بعد اپنے متحدہ مخالفوں کے خلاف اس نے جس وسیع جد و جہد سے کام لیا اس کی وجہ سے ہر سرحد پر اسے فتوحات حاصل ہونے لگے۔ اسپین نے صلح کے لئے درخواست کی، پروشیا نے اپنی فوجیں رائن سے ہٹالیں، اہلِ سارڈینیا کوہستان آلپس کے ان حصص سے جو سمندر کے متصل تھے ہٹا دیئے گئے رائن کے صوبے آسٹریا سے نکال لیے گئے۔ اور ابھی سال پورا نہیں ہوا تھا کہ ہالینڈ بھی اتحادیوں کے ہاتھ سے جاتا رہا پیشگرو وسط سرما میں وال کو عبور کر آیا اور ڈیوک یارک کے دس ہزار آدمیوں میں سے بیماری اور بازگشت کی سختیاں جھیلتے جھیلتے جو لوگ بچ رہے تھے وہ بحالِ تباہ انگلستان جانے کے لئے جہازوں پر سوار ہو گئے۔

محالفے کا ٹوٹ جانا

فرانس کے فتوحات نے اس محالفے کو توڑ دیا جس نے اسے تباہ کردینے کی دھمکی دی تھی۔ پیشگرو نے ہالینڈ کو فتح کرکے ہیٹویا کی ایک سلطنت جمہوری قائم کردی اور یہ سلطنت فرانس کی حلیف بنگئی پروشیا نے اپنے راین کے مغربی مقبوضات سے دست بردار ہوکر صلح کرلی اسکے بعد موسمِ گرما میں اسپین سے بھی صلح ہوگئی اور سوئیڈن اور سوئیٹزرلینڈ

کے پروٹسٹنٹ صوبوں نے فرانس کی سلطنت جمہوری کو تسلیم کرلیا۔ خود فرانس کے اندر اختلافات کا قریب قریب خاتمہ ہوگیا تھا، ڈائرکٹری (امارت) کے قائم ہو جانے کے بعد انتہائی جمہوریت پسندوں کے خلاف جو نئی سختیاں اختیار کی گئیں ان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ نئی حکومت اعتدال کی روش پر چلنا چاہتی ہے اور پیٹ نے فرانسیسی حکومت کی اس تبدیل روش کو صلح کی سلسلہ جنبانی کیلئے مغتنم سمجھا۔ پٹ خود اس جنگ و جدل سے پریشان ہوگیا تھا۔ سمندر پر انگلستان کی فوقیت ضرور قائم تھی مگر سمندر پر اس کے فتوحات اور خشکی پر اس کی کمزوری کے درمیان ایک عجب تباین موجود تھا چنانچہ ۱۷۹۴ء میں آغاز مخاصمت کے وقت لارڈ ہو نے برسٹ کے قریب فرانسیسی بیڑے کو شکست دیکر ایسی فتح حاصل کی کہ (۱)یکم جون" کا نام ہی یادگار رہ گیا نوآبادیوں میں بھی انگلستان کو بہت اچھے فوائد حاصل ہوئے، جزائر غرب الہند کے بہت سے فرانسیسی مقبوضات ان سے بھی بدرجہا زیادہ گرانقدر ممالک یعنی اہل ہالینڈ کی نوآبادیاں راس امید، لنکا، اور ملاکا و جاوا کے مشہور اسپائس آئلینڈز تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہوگئے۔ مگر پٹ کے پاس جنگ کو عمدگی سے قائم رکھنے کے ذرائع موجود نہ تھے۔ فوج بہت تھوڑی تھی اسے جنگ کا تجربہ نہیں حاصل تھا، اور اس سے بڑھکر یہ کہ افسران فوج بالکل نا اہل تھے۔ لارڈ گرنویل نے لکھا تھا کہ (۱) ہمارے پاس کوئی سپہ سالار نہیں ہے صرف ایک بڈھی عورت نے

سُرخ فیتا باندھ لیا ہے" سلسلۂ جنگ کی اس تباہ حالت کے ساتھ ہی، جنگ کے اخراجات بھی بہت بڑھ گئے تھے۔ انگلستان کے پاس سپاہی نہیں تھے مگر اس کے پاس دولت موجود تھی اور پٹ نے مجبور ہوکر اس دولت ہی کو جنگ کا آلہ کار بنانا چاہا۔ وہ تمام اتحادی فوجوں کا میرمنشی بنگیا، اور اسی کی امداد نے متحدہ فوجوں کو میدانِ جنگ میں قائم رکھا مگر اس ضرورت سے جس کثیر مقدار میں قرض لینا پڑا اور مصارف جس قدر جلد بڑھ گئے ان کی وجہ سے پٹ کی تمام مالی اصلاحیں بیکار ہوگئیں۔ زمانۂ صلح میں پٹ کے دورانِ انتظام میں محصول کم سے کم حد کو پہنچ گیا تھا مگر اب محصول اس حد پر پہنچ گیا تھا کہ اس کے قبل کبھی خواب میں بھی اس کا خیال نہیں آتا تھا۔ سرکاری قرضہ دن دونا رات چوگنا بڑھنے لگا اور تین برس کے اندر اس میں تقریباً آٹھ کروڑ کا اضافہ ہوگیا۔

جنگ کی رفتار

لیکن پٹ اگرچہ اپنے مالی توقعات کی تباہی اور اپنے اس دور اندیشانہ خیال کی وجہ سے کہ یہ جنگ و جدل یورپ کو سخت خطرات میں مبتلا کردے گی، فرانس کے ساتھ مخاصمت کے ترک کردینے کا صادق دل سے خواہاں تھا مگر اس امید میں وہ تقریباً تنہا تھا۔ قوم میں اب بھی جنگ کا جوش قائم تھا اور اس جوش کو برک نے اپنے "شاہ کش صلح کے خطوط" سے اور مشتعل کردیا تھا۔ برک کے یہ خطوط اس جنون کی آخری آواز تھی جس نے دنیا کو اس خونریزی میں مبتلا کردیا تھا۔

لیکن فرانس کا جوشِ جنگ بھی انگلستان سے کچھ کم نہ تھا۔ پٹ جس وقت گفت شنود کے شروع کرنے کا خواہاں تھا، فرانس کی کامیابیوں نے اور وسیع فتوحات کی توقع پیدا کردی تھی۔ سپہ سالار موریو کو اگرچہ وائنا پر حملہ کرنے میں ناکامی ہوئی مگر آلپس کی فوج کی کمان اب نپولین بوناپارٹ کے ہاتھ میں آگئی تھی اور اس کی حیرت انگیز کامیابیوں نے پیڈمانٹ کو فرانس کی ٹھوکروں میں ڈال دیا تھا۔ لمبارڈی بہت جلد فرانسیسوں کے ہاتھ میں آگیا، اور دریائے پو کے جنوب کی تمام "ڈچیان" (ریاستہائے ڈیوک) تباہ کردی گئیں اور پوپ کو مہلتِ جنگ حاصل کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ مزید فتوحات سے بوناپارٹ کو یہ موقع ملگیا کہ اس نے معاہدۂ کامپو فورمیو کے ذریعے سے آسٹریا کو صلح پر مجبور کردیا۔ اس صلح سے نہ صرف فرانس کو وینس کی قدیم مملکت کا ایک حصہ یعنی جزائر یونان (Ionion Island) نیز ندرلینڈز اور دریائے رائن کا تمام بایاں حصہ مل گیا، بلکہ لمبارڈی میں جنوب پو کی ریاستہائے ڈیوک اور ردیکون تک کے ممالک پوپ کو ملاکر جمہوریہ سس الپائن (جنوب آلپس) بنادی گئی اور اسے کلیتہً فرانس کے تابع رکھا گیا۔ آسٹریا کے علیحدہ ہوجانے سے براعظم پر فرانس کا کوئی دشمن اور انگلستان کا کوئی دوست باقی نہیں رہا اور جنگ کا دباؤ اس پر (انگلستان پر) روزبروز زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ آئرلینڈ پر فرانسیسی حملے کے اندیشے سے بنک میں نقدی ادائی معطّل کردی گئی۔ بیڑے کے آدمیوں نے

۱۷۹۶

اکتوبر ۱۷۹۷ء

بغاوت کردی تھی جو بہت مشکل سے فرو کی گئی کشمکش کے اس نازکترین وقت میں برک کا انتقال ہوگیا، اور اپنی سابقہ ناکامیوں کے باوجود وہ مرتے دم تک اس صلح کے خلاف اعتراض کرتا رہا جس کے متعلق پٹ ۱۷۹۷ء میں بمقام لیل گفتگو کر رہا تھا۔ پٹ اس وقت صلح کو سب سے زیادہ ضروری سمجھا تھا کیونکہ جس قسم کے محالفے نے برطانیہ کو جنگ امریکہ کے دوران میں تباہی کے قریب پہنچا دیا تھا، ویسے ہی محالفے سے اس وقت بھی اس کی بحری فوقیت معرض خطر میں آگئی تھی۔ ہالینڈ و اسپین کے بیڑے پھر فرانسیسی بیڑے سے متحد ہوگئے تھے، اور اگر وہ رودبار پر قابو حاصل کرلیتے تو فرانس کو موقع مل جاتا کہ آئرلینڈ کی مجوزہ بغاوت کی امداد کے لئے بے اندازہ فوج وہاں پہنچادے۔ لیکن یہ خطرہ ابھی پیدا ہی ہوا تھا کہ دو عظیم الشان فتحوں نے اسے بالکل رفع کردیا۔ ۱۷۹۷ء میں جب اسپینی بیڑہ سمندر میں نکلا تو راس سنٹ ونسنٹ کے قریب امیرالبحر جروس نے اس پر حملہ کردیا اور چار بہترین جہازوں کے نقصان کے ساتھ اسے قادس کو واپس بھاگنا پڑا۔ ۱۴ فروری

راس سنٹ ونسنٹ

ادھر ہالینڈ کا بیڑہ اس ارادے سے ٹکسل سے روانہ ہوا کہ آئرلینڈ میں اترنے والی فرانسیسی فوج کی محافظت کرے مگر اسے امیرالبحر ڈنکن کے تحت میں اپنے سے ایک بہت بڑے بیڑے سے سابقہ پڑا جس نے ایک سخت مقابلے کے بعد کیمپر ڈاون کے قریب اسے بالکل ہی تباہ کردیا۔ ہالینڈ کے بیڑے نے جس زور کا

کیمپرڈاؤن ۱۱ اکتوبر

مقابلہ کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اہل ہالینڈ ہنوز اپنی قدیم شہرت و ناموری کے سزاوار ہیں۔ جنگ کیمپرڈاؤن نے جب آئرلینڈ کی امیدوں کو فنا کردیا تو اس نے مایوس ہوکر بغاوت کردی مگر مئی ۱۷۹۸ء میں باغیوں کو بمقام وینگرہل شکست ہوگئی اور سپہ سالار ہمبرٹ جب اگسٹ میں فرانسیسی فوج لیکر آئرلینڈ میں اترا تو اسے اطاعت قبول کرنا پڑی۔ اس طرح اس بغاوت کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ حکومت فرانس نے جن تین حملوں پر بھروسہ کیا تھا ان میں سے دو اس طرح بیکار گئے۔ انگلستان بدستور سمندروں پر حاوی رہا اور آئرلینڈ کی بغاوت ناکام رہی۔ دوسرے سال سب فتحوں کی سرتاج فتح دریائے نیل میں حاصل ہوئی۔ حیدر علی کے جانشین ٹیپو صاحب نے قسم کھائی تھی کہ وہ انگریزوں کو دکن سے نکال دے گا، اس سے بونا پارٹ نے اپنی رسائی طبع سے یہ رائے قائم کی کہ ہندوستان میں بغاوت کی تجویزیں ہورہی ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اس مقصد کیلئے اس نے حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ جنوبی ہند کی مہم کے لئے یہ ضروری ہے کہ اولاً مصر کو فتح کرلیا جائے۔ پس ۱۷۹۸ء میں وہ مصر میں وارد ہوا اور نہایت قلیل مدت میں اسے پوری طرح فتح کرلیا لیکن امیرالبحر نلسن نے ان تیرہ جنگی

جنگ دریائے نیل یکم اگست ۱۷۹۸ء

جہازات کو جو اس مہم کو اپنی حفاظت میں لیکر مصر میں آئے تھے خلیج ابوکر میں دیکھ لیا۔ یہ جہاز کنارے کے قریب ایک قطار میں لنگر زدہ تھے اور ان کے دونوں کناروں پر حفاظت

کے لئے مسلح جہاز اور توپخانے لگے ہوئے تھے نلسن نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے جہازوں کو ساحل اور فرانسیسی جہازوں کے درمیان حائل کردے، اس کا علمبردار جہاز سب سے آگے تھا، اور بارہ گھنٹے کی سخت جنگ کے بعد نو فرانسیسی جہاز گرفتار و تباہ ہوگئے اور پانچ ہزار فرانسیسی قتل و قید ہوئے اس طرح فرانس اور بونا پارٹ کی فوج کے درمیان ہر طرح کا ذریعۂ آمد و شد منقطع ہوگیا اور اس ایک ہی ضرب میں اس کی ان توقعات کا خاتمہ ہوگیا کہ وہ ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے مصر کو اپنا مرکز بنالے گا۔

انگلستان کو آئرلینڈ و ہندوستان میں اپنی حکومت کے متعلق جو خطرات درپیش تھے وہ بتمامہ رفع ہوگئے تھے اور سمندروں پر بھی اس کا غلبہ قائم ہوگیا تھا، اس لئے اب اسے موقع تھا کہ وہ خود فرانس پر حملہ کرے۔ اور نظر بحالات اس حملہ آوری میں یورپی سلطنتوں کے انداز و رفتار اور خود فرانس کی دست درازیوں کے سبب سے اسے فائدہ پہنچنے کی توقع تھی روس نے آسٹریا سے بہت گہرا مخالفہ پیدا کرلیا تھا، اس سے پٹ کے دل میں نئی امیدیں موجزن ہوگئی تھیں اور اس نے ان دونوں حلیفوں کو بیدریغ روپئے سے مدد دینا شروع کردیا اور روسی و آسٹروی فوجوں نے متحد ہوکر فرانسیسیوں کو پھر آلپس اور رائن کے پار بھگا دیا مگر سپہ سالار میسینا کی پُراستقلال مستعدی سے اس کے سپاہی سوئٹزرلینڈ میں بدستور قدم جمائے

رہے۔ ادھر روسیوں اور انگریزوں نے جب بالاتفاق یہ کوشش کی کہ ہالینڈ کو اس کے فرانسیسی مالکوں سے نکال لیں تو اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ مشرق میں انگلستان کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ بوناپارٹ کو جب ہندوستان کے فتح کرنے کے خیال میں مایوس ہونا پڑا تو اس نے شام کے فتح کرلینے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں کے جنگجو کوہستانیوں سے ایک فوج تیار کرے اور حسب ضرورت اس سے قسطنطنیہ یا ہندوستان پر حملہ کرسکے لیکن عکہ میں جو شام کی کنجی تھا ترک بہت زور کے ساتھ جمے ہوئے تھے، اور فرانسیسیوں کی قلعہ شکن توپوں کو ایک انگریزی ناخدا سر سڈنی اسمتھ نے سمندر میں گرفتار کرلیا اور اپنے ملّاحوں کے ذریعہ سے اس نے خود قلعہ کی حفاظت میں مدد دی۔ مجبوراً محاصرین کو مصر کی طرف واپس جانا پڑا۔ فرانسیسی سپہ سالار نے کامیابی سے مایوس ہوکر اپنی فوج کو وہیں چھوڑا اور خود فرانس کو چلا گیا۔ اس کے فرانس میں آنے کے بعد بہت ہی جلد ڈائرکٹروں (یعنی کارفرماؤں) کی حکومت الٹ دی گئی اور ان کے بجائے تین کانسل مقرر ہوئے مگر درحقیقت بوناپارٹ ہی کانسل اول کے نام سے تمام ملک پر تنہا حکمراں بن گیا۔ نومبر ۱۷۹۹ء اس کی مستعدی نے فوراً ہی تمام یورپ کا نقشہ بدل دیا۔ اس نے آسٹریا و انگلستان سے صلح کی خواہش کی مگر اس خواہش سے اس کا مقصود اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ یورپی طاقتوں کے اتحاد میں خلل پڑجائے اور اسے کچھ وقت مل جائے

کہ وہ اس نئی فوج کو جو خفیہ طور پر ویسٹرون میں جمع ہو رہی تھی، مرتب کرلے۔ اس کے ساتھ ہی مورو، رائن کی فوج کو لئے ہوئے ڈینوب کے کنارے کنارے بڑھتا چلا جا رہا تھا، کانسل اول نے سنہ ۱۸۰۰ء میں کوہ سنٹ برنرڈ کو قطع کرکے مارنگو کو فتح کرلیا۔ اس سے اہل آسٹریا کو لمبارڈی کی حوالگی پر مجبور ہوجانا پڑا۔ مورو نے اسی اثنا میں میونخ پر بھی قبضہ کرلیا تھا اور وہ وائنا کی طرف بڑھتا جا رہا تھا، کہ ہنگامی صلح نے اس کی رفتار ترقی کو روک دیا۔ موسم خزاں میں جب پھر جنگ شروع ہوئی تو اہل آسٹریا کو وائنا کی طرف ہٹنا پڑا اور مورو نے ہوہنلنڈن کی فتح سے دریائے ایسر پر ان کی فوج کو بالکل تباہ کردیا۔ فروری سنہ ۱۸۰۱ء میں براعظم کی جنگ کا یکایک صلح لیونے ویل پر خاتمہ ہوگیا۔

سنہ ۱۸۰۰ء ۱۸ جون

۲ دسمبر

جنگ کے خاتمہ سے چند ہی ماہ قبل پٹ کی کوششوں سے آئرلینڈ اور انگلستان میں اتحاد قائم ہوا تھا۔ ولیم سوم کے آئرلینڈ کو فتح کرنے کے بعد کے پچاس برس کی تاریخ ایسی ہے کہ کوئی انگریز بغیر ندامت و شرمندگی کے اس کا خیال نہیں کرسکتا تھا لمرک کی تسخیر کے بعد سے آئرلینڈ کے ہر ایک کیتھولک کے ساتھ خود اس کے ملک کے اندر ایک اجنبی و غیر ملکی کا سا برتاؤ ہوتا تھا، حالانکہ آبادی کے تناسب سے آئرلینڈ میں ایک پروٹسٹنٹ کے مقابلہ میں پانچ کیتھولک آباد تھے۔ کیتھولکوں کے لئے دارالامرا، اور دارالعوام، دونوں کے دروازے بند تھے، نہ وہ ملکی عامل ہوسکتے تھے نہ شہروں کے انتظامات بلدیہ میں انھیں کوئی

آئرلینڈ کی حالت جارج کے تحت میں

عہدہ مل سکتا تھا، حکومت و عدالت کے عہدوں کے تمام راستے
ان کے لئے بند تھے۔ وہ پارلیمنٹ کے نمائندوں کے لئے رائے
دینے تک کے مجاز نہیں تھے، اس جزیرے کی ہر ایک بغاوت
کے بعد جس قدر وسیع ضبطیاں عمل میں آئیں ان کی وجہ سے
صرف ملک میں معدودے چند کیتھولک زمیندار باقی رہ گئے
تھے اور تکلیف دہ قوانین نے انہیں بھی اس قدر پریشان کر دیا
تھا کہ خال خال مستثنیات کے سوا سب کے سب مذہب پروٹسٹنٹ
کا اقرار کرنے لگے تھے۔ درحقیقت ضرورت سے مجبور ہوکر عملی
طور پر ان کے مذہب و عبادت کے متعلق رواداری برتی
جانے لگی تھی مگر تمام معاشرتی و سیاسی معاملات میں دیسی کیتھولک
یعنی آئرلینڈ کی آبادی کا جم غفیر اپنے پروٹسٹنٹ مالکوں کے لئے
"لکڑی کاٹنے والا اور پانی کھینچنے والا ہی" تھا، ان کے یہ آقا
اپنے کو محض عارضی نو آباد سمجھتے تھے اور اپنے اسکاٹلینڈی
و انگریزی نسل سے ہونے پر نازاں اور "آئرلینڈی" کے لفظ کو
باعث اہانت سمجھتے تھے۔ لیکن جہانتک حکومت و اقتدار کا تعلق
تھا، باوصف اس قلت تعداد کے پروٹسٹنٹ جماعت کے نصف
حصے کی حالت کیتھولکوں سے کچھ ہی بڑھی ہوگی کیونکہ السٹر کے
آبادکاروں کا بیشتر حصہ پرسبٹرین تھا اور یہ لوگ ازروئے
قانون تمام ملکی، فوجی اور بلدی عہدوں سے محروم کر دیئے گئے
تھے۔ پس اس طرح ملک کا نظم و نسق اور عدالت کا انتظام
سختی کے ساتھ کلیسائے انگریزی کے پیرووں کے ہاتھوں میں

آگیا تھا، مگر ان کی تعداد کل جزیرے کی آبادی کے بارھویں حصے سے زیادہ نہیں تھی۔ ویران قصبوں کو حق رائے دہی کا عطا کرنا ابتداءً اس غرض سے عمل میں آیا تھا کہ آئرلینڈ کی پارلیمنٹ بادشاہ کی مرضی کے تابع ہوجائے مگر اب یہ قصبے قرب و جوار کے زمینداروں کے اثر میں آگئے تھے اور اس طرح یہی لوگ دارالعوام کے مالک بن بیٹھے تھے اور دارالامرا تو خود ان سے مرکب ہی تھا۔ اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں حالت یہ ہوگئی تھی کہ دارالعوام کے دو تہائی ارکان کا انتخاب امرا کے ایک چھوٹے سے گروہ کے ہاتھوں میں تھا، ان لوگوں نے "کارکنان پارلیمنٹ" کے نام سے اپنی ایک جماعت بندی سی کرلی تھی اور وہ اپنی من مانی شرائط پہ پارلیمنٹ کا "انتظام" کیا کرتے تھے یہ لوگ سیاست کو علانیہ لوٹ کا ایک وسیلہ سمجھتے تھے، انھیں انکی خدمات کے عوض میں وظیفے، ترقیاں اور نقد رشوتیں خوب دل کھولکر ملتی تھیں یہی لوگ ہر نائب السلطنت کے مشیر اور عملاً ملک کے حکمراں تھے۔ اس مختصر سی قابو یافتہ و تباہ کار جماعت کے ظلم و ستم کی اگر کوئی روک تھی تو صرف یہ کہ آئرلینڈ کا تعلق انگلستان سے تھا اور آئرلینڈ کی پارلیمنٹ انگلستان کی پریوی کونسل کے تابع تھی۔ آئرلینڈ کی پارلیمنٹ کو خود اپنی طرف سے کسی قانونی یا مالی کارروائی کے پیش کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اسے صرف یہ اختیار تھا کہ انگلستان کی پریوی کاؤنسل جو قانون اس کے روبرو پیش کرے اس کی نسبت "ہاں" یا "نہیں"

کہہ دے۔ انگلستان کی پارلیمنٹ کو یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہ جس طرح انگلستان کو اپنے منظور کردہ قوانین کا پابند بنا سکتی ہے اسی طرح وہ آئرلینڈ کو بھی پابند کرسکتی ہے، اور اس نے اپنے ایک قانون کی رو سے آئرلینڈ کے امرا کا حقِ سماعتِ مرافعہ انگلستان کے دارالامرا کی جانب منتقل کردیا تھا۔ انگلستان نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس نے آئرلینڈ کی تجارت کو برباد اور وہاں کی زراعت کو تباہ کردیا گویا یہ ان قواعد کا معاوضہ تھا جو آئرلینڈ کو انگلستان کی صیانت سے حاصل ہوتے تھے، انگریز زمینداروں کے رشک و حسد کے باعث ایسے قوانین بنائے گئے جن کے رو سے آئرلینڈ سے گائے بیل یا بھیڑوں کا انگریزی بندرگاہوں میں لانا ممنوع قرار پاگیا۔ اُن کی برآمد بھی اسی خیال سے بند کردی گئی تھی کہ مبادا اس سے انگلستان کے اُون پیدا کرنے والوں کے نفع میں خلل پڑے۔ پس اس طرح بد انتظامی کے ساتھ ساتھ غربت کا بھی اضافہ کردیا گیا تھا، اور دیسی آبادی کی روز افزوں ترقی سے یہ غربت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ قحط نے ملک کو جہنّم کا نمونہ بنا دیا تھا۔

پٹ اور آئرلینڈ

لیکن آخری فتح سے اہلِ آئرلینڈ کو جو تلخ سبق ملگیا تھا وہ مدتوں اس امر کے لئے کافی رہا کہ کوئی شخص بغاوت کا خواب بھی نہ دیکھے۔ مصائب و بددلی کے باعث وقتاً فوقتاً جو شورشیں ہوئیں ان کا تعلق تمامتر امورِ معاشرت سے تھا اور انھیں بھی حکمراں جماعت نے بہت بُری طرح سے دبایا۔

آخرالامر جب سیاسی بغاوت کا خطرہ پیدا ہوا تو یہ خطرہ خود حکمراں طبقے کی طرف سے پیش آیا۔ جارج سوم کے عہد کی ابتدا ہی میں، آئرلینڈ کی پارلیمنٹ نے اپنے اس حق پر زور دیا کہ قوانین زر کے معاملات میں تنہا اسی کو اختیار حاصل ہے اور یہ شور بلند ہونے لگا کہ آئرلینڈ کی پارلیمنٹ کی آزادی پر جو قیود عائد کیے گئے ہیں وہ برطرف کردیئے جائیں۔ جنگ امریکہ کے وقت تک اس شور و شغب سے کوئی حقیقی سیاسی خطرہ نہیں پیدا ہوا تھا، لیکن اس جنگ کے دوران میں یہ خطرہ اس حد کو پہنچ گیا کہ انگلستان کو مجبور ہوکر دینا پڑا۔ اس جنگ کے ختم ہونیکے بعد جبکہ آئرلینڈ کے رضاکاروں نے راکنگھم کی وزارت کو مجبور کرکے وضع قانون کی آزادی حاصل کرلی، تو پھر اس کے بعد سے انگلستان و آئرلینڈ میں صرف اتنا ہی تعلق باقی رہ گیا تھا کہ ایک جزیرے کا بادشاہ دوسرے جزیرے کا بھی بادشاہ تھا اسکے اٹھارہ برس تک آئرلینڈ "آزاد" رہا مگر اس کی آزادی محض برائے نام تھی، امیروں کے چند خاندان اور آئرلینڈ کی اکزکیوٹیو (عاملانہ) حکومت نے بے روک ٹوک اپنا تسلّط جمالیا تھا اور انگریزی حکومت ان کی پشت پناہی کر رہی تھی اجارے اور سرپرستی کا طریقہ اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ اتحاد کے وقت صرف ہل، پانسانبی اور بیرسیفرڈ کے تین خاندانوں کے قبضے میں ساٹھ سے زیادہ جگہیں تھیں۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری قیصوں کی وجہ سے حکومت کا اثر بھی اس وقت پارلیمنٹ پر حاوی تھا۔ رضاکاروں کی کامیابی کا اثر یہ ہوا کہ کیتھولکوں اور پرسبٹیرینوں کے

آئرلینڈ کی آزادی ۱۷۸۲

مفید مطلب کارروائیاں فوراً ہی پیش ہوگئیں۔ ان رضاکاروں میں نصف سے زائد پرسبٹیرین تھے اور انہوں نے پہلے ہی ۱۷۸۲ء میں عشائے ربانی کے عقیدے پر اعتقاد رکھنے کی شرط کو منسوخ کرا کے کامل سیاسی آزادی حاصل کرلی تھی کیتھولکوں کو اپنی مدد کا یہ صلہ ملا کہ تعزیری قوانین کے زیادہ تکلیف دہ قواعد منسوخ کردئے گئے۔ مگر جب گرٹن نے آئرلینڈی فریق کے حصۂ غالب کی تائید کے بھروسہ پر پارلیمنٹ کی اصلاح کے لئے زور دیا اور یہ مطالبہ کیا کہ کیتھولکوں کو برابر حقوق ملنا چاہئیں تو قصبات پر قبضہ رکھنے والی چھوٹی سی جماعت سے جو خصوصیت کے ساتھ حکومت و پارلیمنٹ پر حاوی تھی، اسے بالکل ناکام بنادیا۔ حکمراں طبقہ یہ دیکھتا تھا کہ حکومت کے منافع کس قدر ہیں، اور اس لئے وہ اس میں دوسروں کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انگریزی نائب السلطنت کو معمولی سے معمولی انتظامی کاموں میں ان کی شرکت حاصل کرنے کے لئے انھیں بڑی بڑی رشوتیں دینا پڑتی تھیں۔ لارڈ ہیمپین کا قول تھا کہ "اگر کبھی کوئی ملک ایسا رہا ہے جو خود اپنے اوپر حکومت کرنے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو وہ ملک آئرلینڈ ہے۔ یہاں امرا رشوت خوار و تباہ کار ہیں، متلوّن مزاج ارباب حکومت غیر متفق اور رعایا آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف ہے" پٹ کی نظر میں آئرلینڈ کے خطرے کی سب سے بڑی وجہ اس کی رعایا کی غربت تھی۔ اگرچہ آئرلینڈ کے پروٹسٹنٹ حکمرانوں نے وہاں کے کیتھولکوں کو بزور قوت دبا رکھا تھا مگر پٹ یہ

دیکھ رہا تھا کہ ان کی بددلی بہت جلد بغاوت کی حد کو پہنچتی جاتی ہے، اور بددلی کے دوسرے اسباب جو کچھ بھی ہوں مگر اس کا اصلی راز بلاشک وشبہ وہاں کی غربت میں مضمر تھا۔ آئرلینڈ کی پیداوار کا اس کے قدرتی بازار میں سے خارج کردینا اس غربت کا اصلی سبب نہیں تھا مگر اس کی وجہ سے اس غربت میں اضافہ ضرور ہوگیا تھا۔ ۱۷۸۲ء میں آئرلینڈ نے لارڈ نارتھ سے بہت وسیع مراعات حاصل کرلی تھی لیکن انگریزی حکومت نے کتان اور اونی دھاگوں کے سوا آئرلینڈ کے اور تمام مصنوعات پر جس قدر سخت محصول لگا رکھے تھے اس نے انگلستان کا دروازہ ان کے لئے بند کردیا تھا۔ پٹ کی تجارتی تجویزوں میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ دونوں جزیروں میں تجارت کی آزادی قائم کرکے آئرلینڈ کی اس دقت کو رفع کردیا جائے، اس کی پہلی تجاویز کو آئرلینڈ کی پارلیمنٹ نے منظور کرلیا مگر انگلستان کے اہل زراعت اور اہل صنعت کے خوف و حسد کے باعث انگریزی پارلیمنٹ نے اس مسودۂ قانون میں ایسے ترمیمات داخل کردیئے۔ جس سے آئرلینڈ کی جہاز رانی و تجارت پر برطانوی پارلیمنٹ کو اختیار حاصل ہوجائے اور اس طرح وہ آئرلینڈ کی نئی حاصل کردہ آزادی پر حاوی ہوجائے۔ پس اس نئی صورت میں آئرلینڈ نے اس تجویز کو نامنظور کردیا انقلابی جد و جہد کا شروع ہوجانا اور اس کے ساتھ ہی فرانسیسی

انگلستان

۱۷۸۵

انقلاب پسندوں کا فوراً ہی یہ کوشش کرنا کہ اہل آئرلینڈ کو بغاوت پر آمادہ کردیں۔ پٹ کے لیئے پھر اس امر کا محرک ہوا کہ وہ مصالحت اور شائستہ حکومت کے لیئے جدید تجاویز پیش کرے۔ ۱۷۹۳ء میں اس نے آئرلینڈ کی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ اس مخالفت کو ترک کرے جس کی وجہ سے گزشتہ سال اس کی تجویز برباد ہوگئی تھی۔ اور آئرلینڈ کی پارلیمنٹ نے بلا اختلاف یہ منظور کرلیا کہ کیتھولکوں کو ارکان کے انتخاب میں رائے دہی کا حق دیا جائے اور وہ اس جزیرے کی ملکی و فوجی خدمت میں داخل کیئے جائیں۔ اس سے یہ توقع تھی کہ مذہبی آزادی کا ایک نیا دور شروع ہوجائے گا۔ مگر اب وقت گزرچکا تھا، مذہبی و معاشرتی جذبات کی ترقی نے مصالحت کے خیال کو نقش برآب کردیا تھا۔ ولف ٹون نے ۱۷۹۱ء میں بمقام بلفاسٹ، ایک انجمن "اتحاد اہل آئرلینڈ" کے نام سے قائم کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ پارلیمنٹ میں اصلاح کرنے کے لیئے پروٹسٹنٹوں اور کیتھولکوں کو متحد کیا جائے۔ مگر رفتہ رفتہ حالت یہ ہوگئی کہ انجمن نے فرانس سے خط وکتابت شروع کردی اور بغاوت کے منصوبے سوچنے لگی فرانس کی خبروں سے ان کاشتکاروں میں بھی ایک حرکت پیدا ہوگئی جنھیں مصائب و تکالیف نے سرگشتہ و حیران بنا رکھا تھا۔ انہوں نے خفیہ انجمنیں قائم کرلیں اور ان انجمنوں کی زیادتیوں سے کسانوں کی بد دلی پوری طرح ثابت ہوگئی۔ جس سے حکمراں

طبقوں میں ایک اضطراب برپا ہوگیا۔ پروٹسٹنٹوں اور کیتھولکوں کی آپس کی لڑائیوں نے اس تباہی میں اور اضافہ کر دیا۔ یہ لڑائیاں انقلاب فرانس کے وقوع میں آنے سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھیں پروٹسٹنٹوں کی جماعت پیپ اوڈے بوائز[علہ] "تجسس کنندگان" (Peep-o-day boys) کے نام سے قائم ہوئی تھیں اور ان میں زیادہ تر سخت مزاج پرسبیٹیرین شامل تھے ان کے مقابلے میں کیتھولکوں نے بھی ڈیفنڈرز (حامیانِ ملک) کے نام سے جماعت بندیاں کر لی تھیں یہی جماعتیں بعد میں دو بڑی انجمنوں میں جذب ہوگئیں جن کے نام "اتحادِ اہل آئرلینڈ" اور[عـ۲ہ] "آرنج من" تھے۔

اتحاد

آخر ناراضی و بدولی کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ ۱۷۹۶ء میں ہوش کی سرکردگی میں فرانس کی طرف سے حملے کی کوشش کی گئی تھی، اس سے جو اضطراب پیدا ہوا اس نے ظلم و ستم کے جذبات کو اس حد تک پہنچا دیا کہ آئرلینڈ دوزخ کا نمونہ بن گیا۔ باقاعدہ فوج کے سپاہی اور رضاکار تمام ملک

علہ ۱۷۸۴ء اور ۱۷۹۵ء کے درمیان آئرلینڈ میں پروٹسٹنٹوں کی ایسی جماعتیں قائم تھیں جو علی الصباح ہتیار کے لئے اپنے مخالفوں کے گھروں کی تلاشی لیتی تھیں اس وجہ سے اس کا یہ نام پڑا جس کے لفظی معنی ہیں "طلوع صبح کے بچے"

عـ۲ہ یہ نام آئرلینڈ کی حد سے بڑھے ہوئے پروٹسٹنٹوں کا تھا، اسکی وجہ تسمیہ کے لئے کوئی قطعی رائے نہیں دی گئی ہے بعضوں کا خیال ہے کہ بلفاسٹ کے فرمسینوں کے "آرنج لاج" کی وجہ سے یہ نام پڑا اور بعضوں کے خیال میں ولیم (شہزادہ آرنج) کے اتباع کے خیال سے یہ نام رکھا گیا۔ موخر الذکر ہی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

میں چکّر لگاتے پھرتے اور اہلِ آئرلینڈ کو طرح طرح کی اذیت و عقوبت میں گرفتار کرتے، مال و اسباب کو لوٹ لیتے، مردوں کو قتل کر ڈالتے، عورتوں کی ہتک عصمت کرتے۔ اس پر ستم یہ تھا کہ ان کے ان ظلموں کو آئرلینڈ کے زمینداروں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور پارلیمنٹ کی طرف سے ان ظالموں کے لئے ایک قانونِ معافی جاری کردیا، اور آئندہ کے لئے قانونِ بغاوت نافذ کرکے انھیں محفوظ کردیا۔ اس اثنا میں "متحدہ اہلِ آئرلینڈ" بغاوت کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ اس میں تاخیر صرف اس وجہ سے ہوئی کہ انھیں فرانسیسی فوجوں پر اعتماد تھا اور یہ فوجیں اپنے مقصد میں ناکامیاب رہیں اور اس سے بھی زیادہ اثر کیمپرڈاؤن کی فتح کا پڑا۔ آخرالامر جب ۱۷۹۸ء میں بغاوت شروع ہوئی تو پھر زیادتیوں کا جواب زیادتیوں ہی سے دیا گیا۔ دفادار کوڑوں سے پیٹے جاتے اور انھیں ہر طرح پر جسمانی اذیت دی جاتی، اہلِ فوج میں سے جو شخص بھی کہیں مل جاتا بے تامل اس کے ٹکڑے اُڑا دیئے جاتے۔ لیکن باغی ابھی اینسکارتھی کے قریب۔ وینگرہل پر اپنے لشکرگاہ میں صرف چودہ ہزار کی تعداد تک جمع ہوئے تھے کہ انگریزی فوج نے انھیں بالکل زیر و زبر کردیا اور بغاوت کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ بغاوت بالکل ایسے وقت میں ختم ہوئی کہ ملک مزید تباہیوں سے بچ گیا۔ بغاوت کے ختم ہونے کے چند ہی ہفتے کے بعد نو سو فرانسیسی سپاہی سپہ سالار ہمبرٹ کے تحت میں، میو میں آکر اُترے اور جنگ کیسل بار میں اپنے سے سہ چند فوج کو

۲۱ مئی ۱۷۹۸ء

شکست دیدی اور صرف اس وقت اطاعت قبول کی جب خود نائب السلطنت لارڈ کارنوالس تیس ہزار سپاہ کو لیکر ان کے مقابل میں گیا۔ لارڈ موصوف نے "آرنج من" اور اپنے سپاہیوں کو انتقام لینے سے روکا اور اس معاملے میں پٹ کی تائید سے بھی اسے تقویت حاصل ہوئی کیونکہ "پٹ" "آئرلینڈ کے پروٹسٹنٹوں کے مجنونانہ جوشِ غضب" کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ مگر ظلم و ستم کا جیسا کہ یہ منظر لارڈ موصوف کو دیکھنا پڑا تھا اس کی وجہ سے اس نے یہ عزم کرلیا کہ آئرلینڈ کی اس نمائشی "آزادی" کا خاتمہ کردے جس نے ملک کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں بے بس بنادیا ہے۔ تولیت کے ردّوکد کے زمانے میں آئرلینڈ کی پارلیمنٹ نے جو روش اختیار کی تھی اس سے ہر ایک انگریز مدبر کے ذہن میں یہ خیال جم گیا تھا کہ دونوں ملکوں میں سیاسی اتحاد بہت ضروری ہے کیونکہ ایک طرف انگلستان کی پارلیمنٹ نے شہزادۂ ویلز کے اس دعوے کو مسترد کردیا تھا کہ اسے بطورِ استحقاق تولیت کا حق حاصل ہے، دوسری طرف آئرلینڈ کی پارلیمنٹ نے اس دعوے کو تسلیم کرلیا تھا چونکہ ان دونوں قوموں میں اب صرف اتنا ہی اتحاد باقی رہ گیا کہ دونوں ایک ہی حکمراں کو اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اس لئے اس قسم کی کارروائی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اتنا رابط بھی جاتا رہتا اور بالکل ہی تفرقہ پڑجاتا اسی خطرے کے خیال سے لوگوں نے پٹ کی اس تجویز کو نظرِ استحسان سے دیکھا کہ دونوں پارلیمنٹوں کو متحد کردیا جائے۔

۱۷۹۸

مگر آئرلینڈ میں جو لوگ قصبوں کے انتخاب پر قابض ہو گئے تھے ان کی مخالفت کا اندیشہ تھا اور انہوں نے نہایت ہی سخت و شدید مخالفت کی لیکن انھیں محض روپے سے بحث تھی، دس لاکھ پاؤنڈ کے صرف اور وظائف و منصب امارت کی فیاضانہ تقسیم سے انھیں رضامند کرلیا گیا۔ یہ اگرچہ ایک ذلیل و مبتذل طریقہ تھا مگر پٹ کا جواب یہ ہوسکتا تھا کہ قانون اتحاد کے منظور ہونے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ یہی ہے؛ یہ معاملہ جون سنہ۱۸۰۰ میں بالکل طے ہوا اور آئرلینڈ کے ایک سو ارکان وسٹ منسٹر کے دارالعوام میں شریک ہوے اور اٹھائیس امرائے دنیادی اور چار مقتدایان دین (جن کا انتخاب انھیں کے گروہ سے زندگی بھر کے لئے ہوتا تھا) دارالامرا میں، داخل ہوے، دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کے تمام قیود برطرف کردیئے گئے۔ اور جس قدر تجارتی حقوق ایک ملک کو حاصل تھے وہ دوسرے کو بھی عطا ہو گئے اور محاصل ملکی بھی ایک تناسب کے ساتھ دونوں ملکوں پر عائد کردیئے گئے۔

پٹ اور امراء

آئرلینڈ کے ساتھ اتحاد کرنے کی جو قیمت ادا کرنا پڑی اس کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ نئے نئے لوگ بکثرت امارت کے منصب پر فائز کردیئے گئے، اس سے انگلستان کے نظام حکومت کے عمل میں ایک تغیر پیدا ہوگیا۔ بہت کم جماعتیں ایسی ہوں گی جن کے ارکان کی تعداد میں اتنا فرق ہوا کرتا ہو جتنا کہ دارالامرا کے ارکان کی تعداد میں ہوتا رہا ہے (۱) گلابوں والی

لڑائی کے اختتام کے وقت جس قدر دنیاوی امرا باقی رہ گئے تھے ان کی تعداد کلّہم بادن تھی۔ الیزبتھ کے زمانے میں یہ تعداد ساٹھ ہوئی لیکن شاہانِ اسٹوارٹ نے جب نہایت کثرت کے ساتھ لوگوں کو منصبِ امارت عطا کئے تو ان کی تعداد ایک سو بہتر تک پہنچ گئی۔ لیکن اس حد پر پہنچکر ان کی تعداد خاندان ہینوور کے پہلے دو بادشاہوں کے زمانے تک کم و بیش ایک حال پر قائم رہی لارڈ اسٹینہوپ کی یہ خواہش تھی کہ امرا کی جو تعداد اس زمانے میں تھی اس کو اسی پر محدود کردیا جائے مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے محض والپول کی مخالفت کی وجہ سے اس تجویز میں ناکامی ہوئی۔ یہ کارروائی اگرچہ مضرت سے خالی نہ تھی مگر اس سے کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا کہ جارج سوم نے اپنے اوائل عہد میں اس فریقانہ حکومت کے توڑنے کے لیئے جس طرح بیدریغ نئے امرا کی تعداد بڑھائی ہے یہ نہ ہوسکتا۔ لیکن بادشاہ جس شئے کو صرف تباہ کاری کا آلہ بنانا چاہتا تھا پٹ نے اس سے یہ کام لینا چاہا کہ امرا و صاحبِ جائداد و مرفہ الحال طبقوں کے درمیان زیادہ گہرے ارتباط پیدا کردے۔ اس وقت کے امرا میں جس قسم کی مضرت رساں فرقہ بندیاں قائم ہوگئی تھیں ان سے بادشاہ کی شخصیت کو آزاد کردے۔ وہ اگرچہ بذاتِ خاص موروثی اعزاز کو ناپسند کرتا تھا مگر جس کثرت سے اس نے یہ اعزاز عطا کئے امرا کی تعداد میں اضافہ کسی اور وزیر نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اپنے پہلے پانچ برس کے

دورِ حکمرانی میں اس نے اڑتالیس نئے شخصوں کو امیر بنایا اور بعد کے صرف دو برس (یعنی ۹۷-۱۷۹۶ء) میں بیتیس آدمیوں کو یہ عزت عطا کی۔ اتحاد آئرلینڈ کے معاوضے میں جس کثرت سے لوگوں کو امارت کا منصب عطا کرنا پڑا اس کی وجہ سے ۱۸۰۱ء تک پٹ کے عطا کردہ اعزاز کی تعداد ایک سو چالیس سے متجاوز ہو گئی تھی۔ اس کے جانشینوں نے بھی اسی زور کے ساتھ اس کی تقلید کی یہانتک کہ جارج سوم کے عہد کے آخر میں امرا کی تعداد اس سے دونی ہو گئی جو اس کی تخت نشینی کے وقت میں تھی۔ اس سے دارالامرا کی تمام ہیئت ہی بدل گئی۔ دارالامرا اولاً بڑے بڑے روساء کا ایک مجمع تھا جو خاندانی و فریقانہ وسایط سے مربوط تھے اور سلطنت میں ایک ممتاز اقتدار کی حیثیت سے تسلیم کئے جاتے تھے۔ اب یہ ایوان دولت و جائداد کا ایک مستحکم مامن بن گیا۔ انگریزوں کی دولت کی دن دونی ترقی سے جو بڑی بڑی جائدادیں اور بڑے بڑے متمول خاندان قائم ہوتے جاتے تھے دارالامرا ان سب کا نمائندہ بنگیا نیز تاریخ انگلستان میں یہی پہلا موقع تھا کہ دارالامرا نے صاف طور پر کنسرویٹو (متحفظ) رنگ اختیار کر لیا۔ پٹ نے جو تغیرات کئے ان کی پوری اہمیت کا ظاہر ہونا ابھی آیندہ زمانے کی بات ہے مگر بعض حیثیات سے ان کے نتائج صاف طور پر عیاں ہو چکے ہیں۔ امرا کی تعداد کا بڑا گروہ اگرچہ بادشاہ کی مرضی سے وجود میں آیا مگر عملاً اس کا اثر یہ ہوا کہ بادشاہ کی

سرپرستی کا جو اثر دارالامرا پر پڑتا تھا وہ مفقود ہوگیا۔ چونکہ بادشاہ کا اختیار عملاً دارالعوام کے ہاتھ میں آگیا ہے اس وجہ سے اب دارالامرا کے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ آئینی حکومت کے باقاعدہ کاموں سے موافقت کرنے یا نہ کرنے میں جس طرح چاہے آزادانہ کارروائی کرسکے۔ دوسری طرف دارالامرا کے ارکان کی تعداد بڑھ جانے سے یہ ہی ہوا کہ جب رائے عامہ کسی امر میں قطعی طور پر ظاہر ہوجاتی تو وہ اس کے قبول کرنے کی طرف زیادہ مائل ہوجائے اور چونکہ بڑی بڑی اعیانی مجلسوں میں سیاسی فہم و فراست ایک موروثی شئے ہوجاتی ہے اس وجہ سے اس وقت تک دارالعوام سے کوئی ایسا مناقشہ بھی پیش نہیں آیا ہے جو آشتی کے ساتھ طے نہ ہوگیا ہو۔

لیکن ان دونوں ملکوں کی مجلس قانون سازی کا اتحاد کیتھولکوں کے درحقیقت پٹ کی اس تجویز کا ایک جزو تھا جو اس نے آئرلینڈ قیود کا رفع کو ہموار کرنے کے لئے سوچی تھی۔ دونوں ملکوں کے درمیان کیا جانا آزادیِ تجارت کی تجویز جو چند برس قبل مسترد ہوچکی تھی اس اتحاد کے ساتھ ہی وجود میں آگئی، اور باوجود معاشرتی دقتوں اور سرمایہ کے ناکافی ہونے کے آئرلینڈ کی تجارت، اس کی جہاز رانی اور اس کی صنعت و حرفت اس وقت سے برابر ترقی کرتی جارہی ہے۔ آئرلینڈ کے بلا واسطہ اس مشترک پارلیمنٹ کے تحت میں آجانے کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے تکلیف دہ قوانین پر بھی نظرثانی ہونے لگی اور ان قوانین

کے عملدر آمد میں بھی ترمیم کی گئی۔ محصول میں تخفیف ہو لئی، اور تعلیم عامّہ کی بھی کچھ نہ کچھ ابتدا ہوگئی۔ لیکن پٹ کا خیال یہ تھا کہ دلجوئی و رضامندی کا سب سے بڑا ذریعہ مذہبی مساوات کا عطا کرنا ہے، اس نے جب انگلستان کی پارلیمنٹ میں اتحاد کا مسئلہ پیش کرتے وقت یہ کہا کہ آئرلینڈ جب انگلستان کے مثل پروٹسٹنٹ ملک سے متحد ہوجائے گا تو آئرلینڈ میں کیتھولکوں کی فوقیت کے تمام اندیشے عملاً معدوم ہوجائیں گے بشرطیکہ کیتھولکوں کی دقتیں اور دشواریاں رفع کردی جائیں، اور یہ بھی اشارہ کیا کہ اس صورت میں اگر کیتھولک پادریوں کے لئے کافی و موثر انتظام ہوگیا تو ان کی وفاداری کی طرف سے اطمینان ہوجائے گا۔ تو اس کے ان الفاظ سے کیتھولکوں کے مشکلات کے رفع ہوجانے کی قوی امید پیدا ہوگئی تھی، اور یہ خیال ہوگیا تھا کہ ملکی حیثیت سے جو کچھ دقتیں باقی رہگئیں ہیں اور جنھیں نائب السلطنت لارڈ کاسل ری نے خود آئرلینڈ میں اس ضرورت سے برقرار رکھا ہے کہ کیتھولکوں کی طرف سے اتحاد کی تجویز میں مخالفت نہ ہوجائے، وہ بھی خارج کردی جائیں گی یہ مسلّم تھا کہ کیتھولکوں نے اگر مخالفت کی تو اس تجویز کو شکست ہوجائے گی مگر کیتھولکوں نے مخالفت کا کچھ بھی اظہار نہیں کیا۔ قانون کے منظور ہوجانے کے بعد پٹ نے مجلس وزرا کے سامنے ایک تجویز پیش کی جس کے بموجب کیتھولکوں کو ملکی حقوق میں پوری مساوات حاصل ہوجاتی

پٹ کی طرز عمل

اس کی تجویز یہ تھی کہ اختیار رائے دہی کے محدود کرنے، اور پارلیمنٹ، وکالت، عہدہ ہائے بلدیہ، فوجی مناصب، اور سلطنت کی خدمت میں داخل ہونے کے لیئے جس قسم کے مذہبی اختبار کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب برطرف کردیئے جائیں۔ اس اختیار مذہبی کے بجائے نظامِ سلطنت کے ساتھ اطاعت، وفاداری کا حلف قائم کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی کیتھولک اور منحرف پادریوں کو سلطنت کی طرف سے کچھ وجہ معاش عطا کر کے انکی ہمدردی بھی حاصل کرلی جائے۔ اسقفی کلیسا کو اپنا جانبدار بنانے کے لیئے ایسی تجاویز کا اضافہ کیا جائے جس سے ذرائع انضباط قوی ہوجائیں اور غریب پادریوں کے وظائف میں بھی کچھ اضافہ کردیا جائے۔ آئرلینڈ میں پروٹسٹنٹ پادریوں اور اہلِ ملک کے درمیان عشر کا مسئلہ ہمیشہ باعث تنازعہ بنا رہتا تھا، اب اسے نقد سے بدل کر یہ وقّت رفع کرنے کی بھی صلاح دی گئی۔ یہ تجویزیں اتنی وسیع اور مدبّرانہ تھیں کہ مجلس وزرا کا فوراً اس پر اتفاق کرلینا مشکل تھا اور قبل اس کے کہ ان کا اتفاق حاصل ہوسکے، چانسلر یعنی لارڈ لٹوبرا نے یہ غدّاری کی کہ جارج سوم کو اس سے آگاہ کردیا۔ بادشاہ نے غصّے میں آکر ڈنڈاس سے یہ کہا کہ "جو شخص بھی اس قسم کی کارروائی کی تجویز پیش کرے گا، میں اُسے اپنا ذاتی دشمن تصور کروں گا۔" پٹ نے اس اظہار غیظ و غضب کا جواب یہ دیا کہ اپنی پوری تجویز خود بادشاہ کے سامنے پیش کردی، اور اس کے ساتھ یہ لکھا کہ

رومن کیتھولکوں کو حقوق سے محروم کرنے والے قوانین جن حالات میں بنے تھے، اب وہ حالات باقی نہیں رہے اور موجودہ صورت معاملات پر ان کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ یہ اس زمانے کے قوانین تھے جب دو متخاصم فریق جن کی قوتیں قریب قریب برابر تھیں، ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے، جانشینی کا مسئلہ زیر بحث تھا اور ایک غیر ملکی دعویدار تخت موجود تھا، یورپ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ سلطنتوں میں منقسم ہوگیا تھا" مگر جارج سوم کے سامنے یہ تمام بحث و استدلال بیکار تھا اس نے جن قانون دانوں سے مشورہ کیا اُن سب نے خلاف رائے دی پھر بھی بادشاہ اسی خیال پر جما رہا کہ وہ اپنی حلف تاجپوشی کی رو سے مجبور ہے کہ اختیار مذہبی کو قائم رکھے۔ اس تعصب میں رعایا کا بیشتر حصہ بھی اس کا ہم خیال تھا اور سیاسی حیثیت سے بھی اہل انگلستان کو کیتھولکوں اور آئرلینڈ والوں پر اعتماد نہیں تھا۔ بادشاہ اپنے اصرار پر اس وجہ سے اور بھی سخت ہوگیا تھا کہ اس کے انکار سے پٹ مجبوراً اپنے عہدے سے الگ ہو جاتا۔ آخر صلح لیونے ویل کے مہینے یعنی فروری سنہ۱۸۰۱ء میں پٹ نے استعفا دیدیا، اور اس کے بجائے مسٹر اڈینگٹن صدر دارالعوام کا تقرر ہوا۔ یہ شخص بھی بادشاہ ہی کے مانند تنگدل اور متعصب تھا، معاملات خارجیہ میں لارڈ ہاکسبری، لارڈ گرینویل کا جانشین ہوا، مگر وہ ایسا شخص تھا

کہ دارالعوام کے لوگ اس کے متعلق کچھ جانتے بھی نہ تھے۔

جس زمانے میں کہ کوئی لمحہ خالی نہ جاتا تھا کہ ایک نہ ایک وحشتناک خبر نہ آجاتی ہو، ایسے وقت میں انگلستان کی زمام حکومت کا اڈنگٹن وغیرہ کے ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آجانا سخت باعث تشویش بنگیا۔ روٹی کی گرانی قحط کی حد کو پہنچتی جاتی تھی۔ محصولوں کے ازسرنو بڑھائے جانے کے باوجود سال کے اندر اندر ڈھائی کروڑ قرض لیا گیا۔ انگلستان کا کوئی رفیق نہیں رہا تھا، اودھر صلح لیونے ویل نے براعظم پر فرانس کو ہر قسم کی مخاصمت سے مطمئن کردیا تھا، اور بہت جلد ظاہر ہوگیا کہ کانسل اول جو نئی روش اختیار کرنا چاہتا ہے یہ صلح اس کا پہلا زینہ ہے۔ اس صلح سے غرض صرف یہ تھی کہ برطانیہ سے ایک قطعی جنگ کے لیے اسے بالکل آزادی حاصل ہوجائے اور وہ برطانیہ کی عالمگیر قوت اور اس کی دولت کی مرکزیت دونوں پر کاری ضرب لگا سکے۔ انگلستان تمام یورپ کی تجارت کا حمال بن گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی انگلستان ہی مصنوعات کا سب سے بڑا ملک تھا۔ ایک طرف اس کے معادن، اس کے کرگھے، اس کے دخانی انجن، تمام مصنوعات کا اسے تنہا مالک بناتے جاتے تھے اور دوسری طرف فرانس و ہالینڈ دونوں کی باربرداری کا کاروبار ان کے ہاتھوں سے نکل کر انگلستان کے جہازوں کے قبضے میں آتا جاتا تھا۔ معہذا، دوران جنگ میں، ان ملکوں کی زیادہ زرخیز

نو آبادیاں برطانیہ کے ہاتھ میں آجانے سے گویا تمام دنیا کی نوآبادیوں کی تجارت بھی برطانیہ کے قبضے میں آگئی تھی۔

قواعد برّاعظم

پس بوناپارٹ نے "قواعد برّاعظم" کے نام سے جو ایک وسیع الاثر تجویز قرار دی تھی اُس کا منشا یہی تھا کہ یورپ کے بندرگاہوں کو انگریزی جہازوں کے لیئے بند کرکے انگلستان کی تجارت پر ایک کاری ضرب لگائے۔ شمالی طاقتوں کے اتحاد کے ذریعہ سے اس نے یہ چاہا کہ سمندروں کے قبضے کو برطانیہ کے ہاتھ سے نکال لے۔ جنگ امریکہ کے دوران میں برطانیہ نے اپنے حقِ جستجو پر جس سختی کے ساتھ عمل کیا تھا اس سے سویڈن اور ڈنمارک میں غصہ پیدا ہوگیا تھا، اور انھوں نے مسلح غیر جانبداری کی روش اختیار کرلی تھی، اب یہ سلطنتیں غیر جانبداروں کے لیگ میں شامل کرلی گئیں اور یہ گویا انگلستان کے خلاف ایک طرح کا اعلان جنگ تھا۔ پروشیا بھی اس لیگ میں شریک ہونے کے لئے تیار تھی دوسرے زار روس (پال)، اپنی جگہ پر یہ سمجھتا تھا کہ ترکی کی نسبت اس کے جو منصوبے ہیں اُن میں خاص رکاوٹ برطانیہ کی طرف سے پیدا ہوئی ہے۔ بوناپارٹ نے مصر جاتے وقت مالٹا کو طبقہ سنٹ جان کے نائٹوں (مبارزوں) کے ہاتھ سے نکال لیا تھا اور اسی وجہ سے انگریزی جہازوں نے اسی زمانے سے اس کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ زار کا دعویٰ یہ تھا کہ چونکہ وہ اس طبقے کا گرینڈ ماسٹر (صدر اعلیٰ) منتخب ہوگیا ہے اس لیئے مالٹا کو اس کے

قبضے میں دیدینا چاہیئے۔ اس ذرا سے معاملے کو پال نے انگلستان سے جنگ کا حیلہ بنالیا، اور علانیہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔ یہ ظاہر تھا کہ موسم بہار میں بحیرۂ بالٹک کے کھلتے ہی روس، سویڈن اور ڈنمارک کے بیڑے عملی طور پر فرانس و اسپین کے بیڑے سے متحد ہوجائیں گے۔ یہ اجتماع اگرچہ بڑی شاطرانہ چال تھی مگر ایک ہی ضرب میں وہ پاش پاش ہوگئی۔ اپریل میں برطانوی بیڑا کوپن ہاگن کے سامنے نمودار ہوا، اور ایک سخت جنگ کے بعد ڈنمارک کے توپخانوں کو خاموش کرکے اس کے چھے جہازنہ گرفتار کرلیئے اور اسے التوائے جنگ کی قرار داد کے منظور کرنے پر مجبور کردیا جس سے انگریزی جہازوں کو بحیرۂ بالٹک میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ پال کا بھی انتقال ہوگیا اور اسی وجہ سے یہ "شمالی محالفہ" ٹوٹ گیا۔ جون میں روس و انگلستان کے درمیان ایک قرارداد کے رو سے حق تلاشی اور ممنوعات جنگ کے ناگوار مسائل کا تصفیہ ہوگیا، اور سویڈن اور ڈنمارک نے بھی اس قرار داد کو تسلیم کرلیا۔ عین اس موقع پر جبکہ کوپن ہاگن پر حملہ ہوا ہے ایک اور کاری ضرب ایسی لگائی گئی جس نے بوناپارٹ کے منصوبوں کو مشرق میں بالکل برباد کردیا۔ انگریزی بیڑے کا مالٹا کو مسخر کرلینے کا اثر یہ ہوا کہ انگلستان بحیرۂ روم کا مالک بنگیا۔ سپہ سالار ابرکرامبی کے تحت میں پندرہ ہزار کی ایک جمعیت خلیج ابوکر میں لنگر انداز ہوگئی۔ نپولین نے مصر میں جس فرانسیسی فوج

کو روک دیا تھا وہ بھی بہت جلد مجتمع ہوئی اور ۱۲؍ مارچ
کو اس کے سپہ سالار نے انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ ایک
سخت جنگ کے بعد جس میں ابرکرامبی کاری زخم کھاکر گر گیا،
فرانسیسی بہت بڑا نقصان اُٹھاکر پیچھے ہٹ گئے۔ اور جون میں
ان کے بقیہ تیرہ ہزار سپاہیوں کے اطاعت قبول کر لینے سے
مصر میں فرانسیسوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

صلح آمیاں

لیکن آخر اس مہیب کشمکش میں دونوں فریق اس امر
کے متمنی ہوئے کہ جنگ ملتوی ہو جائے۔ اختتام ۱۸۰۱ء کے
قریب جب بوناپارٹ نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی تو
اس کا مقصود یہ تھا کہ فرانس کے نظم و نسق اور اس کے
ذرائع و وسائل کو نئے سر سے اس طرح مرتب کرنے کا وقت
مل جائے جس سے وہ اس جد و جہد کو کامیابی کے مزید تیقن
کے ساتھ پھر جاری کر سکے۔ انگریزی حکومت نے فوراً ہی اس کی
خواہش کو قبول کر لیا، مارچ میں صلحنامہ آمیاں کے شرائط طے ہو گئے
اور جیسا کہ خیال تھا یہ شرائط بہت ہی سادے تھے کیونکہ
انگلستان کو براعظم کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی دعویٰ
نہیں تھا۔ فرانس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ جنوب اطالیہ سے اپنا
قبضہ اُٹھالے گا اور اپنی سرحد کے آس پاس اس نے ہالینڈ،
سوئٹزرلینڈ اور پیڈمانٹ کی جو جمہوری حکومتیں قائم کی ہیں انھیں
بحال خود چھوڑ دے گا۔ اس کے جواب میں انگلستان نے
فرانسیسی حکومت کو تسلیم کر لیا اور لنکا و ٹرینیڈاڈ کے علاوہ اور

جدید فتح کردہ نو آبادیاں واپس کردیں، جزائر آیونیہ کو ایک آزاد جمہوریہ تسلیم کرلیا، اور جزیرہ مالٹا میں سنٹ جان کے نائیٹوں (اسبارزوں) کو دوبارہ نصب کردینے کا اقرار کیا اس طولانی جنگ و جدل موقوف ہونے پر ایک عام سکون پیدا ہوگیا اور جب نیا فرانسیسی سفیر آیا تو اس کی گاڑی بڑی شان و شوکت سے لندن کی سڑکوں پر کھینچی گئی۔ لیکن کانسل اول کی طبیعت سے جن خطرات کا اندیشہ تھا تیز بیں نگاہوں نے انھیں محسوس کرلیا تھا۔ فرانس کے انقلابیوں کی لغزشوں بلکہ اپنے آس پاس کی قوموں کی آزادی پر ان کے بدترین حملوں تک پر اس ایک موہوم خیال سے پردہ پڑگیا تھا کہ جن قوموں پر انھوں نے حملے کئے تھے انھیں وہ ان کے حکمرانوں کے ظلم سے نکالنا چاہتے تھے۔ مگر بونا پارٹ کا مطمح نظر محض ایک عامیانہ فاتح کا سا تھا وہ اس ارادے پر جما ہوا تھا کہ وہ مغربی دنیا کا مالک بنجائے اور اس کا روادار نہیں تھا کہ اس عزم میں آزادی عامہ کا کوئی خیال یا قومی حقوق کا کوئی احساس مخل ہو سکے۔ اس نے فوجی مطلق العنانی کے ذریعے سے انقلاب کی سیاسی زندگی کا بہت جلد خاتمہ کردیا مگر امتیازات کے منسوخ کردینے اور امیروں اور قسیسوں کو تباہ کردینے کے بعد ایک نئے متوسط طبقے کے قائم کردینے سے انقلاب نے جو نئی معاشرتی زندگی پیدا کردی تھی وہ ابتک قائم تھی اور اس سے فرانس میں ایک نئی جان پڑگئی تھی۔ اب کانسل اول نے کلیسا کو

نپولین کے منصوبے

پھر ایک مذہبی طاقت کے طور پر بحال کردیا، جلا وطنوں کو واپس بلالیا، اور اپنی کفایت شعاری و حسن انتظام سے اپنی حکمرانی کو ممتاز بنادیا اُس کی ان تدابیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن اختلافات نے فرانس کو پاش پاش کردیا تھا وہ سب رفع ہوگئے۔ فرانس کی حکومت میں مرکزیت کا غلبہ تھا، یہ مرکزیت شاہی سے "انقلاب" کی جانب اور "انقلاب" سے نپولین کی جانب منتقل ہوتی آئی تھی۔ اس مرکزیت نے اسے اس قابل بنادیا کہ وہ اپنی مطلق العنانی میں اس قومی قوت سے پورا فائدہ اٹھائے۔ "انقلاب" کے پُرارمان توقعات کی افسردگی، امن وانتظام کی تمنائے عام، فوجی جوش و خروش اور فرانس کی حیرت انگیز فتوحات کی نئی عظمت و شوکت کی وجہ سے مطلق العنان حکومت کا امکان پیدا ہوگیا تھا، اور بوناپارٹ کے دور تسلط میں اس مطلق العنانی کو اور ذرائع سے بھی تقویت حاصل ہوگئی۔ خفیہ پولیس کے قیام و انتظام، مطابع اور ہر قسم کی آزادی رائے کے دبا دینے اور سب سے بڑھکر خود نپولین کی کوہ وقاری و اعلیٰ قابلیت نے اس مطلق العنانی کو اور مستحکم کردیا تھا۔ جب وہ ایک مرتبہ مدت العمر کے لیئے کانسل اول منتخب ہوگیا تو اسے اندرون ملک میں اپنے اقتدار کی طرف سے اطمینان ہوگیا، اور اب اس کی بیچین طبیعت دوسرے ممالک میں دست اندازی کرنے کی طرف مائل ہوگئی۔ فرانس کی حدود پر جو جمہوری سلطنتیں قائم کی گئیں تھیں وہ تمامتر اس کی مرضی

کے تابع ہوگئیں۔ پیڈ مانٹ اور پارما، فرانس میں شامل کرلیے گئے،
اور فرانسیسی فوج نے سوئزرلینڈ پر قبضہ کرلیا۔ انگریزی حکومت نے
معتدل لہجہ میں اعتراض کیا جس کا جواب یہ دیا گیا کہ انقلاب
کے وقت سے جو فرانسیسی جلا وطن انگلستان میں رہتے آئے
ہیں وہ خارج کردیئے جائیں اور مالٹا فرانس کے حوالہ کردیا جائے، اعلانِ جنگ
حالانکہ انگریز محض اس اطمینان کے لئے ہنوز اس جزیرے پر
قابض تھے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو فرانسیسی بیڑا اس پر قابض
ہوجائے گا۔ اب صاف ظاہر ہوگیا کہ جنگ کا ہونا ناگزیر ہے
فرانسیسی بندرگاہوں میں بڑی کثرت سے سامانِ جنگ تیار
ہو رہا تھا، اور اسپین کی بندرگاہوں میں بھی نئی ہلچل نظر آرہی
تھی۔ پس مئی ۱۸۰۳ء میں حکومت برطانیہ نے سبقت کرکے
بوناپارٹ سے قبل ہی جنگ کا اعلان کردیا۔

اس نقص تعلق کا اثر صرف یہ ہوا کہ بوناپارٹ اپنے جنگ
دشمن پر خود اس کے ملک کے اندر حملہ کرنے کے لئے اور ٹرینبلگر
زیادہ مستعد و سرگرم ہوگیا۔ اس کے راستے میں جو مشکلات
حائل تھے ان کو اس نے حقارت کے ساتھ پس پشت ڈال دیا
انگلستان و فرانس کی تناسب آبادی کے لحاظ سے اس نے
کنایتہً یہ کہا کہ "ڈیڑھ کروڑ آدمی لازماً چار کروڑ آدمیوں سے
مغلوب ہوجائیں گے" بس ایک وسیع پیمانہ پر خود انگلستان
پر حملہ کرنے کی عملی تجاویز شروع ہوگئیں۔ ایک لاکھ آدمیوں بولون کا
کا ایک لشکرگاہ بولون میں جمع کیا گیا، اور انھیں ساحل کے لشکرگاہ

پار لیجانے کے لیے کثیر التعداد مسطح کشتیاں جمع کی گئیں۔ قوم و ملک کے معرضِ خطر میں ہونے کے احساس نے ایڈنگٹن کو مجبور کیا کہ وہ عہدے سے کنارہ کش ہوجائے اور پٹ دوبارہ وزارت پر فائز کیا جائے۔ پٹ کی صحت خراب ہوچکی تھی اور یوماً فیوماً اس کی صورت سے نقاہت و اضمحلال زیادہ نمایاں ہوتا جاتا تھا، جس سے صاف یہ ظاہر تھا کہ اس کی موت کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قوم بدستور سابق اس کی معتقد تھی۔ وہ ابتک عام اتحاد و یکجہتی کا دلدادہ تھا اور اسی لئے اس نے اپنی نئی وزارت میں فاکس اور دوسرے سربرآوردہ وھگوں کو شامل کرنے کی تجویز کی لیکن بادشاہ کے مخالفانہ خیال نے اسکے کاموں کو خراب کردیا، اور لارڈ گرنویل اور لارڈ ونڈہم نے فاکس کے بغیر عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا۔ علاوہ بریں اس کے قابل‌ترین موید ڈنڈاس کی جگہ بھی بعد میں جاتی رہی اور اس طرح پٹ بالکل ہی اکیلا رہ گیا۔ لیکن اس تنہائی کے باوجود بھی اس نے مشکلات و خطرات کا ویسی ہی پامردی سے مقابلہ کیا جیسا کہ اس سے سابق میں کرچکا تھا۔ بوناپارٹ نے اب شہنشاہ نپولین کا لقب اختیار کرلیا تھا، اور جبکہ حملے کا زمانہ قریب آگیا، اُس وقت وہ بذات خاص بولون کے لشکرگاہ میں آیا اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ کہا "ہم بس چھ گھنٹے کے لئے رودبار کے مالک ہوجائیں تو پھر ہم دنیا کے مالک ہیں"۔ بڑی ہوشیاری سے ایک تدبیر ایسی قرار دی گئی تھی جس سے

برطانوی بیڑا تو منقسم ہوجاتا اور فرانسیسی بیڑا پورے کا پورا
رودبار میں متحد رہتا۔مگر جو امیرالبحر اس تجویز کو عمل میں لانیوالا
تھا اس کے انتقال کرجانے سے عملدرآمد میں تاخیر ہو گئی۔
لیکن اس اثنا میں اسپین کے مخالفے کے باعث اسپین کا بیڑا
بھی نپولین کے تابع حکم ہوگیا اور ۱۸۰۵ء میں اس نے یہ تجویز
کی کہ اس بیڑے کو فرانس کے بیڑے کے ساتھ متحد کرلیا جائے
اور قبل اس کے کہ وہ انگریزی جہازات جو اسپینی بیڑے
کی تاک میں لگے ہوئے ہیں کچھ کرسکیں انگریزی جہازوں کے
اس حصے کو بالکل غارت کردیا جائے۔جس نے رودبار کے
بندرگاہوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور اس طرح حفاظت
کے ساتھ ایک وسیع فوج انگلستان کے ساحل پر اُتار دیجائے۔
انگلستان کی حفاظت کے لیئے تین لاکھ رضاکار جمع ہوئے
تھے لیکن اگر فرانس کا "لشکر عظیم" رودبار کو عبور کرآتا۔تو اس کے
آزمودہ کار سپاہیوں کا روکنا ان رضاکاروں کے بس کا نہیں
تھا۔لیکن پٹ نے اس سے پہلے ہی فرانس کو کسی اور جگہ
پھنسا دینے کی تجویز سوچ لی تھی۔نپولین کے جنوا کو ملحق
کرلینے سے براعظم کی سلطنتوں کو پھر خطرہ پیدا ہوگیا تھا اور
ان کے متحد ہوجانے میں جو آخری دقت تھی اسے پٹ کی
مالی امداد نے رفع کردیا۔پس روس، آسٹریا، اور سویڈن اس
امر پر متحد ہو گئے کہ ندرلینڈز اور اطالیہ کو شہنشاہِ فرانس
کے پنجے سے نکال لیں۔اس دوران میں نپولین اس عظیم الشان

فرانس کے خلاف لیگ

بیڑے کی ایک جھلک دیکھنے کی لاحاصل تمنا میں پڑا رہا جس کے رودبار میں مجتمع ہونے کی تجویز اس ہوشیاری سے اس نے قرار دی تھی۔ امیرالبحر ویل نیو د، ٹولون سے اپنے جہازوں کو لیکر نکلا اور نلسن کو اپنے تعاقب میں جزائر غرب الہند تک لیگیا، اور پھر دفعتہً قادس کی طرف پلٹ پڑا تاکہ بعجلت تمام برسٹ میں فرانسیسی بیڑے سے ملکر رودبار کے انگریزی بیڑے کو تباہ کردے۔ مگر قبل اس کے کہ یہ چال پوری اترے نلسن بھی پیچھا تعاقب کرتا ہوا اس کے پیچھے آپڑا اور ۲۱ر اکتوبر ۱۸۰۵ء کو راس ٹریفیلگر کے قریب دونوں بیڑوں کا سامنا ہوگیا۔ نلسن کا اس روز مشہور اعلان یہ تھا کہ "انگلستان ہر شخص سے اسکے ادائے فرض کی توقع رکھتا ہے" اور اگرچہ فتح کے آخری وقت میں وہ خود کام آگیا مگر دن کے ختم ہونے تک بیس۲۰ فرانسیسی جہاز بیکار ہو چکے تھے۔ پٹ نے کہا کہ "انگلستان نے اپنی جرأت و ہمت سے نہ صرف اپنے کو بچالیا، بلکہ اپنی مثال قائم کرکے تمام یورپ کو بچانے گا" لیکن اصل یہ ہے کہ اپنے پس پشت کے اتحادیوں کا مقابلہ کرنے کے خیال سے فتح ٹریفیلگر کے قبل ہی نپولین نے انگلستان پر حملہ کرنے کا خواب دیکھنا چھوڑ دیا تھا، اور اپنی فوجوں کا رخ دریائے ڈینیوب کی طرف پھیر کر اپنی بحری شکست سے تین روز پہلے آلم میں آسٹروی فوج کو اطاعت پر مجبور کرچکا تھا۔ آلم سے اس نے وائنا کی طرف کوچ کیا اور آسٹریا و روس کی متحدہ فوجوں کو

نومبر ۱۸۰۵ء

جنگ آوسٹرلٹز میں بالکل تباہ کردیا۔ ولبر فورس نے اپنے روز نامچے میں لکھا ہے کہ "آوسٹرلٹز نے پٹ کو مار ڈالا"۔ اگرچہ اس کی عمر ابھی صرف سینتالیس برس کی تھی مگر اس کی سست آواز اور اس کے نحیف جسم سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس جلیل القدر وزیر کی موت کے دن قریب آگئے ہیں۔ اس حالت میں اسکے توقعات پر اس ضرب شدید کا پڑنا اس کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ دیوار پر یورپ کا ایک نقشہ لگا ہوا تھا اس کی طرف اشارہ کرکے اس نے کہا کہ "اس نقشے کو لپیٹ کر رکھدو اب ادھر دس برس تک اس کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔ صرف ایک بار اسے غش سے ہوش آیا اور جو لوگ اس کے قریب تھے انہوں نے کان لگاکر سنا تو معلوم ہوا کہ وہ دھیمی آواز سے یہ کہہ رہا ہے کہ "میرے ملک، میرے ملک، میں کس حالت میں تجھے چھوڑ رہا ہوں" ۲۳ جنوری ۱۸۰۶ء کو اس نے آخری سانس لی، اور خانقاہ وسٹ منسٹر میں چیتھم کی قبر کے قریب دفن ہوا۔ لارڈ ولزلی کی زبان سے یہ نکلا کہ "یہ بھی کس پایہ کا مقبرہ ہے جسمیں ایک ایسا باپ اور ایک ایسا بیٹا دفن ہو، کون مقبرہ اس کا مقابلہ کرسکتا ہے جس میں انسانی عظمت و کمال کے ایسے جواہر آسودہ خاک ہوں"۔

پٹ کا انتقال

پٹ کے انتقال کا نقصان اس قدر سخت محسوس ہوا کہ گرنویل اس کی تلافی کی صورت صرف یہی نظر آئی کہ جس شے کی تمنا وہ کی زندگی بھر کرتا رہا اور پوری نہ ہوسکی اسے اب پورا کردیا جائے وزارت،

یعنے دونوں فریق متحد ہوجائیں۔نئی وزارت میں فاکس وھگوں کی اس چھوٹی سی ہر دلعزیز جماعت کا رہبر تھا جو اندرونِ ملک کی اصلاح پر مائل تھی، اعیانی خیال کے وھگ لارڈ گرنویل کے زیر اثر تھے اور ٹوری فریق لارڈ سڈمتھ کی سرکردگی میں تھا۔ اب یہ تینوں فریق متحد ہو گئے۔یورپ کو فرانس کی حرص و طمع سے بچانے کی ضرورت نے اندرونِ ملک کے تمام مباحث کو دبا دیا، اور درحقیقت یورپ کو بچانے کے لئے فاکس کا عزم بھی کسی طرح پٹ سے کم نہ تھا یہ ضرور ہے کہ اسے امن کی توقع زیادہ تھی مگر نپولین نے اس کے پیغامات کے جواب میں جس لیت ولعل سے کام لیا اور ساتھ ہی ساتھ پروشیا کے خلاف نئی طرح جنگ ڈال دی، اس سے فاکس کی کوششیں بھی بیکار ہوگئیں۔پروشیا ہی ایک ایسی سلطنت تھی جو نپولین کی قوت کا مقابلہ کرسکتی تھی لیکن ۱۴ اکتوبر ۱۸۰۶ کو جینا کی قطعی فتح نے شمالی جرمنی کو نپولین کے قدموں کے نیچے ڈال دیا۔اس سے ایک ماہ قبل فاکس کا انتقال ہوچکا تھا۔اپنی امیدوں کو اس طرح برباد ہوتے اسے نہیں دیکھنا پڑا۔ مگر فرانس کے خلاف اب شدید مخاصمت کے شروع ہوتے وقت فاکس کا اس دنیا میں نہ ہونا گرنویل کی مجلس وزراء کی کمزوری کا باعث ثابت ہوا۔ نپولین نے جب اولاً "قواعد براعظم" کے جاری کرنیکی کوشش کی تھی تو شمالی سلطنتوں کے اتفاق کی ناکامی سے یہ اتحاد شکست ہوگیا تھا۔مگر اب یورپ پر حاوی ہوکر اس نے یہ دیکھا کہ وہ اپنی اس تمنا کو زیادہ موثر طریق سے پورا کرسکتا ہے، اور

خود انگلستان کی کارروائی سے اسے اپنے اس نئے وار کے لئے
ایک حیلہ ہاتھ آگیا تھا۔ جنگ کے ایک فریق ہونے کی حیثیت سے
انگلستان نے اپنے استحقاق کو بیجا حد تک بڑھایا اور یہ اعلان
کردیا کہ ڈانتسگ سے ٹربیسٹ تک جتنے ساحلوں پر فرانس اور
اس کے رفقاء قابض ہیں سب محاصرے کی حالت میں سمجھے جائینگے
لیکن انگلستان کی وسیع قوت کے باوجود بھی اس "کاغذی محاصرے"
کا عمل میں لانا غیر ممکن تھا، اور نپولین کو عوض لینے کا موقع
مل گیا۔ اس نے براعظم سے برطانیہ کی ہر قسم کی تجارت کے
خارج کرنے کا حکم دیدیا۔ اسے یہ توقع تھی کہ اس اخراج سے
جنگ کا خاتمہ ہوجائے گا کیونکہ اس سے انگلستان کا کاروبار
غارت ہوجائے گا۔ برلن سے ایک فرمان جاری ہوا جس کی رد
سے جزائر برطانیہ کو حالت محاصرہ میں قرار دیا گیا، مگر اس
محاصرے کو عمل میں لانے کے لئے ایک جہاز بھی موجود
نہیں تھا۔ ان جزائر سے ہر قسم کی تجارت و ارسال رسل ورسائل
ممنوع قرار دے دیا گیا۔ فرانس اور اس کے اتحادیوں کی مملکت
میں جس قدر انگریزی سامان یا مصنوعات پائے جائیں سب کو
قابل ضبطی قرار دیدیا گیا اور ان ممالک کے تمام بندرگاہ
نہ صرف برطانیہ کے جہازوں کے لئے بلکہ ان تمام جہازوں
کے لئے بند کردیئے گئے تھے جو برطانیہ کے بندرگاہوں سے
ہوتے ہوئے آویں۔ لیکن اس کے عملدرآمد میں ناکامی ہوئی
کیونکہ ممنوعات کی تجارت کو بہت وسعت حاصل ہوگئی تھی۔

برلن کا فرمان نومبر ۱۸۰۶ء

ہالینڈ خود اپنے کو تباہ کر لینے کے لیئے دل سے رضامند نہیں تھا، روسی اور پروشیاوی ساحلوں پر عمال، چشم پوشی سے کام لیتے تھے، اور سب سے بڑھکر خود حالات و اقتضائے وقت کا دباؤ پڑ رہا تھا۔ خود نپولین کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ان سامانوں کے بغیر کام چلا سکے جن کے خارج کرنے کا وہ ادعا کرتا تھا۔ بکثرت اجازت ناموں کے عطا کئے جانے سے اس فرمان کی سختی رفع ہوگئی۔ نپولین کی فوج نے جب آسٹے لاؤ پر کوچ کیا ہے تو وہ لیڈز کے بنے ہوئے بڑے بڑے کوٹ اور نارتھمپٹن کے بنے ہوئے جوتے پہنے ہوئے تھی۔ اس فرمان سے اگرچہ یہ تو نہیں ہوا کہ برطانیہ کی صنعت و حرفت تباہ ہوجاتی مگر اسکی تجارت پر اس کا بہت ہی مضر اثر پڑا۔ انگریزی جہاز جہاں ملتے فوراً ہی ضبط کرلئے جاتے تھے اس لئے باربرداری کا کام انگریزی جہازوں سے نکل کر غیر جانبداروں اور خاصکر اہلِ امریکہ کی طرف منتقل ہونے لگا۔ تجارتی طبقہ نے اپنی حفاظت کے لیئے حکومت سے درخواست کی اور انھیں کی درخواست کے خیال سے گرنویل کی وزارت نے جنوری ۱۸۰۷ء میں ایک "حکم باجلاس کاؤنسل" جاری کیا کہ فرانس اور اس کے حلیفوں کے سواحل کے تمام بندرگاہ زیر محاصرہ ہیں اور ان بندرگاہوں کے مابین تجارت کرنے والے غیر جانبدار جہازات مالِ غنیمت سمجھے جائیں گے۔ لیکن اس قسم کی کارروائی سے برطانیہ کے تاجروں کو اطمینان حاصل ہونا بعید از قیاس تھا اور انھوں نے

"احکام باجلاس کاؤنسل"

لارڈ گرنویل کی طرف سے اب اپنا خیال ہٹا لیا۔ جہالت وتعصب کی جن قوتوں پر پِٹ غالب نہ آسکا تھا، گرنویل کی وزارت کو بھی اس کے سامنے نیچا دیکھنا پڑا۔ اس وزارت کا سب سے بڑا کارنامہ غلاموں کی تجارت کا بند کرنا تھا مگر یہ کام ٹوریوں اور لِورپول کے سوداگروں کی بڑی سخت مخالفت کے بعد فروری ۱۸۰۷ء میں انجام پایا۔ اور مارچ میں جب وزارت نے اول اول اپنا یہ عندیہ ظاہر کیا کہ فوج میں کیتھولک عہدہ داروں کو داخلہ کی اجازت دیکر وہ مذہبی مساوات کے مسئلہ کو زیر بحث لانا چاہتی ہے تو بادشاہ نے یہ مطالبہ کیا کہ وزارت یہ اقرار کرے کہ وہ اس مسئلے میں دخل نہ دے گی، اور وزارت نے جب اس قسم کے اقرار سے انکار کیا تو برطرف کردی گئی۔

کیننگ وزارت کے زوال کے ساتھ ہی انگلستان کے مختلف فریقوں کا وہ اتحاد بھی بالکلیہ ختم ہوگیا، جو فرانسیسی حملے کے اندیشے سے پیدا ہوگیا تھا، اور اس وقت سے جنگ کے اختتام تک انگلستان کلیتہً ٹوریوں کے زیر حکومت رہا۔ لارڈ گرنویل کے بعد جو وزارت قائم ہوئی اس کا برائے نام سرگروہ ڈیوک پورٹلینڈ تھا مگر اس کی روحِ رواں وزیر خارجہ جارج کننگ تھا۔ کیننگ ایک نوعمر شخص اور پِٹ کا غایت درجہ معتقد تھا۔ اس نے ایک طرف اپنی شاندار فصیح البیانی سے دار العوام پر اپنا اثر جما لیا تھا دوسری طرف اپنی قوت عمل اور اپنی وسعتِ نظر سے جنگ کی کارروائی میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔

نپولین کے مقابلے کے لئے اس وقت سے زیادہ مایوس کن کوئی وقت پیش نہیں آیا تھا، نپولین برلن سے روانہ ہوکر پولینڈ کے قلب سے گزرتا ہوا، آئے لاؤ پہنچ گیا اور اگرچہ موسم سرما میں روسی فوجیں اس کی مزاحم ہوئیں مگر ایک سخت معرکہ آرائی کے بعد اس نے فریڈ لینڈ میں فتح حاصل کرلی، جس سے مجبور ہوکر زار الگزنڈر کو ۱۸۰۷ء کے موسم گرما میں صلح ٹلسٹ پر راضی ہونا پڑا۔ اور مشرقی و مغربی یورپ کے دونوں شہنشاد اب دشمن کے بجائے دوست بن گئے۔ چونکہ الگزنڈر کو یہ توقع پیدا ہوگئی تھی کہ ترکی کے فتح کرنے میں فرانس اس کی مدد کرے گا اسلئے وہ نپولین سے گہرا اتحاد پیدا کرنے کی طرف مائل ہوگیا۔ روس نے نہ صرف برطانوی تجارت کے خلاف اپنے ملک میں فرمان برلن کے عملدرآمد کا اعلان کردیا بلکہ براعظم پر انگلستان کے تنہا رفیق سویڈن کو بھی مجبور کیا کہ وہ انگلستان کا مخالفہ ترک کردے۔ اس طرح روس و سویڈن کے بیڑے فرانس کے زیر اثر آگئے۔ اور دونوں شہنشاہوں کو یہ بھی اعتماد تھا کہ ڈنمارک کا بیڑہ بھی ان کے قابو میں آجائے گا اور اس طرح وہ پھر اس بحری فوقیت کو خطرے میں ڈال دیں گے، جس پر انگلستان کی حفاظت کا اصلی مدار کار تھا۔ لیکن اس توقع میں انھیں مایوس ہونا پڑا۔ کیننگ نے نہایت مستعدی سے خفیہ طور پر ایک مہم تیار کی اور اس مہم نے جولائی ۱۸۰۷ء میں اسینور پہنچکر یہ مطالبہ کیا کہ ڈنمارک کا بیڑہ اس شرط کے ساتھ انگلستان کے حوالے

کر دیا جائے کہ بعد اختتام جنگ واپس کر دیا جائے گا۔ اہل ڈنمارک نے جب اس سے انکار کیا تو کوپن ہیگن پر گولہ باری کی گئی اور ڈنمارک کا تمام بیڑہ مع کثیر المقدار بحری ذخائر کے گرفتار کر کے برطانوی بندرگاہوں میں پہنچا دیا گیا۔ کیننگ نے ایسے ہی بے باکانہ طور پر نپولین کے "قواعد برّ اعظم" کے مقابلے کی طرف بھی توجہ کی۔ نومبر میں اس نے نئے "احکام باجلاس کاؤنسل" شائع کئے۔ ان احکام کی رو سے فرانس اور برّاعظم کی وہ تمام سلطنتیں جہاں سے برطانوی جہازات خارج کر دیئے گئے تھے زیر محاصرہ قرار دی گئیں۔ اور جو جہاز بھی برطانیہ کے ساحل پر آ کے بغیر ان ممالک کے کسی بندرگاہ کو جاتا ہوا مل جائے وہ قابل گرفتاری قرار دیا گیا۔ نپولین نے اس کے جواب میں بماہ دسمبر ایک دوسرا فرمان ملان سے شائع کیا کہ کسی قوم کا کوئی جہاز جو برطانیہ یا برطانوی نوآبادی کو جاتا ہو وہ غیر جانبدار نہیں سمجھا جا سکتا اور قابل گرفتاری ہے۔

فرمانِ ملان

جنگ جزیرہ نما ہسپانیہ

اِس اثناء میں نپولین پر "قواعد برّاعظم" کا یہ اثر پڑا کہ یورپ کو انگلستان کے خلاف متحد رکھنے کے لئے اسے متواتر دست درازیاں اور زیادتیاں کرنا پڑیں مغربی یورپ پر وہ بلا شرکت مستولی ہو گیا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے جادو کے زور سے مغربی یورپ کا سارا نقشہ بدل دیا ہے۔ فرانسیسی شہنشاہ کے ایک معمولی فرمان نے ہالینڈ کی جمہوریہ کو بادشاہی میں تبدیل کر دیا اور اس ملک کا تاج شہنشاہ کے بھائی لوئی کو عطا ہو گیا۔ دوسرا بھائی ژیروم

وسٹ فیلیا کا بادشاہ بنا دیا گیا، یہ نئی سلطنت ہسی کاسل اور ہنوور کی امارت کو ملاکر بنائی گئی تھی۔ تیسرا بھائی جوزف نیپلز کی شاہی سے سرفراز کیا گیا، اور اطالیہ کا بقیہ حصہ بلکہ خود روما بھی فرانسیسی شہنشاہی میں ضم کرلیا گیا۔ برطانیہ کی عالمگیر قوت کو قطعی طور پر تباہ کردینے کے خیال سے نپولین نے اپنی تدابیر کو ظلم و ستم کی حد تک پہنچا دیا اور اس ضرورت سے اسپین پر بھی دست درازی کا مرتکب ہوا۔ لیکن اس نے حسب عادت حزم و تدبیر سے کام لیا، اکتوبر ۱۸۰۷ء میں فرانس و اسپین پرتگال کو باخود با تقسیم کرلینے پر متحد ہوئے، اور ان کی فوجوں کے بڑھتے ہی خاندان براگانزا لسبن سے بھاگ کر برازیل میں پناہ گزیں ہوا۔ لیکن پرتگال کا قبضہ دراصل اسپین کے قبضے کی تمہید تھی۔ اسی زمانے میں اسپین کے دارالصدر میں بلوہ ہوگیا جس سے چارلس چہارم کو سلطنت سے کنارہ کش ہونا پڑا اور اس کا بیٹا فرڈیننڈ ہفتم کے نام سے تخت نشین ہوا ان دونوں باپ بیٹوں کو اہل فرانس بایون میں لے آئے اور مئی ۱۸۰۸ء میں تاج اسپین کے حقوق سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا، اور ایک فرانسیسی فوج نے میڈرڈ میں داخل ہوکر جوزف بوناپارٹ کو شاہ اسپین مشتہر کردیا۔ مگر یہ غاصبانہ چیرہ دستی ابھی اتمام کو بھی نہیں پہنچی تھی، کہ تمام اسپین اس غیر ملکی بادشاہ کے خلاف اس شخص واحد کی طرح اٹھ کھڑا ہوا اور اگرچہ اہل اسپین کی یہ کوششیں بالکل مایوسانہ معلوم ہوتی تھیں مگر انگلستان میں نہایت جوشِ مسرت کے ساتھ اس خبر پر لبیک کہی گئی۔ وھگ فریق

کے سرگروہ شیریڈن نے یہ کہا کہ "بوناپارٹ نے ابتک ایسے بادشاہوں سے جنگ آزمائی کی ہے جن کی کوئی وقعت نہیں تھی، ایسی فوجوں سے لڑا ہے جن کی تعداد تو بہت تھی مگر ان میں کوئی جوش نہیں تھا، اور ایسی قوموں کا مقابلہ کیا ہے جن میں کسی قسم کی حُبّ الوطنی نہیں تھی۔ ابھی اسے یہ سبق حاصل کرنا باقی ہے کہ ایک جوش سے بھری ہوئی قوم کا مقابلہ کیا معنی رکھتا ہے" ٹوری اور وھگ دونوں اس امر پر متفق تھے کہ "دنیا کو خلاصی دلانے کے لئے نپولین پر ایک کاری ضرب لگانے کا اس سے بہتر موقع کبھی برطانیہ کو ہاتھ نہیں آیا تھا" پس کیننگ نے فوراً ہی یہ عزم کرلیا کہ نوآبادیوں اور شکرسازی کے جزائر پر گاہ بگاہ تاخت کرنے کے بجائے جزیرہ نمائے اسپین میں پُرزور جنگ کرنا چاہئے چنانچہ اسپین کے باغیوں کو بے تامّل ہر قسم کی امداد بھیجی جانے لگی، اور دو چھوٹی چھوٹی فوجیں ایک سرٹامس مور کے تحت میں اور دوسری سرآرتھر ولزلی کے تحت میں جزیرہ نما کو روانہ کی گئیں جولائی ۱۸۰۸ء میں اس فرانسیسی فوج کے مطیع ہوجانے سے جو اندلوسیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجی گئی، نپولین کی طاقت کو پہلا صدمہ پہنچا اور اس کے بعد ہی ایک اور بھی ایسی سخت ضرب لگی کہ سرآرتھر ولزلی پندرہ ہزار سپاہ کے ساتھ مونڈیگو میں اُترا، اور پرتگال کی فرانسیسی فوج کو میدان ویمیرا سے ہٹا دیا، اور ۳۰ اگست کو معاہدہ سنترا کے ذریعے سے اسے اطاعت پر مجبور کردیا لیکن کامیابی کی یہ رَو بہت جلد بُری طرح پلٹ گئی۔ نپولین بہ نفسِ نفیس دو لاکھ

سپاہ کے ساتھ اسپین میں آپہنچا اور مور جو اسپینی فوج کی مدد کے لیے لسبن سے سالامانکا تک بڑھ گیا تھا، یہ دیکھکر کہ دریائے ایبرو دیر اسپینی فوج بالکل تباہ ہوگئی ہے، بہت عجلت کے ساتھ ساحل کی طرف پلٹ آیا۔ اس کی فوج نے کورنا کے معرکے میں اپنی شہرت کو قائم رکھا اور محفوظ حالت میں جہاز پر سوار ہوگئی مگر اور ہر طرف نقصان ہی نقصان نظر آتا تھا۔ تمام شمالی و وسطی اسپین فرانسیسی فوجوں کے ہاتھ میں تھا، اور سارا گوسا جس نے غیر معمولی دلیری سے ایک بار ان فوجوں کا منہ پھیر دیا تھا اب دوسرے جانبازانہ مقابلے کے بعد وہ بھی مطیع ہوگیا۔

ویلزلی

مور کی تباہ حال فوج کی آمد اور اسپین کی شکستوں کی خبر نے انگلستان کی انتہا سے بڑھی ہوئی امیدوں کو غایت درجے کی مایوسی سے بدل دیا مگر کیننگ اس سے مطلق متاثر نہیں ہوا۔ جس روز فوج نے کورنا کو خالی کیا ہے اسی روز اس نے قادس کے اسپینی جنٹا (مجلس انتظامی) کے ساتھ معاہدۂ اتحاد پر دستخط کئے۔ لسبن کی انگریزی فوج کو جس نے پرتگال سے روانہ ہونے کا ارادہ کرلیا تھا تیرہ ہزار کی نئی کمک بھیجی اور کل فوج کو سر آرتھر ولزلی کے ماتحت کردیا۔ ویلزلی نے نہایت اطمینان کے ساتھ یہ لکھا تھا کہ فرانسیسی جس قدر فوج لا سکتے ہوں لاویں گمران کے مقابلے میں پرتگال کی حفاظت کی جائے گی۔ اس نازک موقع پر فرانس کی بہترین فوج کو مع شہنشاہ کے جزیرہ نما کو چھوڑ کر دریائے ڈینیوب کی طرف جانا پڑا کیونکہ اسپین کی بغاوت نے انگلستان کی طرح آسٹریا کو بھی دوبارہ

جنگ شروع کرنے پر آمادہ کردیا تھا۔ اسلئے جب مارشل سولٹ نے شمال کی جانب سے لسبن کو دھمکی دی تو ویلزلی نے دلیرانہ اس کے خلاف کوچ کردیا اور اس کی فوج کو منہزم کرکے اسے اوپورٹو سے ہٹادیا اور پھر دفعتہً اپنا رخ بدل کر بیس ہزار سپاہ کے ساتھ براہ ابرانتیس، میڈرڈ پر جاپڑا۔ اس کوچ کے دوران میں تیس ہزار اسپینی سپاہ اس کے ساتھ شریک ہوگئی۔ جولائی ۱۸۰۹ء میں بمقام تالاویرا ایک برابر کی فرانسیسی فوج سے مقابلہ ہوا، جس میں انگریزی فوج نے اپنی شہرت کو پھر قائم کردیا۔ لیکن اس کامیابی سے کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ سولٹ دفعتہً انگریزی فوج کے راستے میں حائل ہوگیا اور ولزلی کو مجبور ہوکر بعجلت تمام باداجوزہ کی طرف ہٹنا پڑا۔ دوسرے مقامات کی اور سخت تباہیوں سے یہ ناکامی اور بھی تلخ ہوگئی۔ وگرام پر نپولین کے فتحیاب ہوجانے سے آسٹریا کو مجبور ہوکر صلح کی درخواست کرنا پڑی اور جو چالیس ہزار انگریزی فوج اینٹورپ کے خلاف روانہ کی گئی تھی وہ والخیرن کے دلدلوں میں اپنے نصف حصّے کو تباہ کرکے بے نیل مرام واپس آگئی۔

تورِیز و بیداس

والخیرن کی ناکامی پورٹلینڈ کی وزارت کے زوال کا باعث ثابت ہوئی۔ کیننگ نے اس تباہی کا سلری کی ناقابلیت سے منسوب کیا، جو آئرلینڈ کا ایک امیر تھا، اور جس نے انگلستان و آئرلینڈ کے متحد کرنے میں، نمایاں حصہ لیا تھا اور ڈیوک پورٹلینڈ نے اسے وزیر جنگ کے عہدے پر ممتاز کردیا تھا۔ کاسلری اور کیننگ کے اِس مناقشے کا انجام ایک ڈول

(جنگ برضائے باہمی) اور دونوں کے استعفے پر ہوا۔ ڈیوک
پورٹلینڈ بھی کیننگ کے ساتھ وزارت سے دستکش ہوگیا اور سابق
انتظام کے ٹوری ارکان کی ایک وزارت اسپنسر پرسیول کی سرکردگی
میں بنائی گئی۔ پرسیول ایک نہایت تنگ خیال و محتاط مگر محنتی
شخص تھا، اسپین کے انگریزی سپہ سالار کا بھائی مارکوئس ولزلی
وزیر خارجہ ہوگیا۔ پرسیول اور اس کے رفقا میں اگرچہ اعلیٰ تدبیر
کے اوصاف کم تھے مگر ایک وصف ان میں ایسا تھا جو انگلستان
کے معاملات حاضرہ کے لئے بے مثل تھا یعنی وہ جنگ کے جاری
رکھنے پر مستقل العزم تھے۔ قوم پر ایک ہنگامی جوش کے بعد عام
مایوسی چھاگئی تھی۔ یہانتک کہ شہر لندن نے یہ درخواست دیدی
کہ جزیرہ نما سے انگریزی فوجیں واپس بلوالی جائیں،، مگر نپولین
اپنے ارادے میں غیر متزلزل معلوم ہوتا تھا، اور اب کہ آسٹریا
تباہ ہوچکی تھی اور اُس کی مخالفت میں انگلستان بالکل تنہا رہ گیا
تھا، اس نے یہ ارادہ کرلیا کہ جنگ اسپین پر پوری قوت صرف
کرکے اس خرخشنے کو یک قلم مٹادے صرف ایک صوبہ اندلوسیہ
آزاد رہ گیا تھا، اس پر اوائل ۱۸۱۰ء میں حملہ کیا گیا اور شہر
قادس کے سوا تمام صوبے نے اطاعت قبول کرلی ادھر مارشل مسینا
نے دس ہزار چیدہ فوج کے ساتھ لسبن کی طرف کوچ کردیا۔
ان نئی کوششوں کے مقابلے میں پرسیول تک نے جزیرے پر
قابو رکھنے کی امید ترک کردی اور رہنے یا نہ رہنے کی ذمہ داری
ویلزلی پر چھوڑدی (جسے جنگ تالاویرا کے بعد لارڈ ولنگٹن بنادیا گیا تھا

پرسیول کی وزارت

ولنگٹن نے اپنے پُرسکون رائے اور اپنی ہمت مردانہ کے بھروسے پر اس ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا جس سے کمزور اشخاص جھجک جاتے اس نے جواب میں لکھا کہ "میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے ملک کی عزت و اغراض کا اقتضا یہ ہے کہ جبتک ممکن ہو ہم یہاں قائم رہیں۔ اور اگر خدا کو منظور ہے تو مجھ سے جبتک ہو سکے گا میں ثابت قدم رہوں گا" جن پرتگالی فوجوں نے برطانوی افسروں سے تعلیم پائی تھی انھیں ملاکر اس کے پاس اب پچاس ہزار سپاہ ہوگئی تھی۔ اور اگرچہ اپنی فوج کی قلت کی وجہ سے وہ دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا اور مسینا نے ساحل کے قلعجات سیوداد روڈریگو اور المیدا کو فتح کرلیا۔ مگر بوساکو کی بلندیوں پر اس نے مسینا کو بڑی پامردی سے روکا اور آخر اکتوبر ۱۸۱۰ء میں پیچھے ہٹ کر مدافعت کی ان تین صفوں کے اندر آگیا جنھیں اس نے ٹورِیز ویدراس پر خفیہ طور پر تیار کر رکھا تھا۔ یہ صفیں ایک پہاڑی سلسلے کی بلندی پر واقع تھیں جس پر دمدمے بنے ہوے اور توپیں چڑھی ہوئی تھیں یہ جگہ ناقابلِ تسخیر تھی اور باوجود اپنی قابلیت و استقلال کے ایک مہینے کی بےسود کوشش کے بعد مسینا کو رجعت قہقری اختیار کرنا پڑی جسے اس نے بڑے کمال کے ساتھ انجام کو پہنچایا۔ مگر فرانسیسی فوج جب اس ویران شدہ ملک کے اندر سے دوبارہ گزری تو وہ قلت رسد سے اس درجہ پریشان ہوئی کہ ۱۸۱۱ء کے موسم بہار میں سیوداد روڈریگو پہنچتے پہنچتے صرف چالیس ہزار آدمی باقی رہ گئے تھے۔ تازہ دم فوجوں سے کمک پاکر مسینا بڑی تندی کے ساتھ المیدا

کو خلاصی دلانے کے لئے پلٹا جسے ولنگٹن نے محصور کرلیا تھا، لیکن مئی ۱۸۱۱ء میں دو روز کی سخت جنگ کے بعد انگریزی فوج کو اس کے مستقر فوئنٹیس دونورو سے ہٹانے میں ناکامی ہوئی، اور مارشل (مسینا) سالامانکا کی طرف پلٹ گیا اور ولنگٹن کو پرتگال سے خارج کرنے کی تمام کوششیں ترک کردیں۔

انگلستان و امریکہ

توریز ویدراس کے واقعات کا یہ اثر ضرور ہوا کہ انگریزی قوم کی ہمت بہت بلند ہوگئی اور نپولین کی مطلق العنانی کے مقابلہ کرنے کی امید کی ایک نئی لہر یورپ میں دوڑ گئی۔ مگر اس کا فوری نتیجہ اس سے زیادہ کچھ نہ نکلا کہ پرتگال فرانس کے پنجے سے چھوٹ گیا لیکن قادس اور مشرقی صوبوں کے سوا باقی تمام اسپین پر فرانسیسی بدستور قابض رہے، اور جنرل سیوشے کی کوشش سے ۱۸۱۱ء میں مشرقی ساحل بھی فتح ہوگیا۔ پس انگلستان، اسپین کو نپولین کی دست درازی سے نہ بچا سکا، ادھر خود اس کی دست درازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے امریکہ میں مشکلات کا سامنا پیش آگیا۔ کیننگ نے

۱۸۰۷

"احکام کاونسل" کی رو سے یہ کوشش کی تھی بار برداری کی تجارت انگریزوں کے ہاتھ سے نکلکر غیر جانبداروں کے ہاتھ میں نہ جانے پائے اور اس لئے ان تمام جہازوں کے لئے جو کسی زیر محاصرہ بندرگاہ کو جاتے ہوں یہ لازمی کردیا گیا تھا کہ کسی نہ کسی برطانوی بندرگاہ پر ٹھرتے ہوئے جائیں اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ امریکہ سے سخت اُلجھاؤ پیدا ہوگیا۔ فرانس و انگلستان کی اس طولانی کشمکش میں امریکہ کو دونوں سے تکلیفیں پہنچی تھیں مگر برطانیہ سے نسبتہً زیادہ تکلیف اُٹھانی پڑی تھی۔ انگریزی حکومت نہ صرف جہازوں کی تلاش کے حق پر

عملدرآمد کرتی تھی بلکہ وہ اس حق کی بھی دعویدار تھی کہ جو انگریزی ملاح امریکی جہازوں پر ملیں گے اُنھیں گرفتار کرلے گی۔ اور چونکہ انگریزی اور امریکی ملاحوں میں تمیز کرنے کے قرائن بہت کم تھے اسلئے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ نیو انگلینڈ کے آدمی اس دھوکے میں گرفتار ہوکر برطانوی بیڑے میں کام کرنے پر مجبور کئے جاتے تھے۔ ان زیادتیوں سے امریکہ کو سخت تکلیف ہورہی تھی مگر چونکہ جنگ سے اسے سخت استبعاد تھا اس لئے وہ اس کا عوض لینے سے رکتا تھا۔ ماسوا اس کے یہ خیال بھی جنگ کا مانع تھا کہ غیر جانبدارانہ حیثیت کے قائم رکھنے سے اسے بہت فائدہ پہنچ رہا تھا لیکن "احکام باجلاس کاونسل" اور "میلان کے فرمان" نے اسے عملی کارروائی کرنے پر مجبور کردیا اور اس نے ان کا فوری جواب یہ دیا کہ اپنے بندرگاہوں میں یورپ کے تجارتی جہازوں کی آمدورفت یک قلم بند کردی۔ مگر ایک برس کی کوشش کے بعد امریکہ کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس بندش کا قائم رکھنا ناممکن ہے اور اوائل ۱۸۰۹ء میں اس نے اس بندش عام کے بجائے صرف فرانس و انگلستان سے عدم تعلق کا قانون منظور کیا۔ مگر یہ قانون بھی ویسا ہی بے نتیجہ ثابت ہوا۔ اپنی برّی سرحد پر تو امریکہ کی حکومت اس کے نافذ کرنے کے بالکل ہی ناقابل تھی اور سمندر پر بھی اس کے نافذ کرنے کے لئے بہت ہی کم وسائل اسے حاصل تھے۔ جہازات روزانہ برطانوی بندرگاہوں کی طرف روانہ ہوتے رہتے تھے اور آخرالامر یہ عدم تعلق کا قانون کلیتہً منسوخ کردیا گیا۔ امریکہ کا اصرار اب تمامتر

اس امر پر تھا کہ ان دونوں طاقتوں میں سے جو طاقت اپنے احکام کو منسوخ کردے گی امریکہ اس کے فریق مخالف سے ہر قسم کی تجارت بند کردے گا۔ نپولین نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاکر یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے برلن و ملان کے فرامین کو منسوخ کردے گا اور امریکہ سے اپنے اقرار کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس لئے فروری ۱۸۱۱ء میں ممالک متحدہ نے یہ اعلان کردیا کہ برطانیۂ عظمیٰ اور اس کے توابعات سے ہر قسم کے تعلقات منقطع ہوگئے ہیں۔ اس کارروائی کا اثر یہ ہوا کہ اس سال میں انگریزی مال کی برآمد ایک تہائی گھٹ گئی۔ برطانیہ نے یہ بحث پیش کی کہ شہنشاہ کے وعدے پورے نہیں ہوئے اور اسلئے انگلستان کے ساتھ عدم تعلق ایک ناجائز بلکہ مخاصمانہ فعل ہے۔ امریکہ کی اس حکمت عملی اور اس کے ساتھ ہی ممالک متحدہ میں جنگی جوش کے بڑھ جانے سے انگلستان کو سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ انگلستان کی حرفتی حالت اس نازک حد کو پہنچ گئی تھی کہ اسے جدید نقصانات کا آماجگاہ بنانا اس کی تباہی کے متعلق نپولین کے منصوبے کو پورا کرنا تھا۔

انگلستان کی حالت لیکن جنگ کی ابتدا میں کئی برس کے عرصے میں انگلستان کی دولت و ثروت میں بہت بڑی ترقی ہوگئی تھی۔ انگلستان ہی تمام سمندروں کا تنہا مالک تھا جنگ کے باعث اسپین، وہالینڈ اور فرانس کی نو آبادیوں پر قابض ہوگیا تھا۔ اور اگرچہ فرمان برلن کی وجہ سے کچھ زمانے تک اس کی رفتار تجارت میں کمی آگئی تھی

مگر نپولین کی کوششیں بہت جلد بیکار ہوگئیں کیونکہ جنوبی یورپ اور شمالِ جرمنی کے ساحل پر خفیہ درآمد کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہوگیا تھا۔ انیسویں صدی کے شروع ہوتے وقت انگلستان کے برآمد کی جو مقدار تھی وہ اب قریب قریب دونی ہوگئی تھی۔ واٹ اور آرکرائٹ کی ایجادوں سے مصنوعات کو روز افزوں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ اس دوران میں لنکاشائر کی کلوں میں خام روئی کا صرف پانچ کروڑ پاؤنڈ سے دس کروڑ پاؤنڈ تک پہنچ گیا تھا سرمائے کی کثرت کے ساتھ مجتمع ہوجانے اور اس کے ساتھ ہی آبادی میں بہت زیادتی ہوجانے کا اثر زمین پر پڑا اور گیہوں کی قیمت قحط کی حد کو پہنچ گئی اور گیہوں کی قیمت کے تناسب سے زمین کی قیمت بھی بڑھ گئی۔ احاطہ بندی نہایت جلد جلد قائم ہوتی جاتی تھی۔ ہر ایک زمیندار کی آمدنی دونی ہوگئی تھی اور اراضی دار اس قابل ہوگئے تھے کہ وہ زراعت کے ایسے ترقی یافتہ ذریعوں سے کام لیں جن سے ملک کا تمام نقشہ ہی بدل جائے۔ لیکن دولت کی فراوانی وکثرت کے ساتھ اس کا انتفاع ایک خاص حلقے کے اندر محدود تھا۔ واٹرلو کے قبل کے پندرہ برس میں آبادی کی تعداد ایک کروڑ سے بڑھکر ایک کروڑ تیس لاکھ تک پہنچ گئی اور اس عاجلانہ زیادتی کی وجہ سے مزدوری کی شرح پست ہوگئی۔ اگر آبادی میں یہ ترقی نہ ہوئی ہوتی تو قومی دولت کی فراوانی کے لحاظ سے مزدوری میں بھی زیادتی ہوجاتی کارخانوں کے جاری ہونے سے اگرچہ انجام کار میں مزدوروں کو فائدہ پہنچا مگر ابتداءً یہ معلوم ہوتا تھا

کہ وہ بھی ان کے تنزل کا باعث ہیں کیونکہ کلوں کے اجرا کے اولین نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ گھروں کے اندر جو چھوٹے چھوٹے کار و بار ہوتے تھے وہ برباد ہو گئے اور جن خاندانوں کی اوقات انھیں کاموں پر تھی وہ سب کے سب مفلس ہوگئے۔ ہاتھ سے کام کرنے کے بجائے کل سے کام لینے کا ایک خطرناک اثر یہ ظاہر ہوا کہ ۱۸۱۱ء کے موسم سرما میں شمالی و وسطی صوبوں میں کلوں کے توڑنے کے لیئے اس زور کے ہنگامے برپا ہو گئے کہ صرف فوجی قوت سے فرو ہوسکے۔ ایک طرف کار و بار کے پرانے طریقے بیکار ہو گئے اور دوسری طرف آبادی کی ترقی کے باعث شرح مزدوری مصنوعی طور پر کم ہوگئی۔ گیہوں کی قیمت بڑھ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمیندار و اراضی دار تو دولتمند ہوگئے مگر غریبوں کو قحط و موت کے مصائب کا شکار ہونا پڑا کیونکہ جنگ کی وجہ سے انگلستان، برّاعظم و امریکہ کی وسیع زراعت گاہوں سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہوگیا تھا۔ ہمارے اس زمانے میں اگر انگلستان میں فصل خراب ہوجاتی ہے تو ان ممالک کی فراواں پیداوار سے اس کی تلافی ہوجاتی ہے مگر اس وقت یہ حالت نہ تھی اس گرانی کے ساتھ ہی ساتھ مزدوری پیشہ طبقات کا افلاس بھی مہلک حد کو پہنچ گیا۔ امداد غربا کی شرح پچاس فی صدی تک پہنچ گئی اور غربت کی زیادتی کا لازمی نتیجہ جرائم کی صورت میں نمودار ہوا۔

اصلاح کی تجدید

پس اس طرح تجارت و کاروبار اور عام قوم کی دولت کے طبعی تناسب میں خلل پڑ گیا۔ جنگ نے زمینداروں، اراضی داروں،

تاجروں اور کارخانہ داروں کو تو دولتمند بنا دیا مگر غریبوں کو اور مفلس و مفلوک کردیا۔ طبقات قوم کی وہ مضرت رساں جنگ اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان وہ معاشرتی تفریق جس نے ابتک انگریزی سیاسیات میں نہایت پیچیدگی پیدا کررکھی ہے، اس کی ابتدا صلح لیونے ویل اور جنگ واٹرلو کے درمیانی زمانے میں ہوئی ہے۔ جنگ کے شروع ہونے کے وقت سے سیاسیات کی جو ترقی پذیر تحریک رُک گئی تھی، اس کے آغاز کی ابتدا بھی انھیں برسوں سے سمجھنا چاہیئے۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں اڈنبرا میں چند نوجوان قانون پیشہ اشخاص نے اڈنبرا ریویو کا اجرا کیا، اور اس سے آئینی و انتظامی ترقی کی اس رفتار کا ازسرِنو آغاز ہوا جسے ولیم پٹ نے بدرجۂ مجبوری ترک کردیا تھا۔ جیرمی بنتھم نے مسئلہ افادہ پر خاص طور پر زور دیا، اور سیاسی مقصد کی یہ تعریف کی کہ "زیادہ سے زیادہ تعداد کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے"۔ اس سے سیاسی خیالات میں ایک نیا زور پیدا ہوگیا۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں سر فرینسیس برڈٹ نے پارلیمنٹ کی اصلاح کے مسئلہ کو پھر چھیڑا مگر صرف پندرہ ارکان نے اس تحریک کی تائید کی۔ اس کے بعد اس نے ایک رسالہ لکھا جس میں دارالعوام کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا تھا کہ "وہ ہمارے ہی اہل ملک کا ایک جزو ہے جو ایسے ذرائع سے جمع ہوا ہے جن کا بیان کرنا ضروری نہیں ہے"۔ اس کے جواب میں اسے ٹاور میں بھیجدیا گیا اور پارلیمنٹ کے ملتوی ہونے تک وہ وہیں محبوس رہا۔ کیتھولکوں کے رفع قیود کے مسئلہ پر کیننگ جس استقلال

کے ساتھ سال بسال زور دیتا رہتا تھا اس نے اور بھی زیادہ وسیع اثر پیدا کیا جبتک پرسیول زندہ رہا اصلاح کی یہ دونوں کوششیں بیکار رہیں لیکن لارڈ لورپول کے وزارت عظمیٰ پر فائز ہونے کے بعد قوم کی آزادی پسند احساس کی ترقی پذیر قوت زیادہ محسوس ہوئی اور وزارت نے کچھ معتدل مراعات کا طرز عمل روا رکھا۔ کیتھولکوں کے رفع قیود کا مسئلہ خود وزارت کے اندر علانیہ زیر بحث رہا اور ۱۸۱۲ء میں دارالعوام نے بہت بڑی کثرت رائے کے ساتھ اسے منظور کیا مگر دارالامرا نے اب بھی اسے مسترد کردیا۔

امریکہ سے جنگ

معاشرتی و سیاسی مشکلات کے اس طرح روبہ ترقی ہونیکی صورت میں ٹوری مدبرین تک انگلستان کی صنعت و حرفت کے ان تباہ کن نتائج کے مقابلے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے جو امریکہ کے نپولین کے ساتھ متفق ہوجانے سے پیدا ہوتا۔ درحقیقت وہ اس فکر میں تھے کہ "احکام کاؤنسل" کو واپس لے لیں مگر پرسیول کی وزارت کے برطرف ہوجانے سے ان کی تجاویز یکایک رک گئیں اس وزارت کی حالت ہمیشہ سے کمزور تھی۔ ۱۸۱۱ء میں بادشاہ کو جنون کا دورہ ہوجانے سے یہ ضرورت پیش آئی کہ بذریعۂ قانون پارلیمنٹ، شہزادہ ویلز متولی مقرر کیا جائے اور شہزادے کا میلان چونکہ وھگوں کی طرف تھا اس وجہ سے پرسیول کی وزارت کو اپنی برطرفی کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا ان کی اس عدم طمانیت کا اثر جنگ پر بھی پڑا کیونکہ ۱۸۱۱ء میں ولنگٹن کے ظاہرا بیکار رہنے کا اصلی سبب یہی تھا کہ انگلستان کے اندر وزرا میں خود تذبذب اور

کمزوری پیدا ہوگئی تھی ۱۸۱۲ء میں ایک مخبوط الحواس شخص بیلنگھم نے
پرسیول کو قتل کردیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی وزارت کا بھی خاتمہ
ہوگیا۔ متوفی شہزادے نے اب تازہ کوششیں اس امر کی کیں کہ
وِگوں کی وزارت قائم ہوجائے لیکن آپس کی بے اعتمادی سے
اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی اور لارڈ لورپول کو سرکردگی میں
پرانی ہی وزارت پھر بحال کردی گئی۔ لورپول کوئی بڑی قابلیت کا
شخص نہیں تھا مگر وسیع النظری و اعتدال پسندی کی خوبی اس میں
موجود تھی اور ایک عجیب کمال اس میں یہ تھا کہ ضد ہمدگر رفیقوں
کو باہم ملائے رہتا تھا۔ اس کے رفقا میں سب سے زیادہ اہمیت لارڈ
کاسلری کو حاصل تھی اور وہی وزیر خارجہ مقرر ہوا۔ اس کا پہلا کام
اس خطرے کا تدارک کرنا تھا جو کیننگ کے احکام "پریوی کونسل" کی وجہ سے
پیش آرہا تھا۔ ان احکام کی منسوخی سے مایوس ہوکر اوائل ۱۸۱۲ء
میں امریکہ نے جنگ کا تہیہ کرلیا تھا۔ کانگرس نے بری و بحری دونوں فوجوں
کا اضافہ منظور کرلیا اور امریکہ کے بندرگاہوں کے تمام جہازوں کو
باہر نکلنے سے روک دیا۔ اب بھی یہ ممکن تھا کہ ان احکام کو منسوخ
کرکے جنگ کو روک دیا جاتا اور انگریزی وزارت اس پر آمادہ بھی
تھی مگر پرسیول کے قتل سے جو ابتری پیدا ہوگئی اس میں یہ موقع
جاتا رہا۔ وزارت کے قائم ہونے کے بارہ ہی روز بعد ۲۳ جون کو
"احکام" منسوخ کردیے گئے مگر اس منسوخی کی خبر کے امریکہ پہنچنے میں
چھ ہفتوں کی دیر ہوگئی اور ۱۸ جون کو کانگرس نے ایک قانون سے
یہ اعلان کردیا تھا کہ امریکہ برطانیہ عظمیٰ سے برسر جنگ ہے ...

سالا ماسکو اور ماسکو

امریکہ اس عظیم الشان جد وجہد میں جس وقت شریک ہوا ہے وہ بنی نوع انسان کی تاریخ کا ایک نہایت ہی نازک وقت تھا۔ امریکہ کے رئیس جمہوریہ میڈیسن نے جس دن اپنا اعلان جنگ شائع کیا ہے اس کے چھے روز بعد نپولین بعزم ماسکو دریا کے نیمن سے گزرا ہے۔ نپولین کی امریکہ و انگلستان کو ایک دوسرے سے لڑوا دینے کی حکمت عملی جس حد تک کامیاب ہوئی، اس حد تک وہ اس میں بھی کامیاب رہا کہ ٹلسٹ میں شہنشاہ الگزنڈر سے جو اتحاد قائم ہوا تھا وہ ٹوٹ جائے اور روس سے جنگ چھڑ جائے۔ ایک طرف نپولین اپنی جگہ پر اس امر سے پیچ وتاب کھا رہا تھا کہ روس انگلستان کے ساتھ ہر قسم کی تجارت بند کردینے پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کیوں نہیں کرتا (خواہ اس میں اس کے زمیندار تباہ ہی کیوں نہ ہو جائیں)۔ دوسری طرف فرانسیسی اقتدار کی وسعت سے زار کے فکر و اندیشے میں ترقی ہوتی جاتی تھی کیونکہ نپولین نے یہ عزم کرلیا تھا کہ شمالی ساحلوں پر قبضہ کرکے "قواعد برّاعظم" کو بزور عمل میں لائے۔ ۱۸۱۱ء ہالینڈ "ہینسک ٹاونز" (جرمنی کے متحدہ تجارتی شہر)، وسٹ فیلیا کا ایک حصہ، اولڈنبرگ کی امارت ڈیوک، یکے بعد دیگرے ملحق کرلی گئیں اور یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا تھا مکلنبرگ کی امارت ڈیوک پر بھی قبضہ کرلیا جائے گا۔ پس فرانس کی طرف سے جب یہ قطعی مطالبہ ہوا کہ انگلستان سے جملہ تعلقات منقطع کردیئے جائیں بنائے مخاصمت مستحکم ہو گئی اور دونوں طرف سے ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور فرانس

کے بہترین سپاہی اسپین سے واپس آکر پولینڈ کی سرحد پر متعین کیے گئے۔ ولنگٹن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اس کی فوج کی تعداد چالیس ہزار انگریز اور بیس ہزار پرتگالیوں تک پہنچ گئی تھی، پس اس نے مدافعت کے طریق کو چھوڑکر حملے کی روش اختیار کی۔ ۱۸۱۲ء کے موسم بہار میں سیوداد رودریگو اور باداہوز پر حملہ کرکے انھیں مسخر کرلیا، اور نپولین نے جب بعزم ماسکو دریائے نیمن کو عبور کیا اس سے تین دن پہلے ولنگٹن بعزم سالامانکا دریائے اگویڈا کو عبور کرچکا تھا، دونوں طرف بڑی شاطرانہ چالیں اختیار کی گئیں اور آخر مارمون نے شمال کی فرانسیسی فوج سے سالامانکا کی پہاڑیوں کے اوپر انگریزوں پر حملہ کردیا۔ جس وقت وہ انگریزی مستقر کے داہنے جانب کو مڑرہا تھا اس کا بایاں بازو کھلا رہ گیا اور ولنگٹن کی زبان سے بیساختہ یہ نکلا کہ "مارمون کا کام تمام ہوگیا"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے اپنی پوری فوج کے ساتھ اس کے بائیں بازو پر حملہ کرکے اسے بالکل تباہ کردیا اور تمام فرانسیسی فوج کو میدان سے بھگا دیا۔ نقصان دونوں جانب قریب قریب برابر ہوا مگر ناکامیابی نے فرانسیسی فوج کی ہمّت پست کردی اور اس کی بازگشت نے جوزف کو میڈرڈ کے چھوڑدینے اور سولٹ کو اندلوسیہ کے خالی کردینے پر مجبور کردیا، اور سولٹ نے ادھر سے ہٹکر اپنی جنوبی فوج مشرقی ساحل پر مجتمع کی۔ ادھر نپولین آہستہ آہستہ پولینڈ کے وسیع میدان میں بڑھ رہا تھا ادھر ولنگٹن نے اگست میں میڈرڈ کے اندر داخل ہوکر

۲۲ جولائی

برگوس کو محاصرے میں لے لیا۔ مگر اس شہر نے بڑی پامردی کے ساتھ ایک مہینے تک مقابلہ کیا تاآنکہ ان دونوں فرانسیسی فوجوں کے بڑھنے سے جو شمال وجنوب میں جمع ہوئی تھیں اکتوبر میں ولنگٹن مجبور ہوگیا کہ جتنا جلد ممکن ہوسکے پرتگالی سرحد کی طرف پلٹ جائے۔ اس مہم سے اگرچہ اس نے اسپین کے اندر فرانسیسی حکومت کی بنیاد کو متزلزل کردیا تھا مگر اس کی آخری ناکامیابی نے یہ ثابت کردیا کہ ابھی تک وہاں پر ان کا فوجی قبضہ کس قدر مضبوط ہے۔ لیکن اس کے بعد جو خبریں آئیں انہوں نے اس مایوسی کو دلوں سے زائل کردیا۔ جس وقت انگریزی فوج برگوس سے ہٹی ہے اسی وقت نپولین کے "لشکر اعظم" نے بھی

ماسکو سے بازگشت

ماسکو سے بازگشت شروع کی تھی۔ نپولین، بورودینو کی جنگ میں فتحیاب ہوکر جب شان وشوکت کے ساتھ روس کے قدیم دارالسلطنت میں داخل ہوا ہے تو وہ بے صبری کے ساتھ انتظار کررہا تھا کہ زار کی طرف سے صلح کی تجاویز آتی ہوں گی۔ تجاویز تو نہ آئیں مگر باشندوں نے شہر میں آگ لگا کر اسے خاک سیاہ کردیا اور فرانسیسی فوج کو مجبور ہوکر روس کی مصیبتناک سردی کے زمانے میں پیچھے ہٹنا پڑا۔ روانگی کے وقت اس "لشکر اعظم" میں چار لاکھ آدمی تھے مگر دسمبر میں جب اس نے دریائے نیمن کو دوبارہ عبور کیا ہے تو اس میں صرف چند ہزار آدمی باقی رہ گئے تھے۔

نپولین کا زوال

باوجودیکہ نپولین نے اپنی اس فوج کے نقصان کے پورا کرنے

میں بڑی حیرت انگیز کوششیں کیں مگر یورپ پر اس نے جو سحر رکھا تھا وہ ماسکو کی بازگشت سے ٹوٹ گیا ۱۸۱۳ء کے موسم بہار میں جب روسی دریائے نیمن سے پار ہوئے ہیں تو پروشیا بھی نپولین کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی، اور جو فرانسیسی فوجیں اس پر قبضہ کئے ہوئے تھیں وہ فوراً ہی دریائے ایلب کی طرف پسپا کردی گئیں۔ اس مشکل وقت میں فرانسیسی شہنشاہ نے اپنی فوجی قابلیت کا انتہائی کمال دکھادیا۔ اس نے مقام مائنز میں دو لاکھ نئی فوج جمع کرلی تھی، اسی کو لیکر وہ ماہ مئی میں روس اور پروشیا کی متحدہ فوجوں کے خلاف روانہ ہوگیا۔ لٹزن میں ان پر فتحیاب ہوکر سیکسنی کو بالکل صاف کردیا، اور بیوٹزن کی ایک دوسری فتح سے انھیں دریائے اوڈر کی طرف پسپا کردیا۔ اس شکست کی مایوسی اور آسٹریا کے ابتک غیر جانبدارانہ روش پہ قائم رہنے کی وجہ سے دونوں سلطنتیں جون میں التوائے جنگ پر راضی ہوگئیں اور صلح کے لئے گفتگو شروع کردی۔ آسٹریا یہ نہیں چاہتی تھی کہ فرانس کو بالکل تباہ کرکے اپنے مشرقی رقیب کو فائدہ اٹھانے کا موقع دے مگر اس کے ساتھ وہ اس عزم میں بھی ان دونوں حلیفوں سے کچھ کم نہ تھی کہ یورپ پر سے نپولین کے غلبے کو مٹادے۔ پس جب یہ واضح ہوگیا کہ نپولین اس کی تجاویز سے صرف اپنا کام نکالنا چاہتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی خبر ملی کہ آخرالامر اسپین سے نپولین کی فوج خارج کردی گئی تو وہ عملی کارروائی پر آمادہ ہوگئی۔ اسپین کی سرگزشت یہ ہے کہ ولنگٹن کی

فوج جب نوے ہزار تک پہنچ گئی تو وہ مئی کے مہینے میں پرتگال سے نکلا۔ اور وٹوریا کی طرف بازگشت کرتی ہوئی فرانسیسی فوجوں پر حملہ کرکے انھیں ایسی شکست دی کہ وہ نہایت تباہ حالت میں کوہ پرینیز کے پار ہوئیں۔ میڈرڈ فوراً خالی کردیا گیا، اور کلوزل سارگوسا سے ہٹکر فرانس میں داخل ہوگیا۔ اس فتح نے نہ صرف اسپین کو اسکے حملہ آوروں سے نجات دلادی بلکہ اتحادیوں کی ہمت کو پھر بحال کردیا۔ التوائے جنگ کے ختم ہونے پر آسٹریا بھی پروشیا اور زار کی فوجوں کے ساتھ متحد ہوگئی اور اکتوبر میں بمقام لیپزگ، نپولین کے آخری طور پر شکست کھاجانے سے فرانسیسی فوجیں بحالت تباہ دریائے رائن کے دوسری طرف چلی گئیں۔ جنگ اب بہت تیزی کے ساتھ اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ ولنگٹن اگرچہ سان سباسٹین اور پامپالونہ کے محاصروں نیز پرینیز کی سخت مدافعت کے باعث مدت تک رکا رہا۔ مگر جس مہینے میں لیپزگ کی شاندار کامیابی حاصل ہوئی ہے اسی مہینے میں اسے بداسوا پر ایک فتح حاصل ہوئی جس سے اسے فرانس میں داخل ہونے کا موقع ملگیا۔ اس کے بعد اور حلیف بھی فرانس میں داخل ہوگئے۔ سنہ ۱۸۱۳ء کے آخری دن ان کی فوجیں دریائے رائن کے پار ہوئیں اور فرانس کا ایک تہائی حصہ بغیر کسی مخالفت کے ان کے ہاتھ میں آگیا۔ نپولین ایک مٹھی بھر سپاہیوں کو لئے ہوئے اور دو مہینے تک اس بیشمار فوج کے مقابلے میں حیرت انگیز طور پر جما رہا۔ جنوب میں سولٹ نے بایون کے قریب اپنے لشکرگاہ کو خندقوں سے

۲۱ جون سنہ ۱۸۱۳ء

محفوظ کرلیا تھا مگر اب اسے وہاں سے نکلنا پڑا اور مقام آورتؔ پر شکست کھاکر وہ ولنگٹنؔ کے مقابلے میں ٹولیزؔ کی طرف ہٹ گیا۔ یہاں ماہ اپریل میں ان دونوں سپہ سالاروں کی فوجوں کے درمیان ایک سخت مگر غیر مختتم معرکہ ہوا اور اگرچہ ان دونوں میں سے کسی کو اس کی خبر نہیں تھی مگر جنگ ختم ہوچکی تھی۔ پیرسؔ کی حوالگی سے خود نپولینؔ کی جدوجہد کا اواخر مارچ میں خاتمہ ہوگیا تھا اور دارالسلطنت کے مطیع ہوجانے کے بعد ہی شہنشاہ تخت سے دست بردار ہوگیا اور خاندان بوربونؔ پھر واپس آگیا۔

جنگ امریکہ

اپنے دشمن پر انگلستان کی فتحیابی بحراوقیانوسؔ کی دوسری جانب کی کشمکش کے مشکوک حالات سے بے نتیجہ ہوگئی۔ امریکہ کا اعلان جنگ محض ایک دیوانگی کا فعل معلوم ہوتا تھا، کیونکہ اس کے بیڑے میں صرف چند ادنی درجے کے جنگی جہاز اور کچھ معمولی کشتیاں تھیں۔ اس کی فوج نئے سپاہیوں پر مشتمل تھی جن کی تعلیم ناقص اور ہتیار ناکافی تھے۔ اس کے ساتھ خود مسئلۂ جنگ پر مختلف ریاستوں میں باہم اختلاف تھا، اور کونکٹیکٹؔ اور میسیچوسٹسؔ نے آدمی یا روپیہ بھیجنے سے انکار کردیا تھا۔ موسم گرما و موسم خزاں میں کناڈاؔ کے اندر داخل ہونے کی تین مرتبہ کوشش کی گئی مگر تینوں مرتبہ ناکامی ہوئی البتہ سمندر پر غیر متوقع کامیابیاں حاصل ہوگئیں جس سے ان ناکامیوں کی زائد از ضرورت تلافی ہوگئی۔ انگریزی اور امریکی جہازوں کے درمیان دو مرتبہ متواتر جنگ ہوئی

اور دونوں مرتبہ انگریزوں ہی کو نیچا دیکھنا پڑا۔ ان کامیابیوں کا اثر ان کی اصلی اہمیت سے بدرجہا زیادہ ہوا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ انگریزوں کی بحری فوقیت پر کوئی سخت ضرب پڑی ہو۔ ۱۸۱۳ء میں امریکہ نے اپنی بحری کامیابی کے بعد خشکی پر بھی زیادہ زور کی کوششیں شروع کیں۔ اس کی فوجوں نے خلیج اونٹیریو کو صاف کردیا ٹورنٹو پر قبضہ کرلیا، خلیج ایری کے برطانوی جہازوں کو تباہ کردیا اور بالائے کناڈا کی مالک بن گئی لیکن نشیبی کناڈا کا حملہ کامیابی کے ساتھ مسترد کردیا گیا اور وسط موسم سرما میں برطانوی اور کناڈی فوجوں کی نئی پیش قدمی نے بالائی صوبے کو واپس لے لیا۔ اس نقصان سے ممالک متحدہ کے اس فریق کو نئی قوت حاصل ہوگئی جو برابر جنگ کی مخالفت کررہا تھا، اور امریکہ کی تجارت کی تباہی اور ناکہ بندی نے جو ہولناک مصیبت برپا کردی تھی اس سے یہ مخالفت اور بڑھ گئی تھی۔ جنگ کے ختم کردینے کے مطالبے ہونے لگے اور میساچوسٹس نے دلیری کے ساتھ سبقت کرکے اپنے وکیل مقرر کیے کہ وہ "ان کی تکالیف و مشترک معاملات پر" نیو انگلینڈ کی دوسری سلطنتوں سے گفتگو کریں۔ تاہم ۱۸۱۴ء میں جنگ بہ نسبت سابق کے زیادہ زور شور سے جاری رہی، اور بالائے کناڈا پر پھر حملہ کیا گیا۔ اولاً امریکی فوج نے بماہ جولائی معرکہ چپیوا میں برطانوی فوجوں کو سخت شکست دی، مگر اس کے چند ہی ہفتے بعد ایک دوسرے ایسے ہی سخت معرکے میں اسے خود شکست اٹھانا پڑی اور وہ اپنے حدود کے اندر

پسپا ہوگئی۔ اُدھر نپولین کے زوال سے انگریزی حکومت کو موقع مل گیا کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس دشمن کے خلاف کام لے جسے اب وہ حقیر نہیں سمجھتا تھا۔ جنرل راس نے چار ہزار آدمیوں کے ساتھ دریائے پوٹوماک پہنچکر واشنگٹن پر قبضہ کرلیا اور شہر کو خالی کرنے کے قبل اس کی سرکاری عمارتوں کو جلاکر خاک سیاہ کردیا۔ انگلستان کی تاریخ میں بہت کم واقعات اس سے زیادہ شرمناک ہوے ہوں گے اور یہ حرکت اس وجہ سے اور بھی قابلِ شرم معلوم ہوتی ہے کہ خود حکومت برطانیہ کے قطعی احکام کے موافق ایسا کیا گیا تھا۔ لیکن واشنگٹن کی اس یورش کا مقصود صرف یہ تھا کہ اہلِ امریکہ کے اوپر خوف طاری ہوجائے۔ ورنہ جنگ کا اصلی زور ان دو فوجوں پر پڑرہا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جنوب و شمال کی طرف سے سلطنتہائے متحدہ میں داخل ہوں یہ دونوں مہمیں کلیتہً ناکامیاب رہیں۔ جنگ اسپین کے آزمودہ کار سپاہیوں کی نو ہزار کی ایک جماعت ماہ ستمبر میں پلاٹس برگ واقع خلیج شامپلین پر حملہ کرنے کے لئے بڑھی مگر جو برطانوی جہازات اس کی مدد پر تھے ان کے شکست کھاجانے سے اسے مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ ایک دوسری فوج جنرل پکنہم کے تحت میں بماہِ دسمبر دریائے مسیسپی کے دہانے پر نمودار ہوکر نیو آرلینز پر حملہ آور ہوئی مگر جنرل جیکسن نے اسے پسپا کردیا اور اسے اپنے نصف آدمیوں کا نقصان اُٹھانا پڑا۔ لیکن اس کے قبل ہی صلح ہوچکی تھی۔ جنگ فرانس کے ختم ہوجانے کا اگرچہ کوئی اثر

اسے کشمکش پر نہیں پڑا تھا، مگر ممالکِ متحدہ کو جنگ کے زیادہ طول دینے کا خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔خود برطانیہ بھی صلح کی متمنی تھی اور ۱۸۱۴ء کے معاہدے میں انگلستان و امریکہ کے اسباب مخاصمت کو خاموشی کے ساتھ ترک کردیا گیا۔

نپولین کی واپسی

نپولین کے دوبارہ پیرس میں آجانے سے فرانس کی جدید و آخری کشمکش کشمکش کے موقع پر جنگِ امریکہ کے ختم ہوجانے سے انگلستان کو ہر طرح کی کارروائی و کوشش کی آزادی حاصل ہوگئی تھی۔متحدہ طاقتوں سے جو عہدنامہ ہوا تھا اس کے بموجب نپولین کو اپنی سابقہ شہنشاہی کے ایک ٹکڑے پر قابض رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔یہ ٹکڑا ٹسکنی کے ساحل کے قریب البا کا جزیرہ تھا مگر نپولین کے فاتح جب یورپ کے انتظامات کی تکمیل کے لئے وائنا میں جمع ہوئے تو ان میں فوراً ہی جھگڑے پڑ گئے۔نپولین، البا میں بیٹھا ہوا ان مناقشات کو بغور دیکھ رہا تھا، جن میں سب سے زیادہ سخت جھگڑا یہ تھا کہ پروشیا سیکسنی کے الحاق کی دعویدار تھی اور روس، پولینڈ کو اپنے ملک میں شامل کرنا چاہتا تھا اور اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کی پشت پناہی کررہے تھے۔مگر ان کے اس اتحاد باہمی کا جواب ایک دوسرے اتحاد سے دیا گیا جس میں انگلستان و آسٹریا اپنے قدیم دشمن فرانس کے ساتھ مل گئے تھے، اور فرانس کا سفیر ٹالے ران بے حد کوشاں تھا کہ اس معاملے کا تصفیہ تلوار سے ہو۔لیکن عین اس وقت جبکہ باخودہا جنگ کا ہوجانا بالکل قریب الوقوع معلوم ہوتا تھا نپولین چپکے سے البا

سے روانہ ہوکر کان کے قریب ساحل پر اُترا۔ اس کے پاس صرف ایک ہزار محافظ سپاہ تھی، انھیں کو لئے ہوئے وہ ڈو فینے کے پہاڑوں سے گزرتا ہوا گرینوبل اور لائنز کی طرف بڑھا۔ اس کا قیاس تھا اور یہ قیاس صحیح تھا کہ ملک جدید خاندان بوربن کی طرف سے لاپرواہ ہے۔ فوج اس امر کی متمنی ہے کہ نئی جنگوں سے وہ اپنی سابقہ عظمت کو بحال کرے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ جن سپاہیوں کو اس کی ماتحتی میں بارہا فتوحات حاصل ہوئے ہیں، ان پر اس کے نام کا جادو چل جائے گا۔ چنانچہ اپنے ورود سے بیس روز کے اندر اندر وہ بغیر کسی قسم کی مخالفت کے ٹوئی لریز میں پہنچ گیا اور لوئس ہیژدہم نے بے یار و مددگار گنٹ کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔ لیکن نپولین نے متحدہ سلطنتوں کے اختلافات باہمی سے جو توقعات قائم کئے تھے وہ سب نقش برآب ثابت ہوئے۔ فرانس میں اس کے وارد ہونے کی خبر کے ساتھ اتحادیوں نے سخت کارروائی کا عزم کرلیا اور اس خطرۂ مشترک کے احساس سے اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال کر سب کے سب اپنے سابقہ اتحاد پر قائم ہوگئے۔ نپولین نے ان سلطنتوں سے گفت و شنود کرنے کی کوشش کی مگر اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ سب مل کر دس لاکھ آدمی جنگ کے لئے مہیا کریں اور فوجیں دریائے رائن کی طرف بڑھانی شروع کردیں۔ انگلستان نے ایک کرور دس لاکھ کی نقدی امداد دی اور ایک فوج بھی بعجلت تمام سرحد نیدرلینڈز پر پہنچا دی۔ لیکن اسپین میں جن فوجوں نے کام

یکم مارچ ۱۸۱۵ء

کیا تھا ان کا بہترین حصّہ ابھی بحراوقیانوس کے دوسرے جانب تھا۔ ولنگٹن کے پاس اسّی ہزار آدمی جمع ہو گئے مگر ان میں سے صرف نصف کے قریب انگریز تھے باقی زیادہ تر بلجیم و ہنیوور سے بھرتی کئے ہوئے لوگ تھے۔ ڈیوک کی تجویز یہ تھی کہ ڈیڑھ لاکھ اہل پرشیا جو مارشل بلوشر کے تحت میں نیشبی رائن کی طرف بڑھتے آرہے ہیں۔ ان سے مل کر وہ براہ مونس، نامیور، فرانس میں داخل ہو اور آسٹریا وروس کی فوجیں براہ بلفرٹ والساس، پیرس کی طرف بڑھیں۔

جنگ واٹرلو

لیکن نپولین نے محض مدافعتی جنگ کے تمام خیالات کو ترک کر دیا تھا۔ پیرس میں آنے کے چند ماہ کے اندر اندر اس نے حیرت انگیز کوششوں سے ڈھائی لاکھ سپاہ جمع کر لی تھی اور شروع جون میں ایک لاکھ بیس ہزار فرانسیسی دریائے سامبر کے بالائی حصے کی طرف مقام شارل روا میں مجتمع ہو گئے حالانکہ ولنگٹن کی فوجیں ابھی تک دریائے شلٹ کے کنارے آتھ سے نیوبل تک اور بلوشر کی فوجیں دریائے میوز کے کنارے نیوبل سے لی آتیز تک اپنی اپنی فرودگاہوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ اب حلیفوں کی یہ دونوں فوجیں کاتربرا میں ایک دوسرے سے ملنے کے لئے تیزی کے ساتھ بڑھیں۔ مگر اب ان کا ملنا غیر ممکن ہو گیا تھا۔ بلوشر کے اسّی ہزار آدمیوں پر خود نپولین نے بمقام لینی حملہ کر دیا، بلوشر بڑی ہی جگری سے لڑا مگر آخر سخت نقصان کے ساتھ اسے ٹاور کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ اسی روز نے بیس ہزار سپاہ کے ساتھ کاترابرا

کے سامنے پہونچ گیا، اور بیس ہی ہزار آدمی ویرلون کے تحت میں محفوظ تھے۔ مگر ولنگٹن کی فوج میں سے ابھی صرف دس ہزار انگریزی اور اسیقدر بلجمی کاتربرا کے سامنے مجتمع ہوسکتے تھے، فرانسیسی سواروں کے حملے کے سامنے بلجیم کی فوجوں کی صفیں ٹوٹ گئیں، لیکن انگریزی پیدل سپاہ کے پُرزور استقلال سے ولنگٹن کو موقع مل گیا کہ وہ فوج کی نئی ٹکڑیاں برابر لاتا رہے۔ دن کے غروب ہوتے ہوتے نے کو معلوم ہوگیا کہ مخالفین کی تعداد بے اندازہ بڑھ گئی ہے اور وہ شسشدر ہوکر میدان سے ہٹ گیا۔ اس خونریز معرکے میں دونوں جانب سے پانچ پانچ ہزار آدمی کام آئے۔ ولنگٹن کا نقصان اگرچہ بہت سخت ہوا مگر انگریزی فوج کے استقلال نے نپولین کی اس کوشش کو بیکار کردیا کہ وہ حلیفوں کے اتصال کو توڑ دے۔ تاہم بلوشر کے پسپا ہوجانے سے انگریزی فوج کا بازو کھلا رہگیا۔ پس دوسرے روز جب کہ اہلِ پرشیا دیور کی طرف پیچھے ہٹے تو ولنگٹن بھی اپنی فوج کو اچھی طرح قابو میں کرکے تقریباً ستر ہزار سپاہ کے ساتھ واٹرلو کو ہٹ گیا۔ نپولین نے مارشل گروشی کو بروک کے بیس ہزار سپاہ کے ساتھ شکست خوردہ اہلِ پروشیا کے تعاقب میں لگا دیا اور خود اسی ہزار آدمی لیکر ولنگٹن سے جنگ آزمائی کرنے کے لئے بڑھا۔ ۱۸ جون کی صبح کو یہ دونوں فوجیں، بروسلز کی شاہراہ پر سوانئی کے جنگل کے سامنے میدان واٹرلو میں ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ نپولین کو صرف یہ اندیشہ تھا کہ یہ ولنگٹن برابر پیچھے نہ ہٹتا جائے۔ پس جب اس نے دیکھا کہ انگریز شاہراہ کی دوسری طرف کسی قدر اونچی زمین پر صف آرا ہیں تو وہ چلّا اٹھا کہ "میں نے انھیں "پالیا" انگریزوں کے داہنے جانب ہیوگومول اور بائیں جانب کچھ کھیت

اور لاے سینٹ کا پیچیدہ حصّہ واقع تھا۔ پنولین کو اپنی کامیابی کا یقین تھا اور اس کے کچھ اسباب بھی تھے۔ دونوں جانب فوجوں کی تعداد ستر اور اسی ہزار کے درمیان تھی فرانسیسی فوج توپخانے اور اور سواروں کے اعتبار سے فائق تھی۔ ماسوا اس کے ولنگٹن کی فوج میں ایک بڑا حصہ اہل بلجیم کا تھا جو نئے نئے بھرتی ہوئے تھے، اور لڑائی کے شروع ہوتے ہی وہ منتشر ہوکر بھاگ نکلے۔ گیارہ بجے کے قریب ہوگومون کے ایک سخت حملے سے جنگ شروع ہوئی لیکن دوپہر کے قبل تک دیرلون کی فوج لاے سینٹ کے قریب انگریزی قلب کی طرف نہ بڑھ سکی۔ مگر اس کے بعد سے جنگ کا سارا زور اسی طرف پڑنے لگا۔ میدان واٹرلو میں دونوں فریق نے حملے کرنے اور غنیم کے حملوں کے روکنے میں جو ہمت دکھائی اس کی مثال کسی اور میدانِ جنگ میں نہیں مِل سکتی۔ دیرلون کی صفوں کو انگریزی پیدل سپاہ نے پسپا کردیا اور اس کے بعد اسکاٹلینڈ کے سواروں کے حملے نے انھیں ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹا دیا مگر پھر اپنی باری میں ان کامیاب سواروں کو فرانسیسی زرہ پوشوں نے اُلٹ دیا اور بارہ ہزار فرانسیسی سواروں نے پے در پے انگریزی صفِ اول پر حملے شروع کردیئے۔ اس حملے میں اُنھوں نے انگریزی توپوں پر قبضہ کرلیا، اور بڑی ہی جانبازانہ دلیری کے ساتھ اس غیر مفتوح مربع نما حصّۂ فوج پر ٹوٹ پڑے جس کی گولیوں نے ان کی صفوں میں رخنے ڈالدیئے تھے۔ ایسی ہی جرأت کے ساتھ قلب کی فرانسیسی فوجیں بھی آگے بڑھیں اور آخر لاے سنٹ کا کھیت اپنے غنیم کے ہاتھ سے نکال لیا، اور نے

کے تحت میں نہایت شدت کے ساتھ عقب کی فوج پر حملہ آور
ہوئے مگر اس حملے میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس اثنا میں ایک
گھنٹہ نپولین کے مشکلات میں اضافہ کررہا تھا۔ اس جنگ میں اسکی
کامیابی کے لئے لازمی تھا کہ بلوشر کے پہنچنے کے قبل ہی وہ انگریزی
فوج کو بالکل تباہ کردے مگر انگریزی فوجیں ابھی تک تباہ نہیں ہوئی
تھی۔ ولنگٹن کا نقصان اگرچہ بہت ہی سخت ہوا اور اس کے اکثر
دستوں میں برائے نام ہی تھوڑے تھوڑے آدمی باقی رہ گئے تھے
مگر وہ سختی کے ساتھ اپنی جگہ پر جارہا اور اس اثنا میں اہل پروشیا
واور کی طرف سے گھنے اور دلدلی جنگل سے گزرتے ہوئے اسکی
مدد کے لئے بتدریج جمع ہوتے جاتے تھے۔ گروشی ان کے عقب پر
برابر حملے کررہا تھا مگر وہ اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آخر
ساڑھے چار بجتے بجتے ان کا مقدمۃ الجیش جنگل سے نکل کر صف آرا
ہوگیا مگر ابھی اصل فوج بہت پیچھے تھی اور نپولین اب بھی اس
قابل تھا کہ ان کے مقابلے میں قائم رہ سکے۔ لیکن جب اہل پروشیا
کا اجتماع بہت بڑھ گیا تو نپولین مجبور ہوگیا کہ انگریزی فوج کے
خلاف آخری بازی لگادے۔ اس کی فوج مستحفظ صرف اس کا شہنشاہی
گارڈ تھا اور ابتک اس نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی اب
اسے حملے کے لئے دو بھاری قطاروں میں ترتیب دیا گیا اور
ان میں سے ایک حصے کی سرکردگی خود نے کے ہاتھ میں تھی،
وہ جب لا اے سینٹ کی بلندی کی طرف بڑھا تو جو کچھ سامنے آیا
سب سیلاب کی طرح بہالے گیا اور اس ہلکی سی انگریزی صف کو

اُلٹ دیا جو ابتک اس بلندی پر جمی ہوئی تھی اور بالکل ہی انگریزی محاذات کے قریب پہنچ گیا تھا کہ قرابینوں کی مہلک آتشباری نے فرانسیسی قطار کو پاش پاش کردیا، اور حملے کے ساتھ ہی اسے پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ دوسرا حصّہ جس میں تین ہزار آدمی تھے ہوگوموں کے قریب کی ڈھالون زمین کی طرف بڑھا مگر اپنی باری میں سے بھی منتشر ہوکر پسپا ہونا پڑا۔ عین اس وقت جبکہ یہ لڑتے ہوئے آہستہ آہستہ اس پُرخطر بلندی سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اہلِ پروشیا نپولین کے داہنے بازو کی طرف بڑھے ان کی توپوں نے شارلروا کی سڑک کو صاف کردیا اور ولنگٹن نے موقع کو دیکھکر عام پیش قدمی کردی۔ اس وقت کل باتوں کا خاتمہ ہوگیا۔ فرانسیسی فوج کی عام تباہی میں صرف گارڈ اپنی جگہ پر جما رہا۔ فرانسیسی فوجیں جب تیزی کے ساتھ میدان سے بھاگی ہیں تو انگریز تاریکی اور تھکن کے باعث ان کا تعاقب نکرسکے، مگر پروشیا کے سوار تمام رات ان کے عقب میں لگے رہے۔ صرف چالیس ہزار فرانسیسی اور تقریباً تیس توپیں دوبارہ دریائے سامبر کے پار ہوسکیں۔ نپولین خود نہایت سرعت کے ساتھ پیرس کو فرار ہوگیا۔ اسکے دوسری مرتبہ دست برداری سلطنت کے بعد انگریزی و پروشیاوی فوجیں شان و شوکت کے ساتھ فرانس کے دارالسلطنت میں داخل ہوئیں اور اس طویل جنگ کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ نپولین سنٹ ہلنیا میں جلاوطن کردیا گیا اور لیوئس ہیژدہم پھر شاہانِ بوربون کے تخت پر متمکن ہوگیا۔

صحتنامۂ تاریخ اہل انگلستان جلد چہارم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۵	۱۸	گہڑ دوڑ کرانا	گھوڑ دوڑ کرنا
۷	۸	راسخ الخیال	راسخ الاعتقاد
۱۱	۲	تہے	تھی
؍؍	۱۱	پیورٹینی کے طریقہ	پیورٹینی طریق
۱۴	۶	جرمن	جرمنی
۱۶	۱۵	تحقیقات کے	تحقیقات کی
۱۸	۹	رفعت	وقعت
۲۱	۷	کھاجائے کا	کھاجانے کا
۲۲	۱۹	مجھ سے	مجھسے
۲۷	۶	ہوتا	ہوتا ہے
۳۶	۱۲	لس	کس
۴۰	۱۰	جمیز	جیمز
۵۷	۶	بسر کرنے	بسر کرنے کے
۶۳	۱۵	دل	دل
۶۹	۱	واقفیت پیدا کرانے کہ لیئے	واقفیت پیدا کرنے کے لیئے
؍؍	۱۵	ہوئے ہیں	ہوئے ہیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۷۱	۶	مشاعرے	شاعری
۷۲	۱۰	ابتد	ابتدا
۷۴	۱۷	آسے	اُسے
۷۷	۱۷	طلب	مطلب
۷۸	۱۸	آگائل	آرگائل
۸۰	۲۱	سوارو پیدل	سوار اور پیدل
۸۵	۵	سفیروں	سفیر
۸۵	۱۳	خودہی	خود
۸۷	۱۷	تجویز کی۔کہ	تجویز کی کہ
۹۰	۱۹	فراتش کا کوسٹے	فراتش کوسٹے
۹۱	۱۱	تہایت	نہایت
۹۳	۱۵	دوکانداروں	دکانداروں
۱۰۱	۱۲	کرد کھایا تھا	کرد کھایا۔
۱۰۲	۱۳	انقلاب	تبدیل
۱۰۳	۱۸	پیدہونیکا	پیداہونیکا
۱۰۴	۵	حمایت کی ۔ ہے	حمایت کی ہے۔
۱۰۸	۶	یہی	یہی
۱۱۳	۲۰	معابلے	مقابلے
۱۱۴	۲۱	لارڈرڈیل	لاڈرڈیل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۱۹	۴	شے	شعلے
۱۲۹	۶	دعوے	وعدے
؍؍	؍؍	بیڈلو	بڈلو
۱۳۳	۵	کبیل	کا بال
۱۴۵	۲۰	جبہ	ہمہ
۱۴۸	۲۱	بادشادہ	بادشاہ
۱۴۹	۱۰	یا لکل	بالکل
۱۵۲	۱۲	مرتبیت	مرتبت
۱۵۴	۱۰	متمتہ	متمتہ
۱۵۵	۱۲	محُب	مُجُب
؍؍	۳	جما ہوا ہے	جما ہوا تھا
؍؍	؍؍	بحال ہے	بحال تھی
۱۶۴	۵	اختیار کرلے نے	اختیار کرلینے
۱۶۴	۵	ڈیوک کی	ڈیوک کے
۱۶۷	۱۷	اشلیو	رشلیو
۱۷۳	۲۱	دقانون اختیار	(قانون اختیار)
۱۹۴	۱۲	قبول کرنے میں	قبول کرلینے میں
۱۹۶	۷	اس سے	+
۲۰۱	۱	انکے	اسکے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۲۱۱	۱۹	واننا کی	واننا کے
۲۱۴	۳و۴	ہالینڈ	ہائلینڈ
۲۱۶	۱۲	ہالینڈز	ہائلینڈز
۲۲۲	۱۷	حصوصیت	خصوصیت
۲۲۸	۱۴	اس کی	اس
۲۳۳	۱۶	نکلاکہ صاحبو!	نکلا کہ دو صاحبو!
۲۳۴	۲۰	دلبر	دلیر
۲۳۶	۴	مذہب کی ادائی	مذہب کے ادا سے
۲۳۷	۹	عظمت، وقعت	عظمت و وقعت
۲۳۸	۷	وقت	ذلت
۲۳۹	۱	پہلا	یہ پہلا
"	۱۹	آیین	ایین
۲۴۰	۱۵	مگر ہربرٹ	مگر وہ ہربرٹ
"	۱۹	جیمز اگر	جیمز
۲۴۲	۱۹	جو کہ	جو
۲۴۳	۱۱	مبدل شدہ	تبدیل شدہ
"	۱۷	ذمے دار	ذمہ دار
"	۲۱	انہیں	اسے
۲۴۴	۱	مقرر کریں	مقرر کرے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۲۴۴	۵	ذمے داروں	ذمہ داریوں
۲۴۵	۱۷	دوسرے	دوسرے سے
"	۱۹	ذمے دار	ذمہ دار
۲۴۶	۱۲	ذمے داری	ذمہ دار
۲۴۷	۷	قائمقامانہ	قائم مقامانہ
"	۱۴	قائمقام	قائم مقام
۲۴۸	۴	ہوتی اس	ہوتی تو اس
۲۵۱	۸	ہوسکتی	ہوسکتی ہے
"	۱۲-۱۳	نہیں تھی	تھی
۲۵۴	۱۴	اس کا	اسی کا
۲۵۵	۴	پچہارم	پچہاردہم
۲۵۶	۶	مل جائیں	مل جائے
۲۵۹	۱۶	مگر نیچا	گرا سے نیچا
۲۶۲	۱۱	عاجز آگیا	عاجز آگیا تھا
۲۷۴	۱	اپنے	اپنی
۲۷۵	۱۴	اپنے سے	اپنی سی
۲۷۸	۴	وظیفہ خوار	وزیر
۲۷۹	۶	جرمن	جرمنی
۲۸۲	۸	گرجائیں	گرجامیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۳۰۳	۹	وہروی	ہروی
۳۰۴	۱۳	مخالفے ورجینگ	مخالفے اورجنگ
۳۱۷	۱۶	دیوک	ڈیوک
۳۳۴	۱۲	ہردوجزائرسسلی	ہردوسسلی
″	۱۵	لوربن	لورین
″	۱۷	دربار بائے	دربار ہائے
۳۴۲	۱۰	کالوکیشن	کانووکیشن
۳۴۸	۸	غیرمعروف پراستعجاب	غیرمعروف ڈپراستعجاب
۳۵۰	۷	اس کا	ان کا
″	۹	روئی	روٹی
۳۵۸	۱۷	شرط پروشیا	شرط پرپروشیا
۳۶۷	۲۰	صرف ہوا	صرف یہ ہوا
۳۷۲	۲۱	نواب دارالصدر	نواب کے دارالصدر
۳۷۴	۱۸	ورجنایا	ورجینیا
۳۷۶	۱۳	جرمن	جرمنی
۳۸۰	۱۶	قابلیت تھی	نہ قابلیت تھی
۳۸۸	۱۵	دبائے ہوے	دبائے ہوے آتا
۳۹۱	۱۷	بجا اور ثابت	بجا اور درست ثابت
۳۹۹	۲۰	ان کے مقامی	ان کے مقامی افسر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۴۰۲	۵	"وہ مرثیہ"	وہ "مرثیہ"
۴۰۸	۱۸	جزیرہ روڈز	روڈز آئلینڈ
۴۱۱	۱۹	اختیار ندہبی	اختیار مذہبی
۴۱۴	۱۱	معتدل	معدل
"	۱۲	دینے	دبنے
۴۲۳	۶	گل	عمل
۴۲۴	۱۵	ارکان مجلس پارلیمنٹ	ارکان پارلیمنٹ
۴۲۵	۳	اس انتخابی حقوق	ان انتخابی حقوق
۴۲۸	۲	بذمرڈلے	بدفرڈنے
۴۳۱	۶	آتے ہیں	آئے ہیں
۴۳۳	۶	رعادہ	زیادہ
"	۷	صداقت عرض	صداقت غرض
۴۳۲	۹	خرچے	خرچ
۴۳۴	۱۹	لاتے کی	لانے کی
۴۳۹	۱۸	کم فصیح البیانی	فصیح البیانی
۴۴۱	۳	اس وجہ سے	اس سے
"	۱۰	روبہ	روپیہ
۴۴۲	۶	سمجھا تھا	سمجھتا تھا
"	۷	گر	مگر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۴۳	۸	دہر	ہر
۴۴۴	۱	بعض بعض	بعض
۴۴۵	۳	سمجھی تھی	سمجھتی تھی
״	۴	لیکن قائم	لیکن ہستی کا قائم
۴۴۵	۲۰	اس نے لیئے	اس کے لیئے
۴۴۷	۲۱	اہل مالرائے	رائے دہندوں
۴۵۱	۱۵	ہمیت	اہلیت
۴۵۲	۸	اس سے	اسے
״	۱۶	کولرج ایسے	کولرج کے ایسے
״	۱۷	کیننگ ایسے	کیننگ کے ایسے
۴۵۳	۱۱	رقسم	ہر قسم
۴۵۴	۱۵	فرد کر دیا تھا	فرد کر دیا تھا
۴۵۵	۹	بھی متعلق	متعلق بھی
״	۲۱	ورسبنہ	ورجیہ
۴۵۸	۶	روک سنے	روکنے
״	۱۱	مسند شاہی	سسند شاہی
״	۱۴	اپنا سمجھا	اپنا معاملہ سمجھا
۴۶۱	۶	اعلی باوقعت	اعلی و باوقعت
۴۶۲	۱۰	مگو	مگر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۴۶۳	۱۸	ہم، ہم	ہم " ہم
۴۷۰	۱۱	۱۷۸۳ء قانون نظم و ترتیب	۱۷۸۳ء کے قانون نظم و ترتیب
۴۷۱	۱۴	اس غریب	اسی غربت
۴۷۶	۹	پیکار	بیکار
"	۱۵	وہ	وو
"	۲۱	کا دعوی تھا	کے دعوے سے تھے
۴۷۷	۴	دونوں ذلت	دونوں کو ذلت
۴۷۸	۴	اسکا	اس کا
۴۸۰	۱۴	یہاں کے لوگ	+
"	۲۰	اس خیال	اسی خیال
۴۸۲	۱	لارڈ شلبرن چیتم	لارڈ شلبرن چیتم
"	۳	اسے قوت	اسکی قوت
۴۸۵	۲۰	اسی	اس
۴۸۶	۸	اسی	اس
"	۱۶	یہ معنے نہ تھے	یہ معنی سے تھے
۴۸۷	۱	امیر اول	وزیر اول
"	۳	ساتھ اپنا رہتا	ساتھ رہتا
"	۹	اور	تو
"	۱۰	اپنی	اور اپنی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۴۸۸	۱	کہ وہ	جوانپر
۴۸۹	۱	مسلسل دوراں	مسلسل وروان
۴۹۱	۱۴	پیٹ سی	پیٹ بھی
۴۹۲	۱۱، ۱۸	ان	اُوُن
۴۹۴	۴	نکالنے	گلانے
۴۹۴	۲۰	دفچر جیسا کار آمد پرزہ)	جیسا کار آمد پرزہ
۴۹۵	۱	اسی وقت اور اسی	اس نوت اور اس سے
رر	۱۳	آدم اسمیتہ	ایڈم اسمتھ
۵۰۰	۱۱	پینچے	پینچے میں
۵۰۲	۱۰	قصنیہ	چھ
۵۰۳	۱۹	چاہئے	چاہیئن
۵۰۷	۱۷	کے مدبروں	کے ایسے مدبروں
۵۰۸	۱۵	اسپیس	اسپین
۵۰۹	۲	کا ہی	کا بھی
۵۱۳	۱۱	ہوگیا	ہوگئی
رر	۱۵	اسمبلی	ایسمبلی
رر	۱۶	صوبہ دار	صوبہ دار
۵۱۴	۱۹	ننظر آتے تھے	نظر آتی تھی
رر	۲۱	ثابت ہوے	ثابت ہوا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۵۱۵	۱۳	اسی موقع	اس موقع
۵۱۶	۲۱	برک قانون اسٹامپ	برک نے قانون اسٹامپ
۵۱۷	۲	اور جو زمانہ	اور زمانہ
؍؍	۱۴	دو بارہ	دربارہ
۵۱۹	۹	اسی	اس
۵۲۰	۱۵	سواراج	حکومت خود اختیاری
۵۲۵	۳	"جیکوین"	"جیکوبن"
؍؍	۴	تھے	+
؍؍	؍؍	زیر اثر	زیر اثر تھے
؍؍	۵	جن کا	ان کا
؍؍	؍؍	جمہور	جمہوری سلطنت
۵۳۶	۱۸	کارسیکا	کارسیکا
۵۳۷	۲	"جیکوین"	"جیکوبن"
؍؍	۱۸	ہیتھیوما	بیٹیویا
۵۴۳	۱۸	حلیقوں	حلیفوں
۵۴۸	۷	قواعد	فوائد
۵۴۹	۹	دینا	دینا
۵۵۰	۸	برابر یہ حقوق	برابر کے حقوق
۵۵۱	۴	بازار میں سے	بازار سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۵۵۳	۱۶	اس کا	ان کا
"	۱۸	آئرلینڈ کی حد	آئرلینڈ کے حد
۵۶۰	۵	آستحاد	اتحاد
۵۶۱	۵	اختیار مذہبی	اختیار
۵۶۱	۵	اطاعت، وفاداری	اطاعت و وفاداری
۵۶۴	۲	نوآبادیوں۔ کی	نوآبادیوں کی
"	۳	یوناپارٹ	بوناپارٹ
"	۱۷	"	"
۵۶۷	۴	جنگ و جدل موقوف	جنگ و جدل کے موقوف
۵۶۹	۶	اس	اسی
"	۲۱	لشکرگاہ	لشکر
۵۷۲	۵	قادسی	قادس
۵۷۶	۱۰	نباہ ہوجاتی	تباہ ہوجاتی
۵۸۰	۱۹	اس شخص	ایک شخص
۵۸۲	۲	لسین	لسبن
"	۱۳	قادسی	قادس
"	۱۴	لسین	لسبن
۵۸۳	۲	لسین	لسبن
"	۱۵	.نیل مرام	نیل مرام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۵۸۳	۱۷	اس تباہی کا سلری	اس تباہی کو کاسلری
۵۸۴	۱۷	قادسی	قادس
〃	۲۰	رہنے نہ رہنے	وہاں رہنے نہ رہنے
۵۸۵	۱	اسپنے پرسکون رائے	اپنی پرسکون رائے
۵۸۶	۱۰	قادسی	قادس
۵۸۷	۴	اس دہو ۔۔ کہے	دہو سکے
۵۸۸	۳	وحدہ	وعدہ
۵۹۳	۵	لارڈ لورپول کو	لارڈ لورپول کی
〃	۱۰	کاسلبری	کاسلری
〃	〃	وی	وہی
〃	۱۴	یہ	+
۵۹۴	۱۵	۱۸۱۱ء	۱۸۱۱ء میں
〃	۱۸	تھا	تھا کہ
〃	۲۰	کردیئے جائیں	کردیئے جائیں تو
۵۹۸	۱۱	تہی رولنگٹن	تھی ۔ ولنگٹن
۶۰۴	۱۳	والنگٹن	ولنگٹن
۶۰۵	۱۸	یہ ولنگٹن	ولنگٹن
۶۰۷	۲	ایک	ایک ایک
۶۰۸	۵	سے	اسے